

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



انچائل کی سہیلی

aanchalnovel.com

READING SECTION

Online Library For Pakistan

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

READING
Section



WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY

بانی مردہ ——— زیب النساء
 مردہ اولیٰ ——— شقائق احمد قریشی
 مردہ ——— قیصر اکبر
 مردہ خصوصی ——— طاہرہ احمد قریشی
 مردہ سائنس ——— جمیہ بیگم
 روایتیں احمد

37	جلد
07	شمارہ
2015	اکتوبر

انٹرنیٹ سہولت اور دیگر معلومات
 0300-8264242



رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی
 رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
 رکن چیئر آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

info@aanchal.com.pk

[f/women.magazine](https://www.facebook.com/women.magazine)

[fb/pkwomenmagazine](https://www.facebook.com/pkwomenmagazine)

READING
 Section

دین الشہداء

مکمل ناول

41 مائے فی ہنس کنوں آکھاں نازکینول نازی
177 اسیر کتنالباقی ہے سیدہ ضوہاریہ

ناولٹ

89 عشق نچایا نگہت عبداللہ
161 میرا روٹھا صنم نادیہ فاطمہ ضوی

افسانے

113 نرہست جیل ضیاء تیرا عکس میرے روبرو
123 طلعت نظامی میرا نور بصیرت عام کرے
237 صدف آصف زبان دراز
249 رشک حبیب لے جذبہ دل
255 حمیرا نوشین نواز شہوں کی تو کمی نہیں
259 سمعیہ عثمان مجسمہ ساز
265 ام ایمن نعیم قربانی
269 فرح طاہر بٹیا کا انگنا

ایڈیٹنگ

14 سرگوشیاں مدیرہ
15 حمد منیر نیازی
15 نعت پروفیسر حفیظ انائب
16 در جواب آل مدیرہ

دانش کدہ

21 السلام علیکم مشتاق احمد قریشی

ہمارا آنجل

25 حافظہ صائمہ / لاریب انشال
ام رباب / زہرہ فاطمہ

بھنوں کی عدالت

29 فاخرہ گل ادارہ

سروے

35 عید قرباں اور ہم ادارہ

سلسلہ وار ناول

63 راحت وفا سو کی محبت
129 سمیرا شریف طور ٹوٹا ہوا نارا
207 نازی کنول نازی شب ہجر کی پہلی بارش

پبلشر: مشتاق احمد فستریٹی پرنسٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ: پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر: کراچی 7 منیرید جمیہ سبزل عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

READING
Section



سرورق: عشاق خان آرائش: روز بیونی پارلر عکاسی: موسیٰ رضا



298	جویریہ سالک	275	یادگار لمحے	حافظ شبیر احمد	روحانی مسائل کا حل
303	شہلا عامر	277	آئینہ	میمونہ رومان	بیاض دل
310	شمالہ کاشف	279	ہم سے پوچھیے	طاعت آغاز	ڈش مقابلہ
314	ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا	284	آپ کی صحت	روبین احمد	بیوٹی گائیڈ
318	حنا احمد	286	گاکی باتیں	ایمان وقار	نیرنگ خیال
320	خدیجہ احمد	292	حنا کے رنگ	ہما احمد	دوست کا پیغام آئے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 'فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کیے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

READING
Section

قربانی کرنے والوں کو قربانی کی جانور کی ہر بال کے بدلے میں ایک نئی ملتی ہے۔ (ترمذی)
جو حج کے ارادے سے نکلا پھر مر گیا اللہ سبحان و تعالیٰ قیامت تک اس کے لیے حج کا ثواب لکھیں گے۔ (مسلم ترمذی)

سکھنا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اکتوبر ۲۰۱۵ء کا آنچل بطور عید الاضحیٰ نمبر حاضر مطالعہ ہے۔
جس وقت آپ یہ سطور پڑھ رہی ہوں گی عید قرباں کی ساعتیں آچکی ہوں گی اور آپ قربانی کے گوشت سے بھرے ڈیپ فریزر کو دیکھ دیکھ کر نئی نئی ڈشوں کے پروگرام بنارہی ہوں گی (معذرت کے ساتھ) کیونکہ انسان انتہائی ناشکرا، پر لے درجے کا ندیدہ ہے۔ ورنہ عید الاضحیٰ تو صبر ایثار و قربانی کا درس دیتی ہے۔ آپ دیکھیں کہ حج کے ہر رکن کے پیچھے اللہ تعالیٰ نے صبر، استقامت اور اطاعت کا جذبہ رکھا ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے بے حال حضرت حاجرہ علیہ السلام کا صفاد مروہ کے درمیان دوڑنے کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے حج کا رکن بنا دیا۔ یہ صبر اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کی استقامت تھی کہ وہی لوق دوق صحرا میں پیٹنے کو پانی اور خوراک مہیا کرنے کا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے تخت جگر کو ذبح کرنے کا ارادہ و عمل اس کے حکم کی اطاعت، حلال جانوروں کی قربانی، یہ سب اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال ہی تو ہیں مگر آج ہم نے ان اعمال کو مذاق بنا لیا ہے ہم میں کتنے ایسے ہیں جو ان اعمال کی روح کو سمجھتے ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم پورے کا پورا بکرا فریق اور ڈیپ فریزر میں بھر لیں چاہے ہمارا پڑوسی اس روز بھی بھوکا رہے اور اس کے گھر کا چولہا بجھا رہے تو بہنوں آپ عید کے روزنت نئی ڈشیں ضرور تازی کریں نئے نئے کھانوں کی ترکیبیں آپ کا آنچل میں بھی مل جائیں گی لیکن خدار الپے غریب پڑوسیوں، عزیز و اقارب کے حقوق کا احساس ضرور رکھیں۔
ان شاء اللہ تعالیٰ نومبر میں ماہنامہ ”حجاب“ کا پہلا شمارہ آپ بہنوں کے ہاتھ میں ہوگا۔
(اس ماہ کے ستارے)

☆ ترے عشق نچایا
☆ مائے نی میں کنول کھال
☆ اور سفر کتنا باقی ہے
☆ میرا دھڑکا صنم
☆ میرا نور بصیرت عام
☆ تیرا گس میرے سد برد
☆ زبان دلاز
☆ اے جذبہ دل
☆ نوازشوں کی تو کی نہیں
☆ بنیا کا انگنا
☆ مجسمہ ساز
☆ قربانی
☆ اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔
محبت کے رنگ اجاگر کرنا گھٹ عبد اللہ کا لکھا ناولٹ، محبت کرنے والوں کیلئے بطور خاص۔
دکھوں کے سمندر میں غوطے کھاتی لڑکی کا فسانہ، نازیہ کنول نازی کے قلم سے خوب صورت مکمل ناول۔
زندگی کی مسافت محبت کے جذبوں کو شکست نہیں دے سکتی، سیدہ ضو باریہ اپنے منفرد انداز تحریر کے ساتھ محفل میں حاضر ہیں۔
محبت کو مذاق قرار دینے والوں کا قضیہ، نادیاہ فاطمہ کا سچے جذبوں کا عکاس ناولٹ۔
زندگی کی دوڑ میں انسان بہت کچھ بھول گیا ہے طلعت نظامی کے تجربہ کار قلم سے خوب صورت افسانہ۔
اپنے آپ سے ناراض و دوشیزہ کا خوب صورت افسانہ، نزہت جبین ضیاء کے قلم سے۔
سچے سفر میں ٹھوکریں کھائی لڑکی کا قصہ، جسے لوگوں نے زبان دراز قرار دے دیا تھا، صدق آصف کی خوب صورت تحریر۔
دل میں چھپے جذبوں کا شکار کرتی رشک حبیبہ محفل میں موجود ہیں۔
اس میں کوئی شک نہیں اللہ کے گھر دیر ہے ہاندھیر نہیں، سچے جذبوں پر مبنی حمیرا نوشین کی تحریر۔
بابل کے گھر سے خست ہو کر سرال کو اپنا گھر سمجھنے والی فرح طاہر کی منفرد تحریر۔
اپنے تین خدایں جانے والے کا قصہ پردہ، سمعیہ عثمان پہلی بار محفل میں موجود ہیں۔
قربانی کے مفہوم سے روشناس کرانی ام ایمن نعیم پہلی بار محفل میں موجود ہیں۔

دعا گو
قیصر آرا
آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 14

READING
Section

حکیم زاد

نعمت

اسی کا حکم جاری ہے زمینوں آسمانوں میں
اور ان کے درمیاں جو ہیں مکینوں اور مکانوں میں
ہوا چلتی ہے باغوں میں تو اس کی یاد آتی ہے
ستارے چاند سورج ہیں سبھی اس کے نشانوں میں
اسی کے دم سے طے ہوتی ہے منزل خواب ہستی کی
وہ نام اک حرف نورانی ہے ظلمت کے جہانوں میں
اسی کے پاس اسرار جہاں کا علم ہے سارا
وہی برپا کرے گا حشر آخر کے زمانوں میں
وہ کر سکتا ہے جو چاہے وہ ہر اک شے پہ قادر ہے
وہ سن سکتا ہے رازوں کو جو ہیں دل کے خزانوں میں
بچا لیتا ہے اپنے دوستوں کو خوف باطل سے
بدل دیتا ہے شعلوں کو مہکتے گلستانوں میں
منیر اس حمد سے رتبہ عجب حاصل ہوا تجھ کو
نظیر اس کی ملے شاید پرانی داستانوں میں
منیر نیازی

لفظ کے بس میں نہ تھا عرض تمنا کرنا
اس آیا مجھے اشکوں کو وسیلہ کرنا
ان کے دامن بھی مرادوں سے وہی بھرتے ہیں
عمر بھر جن کو نہیں آیا تقاضا کرنا
میرے غم خانے کو ہے ان کی توجہ درکار
جن کو آتا ہے تبسم سے اجالا کرنا
خلق کو درجہ معراج پہ کرنا فائز
اور اس کے لیے ہر رنج گوارا کرنا
ہٹ کے طیبہ سے مضافات میں بارش ہونا
ابر کا آپ ﷺ کے ارشاد کو پورا کرنا
بہتروں اور ورختوں کا سلامی دینا
شب کے اک حصے میں افلاک کا دورہ کرنا
تیرے محبوب ﷺ سے منسوب ہے تائب یا رب
سر محشر اسے خلقت میں نہ رسوا کرنا
پروفیسر حفیظ تائب

درجہ اول مدیرہ

بنائے گی بے فکر رہیے۔

بشری رانا..... بذالہ
پیاری بشری! سدا مسکراؤ، پہلی بار بزم آچل میں
شرکت پر خوش آمدید۔ رسالے کی پسندیدگی کا بے حد
شکریہ تمام سلسلے دار ناول کتابی شکل میں موجود ہیں
آپ آفس کے نمبر پر رابطہ کر کے تمام معلومات حاصل
کر سکتی ہیں۔

سعیدہ..... نامعلوم

اچھی سعیدہ! سدا شاور ہو! آپ اپنا افسانہ بتائے گئے
طریقہ کار کے مطابق لکھ کر ارسال کرویں، شعر اگر لکھنا
چاہیں تو لکھ دیں ورنہ کہانی کے منتخب ہو جانے کے بعد یہ
کام ادارہ خود ہی کر لیتا ہے۔ دعاؤں کے لیے جزاک
اللہ۔

ماریہ کنول ماہی..... گوجرانوالہ

گڑیا ماریہ! جیتی رہو نا کامی کے خوف کو دل سے
نکال ڈیں، آپ نے رد ہونے کے باوجود کوشش جاری
رکھی یہ اچھی بات ہے اگر تحریر رد بھی ہوتی ہے تو آپ کو
غلطیوں سے آگاہی تو مل جاتی ہے جس کی بناء پر آپ
اپنی تحریر میں مزید نکھار لاسکتی ہیں۔ تعارف ان شاء اللہ
جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان

پیاری تمنا! سدا آباور ہو پیغامات ہر ماہ کثیر تعداد میں
موصول ہوتے ہیں ایسے میں سب کی شرکت تو غیر یقینی
ہوتی ہے بہر حال کوشش کریں گے کہ آپ کا پیغام شامل
ہو سکے۔ سمیرا شریف طور کا ناول آپ کو مکتبہ القریش
لاہور سے مل جائے گا یا پھر آپ دفتر کے نمبر کا فون کر کے
پوچھ سکتی ہیں۔

شازیہ اختر شازی..... نور پور

گڑیا شازی! سدا مسکراؤ! آپ سے پہلی ملاقات
اچھی لگی لیکن آپ کی والدہ کی علالت کے متعلق جان کر
دل بے حد رنجیدہ ہوا۔ بے شک والدین کا سایہ عظیم
نعمت ہے، ماں کی موجودگی ہی گھر کو جنت کا نمونہ بنا دیتی

انیلہ سخاوت..... میانوالی

ڈیر انیلہ! جگ جگ جیوشکایت سے بھرا آپ کا خط
موصول ہوا اب تک ہمیں آپ کی صرف ایک ہی تحریر
”تپتی چھاؤں“ موصول ہوئی، باقی دو تحریریں غالباً محکمہ
ڈاک کی نذر ہو گئی ہیں۔ تحریر پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی
آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے دل برداشتہ
ہونے کے بجائے مطالعہ کے ساتھ محنت جاری رکھیں۔
باقی آپ کی نظمیں متعلقہ شعبہ کو ارسال کر دی ہیں اگر
معیاری ہوئیں تو ان شاء اللہ باری آنے پر اپنی جگہ ضرور
بنالیں گی دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

زینب اصغر مغل..... خان پور

پیاری زینب! سدا سہاگن رہو اللہ سبحان و تعالیٰ نے
آپ کو ماں جیسے عظیم رتبہ پر فائز کر کے اپنی نعمت سے
نواز، آپ کو ہماری جانب سے ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ
سبحان و تعالیٰ آپ کو ڈھیروں ڈھیر خوشیاں اور صحت عطا
فرمائیں اور جو ہمیں اس نعمت سے محروم ہیں ان کے
دامن میں بھی اولاد جیسی نعمت اپنی رحمت سے عطا
فرمائیں آمین۔

حمیرا قریشی..... لاہور

ڈیر حمیرا! سدا مسکراؤ! آپ کے خط کا جواب شامل نہ
کر سکے لیکن بے فکر رہیے وہ ہماری توجہ کا طالب ضرور بنا
تھا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کا دامن خوشیوں سے بھر دے
جہاں تک آپ کی تحریروں کا سوال ہے ”شب غم اگر
ڈھلتی“ یہ تحریر قبولیت کی سند حاصل کرنے میں کامیاب
ٹھہری جبکہ آپ کی دوسری تحریر کے لیے ہم معذرت خواہ
ہیں۔ آپ کی پہلی تحریر ان شاء اللہ جلد آچل پر اپنی جگہ

ہے اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی والدہ کو صحت کاملہ عطا فرمائیں اور ان کا سایہ تاحیات آپ کے سروں پر قائم و دائم رکھیں آمین۔

پاریس فضل نامعلوم

ڈیر پارس! جیسی رہو ہماری جانب سے آپ کو بھی عید الاضحیٰ کی ڈھیروں مبارک باد۔ آپ کا شکوہ بالکل بجا ہے جو چیز معیاری ہوتی ہے اس کے رد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے مستقل قارئین جن کی نگارشات ہر ماہ شائع ہوتی ہیں وہ بھی آپ قارئین کی پسند کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی شامل کی جاتی ہیں۔ آپ اس بدگمانی کو دور کرو دیجئے حجاب ان شاء اللہ نومبر میں آپ کی دسترس میں ہوگا۔

مہوش کلی بون والا

پیری مہوش! سدا آباد رہو آپ کی شاعری متعلقہ شعبے کو ارسال کر دی گئی ہے اگر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ آپ پہلے اپنا افسانہ ارسال کر دیں تاکہ آپ کے انداز تحریر کا اندازہ ہو سکے۔

تھمینہ خان ہنی ثوبی

ڈیر ہنی! شاد فآباد رہو پانچ سال کی خاموشی توڑ کر آپ نے خوب صورت الفاظ کے ذریعے ہم سے رابطہ استوار کیا یہ نصف ملاقات بہت اچھی لگی۔ آپ کا افسانہ اگر معیاری ہوا تو ضرور آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنالے گا آپ کے تبصرے کے منتظر رہیں گے۔

مدیحہ شفیع بون والا

ڈیر مدیحہ! جیسی رہو آپ کا تفصیلی خط پڑھ کر جہاں آپ کے لکھنے کے شوق کا پتا چلا وہیں آپ کے ایک ماہ کے بھانجے کی رحلت کا پڑھ کر دل بے حد رنجیدہ ہوا۔ اس نوخیز کلی کا یوں اچانک خزاں کی نذر ہو جانا بے شک آپ سب کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ ان کے والدین اور آپ سب کو صبر و ہمت عطا فرمائے اور آپ کو بہت سی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے آمین۔

حافظہ صائمہ کشف نامعلوم

گڑیا صائمہ! سلامت رہو آپ کا شکوہ بالکل بجا ہے انتظار کی گھڑیاں طویل اور کٹھن ہوتی ہیں لیکن تعارف کے شائع ہونے میں ٹائم لگتا ہے۔ ہمارے پاس کثیر تعداد میں آپ بہنوں کے تعارف موجود ہیں تبصرہ اگر ہر ماہ کی تاریخ تک موصول ہو جائے تو لگانے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے البتہ جب آپ کا تبصرہ تاخیر سے موصول ہو تو ہم کیونکر لگا سکتے ہیں امید ہے آپ سمجھ گئی ہوں گی اور خفگی بھی دور ہو جائے گی۔

عقیلہ رضی فیصل آباد

پیری عقیلہ! جگ جگ جیو آپ کے مسلسل خط سے اندازہ ہوا کہ آپ نہایت سمجھ دار اور حساس ہیں بے شک آپ کے والدین کا فیصلہ آپ کے لیے بہت بہترین ثابت ہوگا پھر والدین کی رضا میں اللہ کی رضا بھی ہے جب ہی آپ کا دل بھی مطمئن ہے لوگوں کا کام باتیں بنانا ہے آپ ان باتوں پر غور نہ کریں تمام معاملات اللہ سبحان و تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کے مزید قریب ہو جائیں۔ آپ کی سوچ بہت عمدہ اور بہترین ہے لہذا دوسروں کی باتوں میں آکر احساس کمتری کا شکار ہرگز مت ہوں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو زندگی میں اتنی خوشیاں نصیب فرمائے کہ سب کے خدشات غلط ثابت ہو جائیں۔ آپ ابتدا میں اپنا افسانہ ارسال کر دیں منی آرڈر کے لیے معلومات آفس کے نمبر پر رابطہ کر کے حاصل کر لیں۔

سید عبادت کاظمی ڈیرہ

اسماعیل خان

اچھی بہن! جگ جگ جیو آنچل سے آپ کے دیرینہ ساتھ کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ آنچل کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ سب اس گل تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔ آپ لکھنا چاہتی ہیں تو ضرور اپنا شوق پورا کریں اپنا کوئی مختصر افسانہ ارسال کریں اگر معیاری ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

مبارک باد دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ہیر بوج نامعلوم

گڑیا ہیر! آپ کا مفصل خط پڑھ کر بے حد اچھا لگا
بے شک خطوط کی کثیر تعداد ہوتی ہے لیکن ہمیں انہی سے
آپ کی چاہت و خلوص کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کی
سطور سے اندازہ ہوا کہ آپ کا مطالعہ و مشاہدہ کافی وسیع
اور درست ہے آپ کے اسم گرامی سے کوئی فرق نہیں
پڑے گا۔ اشعار ایک ہی صفحے پر لکھ کر ارسال کر دیں۔

ابن اح صنم نواب شاہ

عزیزی صنم! شاد فاداد ہو حقیقی و ناراضگی سے بھرپور
آپ کا خط موصول ہوا آپ کی شاعری متعلقہ شعبے کو
ارسال کر دی جاتی ہے رد و قبول کا فیصلہ وہیں طے پاتا
ہے اگر آپ کی شاعری معیاری ہوئی تو ضرور آپ کا نام
آنچل کے صفحات پر روشن کر دے گی امید ہے تشفی
ہو پائے گی۔

شیریں گل ثمن، تلہ گنگ

اچھی شیریں! مانند گل مہکتی رہو دو ماہ کے طویل عرصہ
بعد آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی۔ آپ نے اپنی
دعاؤں میں ہمیں یاد رکھا جزاک اللہ۔ بے شک والدین
کے بغیر خوشیاں بھی ادھوری محسوس ہوتی ہیں۔ اللہ سبحان و
تعالیٰ آپ کے والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا
فرمائیں اور آپ کے اہل خانہ کو صبر و استقامت عطا
فرمائیں آمین۔

ارم کمال فیصل آباد

عزیزی ارم! سدا سہاگن رہو آپ کا کہنا بالکل بجا
ہے مہنگائی کے اس دور میں غریب تو چھوٹی چھوٹی
خوشیوں سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ تہوار اور خوشیوں کے
ان مواقع پر بھی غم روزگار میں الجھے نظر آتے ہیں نازیہ
تک آپ کی دعائیں پہنچا رہے ہیں۔ ہماری جانب سے
آپ کو بھی عید الاضحیٰ مبارک ہو۔

حافظہ سمیرا نامعلوم

ڈیر سمیرا! سدا سہاگن رہو سب سے پہلے تو ہماری

عاصمہ ابراہیم خانپوال

ڈیر عاصمہ! خوش رہو بزم آنچل میں پہلی بار شرکت
پر خوش آمدید آنچل کو پسند کرنے اور اسے سراہنے کا بے
حد شکریہ۔ آپ کی یہی محبت و چاہت بھرے الفاظ ہمیں
بہتر سے بہترین کے سفر کی جانب گامزن رکھتے ہیں۔

ام کلثوم نامعلوم

عزیزی بہن! شاد فاداد ہو ہمیں بے حد افسوس ہے
کہ آپ کے گاؤں تک پرچہ نہیں پہنچ پاتا لیکن پھر بھی
آپ اپنے شوق کے ہاتھوں مجبوراً آنچل سے تعلق استوار
کیے ہوئے ہیں یہ بات بے حد خوش آئند ہے۔ آپ کی
نگارشات شائع کرنے کی پوری کوشش کریں گے ہمیں
اس بات کا اندازہ ہے کہ آپ کو یہاں تک اپنی ڈاک
پہنچانے میں کس قدر مشکلات کا سامنا ہوتا ہوگا آپ
مختصر و دلچسپ پیرائے میں اپنا تعارف لکھ کر ارسال
کر دیں جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔

ندا علی عباس سوہا وہ گجر

خان

ڈیر ندا! سدا خوش رہو آپ کا شکوہ بجا ہے لیکن
ہمارے پاس ہر ماہ کثیر تعداد میں خط موصول ہوتے
ہیں جو سب ہی جواب طلب ہوتے ہیں جبکہ صفحات
کی کمیابی کی بناء پر سب کو شامل کرنا ممکن نہیں ہوتا اس
لیے آپ بہنوں کو گلہ ہوتا ہے بہر حال اس بار آپ کے
خط کا جواب حاضر ہے امید ہے حقیقی دور ہو جائے گی۔
نازیہ اور سمیرا کے لیے آپ ”دوست کا پیغام“ میں اپنا
پیغام بھیج سکتی ہیں۔

ثویہ ملک کراچی

ٹوٹی ڈیر! شاد رہو چاہتوں اور محبتوں سے بھرپور
آپ کا خط موصول ہوا آپ کا یہ تعریفی و توصیفی انداز بے
اختیار خود پر فخر محسوس ہوا۔ ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ
ہر بار پرچہ آپ کو پسند آئے اور آپ کے یہی تعریفی
کلمات ہمیں بہتر سے بہترین کے سفر کی جانب گامزن
رکھتے ہیں۔ ہماری جانب سے آپ کو بھی عید کی پیشگی

آئندہ خیال رکھیے گا۔

دیا احمد..... چکوال

ڈیر دیا! آباد رہو آپ کی تحریر ”م سے مسجد م سے مند“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے لیکن آپ موضوع سے انصاف نہیں کر پائیں اس لیے آپ اسے بے جا طوالت کے ساتھ الجھا گئیں۔ مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں بلکہ کوشش جاری رکھیں اور پہلے موضوع کا انتخاب کر کے مختصر تحریر سے جگہ بنائیں اس کے بعد ناول کی طرف آئیے گا۔

لائبہ میر..... حضور

گڑیا لائیبہ! سدا مسکراؤ آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ بہت کچھ کرنا چاہتی ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے تمام خوابوں کو آپ کے حق میں بہتر بنا کر پورا کریں آمین۔ ٹائٹل اور آئچل کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

کوثر خالد..... جزائوالہ

عزیزی کوثر! آباد رہو خلوص و اپنائیت کی خوش بولی آپ کا نامہ موصول ہوا آپ کا برجستہ انداز گفتگو بہت ہی خوب صورت ہے لگتا ہے بالمشافہ بات کر رہے ہیں آپ کی اس قدر دعائیں ہماری ذات کو معتبر کر دیتی ہیں جزاک اللہ۔ بے شک آپ کی سوانح عمری قابل داد اور لائق تحسین ہوگی۔ حمد کی اشاعت پر ڈھیروں مبارک باد آپ کے سارے خواب و آرزو میں پایہ تکمیل تک پہنچیں آمین۔ آپ کی شاعری دسمبر کے شمارے میں لگانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

فرنگس شہزادی..... فیصل آباد

ڈیر فرنگس! شاد و پھولوں کی طرح مہکتی رہو آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی آپ نے ہماری جن غلطیوں کی طرف نشان دہی کی ہے اس کے لیے شکریہ۔ یہ ماہنامہ آپ بہنوں کے لیے ہی ہے اور ہماری کوشش بھی یہی ہے کہ اسے بہتر سے بہتر بنا کر آپ کے سامنے لائیں ان شاء اللہ آئندہ آپ کو ایسی غلطیاں نظر نہیں آئیں گی۔

جانب سے شادی کی ڈھیروں مبارک باد قبول کیجیے۔ بے شک آپ کی مصروفیات بڑھ گئی ہوں گی آپ نے ان مصروف زندگی سے چند پل آئچل کے لیے نکالے بے حد اچھا لگا اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو سدا کامیاب و کامران رکھیں آمین۔

عائشہ اختر بٹ..... نامعلوم

ڈیر عائشہ! خوش و خرم رہو آپ کا تفصیلی خط پڑھ کر آپ کے تمام حالات کا اندازہ ہوا اگر ہمارے الفاظ آپ کے لیے باعث تشفی بنے آپ کے دکھ درد کو ہٹانے کا سبب بنتے ہیں تو بے شک آپ کے یہ الفاظ ہمارے لیے قابل فخر اور باعث رشک ہیں۔ بہر حال مایوس مت ہوں اس مشکل کی گھڑی کو اللہ سبحان و تعالیٰ کی آزمائش سمجھتے ہوئے اپنے رب سے قریب ہو جائیں بے شک وہی سب مشکلوں کو آسان کرنے والا ہے۔ نازیہ اور سمیرا تک آپ کی مبارک باد ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔ آپ کا تبصرہ بے حد اچھا اور مکمل ہے لیکن تبصرہ کے لیے الگ سے صفحے کا استعمال کریں اس طرح سے ڈاک ضائع ہو جاتی ہے۔

شہزادی..... راولپنڈی

پیاری شہزادی! سدا آباد رہو آئچل اور ٹائٹل پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔ آپ کی نظم غزل متعلقہ شعبے کو ارسال کر دی ہے ان شاء اللہ باری آنے پر لگ جائے گی۔ شہزادی صاحبہ اب اپنی خفگی دور کر لیجیے کیونکہ آپ کے شکوہ کا جواب حاضر ہے۔

سونیا محمد حنیف..... نامعلوم

ڈیر سونیا! سدا مسکراؤ آئچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ یہ آپ بہنوں کا اپنا پرچہ ہے جو آپ کی نگارشات سے ہی پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے اس کے کسی سلسلے میں شرکت کے لیے آپ کو اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے لیکن آئندہ شہر کا نام ضرور لکھئے گا۔ اس بار آپ نے خط کے ساتھ ہی غزل بھی لکھ دی ہے اب یہ غزل متعلقہ شعبے میں کیسے ارسال کر سکتے ہیں اس لیے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

کریں۔ امید ہے عمل کرتے ہوئے آچل کے دیگر سلسلوں میں شامل رہیں گی۔

نافیصل اشاعت:

عید انجیل شواہد ایسا بھی ہوتا ہے یہ جو زیست ہے دھوپ چھاؤں سی کاغذ کا پھول الزام انا پرست ہر عید تیرے نام دل کے ہاتھوں مجبور ہنستا تارا ستون ہم کو محبت ڈھونڈ رہی تھی انجان محبت یقین محبت عشق آتش قصہ تمام پڑوسی میرا اعتبار کر قربانی میرا عشق ہے تو ہم کہاں کے اچھے تھے انتقام سر براہ وطن کی مٹی گواہ رہنا اسیر یار زندگی مسکرانے لگی روشنی کی کرن رشتے محبت کے کسک آگ جیون کو لگادی ہم نے پتھروں کی لکیر سوچ یہ کیسی محبت ہے م سے مسجد سے مندر انوکھی عید انوکھا مزا تاریک شب کے مسافر میں بھی کہوں محبت احساس میری بے حساب حیات طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم انا پرست وفا کی گربات ہوگی بے حساب۔



فرح جیسی..... آزاد کشمیر
پیاری فرح! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ”سر پرانز“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کے ساتھ مطالعہ کی ضرورت ہے اس لیے کوشش جاری رکھیں اور نا امید ہونے کی بجائے اپنا مطالعہ وسیع کریں تاکہ آپ کے لکھنے میں نکھار آ سکے اس کے لیے آپ کو اپنے مطالعہ میں نام ور لکھاریوں کے ناولز شامل کرنے ہوں گے جب ہی آپ بہتر اور منفرد موضوع پر قلم بند کر سکتی ہیں۔

نادیہ احمد..... دبئی

پیاری بہن نادیہ! سدا سہاگن رہو آپ کی تحریر ”محبت جیت جاتی ہے“ موصول ہوئی منفرد انداز تحریر اور موضوع دونوں ہی کامیابی کی سند پر ٹھہرنے بے شک ہم نے آپ کو بہت انتظار کروایا لیکن تحریروں کی کثیر تعداد کے باعث آپ کے صبر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان شاء اللہ اشاعت میں اتنا انتظار نہیں کروائیں گے۔

صائمہ مجید..... ملتان

گڑیا صائمہ! پھولوں کی طرح مسکراتی رہو آپ کی تحریر ”انتقام“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے اس لیے ابھی لکھنے کی خواہش کو ایک طرف رکھتے ہوئے صرف مطالعہ پر زور دیں اور نام ور لکھاریوں کی تحریر اپنے مطالعہ میں شامل کریں جس سے آپ کو لکھنے میں مدد ملے گی اور آپ کی تحریر میں بھی پختگی آئے گی۔ امید ہے مایوس ہونے کی بجائے عمل کریں گی۔

مہر مہ ارشد بٹ..... گوجرانوالہ

پیاری مہر مہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ”میرا عشق ہے تو“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو محنت کی ضرورت ہے اس لیے دل برداشتہ ہونے کی بجائے ابھی صرف پڑھنے پر زور دیں اور آپ کی تحریر میں املا کی بھی غلطیاں موجود ہیں جب کہ موضوع بھی کچھ خاص نہیں اس لیے ابھی لکھنے کی بجائے صرف مطالعہ

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض مولف

الحمد للہ قرآنی آیات کی تفسیر و تشریح کے سلسلے کی یہ کتاب ”السلام علیکم“ حاضر خدمت ہے۔ اللہ کی دی ہوئی توفیق و تائید الہی سے ہی میرے لئے یہ ممکن ہوا کہ قرآنی آیات کی تشریح کر سکوں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ شانہ کا فضل عظیم ہے کہ اس نے ناچیز کو علمائے کرام و اہل تقویٰ و مشائخ کی بابرکت صحبت و تربیت سے فیض یاب و مرفراز ہونے کی سعادت نصیب فرمائی۔ یہ انہی بزرگوں کا فیضانِ نظر ہے کہ احقر کی اللہ نے صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی فرمادی اور میرے قلم کا راستہ از سر نو متعین فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر و احسان ہے کہ اس نے میرے قلم کو لغویات نویسی سے ہٹا کر آیاتِ قرآنی کی تفسیر کی طرف لگا دیا۔ الحمد للہ یہ اللہ جل شانہ کا بڑا کرم و فضل ہے کہ اب تک دس مختلف آیاتِ قرآنی کا تفسیری کام اس احقر سے لے لیا ہے شکر ہے رب العالمین کا کہ اس نے ان تمام کتب کو نہ صرف اہل ایمان کے لئے نافع بنایا بلکہ مقبول عام بھی کر دیا۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ جو کچھ بھی تالیف کروں اسے جید علمائے کرام کو پیش کر کے تا صرف ان کی رائے معلوم کر لوں بلکہ اگر کہیں اپنی کم علمی کے باعث ٹھوکر کھالی ہو تو اس کی بھی اصلاح ہو سکے۔ یہ اللہ کا بڑا ہی احسان و کرم ہے کہ اب تک اس نے جس جس طرح علمائے کرام کے ذریعے میری مدد کا اہتمام فرمایا اس کے لئے جتنا شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔

زیر نظر تالیف السلام علیکم اپنی ہیئت کے اعتبار سے مختصر ضرور ہے لیکن اپنی معنویت میں اتنی جامع اور وسعت لئے ہوئے ہے کہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوزے میں دریا کی جگہ سمندر کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ سلامتی کی دعا بظاہر بہت معمولی سی بات محسوس ہوتی ہے لیکن اگر ہم صرف سلامتی کے معنی اور وسعت پر غور کریں تو حیاتِ انسانی کے تمام پہلو اس مختصر لفظ سلامتی میں سمٹتے ہیں اور یہ سلامتی بھی عارضی نہیں دائمی سلامتی کی دعا ہے اور جب یہ دعا اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے کسی بندے کو دی جائے تو سوچئے کہ کتنی اہمیت کی دعا ہوگی قرآن حکیم کی زیر تشریح آیات میں کوشش کی گئی ہے کہ کوئی غیر مستند حوالہ نہ آنے پائے تمام تفسیری مواد مستند تفاسیر سے ہی یک جا کیا گیا ہے۔

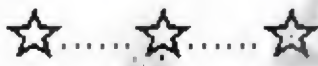
سلام جو ہر مسلمان و دوسرے مسلمان کو تعظیمی کلمات کے طور پر یا استقبالیہ اور رخصتی کے وقت ادا کرتا ہے دور جدید میں سلام ایک رسماً ادا کیا جانے والا کلمہ ہوتا جا رہا ہے۔ بغیر اس کی حقیقی اہمیت اور جامعیت کو سمجھے ہوئے سلام کا آج ایک دعایا کلمے کے طور پر کم اور رسماً زیادہ استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ سلام اگر حقیقی معنوں میں سمجھ کر کیا جائے تو اس سے دوہرا فائدہ حاصل ہوگا جسے آپ نے سلام کیا اور جس نے جواب دیا دونوں افراد کو اللہ تبارک و تعالیٰ اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔ دراصل سلام اور نظام اسلام میں اہل ایمان کی نیتوں کو بڑا دخل ہے۔ اگر ہم کوئی کام یا کاری کے لئے کرتے ہیں تو وہی اچھا کام ہمارے لیے عذابِ الہی کا باعث بن سکتا ہے اور اگر اخلاص نیت سے اور خالص اللہ کی رضا کے لئے کریں تو وہ اجر و ثواب کا موجب بن جاتا ہے۔ ورنہ تو لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں۔ ”سلام“ وین اسلام کا اہم شعار ہے۔ ابتدائے اسلام میں یہ شناختی علامت کے طور پر استعمال ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اس مخصوص شناختی علامت کو بھی اپنے فضل و کرم کا ذریعہ بنا دیا کہ جہاں اہل ایمان ایک دوسرے کی شناخت کے لئے سلام کا کلمہ ادا کرتے ہیں وہیں ایک

دوسرے کو سلامتی کی دعا سے بھی نوازتے ہیں۔

یہ تالیف السلام علیکم ایسی کتاب ہے جو ہماری روزمرہ کی زندگی ہماری معاشرتی زندگی کو ہمارے لئے بہتر طور پر گزارنے اور دائمی زندگی کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنے میں معاون ہو سکتی ہے ان زیر تشریح آیات قرآنی پر بہت کچھ لکھنے کو دل چاہتا رہا لیکن میں نے حسب معمول صرف اہل علم و دانش کی مستند تفاسیر پر ہی اکتفا کیا اپنی سوچ و فکر کو اپنی نوکِ قلم تک نہیں آنے دیا۔ ہو سکتا ہے کہ تحریر میں روانی اور تسلسل کا کسی قدر فقدان محسوس ہو اس کی وجہ صرف اتنی ہے کہ میں نے کسی تحریر کو نقل کرتے ہوئے اس کے اصل لہجہ و انداز کو متاثر کرنے کی شعوری کوشش نہیں کی اللہ کرے کہ میری یہ چھوٹی سی کوشش آپ کے کسی کام آ سکا اور آپ کے معیار پر پوری اترے۔

اپنی اس تالیف کے سلسلے میں حضرت مفتی سعید احمد جلال پوری صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ جنہوں نے صاحبِ فرانس ہونے کے باوجود اپنی پوری توجہ سے اس کتاب کو دیکھا اور اصلاح فرمائی ساتھ ہی میں جناب مفتی خالد محمود صاحب جناب حافظ عبدالقیوم نعمانی صاحب اور ان کے زیر انتظام جامعہ مصباح العلوم محمودیہ کے استاد مولانا عبدالجلیل صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ جن کی توجہ نے اغلاط کی درستگی فرمائی ساتھ ہی میں مولانا فضل خالق صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے بڑی توجہ سے اس تالیف کو پڑھا اور اپنی رائے سے نوازا اور ساتھ ہی اے محترم بھائی ڈاکٹر تنویر احمد طاہر کا ممنون و احسان مند ہوں کہ انہوں نے اس تالیف کو اپنی خصوصی توجہ سے نوازا۔ میں ڈاکٹر مریم مظفر حسین اور برادر مر عزیز سید مظفر حسین صاحب کا بھی انتہائی شکر گزار ہوں کہ جن کی توجہ نے میری راہنمائی فرمائی اللہ ان تمام اصحاب کے درجات بلند فرمائے اور ان کو اس تالیف کے سلسلے میں معاونت کے اجر سے نوازے آمین

احقر مؤلف
مشتاق احمد قریشی



اسلام تہذیب اور معاشرتی آداب کا کامل نمونہ ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی نہ صرف اصلاح کرتا ہے بلکہ انکی جہالت بھی دور کرتا ہے انہیں صلح و امان سلامتی و اطاعت فرماں برداری اخوت بھائی چارے کی تعلیم دیتا ہے۔ معاشرتی طور پر ایک دوسرے کی عزت و تکریم سکھاتا ہے۔ خود لفظ اسلام لفظِ سلم سے نکلا ہے جس کے معنی سلامتی کے ہیں۔ یعنی باطنی آفات سے اور ظاہری آفات سے محفوظ رہنا۔ اچھے آداب اور پسندیدہ اطوار ہی کسی انسان کے اچھے اور مہذب ہونے کا ثبوت ہوتے ہیں اور آداب نیک خصلتوں کا مجموعہ ہوتے ہیں اور جو لوگ اچھی عادتوں کے حامل ہوتے ہیں وہی باادب کہلاتے ہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے پیدائش سے لے کر موت تک ہر موقع کے لئے آداب زندگی مقرر کر دیئے ہیں کوئی موقع محل ایسا نہیں جس کے مطابق آداب کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی آداب کا بڑا ہی خیال رکھتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو ہر قسم کے آداب سے خوب اچھی طرح روشناس کرایا ہے۔ اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کھانے پینے سونے جاگنے باتیں کرنے اور ملنے جلنے رخصت ہونے غرض زندگی کے ہر پہلو میں آداب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اسلامی آداب انسانی نفس کو ریاضت اور مجاہدہ عبادی بناتا ہے ورتا و یب الہی اور حدود الہی کے ماتحت رکھتا اور نفسانی خواہشات کی تہذیب کرتا ہے اور اس تہذیبی معاشرے کو مستحکم بنیاد فراہم کرنے میں ”السلام علیکم“ کا بڑا ہی اہم کردار ہے اس سے نہ صرف معاشرتی خیر اور بھلائی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ معاشرے کے ہر اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 22

READING
Section

سے خیر و سلامتی کی دعا ایک دوسرے کی قربت اور بھائی چارے کو مضبوط کرنے کا باعث بھی بنتا ہے۔ لفظ ”السلام علیکم“ جس قدر مختصر نظر آتا ہے یہ اتنا ہی پر معنی وسیع اور پر مغز ہے یہی وجہ ہے کہ شعار اسلام میں سب سے زیادہ اسے پھیلانے کا حکم دیا گیا۔

السلام علیکم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں اللہ تم کو سلامتی نصیب فرمائے۔ یہ چھوٹا سا جملہ اپنے اندر کتنے معنی و مطالب سمیٹے ہوئے ہے اس کا اندازہ یوں ہی نہیں ہو جاتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے معنی کو بغور سمجھا جائے دراصل یہ جملہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے اسے مختصر طور پر السلام علیکم بھی ادا کیا جاتا ہے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ بھی ادا کیا جاتا ہے دراصل یہ ایک جامع دعا ہے جو ایک اہل ایمان دوسرے اہل ایمان کو وقت ملاقات اور وقت رخصت دیتا ہے۔ ان دعائیہ کلمات کے ساتھ ملا جائے اور رخصت کیا جائے تو اپنائیت بڑھتی ہے۔ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے صاحب ایمان بھائی کے حق میں دعا یعنی سفارش کا درجہ رکھتا ہے یعنی ایک صاحب ایمان اپنے دوسرے صاحب ایمان بھائی کے لئے جو شفقت و محبت کے جذبات رکھتا ہے۔ ان جذبات کا اظہار ہی نہیں بلکہ اس کے حق میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور اس کی سلامتی کی دعا کے ذریعے اپنی سفارش بھی پیش کر رہا ہوتا ہے۔ سفارش کے معنی شفاعت کے بھی ہیں اور شفاعت کا لفظ قرآن کریم میں بنی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے آیا ہے۔ روز قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے محبوب اور پیارے نبی ہیں کی اہمیت و وقعت و ثابت کرنے کے لئے آپ کو سفارش و شفاعت کبریٰ کا حق اللہ جل شانہ نے عطا فرمایا ہے۔ روز قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کبریٰ قبول ہوگی۔ قرآن کریم میں بہت وضاحت سے ارشاد باری تعالیٰ موجود ہے سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۹۳ میں وضاحت کی گئی ہے اور سورۃ یونس کی آیت نمبر ۳ میں اور سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۲۸ اور سورۃ الروم آیت نمبر ۱۳ اور سورۃ سبا آیت نمبر ۲۳ سورۃ المدثر آیت نمبر ۴۸ اور سورۃ النبا آیت نمبر ۳۸ میں پوری صراحت و وضاحت سے ارشاد ہے کہ کسی کی کوئی سفارش و شفاعت قبول نہ ہوگی مگر جسے اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جو بڑا ہی رحیم و کریم مہربان اور اپنے بندوں سے بے پناہ شفقت کا معاملہ کرنے والا ہے اس نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے اس دنیا میں وہ کلمہ خیر عطا فرمادیا جو ہر لمحہ ہر آن ہر ملاقات و وداع کے موقع پر اپنے اہل ایمان بھائی کے لئے سلامتی کی سفارش و دعا کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ اکبر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی اپنے انعامات کی بارش نہیں فرمائی ان کی امت پر بھی اپنے کرم کے بے حساب اسباب پیدا فرمادیئے جب ایک مسلمان اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو السلام علیکم کی دعا دے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسرے مسلمان کو بھی پابند کر دیا کہ وہ جواب میں وہی دعا وہی سفارش کرے یا اس سے بہتر انداز اختیار کرے اور بہتر سفارش کرے یعنی اگر کسی نے السلام علیکم کہا تو اس پر واجب ہے کہ اس کے جواب میں وہی سلام کہے اور اگر وہ اپنے لئے زیادہ اجر و ثواب کا خواہش مند ہے تو پھر اس سے بہتر جواب دے اور رحمت اللہ کا اضافہ کر دے اور اگر سلام کرنے والے نے خود ہی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا ہو تو اس میں و برکاتہ کا اضافہ کر دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جو ہماری ہر حرکت ہر عمل ہماری نیتوں و سوچوں تک سے بخوبی آگاہ و واقف ہے جو ہمارا ذرا سا حساب رکھتا ہے اس کے یہاں ہر کسی کا پورا پورا حساب کتاب ہے اور ہماری ایک دوسرے کے لئے کی گئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ کی سفارش و شفاعت کی درخواستوں کا حساب کتاب بھی پورا پورا ہوگا۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان اور اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بخشش و نجات کے لئے قدم قدم پر ان کے اعمال و افکار کو بہتر بنانے کے نسخے و تراکیب بھی اچھی طرح واضح فرمادی ہیں۔ ابتداءً اسلام میں تمام مسلمان اور غیر مسلمان

مکہ میں ایک ساتھ ہی رہتے تھے ان کی وضع قطع رنگ روپ لباس یہاں تک کہ کس نام تک میں مماثلت تھی۔ ایک نظر میں یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں۔ ایسے وقت میں السلام علیکم کا یہ جملہ الہیہ ہی ایک دوسرے کے لئے شناختی علامت کی حیثیت و اہمیت کا حامل تھا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے والا اس بات کا اعلان کر رہا ہوتا تھا کہ میں دین حق کا ماننے والا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا فرد ہوں۔ اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہنے والا بھی اپنی شناخت کی تصدیق کر رہا ہوتا یوں ابتدا میں یہ کلمہ اسلام کے ماننے والوں میں شناخت کے بطور بھی رائج ہوا۔ اس کے باوجود کبھی کبھی بھول چوک ہو جاتی تھی۔

دنیا کی تمام مہذب قوموں اور افراد میں ملاقات کے وقت پیار بھائی چارے میل ملاپ کے جذبات کے اظہار مخاطب کی خیر اندیشی کے اظہار اور اسے سرور و مطمئن کرنے کے لئے ہمیشہ سے کوئی نہ کوئی کلمہ خاص ادا کیا جاتا رہا ہے آج بھی یہ رواج ہے۔ ہندو باہم ملاقات کے وقت ”نستے آداب رام رام“ کہتے ہیں جبکہ یورپ اور دیگر ممالک میں پہلے گڈ مارننگ یعنی اچھی صبح، گڈ آفٹرنون اچھی دوپہر، گڈ ایوننگ اچھی شام اور گڈ نائٹ اچھی رات کہتے ہیں جبکہ امریکہ اور اس کے زیر اثر افراد آج کل ”ہائے“ اور جواباً ”ہائے“ کا ورد کرتے ہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی عربوں میں باہمی ملاقات کے وقت ملاقاتی کلمات ادا کرنے کا رواج تھا۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ اسلام لانے سے پہلے آپس میں ملاقات کے وقت ”انعم اللہ بک عینا“ آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب کرے اور انعم صبحا یعنی تہناری صبح خوشگوار ہو کہا کرتے تھے اور جب ہم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور جاہلیت کی تاریکی سے نکل آئے تو ان جملوں کی ممانعت کر دی گئی ان کے بجائے ”السلام علیکم“ کی تعلیم دی گئی۔

اگر کوئی خود کو اہل ایمان مسلمان کہتا ہے اور السلام علیکم کے بجائے کچھ اور جملے استعمال کرتا ہے جو کسی بھی طرح غیر مسلم یا اہل کتاب استعمال کرتے ہوں تو ایسا شخص اپنی شناخت کو چھپانے کا مرتکب ہوگا کیونکہ شعار اسلام ہے اس لئے مسلمانوں پر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شعار اسلام کے طور پر اسے لازم کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور کہنے والا اسلام کے خلاف چلنے والا بداندیش ہوگا اور اپنے عمل سے منافقین میں شامل ہو جائے گا۔ منافق جو خود کو مسلمان تو ظاہر کرتے ہیں مگر ہوتے نہیں۔

شفقت رحمت سلامتی اور پیار محبت سے لبریز اس ایک کلمہ پر اگر غور کریں تو محبت تعلق اکرام و خیر اندیشی کے اظہار کے لئے اس سے خوبصورت اور بہتر کوئی اور جملہ جو جامع دعائیہ کلمہ بھی ہو ادا نہیں کیا جاسکتا۔ السلام علیکم کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے۔ اس کلمے میں چھوٹوں کے لئے شفقت محبت پیار ہے تو بڑوں کے لئے اکرام و تعظیم ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ ”السلام“ اسماء الہیہ میں سے ہے۔ یہ شعار اسلام بھی ہے ملاقات کے وقت ”السلام علیکم“ اور جواب میں ”وعلیکم السلام“ کی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مبارک تعلیمات میں سے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

(جاری ہے)



حافظ صالحہ

ملیہ احمد

میری عزت دوستو اینڈ آنچل کے تمام اشاف کو میری طرف سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میرے نام سے تو آپ واقف ہو ہی چکے ہیں سو چاہا اب مکمل تعارف کروایا جائے باقی سلسلوں میں شرکت کے ساتھ ساتھ ہمارا آنچل میں شامل ہونے کا شوق بھی کب سے تھا آخر ہمت کر ہی لی۔ کاسٹ پنجابی پٹھان لیکن پشتو نہیں آتی کیونکہ پنجابی ہوں۔ اصلی نام تو صائمہ خاتون ہے لیکن میری دوست کو صائمہ کشف پسند ہے اب کافی سالوں سے صائمہ کشف ہی چلا آ رہا ہے۔ صائمہ خاتون نام میرے ابو جی نے رکھا صائمہ کا معنی روزہ رکھنے والی۔ مجھ میں میرے نام کی تاثیر بھی ہے الحمد للہ روزہ نہیں چھوڑتی فرض بھی اور نفلی بھی رکھتی ہوں میری دوست مجھے گڑیا کہتی ہے اور گڑیا کا نام مجھے میرے ماموں نے بھی دیا تھا۔ دس نومبر 1993ء رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں مغفرت کے عشرے میں رحمت بن کر اپنے گھر والوں کے لیے اس دنیا میں آئی۔ قد پانچ فٹ ہے ہم چار بہن بھائی ہیں۔ مجھ سے بڑی ایک بہن ہے جو شادی شدہ ہے اس کی ایک کیوٹ سی بیٹی ہے نور فاطمہ مجھے اس سے بہت پیار ہے۔ دوسرا نمبر میرا ہے اور مجھ سے چھوٹا بھائی ہے اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے اور سب سے چھوٹا حفظ کر رہا ہے چارچو لوگوں کے پاس لاہور میں حفظ مکمل ہو گیا ہے گردان کر رہا ہے۔ آپ سے التجا بھی ہے دعا کرنا وہ جلدی سے حفظ مکمل کرے واپس آ جائے اور اللہ تعالیٰ میرے بھائی عبدالباسط کے ذہن کو ٹھیک کر دے وہ کافی حد تک ٹھیک اور سمجھ دار بھی ہے بس خدا کی مرضی۔ حافظ قرآن ہوں اپنا مدرسہ ہے چار سال سے بچیوں کو حفظ کروا رہی ہوں ماشاء اللہ 25 لڑکیوں کی کلاس ہے 10 لڑکیاں مجھ سے قرآن پاک کی عظیم نعمت سے فیض یاب ہو کر حفظ مکمل کر چکی ہیں اور ان کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ

ایف اے کر رہی ہوں اور الحمد للہ نماز پانچ وقت ادا کرتی ہوں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کافی دیر تک پریشان رہتی ہوں قوت برداشت ذرا بھی نہیں ہے۔ بُری عادت یہ بھی ہے ذرا سی بات پر رونا آ جاتا ہے۔ گھر میں اگر کوئی ذرا سی بات کر دے غصہ میں تو برداشت نہیں ہوتا رونا آ جاتا ہے اور سب سے بُری عادت غصہ جلدی آتا ہے لیکن ختم جلدی ہو جاتا ہے یہ عادت مجھے اچھی لگتی ہے۔ اچھی عادت یہ بھی ہے بغیر پردہ کے باہر نہیں نکلتی حتیٰ کہ ڈاکٹر کے پاس بھی کم ہی جاتی ہوں ورنہ گھر میں ہی میڈیسن لادیتے ہیں ہمارے گاؤں میں لیڈی ڈاکٹر آتی ہے اب سہولت ہوئی ہے بس اب ضرورت ہو تو اس کو گھر بلا لیتے ہیں۔ لباس میں مجھے شلوار قمیص، فرائیڈ اور بڑا دوپٹہ لینا اچھا لگتا ہے۔ کھانے میں بریانی، سموسے، دیہی بڑے اور آٹس کریم پسند ہے۔ کھانا ناشتا ای جی اور آبی کے ہاتھ کا بنا ہوا پسند ہے۔ اگر کوئی نصیحت کرے تو بُری نہیں لگتی کبھی کبھی بُری لگ بھی جاتی ہے لیکن زبان سے نہیں بولتی جب ہو جاتی ہوں۔ میری بچی خواہش بھی اللہ تعالیٰ مجھے گھر والوں کو اپنے پیار۔ گھر کی زیارت کروائے اللہ نے سن لی میری ای جی نے عمرہ کی سعادت حاصل کی اسی سال فروری کے اینڈ میں گئے تھے عمرہ کے لیے اور اب بس اللہ میرے ابو جی اور میری قسمت میں بھی حاضری لکھ دے۔ میرے ابو جی مسجد کے امام ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اور زیادہ توفیق دے دین کو پھیلانے کی آمین۔ مہمانوں کی اچانک آمد اچھی لگتی ہے لیکن بتا کر آئیں تو اچھا اہتمام ہو جاتا ہے۔ طبیعت میں ضدی پن نہیں غرور بھی نہیں ہے۔ ماموں کے بیٹے سے منگنی ہوئی ہے لیکن شادی کا ابھی نزدیک نزدیک کوئی ارادہ نہیں۔ دوستیں کافی ساری ہیں نام لکھنے شروع کروں تو تھک جاؤں گی ایک کا نام لکھوں گی وہ ہے مدیحہ وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔ کھانا نہ کھاؤ تو میرا گزارہ ہو جائے گا مدیحہ کے بغیر نہیں ہوگا۔ کزنوں میں سمیہ حمیرا قرۃ العین رابعہ عالیہ ملائکہ سے میری کافی اچھی دوستی ہے۔ ماشاء اللہ یہ سب بھی حافظ قرآن ہیں۔ ناول نگاروں میں نازیہ کنول نازی سمیرا شریف، اقراء صغیر احمد، عمیرہ احمد، عابدہ سلیم، ام مریم، عائشہ نور، سباس گل، نادیہ فاطمہ رضوی، عشنا کوثر پسند ہیں۔ اب اجازت چاہتی ہوں اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ

آنچل * اکتوبر 2015ء * 25

READING
Section

وامان میں رکھے آنچل کی پریوں ضرور بتانا آپ کو میرا تعارف کیسا لگا۔

لابی انشال

تمام آنچل اشاف رائٹرز اینڈ ریڈرز کو میری طرف سے محبت و خلوص سے بھرا شہدے بیٹھا عا جزی سے لبریز السلام علیکم اور سنائیں جی سب ٹھیک ہیں۔ ہاں ہاں مجھے پتا ہے کہ آپ سب میرا ہی انتظار کر رہے ہیں خیر زیادہ انتظار کروانا مناسب نہیں سمجھا اور محفل آنچل میں خود کو شامل کرنے کی جسارت کر لی۔ 9 نومبر کو ضلع اوکاڑہ کے ایک خوب صورت گاؤں میں تشریف لائی۔ چار بھائی اور دو بہنیں ہیں میں سب کی لاڈلی و پیاری ہوں۔ فورتحہ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں ذہین بہت ہوں مگر بڑھا کو نہیں۔ خواب بڑے اونچے اونچے ہیں میٹرک تک ڈاکٹر بننا تھا یہ خواب ٹوٹا تو نیا خواب آنکھوں میں آ بسا کہ بی اے کے بعد ایل ایل بی کروں گی اور قانون کے شعبہ سے وابستہ ہو جاؤں گی اب میں چاہتی ہوں کہ ضلع اوکاڑہ کی ڈی پی او بن جاؤں اللہ کرے میرا یہ خواب ضرور پورا ہو جائے۔ خامیوں اور خوبیوں کی طرف چلتے ہیں خامیاں یہ ہیں کہ فرینڈز بہت بنائی ہوں اندھا اعتبار کرتی ہوں کوئی جھوٹ بولے تو سچ سمجھ لیتی ہوں۔ پہلے غصہ نہیں آتا تھا مگر اب بہت آتا ہے بروداشت ختم ہوئی جا رہی ہے۔ غصہ آئے تو رونے لگ جاتی ہوں حساس دل ہوں معصوم بہت ہوں اور میری معصومیت کو دیکھ کر بہت سے لوگوں نے دھوکہ دینے کی کوشش کی مگر کہتے ہیں جو شکل کہ معصوم ہوتے ہیں وہ عقل کے تیز ہوتے ہیں۔ خیر خوبیاں بتاتے ہیں کہ میں سچ بولتی ہوں دوسروں کو بدے القاب سے نہیں لوازتی۔ دوسروں کی عزت کرتی ہوں غیبت سے بچنے کی کوشش کرتی ہوں سنی سنائی بات پر یقین نہیں کرتی اور ایک اپنی عادت جو کہ مجھے پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا مجھ پر بہت احسان کہ میں نماز پنجگانہ کی عادی ہوں۔ اللہ کے بہت قریب ہوں ایسا ایک دوست کی وجہ سے ہوا جس نے میری پوری زندگی بدل دی میں میٹرک تک لا اہالی سی بے فکری سی لائف میں

مگن کبھی نماز تک نہ پڑھی تھی۔ صبح کی تو ہر کوئی پڑھتا ہے مگر میں ہمارے بھائی اسکول جانے کی تیاری کرتی اور ہو سکتا ہے شاید مجھے نماز آتی ہی نہ تھی کیونکہ کبھی پڑھی جو نہ تھی اور کبھی پڑھی تو وہیان شاید اللہ کی طرف تھا ہی نہیں۔ میں نے پہلی بار پوری عاجزی و انکساری اور اللہ کے سامنے نماز ظہر 13 نومبر کو ادا کی مجھے لگا آج مجھے اللہ نے اپنے وامن رحمت میں چھپالیا۔ وہ دن اور آج کا دن اس بات کو پانچواں سال ہے مجھے صرف اسی ہستی کی وجہ سے اللہ سے محبت ہو گئی وہ ہستی ہی مجھے اللہ سے ملانے کا سبب بنی اب میں اپنا راز اللہ سے شہر کرتی ہوں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ میں ہمیشہ اسوۂ حسنہ کو اپنائے رکھوں ام المومنین کی سنت پر عمل کرتی رہوں کہ ان کی بدولت ہی دین و دنیا دونوں میں کامیابی ہے۔ رنگوں میں مجھے پنک و اسٹ اور گرین پسند ہے لباس میں شلوار قمیض اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ اپنی آنکھیں اور ہاتھ پسند نہیں کھانے میں بڑی نخریلی ہوں۔ فروٹ میں اورنج پسند ہے۔ کسی سے حسد نہیں کرتی میری بہت زیادہ فرینڈز ہیں۔ پوائزن علیہ پاکورے پن کی خوشبو پسند ہے پھولوں میں گلاب پسند ہے۔ مشروبات میں مینکو جوس پسند ہے شخصیت میں آپی اپنا بڑا بھائی پسند ہے۔ اپنے والدین سے اپنی آپی اور اپنے بھائیوں سے بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ بڑے بھائی میں تو میری جان ہے او۔ آپی کی مجھ میں جان ہے آپی لو یو آپی۔ رائٹرز میں فوزیہ غزل، نمرہ احمد، مصباح نوشین، نازیہ کنول نازی، شاعری کی بڑی ولدادہ ہوں۔ پروین شاکر، نوشی گیلانی، احمد فراز، محسن نقوی کو شوق سے پڑھتی ہوں۔ آر جے اور نیوز کاسٹر بننے کا بہت شوق ہے غروب آفتاب کا منظر پسند ہے ٹریول پسند نہیں گھر کی چار دیواری میں قید رہنا اچھا لگتا ہے۔ شام کو گھروں کو لوٹتے پرندے دیکھنا پسند ہے کبھی صبح پرندوں کو دانہ ڈالنا پسند ہے۔ موڈی بہت ہوں بہت گہری ہم راز ہوں دوستوں کے لیے۔ صورت پر کم وہیان جبکہ بائے نیچر اور بائے کریکٹر دیکھ کر دوستوں کے ساتھ چلتی ہوں اور ماشاء اللہ سے میری ساری فرینڈز بہت اچھی ہیں۔ ہر وقت کمرے میں بند رہتی ہوں گھر کے کام کاج بالکل نہیں آتے پانی تک کمرے میں لیتی ہوں۔ نازک مزاج ہوں گھر والے سب مجھ سے پیار کرتے ہیں

ڈائجسٹ پڑھنا اور ان میں لکھنا اچھا لگتا ہے۔ شرارتی بہت زیادہ ہوں اجازت دیں اللہ حافظ۔

اہلباب

السلام علیکم! آنجل کے پیارے قارئین اور آنجل اسٹاف کو محبت بھر اسلام قبول ہو۔ مجھے رباب سبطین کہتے ہیں میرا تعلق سرگودھا شہر سے ہے۔ 12 اگست کو رات 8 بجے اس دنیا میں تشریف لائی۔ اسٹار لیو ہے اس کی ساری خوبیاں اور خامیاں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ غصہ بہت آتا ہے جب آتا ہے تو کسی کو کچھ نہیں کہتی اور کاموں میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ ہم چھ بہنیں اور ایک بھائی ہے مابدولت سب سے بڑی ہیں اس لیے ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں۔ تمام بہنوں میں بہت دوستی اور پیار ہے سب سے زیادہ میری انصی (چوتھے نمبر والی) سے بنتی ہے جو کہ چھٹی کلاس میں پڑھتی ہے اور بہت زیادہ شرارتی ہے۔ تجھے دینے کا بہت شوق ہے میں اپنی پاکٹ منی کفٹنس دینے میں خرچ کرویتی ہوں۔ ڈائجسٹ وغیرہ میرے گھر والوں کو پسند نہیں اس لیے میں اپنی فرینڈ سے لے کر رسالے پڑھتی ہوں۔ جیولری بہت پسند ہے خاص طور پر رنگ اور بریسلیٹ، مہندی لگانے کا بہت شوق ہے کالج کی چوڑیاں بہت پسند ہیں۔ کھانے میں بریانی اور کھیر بہت پسند ہے آم بہت شوق سے کھاتی ہوں اور کینڈیز بہت پسند ہیں۔ ریڈ اور بلیک میرا فیورٹ کالر ہے سارے کپڑے انہی رنگوں میں ہوتے ہیں ہر سوٹ میں بلیک کلر لازمی ہوتا ہے۔ کوکنگ کا بہت شوق ہے بریانی اور حلوہ بہت اچھا بناتی ہوں سب لوگ فرمائش کر کے بنواتے ہیں۔ مجھے ڈریس ڈیزائنر بننے کا بہت شوق ہے اور میں اپنے کپڑے خود ڈیزائن کرتی ہوں آج کل میں ڈریس ڈیزائننگ میں ڈپلومہ کر رہی ہوں عنقریب میرے شوق کی تکمیل ہونے والی ہے۔ دو کیشنل کالج میں میری ڈیئر ساری فرینڈز ہیں سب سے پہلے عقیدت الزہر (چھوٹی سسٹر) عظمیٰ بتول سمیرا آمنہ امداد رضیہ ریاض شاہین اختر سحرش

کائنات اشرف اور سدرہ اعظم۔ فیورٹ رائٹرز میں سمیرا شریف طوڑام مریم نبیلہ عزیز فائزہ افتخار اقراء صغیر احمد اور نازیہ کنول نازی شامل ہیں باقی سب بھی بہت اچھا لکھتی ہیں سب کو پڑھتی ہوں۔ پسندیدہ ناول میں پیر کائل ہم کیسے رکھوالے ہیں مصحف تیرے نام کی شہرت ہمسفر برف کے آنسو اور مجھے ہے حکم اذال شامل ہیں اس کے علاوہ آج کل ٹوٹا ہوا تارا بہت اچھا جا رہا ہے۔ پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وصی شاہ فیض احمد فیض پروین شاکر اور امجد اسلام امجد فیورٹ شاعر ہیں۔ امانت علی عاطف اسلم اور راحت فتح علی کو بہت شوق سے سنتی ہوں۔ ایف ایم بہت سنتی ہوں بارش پسند ہے مگر خوف بھی آتا ہے آندھی سے بہت ڈر لگتا ہے۔ کھیلوں میں کرکٹ پسند ہے بہت حساس دل کی مالک ہوں کسی پر ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ معذور لوگوں پر بہت رحم آتا ہے اور غریبوں کی بہت مدد کرتی ہوں انجان لوگوں سے جلدی فریک ہو جاتی ہوں گھر میں سب بہنیں مل کر بہت شور شرابہ کرتی ہیں۔ دھوکے باز اور فریبی لوگوں سے سخت نفرت ہے حسد نہیں کرتی اور قناعت پسند ہوں تھوڑے پر بھی راضی ہو جاتی ہوں۔ میڈم حفیظ میڈم فرحت ناز میڈم رضوانہ میڈم ساجدہ اور میم شمینہ ظاہر میری فیورٹ پیپرز ہیں۔ میری کزنز سارہ کرن فاطمہ فاروق بینش بتول نبیلہ سمیعہ ایمن اینڈ ام حبیبہ میری بہت اچھی فرینڈز ہیں تعارف کیسا لگا ضرور بتائیے گا اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

میرا

السلام علیکم! پیاری پیاری قارئین اور آنجل سے منسلک تمام افراد کیسے ہیں آپ سب؟ میں ہوں زاہرہ فاطمہ! آج آنجل میں میری موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم آنجل سے کتنا پیار کرتے ہیں کہ ہمیں اس کی فیملی کا حصہ بننا ہی پڑا تو قارئین آپ کو بتاتی چلوں میری

آنچل سے وابستگی کافی پرانی ہے۔ ہمیں آنچل کس طرح ملا دراصل ہوا کچھ یوں کہ ہمارے محلے کی جوڑکیاں ہمارے ساتھ اسکول جاتی تھیں وہ بھی آنچل پڑھتی تھیں ایک بار میں نے ان کے ہاتھ سے لے کر سرسری سا دیکھا۔ اس وقت ”یہ چاہتیں یہ شدتیں“ اور ”جانِ جاں تو جو کہے“ یہ اسٹوریز چل رہی تھیں شارق زمان کا نام میرے دماغ میں ایسا اٹکا کہ بس آنچل پڑھ کر ہی چھوڑا اور ابھی تک آنچل کے ساتھ وابستگی ہے۔ اچھا بھئی اپنا تعارف بھی کراتی ہوں ہم پانچ بہنیں ہیں مجھ سے بڑی ملتھی اس کی شادی ہو چکی ہے پھر میں گھر کی ملکہ عالیہ اور مجھ سے چھوٹی عائشہ وہ درس میں ہوتی ہے عالمہ بن رہی ہے۔ چوتھے نمبر پر عازہ اور سب سے چھوٹی گھر بھر کی لاڈلی میری پیاری بہن اسودہ۔ بھائی کی ہمیں بہت خواہش ہے۔ میرے ابو آرمی ریٹائرڈ ہیں اب تو جاب کرتے ہیں۔ میرے امی ابو ہم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ہم ایک پیارے سے گھاؤں میں رہتے ہیں جس کا ہر منظر میرا پسندیدہ ہے۔ میری تاریخ پیدائش 13 اگست ہے جس کا مجھے بے چینی سے انتظار رہتا ہے اشار لیو ہے کبھی پڑھا نہیں۔ ہاں اسکول میں فرینڈ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور پھر ایک دوسرے کے اشارز پر کمنٹس بھی کرتے تھے۔ میں نے بی اے کے ایگزامز دیئے ہیں اور اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھے ضرور کامیاب کرے گا۔ آمین۔ دعا پر پختہ یقین کرتی ہوں تنہائی میں اللہ سے مخاطب ہونا اچھا لگتا ہے اور میرا یہی مشغلہ ہے تنہائی پسند ہوں۔ بقول گھر والوں کے بہت باتونی ہوں باقی فرینڈز اور لمچرڈ کے بقول بہت کم گو اور محسوم ہوں فضول ہنسنا بالکل پسند نہیں۔ واٹس اور بلیک کسی بھی اور کمر میں کنٹراسٹ میں ہو جائے پسند ہے۔ ہاتھوں میں چوڑیاں اور مہندی اچھی لگتی ہے لمبے بال بہت پسند ہیں مگر میرے نہیں ہیں ہاں شہوار کے بال بہت پسند ہیں۔

بارش اور بارش کی خوشبو بہت پسند ہے باقی پر فہوم وغیرہ کبھی یوز نہیں کی۔ کھانا جو بھی ملے کھا لیتی ہوں بشرطیکہ بنا ہوا ہو کوکنگ میرا شوق ہے۔ میری امی کی خواہش ہے کہ تم کھانا اچھا بنا لو سلائی کا کام سیکھ جاؤ اور تندور میں روٹی لگانا سیکھ جاؤ تو پھر تم سسرال میں کامیاب ہو جاؤ۔ اب کافی حد تک یہ سارے کام سیکھ لیے ہیں۔ گھر کا سارا کام میرے ذمہ ہے۔ ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم تو نہیں ہے مگر آس پاس ہی سب رہتے ہیں میری امی کی شادی فیملی میں ہی ہوئی اس لیے ننھیال پاس ہی ہے۔ ہاں البتہ جب سب کزنز اکٹھے ہوتے ہیں عید تہوار یا کسی فنکشن پر تو خوب انجوائے کرتے ہیں ساری رات ہلا گلا ہوتا ہے۔ ہمارا بچپن سب کزنز کے ساتھ ہلا گلا کرنے بہت اچھا گزرا اب بھی جب یاد کرتے ہیں تو مسکرا دیتے ہیں۔ شاعری سے بہت لگاؤ ہے بہت کم رائٹر اور شاعروں کو پڑھا پھر بھی شاعری کرنا اچھا لگتا ہے۔ عبا یا پسند ہے جس کی اب عادت ہو چکی ہے۔ امی ابو سے بہت محبت ہے بس یہ خواہش ہے کہ ان کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کو جاؤں آمین۔ پسندیدہ رائٹرز نازیہ کنول نازی سمیرا شریف طور عشنا کوثر سردار عفت سحر طاہر اقراء صغیر سعد امل کاشف (کہاں ہیں آپ؟) ام مریم نمرہ احمد اور عمیرا احمد پسند ہیں۔ ”جنت کے پتے“ اور ”پیر کامل“ فوورٹ ہیں۔ اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔



فاخر گل

شروع اس پاک ذات کے نام سے جو ذرے کو شمس بنادے پر قادر ہے جو عزت دینے پر آئے تو اپنی رحمت کے خزانوں سے اربوں کھربوں سے بھی زائد کی آبادی میں سے چند لوگوں کو اپنی کرم خاص نظر سے ایسا ہنر عطا فرما دے کہ وہ جانے جائیں۔ بچانے جائیں اور پھر وہ ہنر جو خدا کی صفت بھی ہو تو کسی عطا فرما دیں نہ شکر کیا جائے کہ کاتب تقدیر نے ہمارے بھی لالہاں میں الفاظ کی وہ روانی پیدا فرمائی کہ جس کے قلم کے ذریعے صلح پر نکل جاتے ہیں اس میں کسی تاثیر محسوس ہو کہ پڑھنے والے پسند کریں سرائیں اور تحریر میں مجھے پیغام کو اپنی روزمرہ زندگی میں مثبت طریقے سے شامل کر کے قاری ہونے کا مکمل حق ادا کر دیں اور پھر بھی اور حقیقی تعریف مصنف کے حصے میں آئے جو بلا شبہ اس کی شخصیت، پینے، اور پڑھنے یا کسی قابلیت کی تعریف نہیں بلکہ ان الفاظ کی تعریف ہے جو اللہ کریم کی طرف سے ہمارے ذہن میں اتارے گئے اور وہ حقیقت قارئین انہی انشوں کے مین ہوتے ہیں یعنی تعریف جس بھی انداز سے ہو وہ اس پاک ذات کی ہی ہے اب یہ اس کا بڑا کرم ہے کہ اس نے وہ الفاظ ہمارے قلم کے گزریے آپ تک پہنچائے البتہ لکھتے وقت سرزد ہونے والی تمام غلطیاں انسانی ذہن کا اپنا شاخسانہ ہوتی ہیں۔

مجھے جب طاہر بھائی نے آنچل میں سجنے والی بہنوں کی عدالت میں حاضر ہونے کا کہا تو باوجود اس کے کہ آج کل لکھنے کی مصروفیت عروج پر ہے میں نے فوراً اس گزری جس کی ایک وجہ تو یہ بھی کہ طاہر بھائی الحمد للہ جس قدر عزت دیتے ہیں انہیں کسی بھی سبب سے انکار کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور دوسری وجہ یہ بھی کہ میں نے سوچا خیر ہے زیادہ سے زیادہ چندرہ میں محالات ہوں گے میں ایک ہی دن میں لکھ کر بھیج دوں گی لیکن میرے اندازے کے بالکل برعکس محالات کی ایک بھی نظر آ رہی ہے سب کی محبت ہے ایک ایک بنو اب رہنے پر اصرار ہے اور میں حاضر ہوں ان شاء اللہ گوشش ہوگی کہ سب کے جوابات دوں اور کسی کو بھی شکایت کا موقع نہ ملے۔

سب سے پہلے ملیسی سے فائزہ پریمتی ہیں کہ آپ کو کس آج میں پہلی بار محسوس ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ نے شروعات کی؟

فائزہ میں فقہہ کلاس میں تھی اور ان دنوں ہم حیدرآباد میں رہائش پذیر تھے ای کی ایک ملنے والی تھی ہمارے گھر آئیں تو بچپن میں موجود اپنے رشتے داروں کو اکثر یاد کرتی تھیں ایک دفعہ یوں ہی ای نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ انہیں خط بھیج دیا کریں اور پھر ان کے جواب آئیں گے اس طرح آپ کو لگے گا جیسے آپ کے درمیان رابطہ ہے اب مسئلہ واپس یہ تھا کہ خط لکھو یا کس سے جائے اتفاق سے میں پاس ہی بیٹھی ہوم ورک کر رہی تھی مجھ سے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ وہ حیران تو ہوئی کہ یہ جانے کیسا لکھے لیکن جب انہوں نے پہلا خط لکھو یا اور لکھنے کے بعد میں نے انہیں پڑھ کر سنایا تو انہوں نے فوراً میرا ماتھا چوم لیا اور بولیں یہ تو خط لگ ہی نہیں رہا بالکل ایسا لگتا ہے جیسے وہ میرے سامنے بیٹھی ہیں اور میں ان سے باتیں کر رہی ہوں۔ میں الفاظ اور جذبات کا انکھانا نئی کی طرف سے کیا کرتی تھی کہ ان کا کوئی بھی رشتہ دار بچا بچا تھا تو خط دلی لڑکی سے ملنے کی خواہش ضرور ہوتی اور ای کو میں اپنی ابتدا سمجھتی ہوں جب میں نے کسی کے جذبات کو اپنے الفاظ میں ڈھالا البتہ باقاعدہ رسائل میں لکھنے کا آغاز 2005ء میں کیا۔

سوال نمبر ۲: پائیزہ میں کیا تبدیلی آئی؟
جواب: زندگی پہلے سے کہیں زیادہ مصروف ہو گئی ہے کیونکہ اپنی روزمرہ زندگی میں سارے کام کو ہی انجام دینے کے بعد لکھا جاتا ہے اپنے حصے کا آرام کا وقت میں لکھنے کو دیتی ہوں کیونکہ اگر دو تین دن کچھ لکھے بغیر گزر جائیں تو بے چینی ہی ہونے لگتی ہے۔ کچھ لکھا محسوس ہوتا ہے اور چلتے پھرتے پھر ذہن میں وقت نکالنے کا

مشن مکمل ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۳: جو کردار آپ لیتی ہیں وہ کہاں سے لیتی ہیں؟
جواب: کرداروں کی توقعات ہمارے معاشرے میں کی نہیں ہے، ہر نام عمر بھی لکھتے رہیں تو ان سب کا احاطہ نہیں کر پائیں گے جس طرح ہم سب کی اگلیوں کی پوری مختلف ہیں بالکل اسی طرح ہم سب انسانوں کا زندگی کو دیکھنے پر کئے ہوئے برتنے کا نظریہ بھی مختلف ہے اور ہم صرف کسی ایک انسان کی نفسیات کا بھی مشاہدہ کریں تو اس میں سے ہی درخت کی شاخوں کی طرح اس سے جڑے حریف کردار نکلتے آئیں گے اور ہر کردار ہی اپنے اندر ایک کہانی رکھتا ہے اور صرف وہی نہیں بلکہ اس کی کہانی میں شامل تمام کرداروں کی بھی اپنی ایک الگ کہانی ہوتی ہے اور اس طرح کی اور... میں بھی ہمیشہ یہی کرتی ہوں کہ میرے کردار معاشرے کا حصہ معلوم ہوں حقیقت سے قریب ترین ہوں، تخیلاتی نہ ہوں کیونکہ خیال کی لہر بھی ان بھرتے بھرتے جب ایک دم غیر ارادی طور پر قدم حقیقت سے گر لیتے ہیں تب انسان کو اپنا آپ محسوس ہوتا ہے خیال اور حقیقت کے درمیان اور میں بھی یہی نہیں چاہوں گی کہ میرے کردار کی ذہنی سطح خواب اور حقیقت کے درمیان سطح ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کو میری تحریروں کے کردار اپنے ہی آپ میں نظر آتے ہیں گے۔

سوال نمبر ۴: "میرے ہم نوا کو خبر کرو میں آپ نے اتنے شاندار طریقے سے دیروز دکھائی ہیں کہ ہمیں ان سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا آپ کا اس میں پہنا پسندیدہ کردار؟
جواب: پسندیدگی کے لیے شکر یہ کردار تو اس میں سب سے ہی مجھے پسند ہے بلکہ میں کیونکہ کوئی بھی تحریر لکھتے ہوئے ان کرداروں سے بھی ایک انیسیت ہی ہو جاتی ہے ان کی خوشی بھی خوش کرتی ہے اور ان کے دکھ پر دل پریشان بھی ہوتا ہے اور پھر جس طرح ندی نے ناکرہ گناہوں کی سزا کالی وہ لکھتے ہوئے بھی محسوس ہوا لیکن مجھے خوشی ہے کہ قارئین نے اسے بے حد سراہا جس کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں ناول میں موجود میرا سب سے پسندیدہ کردار ناول کے ہیرو ویرن باؤن تھا انسان کا نہیں بلکہ میرا پسندیدہ کردار ندی کی وطنہ کا ہے کہ جب ساری دنیا ان کی بی بی پر الزام لگا رہی تھی تو شوہر کے دنیا سے چلے جانے کے باوجود انہوں نے صرف اور صرف اپنی بی بی پر اعتبار کیا وہ حقیقت یہی احمدی تو ہے جو لڑا اور غصے طوف پر بیٹھیں کو بے جا پاپے اور پھر بیٹھیں پر ہی لازم ہے کہ وہ اپنے دل کے اندر کوئی شے نہ بچھا دیں۔

سوال نمبر ۵: کوئی ایسا کردار جسے لکھتے ہوئے آپ بہت جذباتی ہو گئی ہوں؟
جواب: مجھے تو لگتا ہے شاید میں تو چھوٹے سے چھوٹا کردار لکھتے ہوئے بھی جذباتی ہو جاتی ہوں کیونکہ ہر کردار کے ساتھ ہی انوومنٹ اس قدر ہو جاتی ہے کہ کسی ایک کا نام لینا غلط ہوگا "لال جڑا" کی سارقا بی ہوں یا "وہی ایک لکھڑی ست کا" کی نامی، اکاش ایسا کے تو جو ان قاری صاحب ہوں یا میں کسی کے ہاتھ پر کا سچو خ تمام ہی کرداروں کے بارے میں لکھتے ہوئے ہمیشہ ہی قلم پر گرفت اس لیے بھی رہ گئی پڑی کہ اگر کبھی تو جانے کتنا طویل کہتی ہی جاتی کہ ان کے اور حریف کچھ کرداروں کے بارے میں لکھنے اور پڑھنے کو بہت کچھ تھا لیکن اس سے کہانی کا جھکاؤ غیر متوازن ہو جاتا اس لیے بڑا ہی مختصر لکھا لیکن الحمد للہ اس مختصر لکھے ہوئے میں ہی اتنی پڑی ملی کہ ہو سکا ہے اس طرح لکھا جاتا ہو۔

اب سوالات کی باری ہے اسلام آباد سے مدنی روشن نے کی۔
سوال نمبر ۶: آپ نے کس رائٹرز سے متاثر ہو کر لکھا شروع کیا؟

جواب: مجھے اپنی کم عمری کا احترام ہے مدنی کچھ بہت کم پڑھنے کا وقت تھا ہے شروع میں بھی کچھ عیسائی تھا اور عیسائی تھا کہ میں تیار پڑھنے کے معاملے میں بہت کر پڑی ہوا کرتی تھی۔ ہمارے گھر میں مطالعے کا شوق نہیں بلکہ خون میری سسٹر نازیہ ہائی کو سے خواتین کے بلانہ رسالے صرف انہی کی وجہ سے آتا کرتے تھے جن میں میری دیکھی محض مختصر سلسلے ہوا کرتے تھے۔ پھر بھی کھارا کوئی کہانی پڑھ لی تو تبہ وہ زمانہ کر دیا کرتی تھی اور جب حقیقی معنوں میں مجھے پڑھنے اور بہت پڑھنے کا دل چاہنے لگا تو میں اگلی ملنے آئی جہاں لکھنے میں ملید اور پھر یہ ہا کہ میں پاکستان سے لکھنے کو ملتا کہ پڑھنے کی لیکن اتنا زیادہ کسی بھی رائٹر کو نہیں پڑھا کہ مجھے لگے وہی میرے لکھنے کی وجہ سے گئی بلکہ گئے ہوں۔

سوال نمبر ۷: آپ کو اس شعبے میں آنے کے لیے کس جلی ممبر کی سہولت

حاصل ہے؟

جواب:- ہماری جلی کا حراج الحمد للہ ایسا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو تو کیا کسی دوسرے کو بھی اگر کسی بھی موقع پر سپورٹ دے گا تو ہمیشہ کوشش کی کرتے ہیں کہ ہر تونے کے بجائے ہمت بندھائی جائے اور اس بات کے سبب ہی محترف بھی ہیں تو ایسے میں ظاہر ہے کہ سپورٹ تو بہر حال سب کی رہی ہے۔ اسی لیے ہوں یا سسٹرز جب انہوں نے مجھے لکھنا دیکھا تو ہمیشہ بہت حوصلہ افزائی کی اور اس حد تک کی کہ ایک کہانی کے بعد پھر مزید دل چاہنے لگا کہ مزید لکھا جائے ایک چھوٹی سی مثال دوں کہ ہمارے گھر میں خانی ڈھونڈنے کا رواج ایسا ہوتا ہے کہ ہمیشہ ہر چیز ہر معاملے پر ہر انسان کے مثبت انداز پر فخر کرنا ہی سکھایا گیا۔ گھر میں کھانا پکاتے ہوئے اگر کبھی کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو اس دن زیادہ تعریفیں ہوتی ہیں مصالحوں زیادہ ہو گاتا تو کئی محنت اور کھانے دینے کے انداز کی تعریفوں کے ساتھ ساتھ پھر اس معاملے کے کم زیادہ ہونے کو بھی سر لیا جاتا ہے جیسے آج تو ہوتا ہی تھا اور اگر نہ ہوتا تو پتا نہیں ہم کھانا کیسے کھا جاتے تو پھر آپ خود ہی سوچ لیں کہ جب میری پہلی کہانی چھپی ہوئی تو میری حوصلہ افزائی کے لیے کیا کیا نہیں کیا گیا ہوگا اور کس کس انداز میں مجھے سپورٹ کیا ہوگا۔ سو پہلے ہی ابو اور بہنیں اور شادی کے بعد مسیوڈ کی بھرپور سپورٹ ملتی ہے۔

سوال نمبر ۱۳: آپ کا اپنا ٹھکانہ ناول یا افسانہ؟

جواب:- اپنے گھر سے ہونے میں سے منتخب کرنا تو بہت مشکل ہے لیکن چونکہ آپ نے صرف ایک بتانے کا کہا ہے تو "دی ایک لمبہ زیست کا" یہ ناول مجھے خود بھی بہت پسند ہے اور افسانوں میں "ہزاروں خواہشیں لکی" جس میں خانہ بدوشوں کی کہانی اور تمام لب و لہجہ بھی ان کا ہی تھا مجھے لکھتے ہوئے بہت منفرد اس لیے بھی لگا کہ ان کی زبان مختلف تھی جو بہت کم قارئین کو پہلی مرتبہ پڑھنے میں سمجھ آتی اور سب نے ہی کہا کہ وہ افسانہ انہوں نے بہت ٹھیک ٹھیک کر پڑھا پھر دوسری مرتبہ پڑھا تو وہ لہجہ سمجھ میں آیا۔ لیکن ان کی بول چال اور قاری کے ذہن کو ان کی بستیوں تک لے جانے کے لیے مکمل طور پر ان کی کہانیاں میں ڈھانچا کر لکھنا بہت ضروری تھا اس کے بغیر شاید دھڑکتا۔

سوال نمبر ۱۴: آپ میری ہیں؟

جواب:- جی ہاں الحمد للہ میں نہ صرف میری بلکہ دو پیارے پیارے بچوں عبدالرحمان اور محمد حمزہ کی ماما جانی بھی ہوں جن کے دم سے ہر دم حق اور حق کی دلچسپ باتوں سے ذہن فریش رہتا ہے اور میری دعا ہے کہ دب کعبہ ہمیں ہمارے والدین کے لیے اور ہمارے بچوں کو ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنا دے آمین۔

سوال نمبر ۱۵: آپ کی زندگی کا کوئی ایسا دلچسپ واقعہ بتا دیجئے؟

جواب:- کوئی ایک..... میری زندگی تو مختلف قسم کے دلچسپ، رنگی، خطرناک اور ایڈوائسز سے بھری ہوئی ہے جن میں سے ایک کا انتخاب کروں تو کس کا ویسے بھی کسی بھی واقعے کو دلچسپ بنانا تو ہمارے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے بالکل ایسے جیسے چائے کا کپ سامنے رکھا ہو اور اس میں چینی ڈالنا آپ کے اختیار میں ہو لیکن ایک تازہ ترین واقعہ شیئر کرتی ہوں، جسے دلچسپ بنانے میں میرا تو کوئی حصہ نہیں لیکن ہاں صورت حال ہی ایسی تھی کہ بات ڈماد دلچسپ ہو گئی۔ حاصل کیجئے ان لوگوں کی دعوت پر جانے کا اتفاق ہوا وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ جہاں نے ایک مہمان سے میرا تعارف کروایا کہ یہ فاخرہ ہیں جن کا ناول میں نے نہیں پڑھا تھا اس کے کی بات حیرت مکالتے کے انداز میں ڈماد مہمان سے پڑھے گا کہ صرف ایک دو نغموں کے پہنچ ہونے سے کیا کچھ بدلا۔

"اسے دو تم فاخرہ ہو (کچھ تعریفیں) مجھے ڈائجسٹ اور کہانیاں پڑھنے کا خاص شوق نہیں ہے لیکن اس نے (میزبان کا نام) تمہارا "لال جوتا" پڑھوایا اور یقین کرو مجھے کاتم نے وہ سب میرے ہی گھر کے بارے میں لکھا ہو۔

"بس کوشش کی تھی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ آپ کو پسند آیا۔"

(ناول کے متعلق کچھ تعریفیں مل گئیں)

"فاخرہ ابھی جاتا ہے یا تمہاری دیر کرنا ہے؟" (میرے مسیوڈ لے جوتا کا صلے پر بیٹھے تھے نزدیک آ کر پوچھا)

"یہ تمہارے....."

"میرے ہر بیٹہ ہیں۔"

"اب تو آپ میری ہیں۔" (حیرت کا اظہار)

"اللہ اللہ"

"اب وہ تم سے آپ پر خنک ہو گئی تھیں کچھ باتوں کے دوران ہی عبدالرحمان بھی کھینچ گئے۔

"ماما جانی صبح میں نے جیتا (پنگ) پڑھا ہے تو گھر چلیں۔"

"یہ آپ کا بیٹا ہے؟" ماشاء اللہ عبدالرحمان کو فوراً سے دیکھتے ہوئے دو بولیں۔

"جی یہ میرا بیٹا ہے اور وہ جوان بچوں میں گرین شرٹ والا ہے ناں گلہز والا وہ بھی الحمد للہ میرا ہی بیٹا ہے۔"

"اچھا، اچھا دو آئی بچے تو ماشاء اللہ دونوں کیوٹ ہیں۔"

پہلے جان پھر جان جان پھر جان جان ہو گئے والا گانا تو میں نے سنا ہوا ہے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک ہی نشست میں پہلے تم پھر آپ اور پھر آپ کی تک کھینچ جائیں گے۔

بعد میں ساتھ کھڑی ایک اور لڑکی کے ذریعے میزبان کو یہ بات پتا چلی تو خفا ہوئیں کہ تم نے تو کاکھیں نہیں اسے، لکھتے ہوئے تو کرداروں کے بڑے مکالمے لکھ لیتی ہو اس کے منہ پر بھی دو تین جملے مارتیں ناں تو مجھے بھی سکون ہوتا۔

خیر منہ پر جملے مارنا تو ایک الگ بحث ہے لیکن میں نے خود اس تازہ ترین واقعہ کو بے حد انجوائے بھی کیا اور اس پر سوچا بھی بہت کہ اگر ہم ہر سال اپنی سالگرہ دھوم دھام سے منا لیتے ہیں تو حائف و صول کرتے ہیں مبارک بادیں لیتے ہیں تو اسی لیے ناں کہ ہماری عمر کا ایک سال بڑھ چکا ہے یعنی ہماری عمر میں اضافہ ہو گیا ہے تو پھر اس کے باوجود بھی ہمیشہ عمر بچپانے کی جستجو میں کیوں لگے رہتے ہیں۔ جب ایک بار دنیا میں آئے تو پھر تو آج نے بڑھتا ہی ہے اور ویسے بھی کسی کے چاہتی پھولتی مائی تانی یا آئی اور آئی کہنے سے ہم وہ بن تو نہیں جاتے نہ ہماری عمر میں فٹ سے اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کا نام لینے یا بے تکلف ہونے سے عمر کم ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۱۶: کس طرح کے لوگ آپ کا ٹھکانہ کرتے ہیں؟

جواب:- خوش مزاج، ذہین اور برجستہ لوگ۔

سوال نمبر ۱۷: کوئی غزل یا سونگ جی آپ کے موز کو بدل دے؟

جواب:- اب تو مجھے میوزک سے کوئی خاص لگاؤ نہیں رہا کچھ تین چار سالوں سے میوزک اتنا سنتی ہی نہیں ہوں درنہ تیز آواز میں میوزک میرے گھر میں ہونے کی پہچان ہوتی تھا ہر طرح کے سونگ سنا کرتی تھی لیکن مجھے یاد ہے کہ جب جہانزیب کا گانا "کو ایک دن کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے سب کچھ تمہارا ہے" جب ریلیز ہوا تھا تو اتنا پسند تھا اور میں اس قدر یہ سونگ سنا کرتی تھی کہ فل سی ڈی میں صرف یہی ایک سونگ دیکر ڈکڑا کر دیا ہوا تھا تاکہ مسلسل سنتی رہوں۔

اب اگر سنوں تو میں فاسٹ میوزک سننا ہی پسند کرتی ہوں کیونکہ غزلیں مجھے اس قدر جیتی ہیں دل کو پھول کر دیتی ہیں کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ میوزک بہر حال زندگی کے موز پر اثر انداز ہوتا ہی ہے۔

سوال نمبر ۱۸: آپ کا کوئی پسندیدہ شعر؟

جواب:- کسی ایک کا انتخاب تو بہت مشکل ہے کیونکہ شاعری مجھے بے حد پسند ہے لیکن اس دقت جو ذہن میں آ رہا ہے وہ لکھ دیتی ہوں یہ کہاں مجھ بخش کے صوفیانہ کلام میں، خیالی زبان میں لکھا گیا ہے۔

میں جتان قدر نہ میرا ہے صاحب لوں طے آیاں
میں کھیاں فا روڑا کڑا مینوں مکل چڑھایا سائیاں
آخر میں آپ نے میرے لیے جو اتنی ساری دعائیں لکھیں ہیں ان کا بہت بہت شکریہ اللہ آپ کو بھی دنیا اور دین میں کامیابیوں سے نوازے آپ کی فرمائش پر آپ کے لیے ایک شعر جو میں نے ابھی ابھی آپ کے لیے لکھا۔

تمہارے مسکرانے سے جو دل میں پھول کھلتے ہیں
خدا جانے کہ ان پھولوں کی خوش بو صرف تم سے ہے
بہاروں میں یہ جو ہر سو ہے پھل تازگی دکھو
یہ ان کی تازگی، جبین، سجاوٹ صرف تم سے ہے

اب یہ سوالات ہیں پیاری سی حنا اشرف کے کوٹ اوروں سے۔
حنا ڈیر آپ کے شروع کے جوابات تو میں دے چکی ہوں اس لیے آپ کے
تیسرے سوال سے شروع کرتے ہیں۔ امید ہے کہ پہلے دو کے جواب آپ کو اچھی
طور میں مل جائیں گے۔

سوال نمبر ۱: ہمارے لیے دوسروں کو سمجھنا مشکل ہے یا خود کو؟

جواب: پیاری حنا سب سے پہلے تو اپنے آپ کا بنیادی تعارف ہر انسان کے
علم میں ہونا ضروری ہے کہ آخر ہم کیا ہیں، کون ہیں، کیوں ہیں؟ ہمیں اپنی ہستی کے
متعلق ضروری آگاہی ہونی چاہیے اور ہمیں یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہم سب اگر
دیکھا جائے تو خاک ہیں محض خاک۔

اہستہ وقت کے سبزے تھاں میں موجود ہمارے اعمال کے سکے ہمیں خاک کے
کس درج پر فائز کرتے ہیں یہ اختیار عمل طور پر ہمارا ہے کسی خاک جو دھول بن کر
اڑتی ہے اور ہر مظر کو گرد لود کر جاتی ہے۔ صاف ستھری روشنی آنکھوں میں پڑے تو ان
میں آنسو نمودار ہوتی ہے یا پھر کسی خاک جس کی پاکیزگی کی لوگ قسمیں کھایا کرتے ہیں
اور جسے چھوئے اڑنا آنکھوں سے لگانے کی حسرت ہر دل میں رہتی ہے۔

ہم دوسروں کو سمجھنے کا خیال ضرور رکھتے ہیں دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن اس میں
صدقیت نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا تو لوگ اتنے اتنے برسوں کی دوستی یا رفاقت کو بھی چھوڑ
کر نہ جاتے مگر انہیں سمجھنے کا دعویٰ رکھنے والے لوگ ایسا ہونے نہ دیتے۔

اس لیے میرا خیال ہے کہ خود کو سمجھنا نسبتاً آسان بھی ہے اور فائدہ مند بھی ہم اگر
صرف اور صرف اپنی ذات کے ہی خواص سمجھ جائیں تو خود شناسی کی طرف بڑھا ہوا یہ
پہلا قدم بہت اچھے تک ہماری رہنمائی کر سکتا ہے۔

سوال نمبر ۲: خوش گواری اور خوب صورت زندگی کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: خوش گواری اور خوب صورت زندگی کے لیے ظاہر ہے کہ ہمیں خوش رہنا
چاہیے اور ہر وقت خوش رہنے کی میری اپنی دوسری بات ہے کہ یا تو یادداشت کو ظاہری طور
پر اس قدر کمزور کیا جائے کہ کسی کی بھی کوئی بھی دل دکھانے والی بات یاد ہی نہ رہے اور یا
پھر میری طرح اللہ کو اپنا سب سے گہرا بندہ بنی اور بے تکلف دوست مان لیجیے ظاہر ہے
کہ ہم انسان ہیں مشینی ریموٹ نہیں ہیں کہ ہم میں کسی بھی قسم کے احساسات نہ ہوں یا
ہم میں ہرٹ ہونے میں کوئی سانسٹیک ایریا چاہے لیکن زندگی میں جو کچھ بھی ہوا ہے
باقاعدہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے سب کچھ بتائیں باوجود اس کے کہ وہ سب جانتا ہے
مگر ایک دوست کی طرح اپنے بتائیں کہ آج فلاں کے رویے یا بات سے مجھے بہت
دکھ ہوا اور میں اب کتنا ہرٹ ہل کر رہی ہوں۔ جب اپنی ساری لمٹنگ بتا چکیں تو آخر
میں یہ کہنا مت بھولیں کہ مالک میں نے یہ سب اس لیے شیئر نہیں کیا کہ میرے ساتھ
براکر نے برابر انہیں سزا ملے بلکہ میں نے تو آپ کو ایک دوست سمجھ کر یہ سب بتایا
ہے اور میں تو انہیں معاف کر چکی ہوں پلیز آپ بھی معاف فرمادیں۔

یہ عمل کرنے اور معاف کروانے کی عادت اپنا کر آپ اپنی ذات میں جو ٹھہراؤ
سکون اور خوشی محسوس کریں گے اس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے اور پھر صرف یہی نہیں
بلکہ پھر اس پاکیزہ ذات کو اپنی خوشیوں میں بھی شریک کریں اور اسے بتائیں کہ یا اللہ یہ
خوشی جو آپ نے میری زندگی میں عطا کی ہے میں اسے ڈیڑھ دو ٹونٹیں کر لی لیکن یا آپ
کا مجھنا جنہ بڑا ہی کرم ہے کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا کہ میں اچھے بولنے والے آپ کا
شکر کروں اور آپ کی نعمتوں پر ہموکی نہ سواؤں۔

بے شک زندگی اور آخرت کی خوب صورتی رب کعبہ سے قریب ہونے
میں ہی ہے۔

اس موضوع پر بے حد بے حساب لکھ سکتی ہوں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ
ایک باشعور اور سمجھ دار قاری ہیں ان چند سطروں کے لب لباب کو سمجھ گئی ہوں گی خوب
صورت زندگی کا ماز بندے اور اس کے خدا کے درمیان ایک خوب صورت رشتے اور شکر
گزاری میں ہے۔

اوتا خرمیں آپ نے بھی اپنے لیے ایک شعر لکھنے کی فرمائش کی ہے۔

ہر بس ایک ہی ہوتا ہے دلِ سخن کرنے کا
جس کے ساتھ مل جیسا اسے اک مل کا فہم نہ دیں

وجد اپنا ہو سب کے واسطے کو دھوپ میں سلیہ
کسی کی آنکھ ہو پر فہم، کبھی ہم ایسا فہم نہ دیں
فاخرہ گل

دارپنڈی سڈیٹر علیہ عرفان احمد لکھتی ہیں۔

السلام علیکم آپی میں آپ سے بس یہ پوچھنا چاہوں گی کہ آپ اتنی نیچرل اور
بہمکنہ کیسے ہیں؟ اتنے فہم کے باوجود آپ کے فیس بک کے اسٹیلز پڑھ کر جو میری
مائے آؤں وہ یہ ہے کہ آپ بہت بہمکنہ ہیں اتنا فہم اور پھر بھی سب سے اچھے
طریقے سے بات کرتی ہیں یہ سب کیسے، مجھے آپ کی فہم ہونے پر حیران ہے۔

جواب: سلام ہوٹ علیہ

خاک مجھ میں کمال رکھا ہے
مصطفیٰ ﷺ نے سنبھال رکھا ہے
میرے میلوں پر ڈال کر پڑا ہے
مجھ کو اچھوں میں ڈال رکھا ہے

میں اگر آپ کو اچھی لگتی ہوں تو اس میں شاید میرا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ یہ تو آپ
کا اپنا محبت بھرا انداز ہے کہ آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں مائی ڈیر نیچرل یا عاجزی پسند
ہونا میرے خون میں ہے میرے اندر جو بھی اچھی عادات ہیں ناں وہ سب ہی امی اللہ
ستائی ہیں ہائی کی ادب چائنگ عادات سو فیصد میری اپنی ہیں۔ کہا جاتا ہے ناں کہ
بولدا اکثر اوقات وہ نہیں کرتی جو اسے صرف کہا جاتا ہے بلکہ وہ عمل تجزی سے اذیت
کرتی ہے جسے وہ اپنے والدین کو کرتے ہوئے دیکھتی ہے تو میں نے بھی دیکھا کہ گھر
پر کام کرنے والی آئی ہوں اور کھانے کا وقت ہوتا تو انہیں ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا کرتی
تھیں۔ بچپن سے لے کر آج تک میں نے انہیں بھی کسی کام والی کو ڈالنے تو دور سخت
لجھ میں بات کرتے نہیں دیکھا اور وہ ہمیں بھی یہی کہتی ہیں کہ خود کو اس کی جگہ رکھ کر
دیکھو اور سوچو تو کبھی ملازم سے سختی سے پیش نہیں آ سکو گی اس طرح اب بھی ہمیشہ اپنے
ماتحت افسران سے لے کر ڈائریکٹ تک سب کی عزت نفس اور شخصیت کا احترام کرتے تو
یہ سب شاید شخصیت کا حصہ ہی بن گیا کہ کوئی بھی خواہ بازار میں چیزیں بیچنے والا ہو یا
آپ کے سامنے رہنے والا ہم سب کے ساتھ ان طرح ملتا ہے کہ انداز میں تکبر تو
اللہ معاف کرے بہت بڑا لفظ ہے اور واحد خدا کو عزت دیتا ہے کسی بھی قسم کی بڑائی تک
ظاہر نہ ہو اور جہاں تک سب سے اچھے طریقے سے بات کرنے کی بات ہے تو یہی میرا
فطری انداز ہے میں اپنے اور پر سرخ نہیں چڑھا سکتی۔

کوئٹہ میں ہوتی ہے کہ جب آپ سب کی طرف سے اتنی محبت ملتی ہے تو اس کا
جواب بھی بہترین الفاظ میں دیا جائے جب لکھنا اشارت نہیں کیا تھا تب بھی یہی انداز
تھا اور اب، جبکہ چند لوگ جانتے ہیں تب بھی ویسا ہی ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ ایسا ہی
رہے گا کہ شہرت تو آتی جاتی چیز ہے لیکن اخلاق راگی دولت ہے جس کا پلڑا آخرت
میں بھی ہماری رہے گا۔
تمینہ کٹر چیچو ملنی سے پوچھتی ہیں۔

فاخرہ میں آپ کو بہت پسند کرتی ہوں آج کل کے زمانے میں جہاں فرسودہ
رومانس لکھ کر بچوں کی شخصیت کو مثبت انداز میں تراشنے کے بجائے انہیں ایک
انسانی دنیا میں حکملا جا رہا ہوا رہ چکیاں بھی اس دنیا میں خوشی محسوس کر رہی ہوں ایسے
میں آپ کے معاشرتی موضوعات میرے دل کو چھو جاتے ہیں آپ کی کہانیاں میرے
اس دعویٰ میں ثبوت کا کام کرتی ہیں جن میں، میں کہتی ہوں کہ زبردستی کے رومان لکھ
سین اور مکالموں کے بغیر بھی ایک مضبوط کہانی لکھی اور پسند کی جاتی ہے کیا بھی اپنی
اس خوبی پر تکبر محسوس ہوا بلکہ میرے لیے ہی تھی۔

تمینہ میں نے آپ کی طویل ترین تحریروں کو پڑھ لیا ہے البتہ یہاں پر صرف یہ
چند لائنیں رسید کے طور پر لکھی ہیں اتنے خوب صورت الفاظ اور حوصلہ بڑھانے کے
لیے بہت بہت شکریہ نگہ کر رکھیں کس بات پر اردو کس کے سامنے کروں اور کیا اس خدا
سے چھپ کر کروں جو تمام جہالوں میں واحد تکبر کے لائق ہے؟

اللہ معاف کرے غرور و تکبر کا تو دور کی بات ہے میں نے تو ایسا کبھی سوچا بھی
نہیں ہے اور پھر اگر یہ سوچ لیا جائے کہ ماما ہوتا ہمارے اختیار میں ہے اور نہ ہی نہ ہوتا
ہمارے بس میں خود کو دنیاوی معاملات میں پیچھے کے عمل پر طاقت ور خیال کرنے

جواب: میری کم عملی کیسے کہ میں تمام ہنر کو نہ نہیں پاتی ہوں لیکن پھر بھی اگر ایک مجموعی جائزہ لیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ شاید لب لہجے والے روحانیت کی طرف بھی توجہ رکھے ہوئے ہیں۔ جو کہ ایک اچھا ٹھکان ہے موضوع کوئی بھی ہولور

فرہی نہیں کہ آپ بظاہر اپنے سامنے چھوٹے لوگوں کا جھم لے کر بیٹھ
تھا کہ یہ سب میرے لئے ہیں میری خدمت میں لوگوں کے جانے ہی آپ ایک

مسکان شہزاد لاہور سے

مید پر تو ہم انسانوں کے گڑبگڑوں میں غلوں سے بھر دیں گے کہ ہم اس رحمت اس کا کام نہ لے سکتے ہیں جبکہ اللہ کے اس تو جس کام کا جو رحمت مقرر ہے وہ

جواب: اللہ کا شکر ہے مسکن کنجاہ تو یہاں وقت نہیں آیا کہ کہنے کے حوالے

شہادت مانتی ہے بلکہ اس کی دعاؤں کا بیج ہی پھلتا ہے کہ ہماری ہر شے میں شہید ہیں

اور قیامت تک شہادت کا نور ہماری پیشانیوں پر چمک رہا اور ایک عرصے کی بات میں آپ کو بتاؤں کہ "ہزاروں خفا مشین لگتی" تو خود میں نے اپنے اوپر بیٹے چھوٹے سے واقعہ کو ہی غم بند کیا تھا۔

ہوں کچھ یوں تھا کہ میں پاکستان گئی ہوئی تھی جون جولائی کی وہ پہر میں میرے بچوں اور خالہ کے علاوہ اتفاق سے کوئی گھر نہیں تھا۔ نکل ہوئی اور جب میں نے گیٹ کھولا تو سامنے مکمل طور پر وہی گیٹ آپ کے جو میں نے کہا میں لکھا تھا ایک ہٹا کٹا فقیر کھڑا ہوا تھا اور نہ صرف کھڑا ہوا تھا بلکہ اپنے ایک پاؤں گیٹ کے درمیان میں بھی کر لیا تھا تا کہ گیٹ بند نہ ہو سکے، وہی مکالمے تقریباً جو میں نے تحریر کیے تھے بولنے لگا کہ بتا نہیں فلاں سرکار سے آیا ہوں اور یہ وہ اس کا حلیہ کچھ ایسا تھا کہ عبدالرحمان اور محمد حزنوفا ہی اندر چھپ گئے میں نے اندازہ تو کر لیا تھا کہ خواجہ ابی بس فراڈیا ہی ہے لیکن پھر بھی کیونکہ روزانہ سے برا گیا تھا اس لیے خالی لوٹائے جانے کا تو تصور ہی نہیں تھا تو میں نے ذرا سا پیچھے ہو کر گیٹ کے ساتھ اندر دلی دیوار میں بنی بالشت بھر ڈالنا جگہ سے لے کر کچھ پیچھے نکال کر بیٹھائے۔

یہ جگہ ابھی نے خاص طور پر روزانہ سے پڑے فقیروں کے لیے پیسے رکھنے کے لیے بنواری تھی جس میں ہمیشہ پیسے ہوتے ہیں تاکہ نکل ہونے پر واپس اندر نہ جانا پڑے اور یہیں سے ہاتھ بڑھا کر حسب تو فیق من کی مدد کر دی جائے۔

لیکن جناب یہ کیا وہ کیسے نہیں مجھے تو اندر سے جا کر لا کر دھلاں سرکار کا حکم ہے رزق میں برکت ہوگی وغیرہ وغیرہ گیٹ کے عین درمیان میں رکھا آڑھانے اس کا پاؤں عجیب حلیہ اس برجاست لگتی کہ لبا چڑا پہلوان اور سب سے بڑھ کر اس کی انتہائی پرہیزگارگی سبز میلی میلی آنکھیں میں عام طور پر ایک ڈرپوک انسان ہوں۔ کا کرہنچ، چھپکلیں وغیرہ سے میری نہیں بنتی، اسی لیے انہیں دیکھتے ہی یہاں وہاں بھاگنے لگتی ہوں وہ بھی مکمل ساؤنڈ انجیکشن کے ساتھ (جی ہاں میری مشہور و معروف تھیں) لیکن اللہ کا شکر ہے میں کسی بھی قسم کے حالات سے یا انسان سے نہیں ڈرتی سواندازہ تو مجھے ہوس گیا تھا کہ یہ جعلی فقیر ہے لہذا پہلے تو میں نے اسے کہا کہ جاؤ معاف کر دو اور اگر پیسے لینے ہیں تو یہی لے لو اندر بھی یہی پیسے ہوں گے اور یہاں بھی وہی ہیں لیکن دو ہاتھ میں پکڑاؤنڈا مارے دم سے زمین پر اور کہے لے کر ہی جاؤں گا اس گھر سے تو لے کر ہی جاؤں گا اور نہ کھنا چھین دھلاں غلامو ملے گا فلاں ملے گا۔

جون جولائی کی سنائے دار دو پہر اندر پہنچے، خالی تو سو رہی تھیں اگر میں چاہتی تو ذرا سا شور مچا کر کسی کو بلا سکتی لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی تو مختصر یہ کہ میں نے گیٹ بند کرنے کی کوشش کی اور وہ کرنے نڈسے نکچ میں پاؤں رکھا ہوا تھا اور اوپر سے ڈنڈے والے ہاتھ نے گیٹ پکڑ رکھا تھا اور پاؤں ساتھ یہ بھی بتا رہا تھا کہ دو ماہ پہلے میرے ساتھ کسی نے ایسا کیا تھا وہ اب اباج ہو کر بھی میرا سلسلہ ان سے ہے ان سے ہے لیکن اللہ کی طرف سے مدد لگتی آئی کہ میں نے اس پوری طاقت سے اس کے پاؤں کو پرے کیا تو جس ہاتھ سے اس نے گیٹ پکڑا ہوا تھا اس میں چونکہ ڈنڈا بھی تھا سو اس کا بلیٹس بگڑا اور میں نے فوراً سے گیٹ بند کر دیا۔ یہ سب شاید دس دس ڈھائی منٹ کا واقعہ تھا جس پر میں نے دھڑک دھڑک کر کہا کہ چہرہ مجھ پر تب تک یاد ہے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ جن برسے بتانے کی اس نے اپنی عظیم سرکار کے در سے مجھے لٹنے کی خبر دی تھی آج چھ سال بعد بھی ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔

میرا سلیم سیالکوٹ سے ہوتی ہیں کہ فاخرہ آبی جھٹا آپ کی تحریریں بہت پسند ہیں اور جس بھی رسالے میں آپ کی کوئی تحریر شامل ہو میں وہ ضرور ہی خریدتی ہوں۔ پہلے تو میں آپ کی لکھی گئی کہانیوں کی ہی لیکن جب سے میں بک کے قمر کا آپ کی روزمرہ کی باتیں پڑھنے کو لگتی ہیں میں آپ کی سوچ کی بھی بہت بڑی فہم ہوئی ہوں لیکن خوب صورت انداز میں باتیں کرتی ہیں کہ حرما جاتا ہے بہت دفعہ سوچا کہ آپ کو تنگ کر کے بتاؤں لیکن است نہیں ہوئی اب آج کل کا بہت شکر یہ کہ ان کے توسط سے آپ سے مخاطب ہوں۔

آپ کیا پاکستان بھی آتی ہیں اگر آتی ہیں تو کتنے عرصے بعد اور اب کب آنا ہے مجھے آپ سے ملنے کا آپ کو اپنے سامنے ہاتھیں کرتا دیکھنے کی بہت شدید خواہش ہے، کیا آپ میری یہ چھوٹی سی خواہش پوری کریں گی اور کیا آپ کے ساتھ میں بھی تھوڑا سا وقت گزار پاؤں گی، جو ہمیشہ کے لیے یادگار ہو جائے میں آپ کی احسان

مندرجہ ذیل کی۔

بیاری میرا اتنی دیر ساری تقریروں اور دعاؤں کے لیے دل سے بہت شکر ہے آپ کے طویل ترین پیغام کو میں نے بڑی توجہ سے پڑھا لیکن باقی خطوط کی طرح مختصر سوال لکھا ہے کہ مجھے اپنی اپنی تقریریں لکھنا ذرا عجیب سا لگتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں نے پڑھی نہیں آپ کے لکھے ایک ایک لفظ میں جو محبت موجود تھی میں اس کے لیے آپ کی شکر گزار ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے میری باتیں اگر آپ کو اچھی لگتی ہیں تو صرف اس لیے کہ آپ انہیں محبت سے پڑھتی ہیں کیونکہ پتا ہے میں کہ جو لوگ برے لگتے ہوں ان کی اچھی بات بھی بری معلوم ہوتی ہے اور جو اچھے لگتے ہیں ان کی عام سی باتیں بھی دل میں گھر کر جاتی ہیں۔

جی ہاں میں تقریباً ہر سال پاکستان آتی ہوں بلکہ اس دفعہ بھی ان شاء اللہ بچیں جون کی فلائٹ ہے اور آدھے روزے ہم پاکستان میں ہی رہیں گے پاکستان میں روزے رکھنے کا عزم ہی کچھ اور ہے اور خاص طور پر میری کے وقت ہونے والی ہجرت کی لڑان، میں یہاں پر بہت مس کرتی ہوں ہمیشہ آپ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں تو بھلا کون سی مشکل بات ہے کہ وہاں تک میں پاکستان میں ہی ہوں جب بھی آپ کا کھرات آتا ہو ضرور نشریف لایے گا مجھے بھی آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔

برون افضل شاہین بہادر گھر سے پوچھتی ہیں

فاخرہ گل آپ کا نام کس نے رکھا تھا اور کیا آپ کو یہ نام پسند ہے

ڈیڑہر دوپہر پہلی بات تو میں آپ کو یہ بتاؤں کہ جس نام کا آپ نے پوچھا ہے یہ تو آدھا میں نے خود ہی رکھا ہے اور وہ یوں کہ میرا مکمل نام فاخرہ گل نہیں بلکہ فاخرہ زین ہے جو ابی ابی اور بڑی بچپن میں کر رکھا تھا البتہ یہ فاخرہ گل میں صرف مذاق مذاق میں ہی بدلاتھا اندازہ نہیں تھا کہ یہی پھر مستقل شناخت بن جائے گا۔ واسطی میٹرک میں ہم چار دوستوں کا گروپ تھا فاخرہ زین یعنی کہ میں، شازیہ گل، جو سوات کی تھی، عائشہ صدیقہ اور عائشہ اشرف ان میں سے بالترتیب ایک حیدرآباد جبکہ دوسری پنجاب کی تھی ہم چاروں میں سے میں اور شازیہ ایک دوسرے کے زیادہ ملگور تھے اور وہ دونوں میں ایک دن اسی محبت میں آ کر ہم چاروں نے اپنے لاسٹ نم ایک دوسرے کے ساتھ تبدیل کر لیے۔ کاہیز، جطر، ڈائری ہر جگہ پر سے نام کے اسٹیکرز ہٹا کر دوبارہ نئے ناموں والے اسٹیکرز لگائے گئے ساری کلاس کو بھی اس تبدیلی کے بارے میں بتایا گیا اور یوں میٹرک ختم ہونے تک ہم یہی نام استعمال کرتے رہے انہی دنوں میں نے ایک میگزین میں شاید اپنی پہلی نعت یا کوئی مراسلہ اب یاد نہیں بھیجا جس پر وہی نام یعنی فاخرہ گل بھی لکھا اور اس کے بعد سے میں تحریری سفر میں یہی نام لکھنے لگی۔

البتہ مجھے اپنا نام فاخرہ زین بھی بے حد پسند ہے کیونکہ ناموں کا انسان کی شخصیت پر بے حد اثر ہوتا ہے اور میں اس بات کی بے حد قائل بھی ہوں، جیسا کہ میں نے دو سال میں اللہ کے کرم سے چار کلاسز پاس کی۔ یعنی دن لو اور مگر اس کے بعد تحریر اور فوراً ریٹائرڈ یا مکمل طور پر ہمارے سرواڑے پر نکل کا تھا کیونکہ ہماری ای کا شروع سے ہی ہمارے پڑھائی کے معاملے میں یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ لیکن جو کل میٹرک کرنے پڑھا تا ہے اسے پہلے ہی گھر میں اچھی طرح پڑھنے پر زور دیتے ہیں جب بھی میٹرک کچھ پڑھاتے ہیں فائنٹ ہر چیز کا جواب دے دیا کرتی، کلاس ورک بھی فوراً اور ٹیسٹ میں بھی سب سے اوپر۔۔۔ تب سر نے اہو کو کہا کہ فاخرہ تو بہت ذہن ہے (آہم) تو اگر آپ چاہیں تو اسے تیاری کر کر اگلی کلاس کے بھی پیچھے لے جاسکتے ہیں میری خوش کا تو کوئی لکھنا ہی نہیں تھا بس مگر دل لگا کر تیاری کی اور اللہ کی عہد سے پورے دنوں کلاسز میں آپ کیا۔

آگے بھی کئی سلسلے اس طرح کے سامنے آئے جب مجھے بھی سننے کو ملتا ہے جی فاخرہ زین جو ہاں سے تو یہی امید تھی کہ اللہ سرفراز کرے مجھے اپنا نام بہت پسند ہے آپ کے بانی سوالات کے جواب ضرور آپ کو انہی صفحات پر مل گئے ہوں گے۔

(جاری ہے)



عیدِ سرایا اور ہم

عائشہ خان..... تنخواہ محمد خان

جواب نمبر ۱: سب سے پہلے تمام قارئین کو السلام علیکم اور بقرعید مبارک، عید اچھی پر سب سے پہلے گوشت کی چیز تو نہیں کیونکہ گوشت کھانے میں وقت لگتا ہے البتہ بیجی سب سے پہلے تسلی میں لینڈ کرتی (ہا ہا ہا) ہے تو بیجی ہی پکائی جاتی ہے۔ چونکہ میرے ہاتھ کی پکائی ہوئی بیجی سب گھر والوں کو پسند ہے تو مجھے ہی مچن کی جانب دوڑنا پڑتا ہے۔

جواب نمبر ۲: واقعی آج کل سب دکھاوے کی دوڑ دھوپ میں لگ گئے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ یہ سب کرنے سے قربانی کا ثواب رہ جائے گا اور ویسے بھی جب اللہ سے کچھ چھپ نہیں سکتا تو جس کو راضی کرنا وہ ہی منافقت اور دکھاوے سے آگاہ ہے تو یہ نمود و نمائش کیسی اور پھر اس عمل سے ان لوگوں کی بھی دل آزاری ہوتی ہے جو صاحب حیثیت نہیں۔

جواب نمبر ۳: قربانی کے گوشت سے عام طور پر سب کباب، بریانی، کچے فیٹے کے کباب، قورمہ، نہاری وغیرہ تو پکتے ہی ہیں مگر ایک ڈش جو قربانی کے بنوائے ہیں وہ ہوتی ہے سوٹ ڈش۔ میرے بچے جو کوئی کال پر ہاتھ رکھتا ہے ماما ڈاڑھ میں بولی پھنس گئی درد ہو رہا ہے، ایک آٹا ماما پیٹ میں درد ہو رہا ہے ایسے میں بچے ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا کرتے تو باری آتی ہے سوٹ ڈش کی، میٹھے میں سویاں، شاہی ٹکڑے، گھیر، شیر خورمہ، یا حلوہ جو بھی بچے کہتے ہیں بنا دیتی ہوں۔

جواب نمبر ۴: چونکہ ہم بقرعید اپنے جیٹھ کے گھر مناتے ہیں تو بڑارے کے پکٹ بنانے کا کام انہیں کا ہوتا ہے البتہ میں میلب کراتی ہوں۔ مگر پکٹ جیٹھانی بنائی جاتی ہیں اور بچھوانی جاتی ہیں۔

جواب نمبر ۵: ہا ہا ہا، دلچسپ واقعہ ایک بار ہمارے جیٹھ جو فاران شوگر مل شیخ بھر کیو میں رہتے تھے انہوں نے جو بکریاں خریدواہ بڑا ہی لڑا کو خان ہلا کو خان ٹائپ کا تھا سینک مارنا اس کی ہالی بھی اب مچن میں ہم سب موجود اور ہمارے کو نقصان گھما۔ اب ہمارا آٹھ کئی لشکرا گئے گئے اور بکریاں پیچھے اور بکرے کے پیچھے جیٹھ کا بیٹا (عدیل) اسے قابو کرنے کے چکر میں پھر بھی ہم سب نے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی دروازے کی کنڈی لگائی مگر پھر بھی بکر دروازے پر ٹکریں مار مارا ہنادل خوش کرنے لگا۔ صد شکر عدیل نے اسے قابو کر لیا۔ ایک اور واقعہ ہماری خالہ کے گھر میں ہم سب قربانی دیکھنے جاتے تھے۔ پڑوسیوں کی گائے جتاومی ادھوری ذبح کی ہوئی بھاگ گئی بس پھر کیا تھا اس پڑوس کے تمام قصائی ہائی الرٹ ہو کر اس کے پیچھے بھاگے بمشکل تمام اسے قابو کر کے مکمل ذبح کیا۔ یہ سارا منظر ہم سانس

رو کے کمانی اپنی گیلریوں سے دیکھتے رہے۔

طیبہ نذیر..... بلال صوال گجرات

جواب نمبر ۱: سب سے پہلے بیجی پکائی ہوں۔

جواب نمبر ۲: بالکل ٹھیک کہا آپ نے خاص طور پر امیر لوگ جو گوشت سے اپنے فریزر بھر لیتے ہیں (وہ بھی پورے سال کے لئے کیوں سب کھانا میں نے) اس طرح کے لوگوں کو چاہیے وہ زیادہ سے زیادہ غریب لوگوں میں گوشت بانٹیں امیر لوگ تو عام روٹین میں بھی گوشت کھاتے رہتے ہیں لیکن بے چارے غریب لوگ شادی پر ہی کھا سکتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو برابر پیدا کیا ہے تو ہم لوگ کسے فرق ڈال سکتے ہیں قربانی بھی ان لوگوں کی قبول ہوتی ہے جن لوگوں کی نیت صاف ہو اور وہ ثواب سمجھ کر اس فریضہ کو سرانجام دیں اور آج کل کے لوگ اپنی عزت بنانے کے چکر میں اپنے رشتہ داروں کو باور کرانے کے لیے گوشت زیادہ دیتے ہیں کہ (اوہناں لوں دی پتاتے چلے اسی ایڈاؤڈا ڈگر کچا وے) میری تو دعا ہے کاش سب لوگ اس حقیقت کو سمجھ جائیں اور ثواب کے حق ٹھہرے نہ کہ گناہ کے۔

جواب نمبر ۳: نہیں ایسی خاص قربانی تو کسی کی بھی نہیں ہوتی لیکن مجھے بیٹھا بہت پسند ہے تو میں تو بیٹھی ڈشز بنا کے کھاتی ہوں اور گوشت کو دیکھ کر ویسے ہی میرے دانتوں میں درد شروع ہو جاتا ہے سو میں عید پر عید والا گوشت نہیں کھاتی۔

جواب نمبر ۴: یہ فریضہ میری چھوٹی بہن مکہ بخوبی سمجھنا جانتی ہے وہی محلے میں ہاتھی ہے سب کے حصے وغیرہ علیحدہ علیحدہ کر کے میں تو گوشت کو ہاتھ تک نہیں لگاتی اور نہ ہی پکائی ہوں ویسے عید والے گوشت کے علاوہ میں پکائی ہوں لیکن عید والا گوشت دیکھ کر ہی دل بھر جاتا ہے میرا، اتنے دن یکے ہی کو کنگ کرتی ہیں۔

جواب نمبر ۵: کچھ خاص واقعات تو نہیں گزرے لیکن دس بارہ سال پرانا واقعہ ہے کہ میں اپنی بڑی آپنی لویلہ کے پاس (دھیر کے خورد) گئی ان کے سسرال میں تو جب آپنی کے سسرال والے گائے ذبح کرنے کے لیے ابھی پر تول ہی رہے تھے کہ گائے نے باہر دوڑ لگا دی وہ بھی پانی والے کھیت میں آپنی کے جیٹھ کے بیٹے نے بھی پیچھے چھلانگ لگا دی اس نے گائے کی دم پکڑی تو پھر کیا کچھ مت پوچھئے گائے کا گوبر اس کے کپڑوں اور ہاتھوں میں میرا تو فس فس کے برا حال تھا یہ واقعہ آج بھی یاد کرتی ہوں تو دل قہقہے لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

عائشہ اختر بیٹ..... سرگودھا

جواب نمبر ۱: قربانی کے گوشت سے سب سے پہلے بیجی یا پھر قورمہ اور پلاؤ وغیرہ پکاتے ہیں۔

جواب نمبر ۲: ارے ہا ہا ہم اس بارے میں کیا کہیں گے کیا ہم لوگوں کو رب ذوالجلال کا فرمان بھول گیا ہے کہ ہمارے اعمال کا دارو مدار خیرات پر ہے اللہ تعالیٰ تک ہمارے گوشت ہماری نمود و نمائش پر گز نہیں پڑتی بلکہ وہ تو ہماری نیت کو دیکھ رہا ہوتا ہے تو پھر نمود و نمائش

شگفتہ خان بھولال

جواب نمبر ۱:- عید پر قربانی کے بعد سب سے پہلے کبھی فراہی کی جاتی ہے۔

جواب نمبر ۲:- یہ تو سچ کہا سنت ابراہیمی کو نمود و نمائش کا حصہ بتادیا ہے قربانی بھی غریب لوگوں کے لیے مشکل ہوگئی ہے کہ جی بکرے کی ہوتو اہمیت بڑھتی ہے خدا را مذہب میں تو نمود و نمائش نہ کریں۔

جواب نمبر ۳:- ہمارے ہاں اس عید پر بھی شیر خور مہ کی فرمائش ہوتی ہے کہ چھوٹی عید تو بنتی ہی ہے بڑی عید پر بنائی جاتی ہے۔

جواب نمبر ۴:- گوشت کی تقسیم کا کام امی اور بھائی کے ذمہ ہوتا ہے جی ہم ابھی اس قابل کہاں۔

جواب نمبر ۵:- ہاں جی پچھلے سال تصائی ۸ بجے ہی آگیا ہم خوش کہ جلدی ہی فارغ ہو جائیں گے مگر نہ جی گائے بھی ذہ تو رسہ توڑ کر بھاگ گئی اور بس جی پھر گائے آگے اور گلی کے تمام لوگ اس کے پیچھے پیچھے پورا شہر ہی گھما ڈالا گائے نہر کے کنارے پر گئی سب اس کے پیچھے اس نے مڑ کر دیکھا اور نہر کر اس کر گئی اور سب لوگ اس کے پیچھے نہر میں آٹھ سے گیارہ بج گئے ایک بند گلی میں کھس گئی سانسے چزیں رکھ کر اسے روکنا چاہا مگر نہ جی سب کو لکڑیوں مارنی نکل گئی پھر تو لوگ اسے دیکھ کر جو گھر سامنے دیکھیں وہاں ہی کھس جائیں اور پھر سب چھریا لے کر اس کے پیچھے کہ جہاں بھی گری وہیں ذبح کر دیں گے۔ اللہ اللہ کر کے ۱۲ بجے وہ تھک کر جب دوسری گلی میں گری تو وہاں ہی اس پر چھری پھیر دی اور سب بھائیوں کو پھر بخار ہو گیا سب کو بعد میں اپنی اپنی چوٹیں یا قاتیں پھر گھر بیٹھ کر انس انس کر قصہ سناتے رہے اور اس کا گوشت خوب چبا چکا کر کھایا بہت بھگایا اس نے اب بھی یاد کرتے ہیں تو سب انس انس کر لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں اور اس عید پر اس پاس کے تقریباً ۶ جانور بھاگے تھے۔

بیرون افضل شاہین بھاولنگر

جواب نمبر ۱:- (لپیٹا) جس میں قربانی کے جانور کے گردے، دل اور گوشت شامل ہوتا ہے۔

جواب نمبر ۲:- اللہ کے پاس خوب صورت اور مہنگا جانور نہیں پہنچے گا صرف قربانی کرنے والے کی عاجزی اور اخلاص پہنچے گا اس لیے مہنگا جانور اس لیے نہ خریدیں کہ لوگوں میں ہماری امارت بڑھے گی اور لوگوں میں ہم معتبر ہو جائیں گے۔

جواب نمبر ۳:- ثابت مونگ اور چاول کیونکہ میرے میاں جانی کو یہ بہت ہی پسند ہیں۔

جواب نمبر ۴:- پہلے گوشت کے تین حصے کرتی ہوں ایک حصہ غریبوں سکینوں میں دوسرا حصہ اپنے رشتہ داروں میں اور تیسرا حصہ خود رکھتی ہوں ضرورت سے زیادہ اپنے حصے کا گوشت بھی بانٹ دیتی ہوں۔

جواب نمبر ۵:- ایک بار بکرا عید پر ہم نے بکرالیا ایک دن میں وہ بکرا محن سے کمرے میں لانے لگی تو کمرے میں بیٹھے میرے میاں جانی پر اس اٹھل شاہین نے کہا اس بھیلے کو کہاں لے کر

کر کے تو اعمال کو ضائع کرنے والی بات ہوئی نا، اب سمجھ دار یا جیاں، آنیاں معزز خواتین سب ہی سمجھ تو گئی ہوں گی کہ مجھ کج فہم کا کیا مطلب ہے (گستاخی معاف)

جواب نمبر ۳:- مزے کا سوال ہے ہماری طرف تو بھالی کی بنی ہوئی آنسکریم کی فرمائش ہوتی ہے جبکہ ذاتی طور پر مجھے پھوپھو کے ہاتھ کی کھیر بے حد پسند ہے، میرے تو منہ میں پانی آ رہا ہے قسم سے پھوپھو وزیر سلطانہ کے ہاتھوں کی بنی ہوئی کھیر کس میں تو میری جان ہے آ پس کی بات ہے عید پر پھوپھو کی طرف چلی جاؤں ناں تو نظریں بس اس لذیذ سی کھیر کو ہی ڈھونڈتی رہتی ہیں۔ ویسے عام دنوں میں میٹھا چکھنا بھی پسند نہیں کرتی ہوں کیونکہ مجھے ذرا بھی دیکھی نہیں ہے میٹھی ڈشز میں ایسا کسی نوڈلز زندہ باد۔

جواب نمبر ۴:- گوشت کی تقسیم کے مرحلے سے ابھی ہم کو سولہ دور ہیں ویسے بھی میری دونوں والدہ ماجدائیں بھی تقسیم نہیں کرتی ہیں اور نہیں نہیں بالکل غلط تھا ہے آ پ کا بڑی سسٹر اور بھالی بھی نہیں..... آں ہاں ایسی بات ہرگز نہیں ہے کہ ہم قربانی نہیں کرتے بلکہ جناب گوشت کی تقسیم میرے پیارے بابا جانی اپنے پیارے ہاتھوں سے کرتے ہیں اور اس قدر ایمان داری سے کرتے ہیں کہ جب تک ہمارے اپنے حصے میں سے بھی آٹھ دس کلو چلانے جائے تو ان کو سکون نہیں ملتا (ہاں میں آپ کے ساتھ ہوں) خیر بابا تو تب تک نہیں تھکتے جب تک بے چارہ وہیڑا خود بول کر نہ کہہ دے کہ انکل اب میں آپ کے حصے کا ہوں (ہاں ہاں) بہر حال چھوٹی ناں کی گھوریوں پر نظر پڑنے پر یہ سلسلہ ختم سا جاتا ہے (ماں جی ناراض نہیں ہوتا)

جواب نمبر ۵:- بچپن کے حوالے سے تو ایک مزے کا واقعہ ہے کہ دادا خود گھر میں قربانی کے لیے پیارا سادہ پالتے تھے ایک بار دسبے کو ہم سے بہر ہو گیا لو جی، پھر کیا تھا، لگ گیا ہمیں سیر کرانے گاؤں کی، لایا کہ کہا او بھائی ہم نے سارا گاؤں دیکھا ہوا ہے مگر اس نے تو قسم کھا رکھی تھی جیسے اور پھر جب تک ہم دادا جان کی پناہ میں نہ جیتے اس نے بھگا بھگا کر ادھ موا کر دیا اور پھر ہم نے بھی خود سے عہد کر لیا کہ آئندہ کسی دسبے بکرے کی رسی کھولنے کی کوشش نہیں کرنی چاہے دھوپ میں یا بارش میں جلتا نہ ہوتا ہے اور یہ تو تازہ ترین واقعہ نمائش یعنی پھولی بقر عید میرے بڑے پھوپھا جان جن کو ہم ماموں فیاض بولتے ہیں نے تصائی کے ساتھ مل کر وہیڑے کی ٹانگ پکڑائی کی رسم ادا کرنے کی کوشش کی مگر یہ کیا وہیڑے کو یہ شرکت پسند نہ آئی اور اگلے ہی لمحے ایک زوردار دھڑکی آئی جس نے ماموں کا جڑا تک ہلا کر رکھ دیا گھر میں سب سیریس بیٹھے اس بات پر ڈسٹش کر رہے تھے مجھے شرارت سوچھی بڑے بھیا جن کے سامنے بولتے ہوئے ہر بڑا چھوٹا سوچ سمجھ کر بولتا ہے میں نے بھیا سے اجازت طلب کی۔ بھیا ایک بات بولوں، ہاں بولو سنجیدہ سا جواب آیا ماموں نے جڑا سینکتے ہوئے یہ سوچا تو ضرور یاد کیا ہوگا مجھے تو تیری لت (ٹانگ) لگ گئی۔ ماموں کا جڑا سیکھنا ہاتھ اور ساتھ گانے کی ٹون (ویری فنی) سب کے ساتھ ساتھ بھیا بھی بے ساختہ مسکرائے (آئی لو یو بھیا)

آرے ہو، میں نے جواب دیا تمہاری آنکھیں ہیں یا بنیں یہ بھینس نہیں بکرا ہے۔ میرے میاں جانی نے جواب دیا۔ میں تم سے نہیں بکرے سے مخاطب تھا۔ یہ سن کر میں ان کی طرف بڑھی مگر وہ نودو گیارہ ہو چکے تھے۔

پارس فضل..... نامعلوم

عید قربان سب امت مسلمہ اور آنجل فیل کی کو بہت بہت مبارک ہو عیدیں تو آتی جاتی رہتی ہیں قربانیاں بھی ملک میں آئے دن ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ہماری قربانیوں کو قبول فرمائے آمین، اب آتے ہیں جی آپ کے سوالوں کی طرف۔

جواب نمبر ۱: جناب ہمارے گھر کی روایت کے مطابق تو سب سے پہلے سورج طلوع بعد میں ہوتا ہے اور خلوص کی کڑائی تیار ہوتی ہے اب آپ نے گوشت کی خاص ڈش پہلی جو پکتی ہے وہ پوچھی ہے تو نمکین بھنا ہوا گوشت ہی چلتا ہے۔

جواب نمبر ۲: جی بالکل آج تو قربانی صرف دکھاوا ہی بن گئی ہے لوگ بکرے اور ان کا وزن دیکھتے ہیں جبکہ اللہ کو نہ تو زیادہ گوشت چاہیے اور نہ ان کی خوب صورتی بلکہ اللہ تو نیتوں کو دیکھتا ہے تو میرے خیال میں قربانی صرف اللہ کے لئے کی جانی ہے نہ کہ دنیا کو دکھانے کے لیے تو ہم صرف اپنی نیت اور خلوص کو سامنے رکھ کر دیں دنیا کو نہیں۔

جواب نمبر ۳: سب موڈی سے ہیں جو دل چاہتا ہے پکا لیتے ہیں پھر گھر میں جو اس چیز کو ابھی طرح پکا تا ہے اسی سے فرمائش کی جاتی ہے۔ مجھ سے سوٹ ڈشز ہی بنوائی جاتی ہیں (بھئی خود جو سوٹ سی ہوں)

جواب نمبر ۴: یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جو اللہ پاک نے دی ہے اور میں نا تو اس کی سمجھی مجھ میں تو اتنا دم خم نہیں، سو اس لیے ابھی تک تو یہ ذمہ داری امامی کے کندھوں پر ہے اور وہی اسے نبھاتی ہیں کیسے معلوم نہیں۔

جواب نمبر ۵: قربانی کے جانور کے حوالے سے کوئی خاص واقعہ تو یاد نہیں ہاں ایک دفعہ ہمارا چھوٹا سا مینا تھا ہم نے بھی اسے بہت لاڈ پیار سے پالا تھا۔ خصوصاً چھوٹا بھائی تو اس سے بہت پیار کرتا تھا وہ اسے چیز بھی ساتھ ہی کھلاتا، ابو نے قربانی سے دو دن پہلے بتایا کہ اسے قربان کرنا ہے (بہت بگڑا ہوا ہے تنگ کرتا ہے ہم اسے نہیں رکھ سکتے) قربانی کے وقت بھائی کو سمجھا بھجا کر راضی کیا وہ محترم تو راضی ہو گئے لیکن بکرے صاحب شاید ناراض ہی تھے اسی لیے جب اسے ذبح کرنے کے لیے لٹایا گیا نکلے پر چھری پھیری تھوڑا سا کٹ لگا ادھر ابو کو چکما دے کر بھاکم بھاگ۔ پہلے تو سب ذبح ہوئے (تھوڑے سے زخمی بکرے) کو دیکھتے رہے لیکن جب سمجھا یا تو پھر سارے گھر میں آگے بکرا اور پیچھے ہم بڑی مشکلوں سے پکڑا اور قصائی سے ذبح کرایا اس واقعہ کو ہم جب بھی یاد کرتے ہیں تو خود بخود مسکراہٹ لیں پتا جاتی ہے۔

عروج مغل..... للہ ثلثون

تمام آنجل اشاف کو عروج مغل کی طرف سے کراری کراری نمکین اور مرے دار فقرہ عید مبارک ہو۔

جواب نمبر ۱: زیادہ تر عید پر خاص ڈش کیلجی یا پھر بھنا نمکین گوشت ہی پکتا ہے۔

جواب نمبر ۲: مذہبی تہواروں میں رواداری اور کھرے پن کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ یہ تو معاملہ ہی خاص نیت کا ہے اور اعمال کا دار و مدار تو نیت پر ہے نمائش کے بجائے خالص نیت کے ساتھ کریں چاہے چھوٹا عمل ہی ہو۔

جواب نمبر ۳: ہمیں ہمارے گھر میں ایسا نہیں ہوتا ہے کہ ضروری کوئی بغیر گوشت کے ڈش بنتی ہے بھی سب کا موڈ ہے تو بن جاتی ہے ورنہ نہیں۔

جواب نمبر ۴: دیکھیں جی ابھی میرا شمار بچوں میں ہوتا ہے تو یہ ذمہ دار بننا مجھ پر نہیں ہے لیکن گوشت کاٹنے میں ابو اور بھائیوں کے شانہ بشانہ ہوتی ہوں جی ماشاء اللہ بڑا شوق ہے مجھے تقسیم کا کام بھی ابو ہی کر دیتے ہیں پھر ای شاپر میں ڈالتی ہیں اور ہم یا ای یا تھوٹو اگلا کام کر دیتے ہیں۔

جواب نمبر ۵: قربانی کے جانور کے متعلق واقعات زیادہ تر بچپن کے ہیں جو مجھے پورے پورے یاد نہیں ہیں۔ دو واقعات ہیں جو مجھے یاد ہیں ایک گوشت سے متعلق ہے اور ایک بکرے سے متعلق، ہماری ایک عید تنہا میں گزری تھی تو اس پر جب گوشت آیا تو نانا ابو نے سارے ماموڈ کو کہا کہ وہ گوشت بنوائیں تو سب بہانے بنا کر چلے گئے۔ پھر ہم لوگوں نے کہا کہ ہم بنوائیں ہیں تو میری بڑی بہن اور میں ہم بنوانے لگ گئے میں نے سارا گوشت بنوایا ہم دونوں کو کھانے کے ساتھ نہیں لگتے تو مجھے پتا تھا کہ بڑی بہن کو بھی الرجی ہے لیکن وہ نانا ابو کو نہ نہیں کرے گی۔ سو میں بانی کا بہانہ بنا کر چلی گئی تو وہ بے چاری پھنس گئی۔ اس کے وہ تاثرات مجھے ابھی تک یاد آتے ہیں تو مجھے ہنسی اور پھر نانا ابو کے منٹس ہالہا کیا بات تھی۔ منٹس چھوڑیں ان میں میری تعریفیں تھیں کہ میں نے بڑا اچھا گوشت بنوایا ہے۔

وثیقہ زمرہ..... السنندری

سب سے پہلے تو ہماری طرف سے تمام مسلمانوں کو بہت بہت عید مبارک اب آتے ہیں سوالات کی طرف۔

جواب نمبر ۱: قربانی کے گوشت سے بریانی پکائی جاتی ہے اور ساتھ گوشت کو کھونا جاتا ہے۔

جواب نمبر ۲: اس زمانے میں سنت ابراہیمی پر کوئی عمل نہیں کر رہا سب دکھاوا ہی ہے قربانی کے اصل مقصد سے تو سب ہٹ چکے ہیں۔

جواب نمبر ۳: دو سال پہلے جب ہماری بھابی بیاہ کر آئیں تو انہوں نے آلودہ نمکین سویاں پکائی تھیں پہلے تو ہم سب نے بہت مذاق بنایا تھا۔ لیکن جب کھائی تو اتنے مزے کی تھیں کہ اب وہی فرمائش پر پکوائی جاتی ہے۔

جواب نمبر ۴: گوشت کی تقسیم ذمہ داری تو ہے پورا بھی کیا

جاتا ہے سب سے پہلے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے دو حصے رشتہ داروں اور غریبوں مسکینوں کو بانٹ دیا جاتا ہے ایک حصہ خود رکھا جاتا ہے۔

جواب نمبر ۵:- ہر سال بکر قربان کیا جاتا ہے اور بہت لاڈ و پیار سے پالا جاتا ہے ایک سال پہلے کی بات ہے جب بھائیوں نے بکرے کو زمین پر لٹا تو وہ پہلے سمجھا کہ لاڈ کر رہے ہیں پتا تو تب چلا جب چھری پھیری جا چکا تھا۔

نسیم احمد مغل..... حیدر آباد

جواب نمبر ۱:- عید پر میری شادی سے پہلے قربانی کے فوراً بعد امی کیجی کا سالن پکانی تھیں چونکہ کیجی جلدی گل جاتی ہے تو پہلے یہی ڈش پکتی تھی اب سسرال میں منن کا قورمہ یا گوشت کا سالن پکتا ہے اور وہی بچ میں کھایا جاتا ہے۔

جواب نمبر ۲:- بالکل ایسا ہی ہے جہاں تک میرا خیال ہے چھوٹے قصیوں یا دیہاتوں کی بہ نسبت یہ بڑے شہروں میں زیادہ عام ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اگر خواتین چاہیں تو اس معاملے میں اپنا مثبت کردار ادا کر سکتی ہیں وہ خود اپنے اندر اپنی فیملی اور اپنے بچوں کے اندر سے یہ چیز ختم کریں تاکہ آنے والی نسل بھی قربانی کے اصل مفہوم اور مقصد سے آگاہ ہو کر اس پر عمل کر سکے۔

جواب نمبر ۳:- ارے یہ کیا گوشت کے علاوہ کوئی ڈش، امپابل گوشت کی اتنی تو ہیں ہمارے گھر میں کوئی برداشت نہیں کر سکتا کہ گوشت کے ہوتے کوئی اور ڈش کئے۔

جواب نمبر ۴:- الحمد للہ فی الحال یہ بھاری بھر کم ذمہ داری میرے نازک کندھوں پر نہیں، امی ساس اور ابو سسر کرتے ہیں اور ماشاء اللہ بڑے احسن طریقے سے کرتے ہیں، اقربا اور مساکین کے حصے میں اپنے حصے سے بھلے ذائد چلا جائے باقی دو حصوں کی ایک بونی بھی اپنی طرف نہ آئے اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں بلکہ بعض اوقات شام تک جب سارا گوشت تقسیم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بھی کوئی لینے چلا آئے تو اپنے حصے میں سے بھی حسب توفیق دے دیا جاتا ہے اللہ سلامت رکھے یہ ذمہ داری اچھی طرح نبھانے والوں کو ہم تو ابھی سیکھنے کی اسج میں ہیں اور ان شاء اللہ اسی طریقے ہی روایت کو برقرار رکھیں گے۔

جواب نمبر ۵:- دلچسپ واقعہ..... ہا ہا ہا..... یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں پانچویں کلاس میں تھی دادا ابا عید سے ڈیڑھ دو ماہ پہلے ایک بکر لائے بکر خوب صورت تھا اچھے قد کا ٹھہ اور بارعب سے سینگوں والا، خیر اس نے ہمارے ساتھ رہنا شروع کیا ورنہ اس سے پہلے بکر ہمیشہ عید سے دو دن پہلے آتا تھا۔ دن بھر گلی میں بندھا ہوتا مات کو گھر لاتے۔ ایک دن گھر پر کوئی نہ تھا ماسوائے میرے تو بکر صاحب نجابنے کیسے گلی سے کھل کر گھر چلے آئے میں چوہے کے پاس بیٹھی روٹی پک رہی تھی بکرے کو دروازے سے داخل ہوتے اور متوالی چال اپنی طرف آتا دیکھ کر اوسان خطا ہو گئے بکرے نے بھی جھلی موڑ بھی آتا تھا تو اسے میں اپنے سینگوں کا زور بھی دکھاتا تو اس

وقت میں نے سوچا ہونہ ہوا آج مجھے اکیلا پانچ کے تو ضرور ہی حملہ آور ہوگا میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ تو سے روٹی اتار کر بکرے کی جانب اچھا دی کہ وہ وہیں رک کر کھانے لگ جائے مگر اس نے شان بے نیازی سے سامنے بڑی روٹی کو انور کیا اور آگے بڑھا میں نے برتنوں کے اوپر سے چھلانگ لگائی اور سر پٹ بھاگی، اب میں چیتے چلاتے آگے آگے اور بکر اچھے پیچھے پیچھے آخر بھاگ کر کمرے میں گھر کر دروازہ بند کر لیا میرے چلانے کی آواز پڑوس میں بیٹھی امی سن کر جلدی سے گھر آئیں اور پورے گھر میں مزے سے منرگشت کرتے بکرے کی رسی پکڑ کے کھونٹے سے باندھ دیا تو یہ واقعہ جب بھی یاد آتا ہے ہونٹوں پر لہسی اور آنکھوں میں نمی آ جاتی ہے کیونکہ عید قربان تک بکرے کی خدمتیں اور دیکھ بھال کر کے اس سے اتنی محبت اور انسیت ہو گئی تھی کہ عید کے دن جب اسے قربان کیا گیا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے اور سچ معنوں میں قربانی کا اصل مطلب سمجھ میں آ گیا۔ تمام بہنوں کو عید مبارک، اجازت دیں۔ دب رکھا۔

فراحت اشرف گھمن..... سید والا

جواب نمبر ۱:- عید الاضحیٰ پر سب سے پہلے قربانی کے گوشت سے ہمارے گھر میں کباب بنائے جاتے ہیں۔

جواب نمبر ۲:- آج کل سنت ابراہیمی کو نمود و نمائش کا جو طریقہ بنایا ہوا ہے بہت برا ہے ہم اللہ تعالیٰ قادر مطلق کی رضا کی خاطر قربانی کرتے ہیں نہ کہ نمود و نمائش کے لیے جو لوگ نمود و نمائش کے شیدائی ہوتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ لوگ دکھاوے کی خاطر رشتہ داروں کو چن چن کر گوشت بکھواتے ہیں غریبوں کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا جو کہ سراسر غلط طریقہ ہے۔

جواب نمبر ۳:- میرے چھوٹے بھائی کو گوشت کی کوئی بھی ڈش پسند نہیں اور مجھے بھی ہم دونوں بس چکن ہی کھاتے ہیں بیف اور منن پسند نہیں اس لیے میرا بھائی شاہی ٹکڑے اور رس ملانی کی فرمائش کرتا ہے۔

جواب نمبر ۴:- گوشت تقسیم کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی کیونکہ فارم ہاؤس میں ابو اور بھائی ملازمین سے گوشت تقسیم کر دیتے ہیں غریبوں کا حصہ غریبوں اور رشتے داروں کا رشتے داروں کو دے دیتے ہیں بس گھر میں گھر کا ہی حصہ آتا ہے۔

جواب نمبر ۵:- ہم ہر تہوار اپنی دادی ماں کے پاس گاؤں لڑھا باو میں جا کر مناتے ہیں جماعت کی سسٹم ہے قربانی کا جانور فارم ہاؤس میں ہوتا ہے میں بھی فارم ہاؤس نہیں گئی نہ قربانی کا جانور دیکھنے کا اتفاق ہوا اس لیے میرے پاس کوئی واقعہ نہیں ہے۔

ارم کمال..... فیصل آباد

سب سے پہلے میری طرف سے آٹھ پل کے تمام اسٹاف کو اور تمام کارمین آٹھ کو دی عید مبارک۔

جواب نمبر ۱:- قربانی کے گوشت سے یوں تو کئی ڈشز پکتی ہیں لیکن سب سے پہلے ڈش ہوتی ہے مصالے دار کیجی اور فرانی گوشت۔

جواب نمبر ۲:- آج کل لوگوں نے قربانی کے مقدس تہوار کو بھی

دکھارے کا ذریعہ بنالیا ہے جو کہ نہایت غلط ہے اللہ تعالیٰ ہمارے شاندار اور خوب صورت بکرے اور گائے نہیں دیکھتا نہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ کتنے لاکھ کتے آئے ہیں وہ صرف ہماری پر خلوص نیت دیکھتا ہے اس لیے ہمیں قربانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کو مد نظر رکھنا چاہیے۔

جواب نمبر ۳:- قربانی کے دنوں میں ہر طرف گوشت ہی گوشت نظر آتا ہے جس سے طبیعت بے زار ہو جاتی ہے مرد حضرات جب گوشت نمٹا کر فارغ ہوتے ہیں تو ہلکا پھلکا کھانے کو دل کرتا ہے مجھ سے پکوڑے اور دہی کا راستہ کی فرمائش کی جاتی ہے۔

جواب نمبر ۴:- گوشت کی مناسب تقسیم بہت جان جو کھوں کا کام ہے اور اس وقت جب جانور بھی مناسب سا ہو، سب سے پہلے سارے گوشت کی بوٹیاں بنوائی جاتی ہیں پھر اس کے بعد ان کے تین حصے کر لیتے ہیں ایک غریبوں کا، ایک رشتے دار و عزیز اور ایک اپنا اپنے حصے میں سے بھی میں کافی بانٹ دیتی ہوں۔

جواب نمبر ۵:- ویسے تو کئی واقعات ہوتے ہیں لیکن ایک آپ سے شیئر کرتی ہوں میں جانوروں خصوصاً بکروں، کتوں اور جوروں سے بھی بہت الرجک ہوں، میرے میاں صاحب بکرے کو گیت کے اندر داخل کر کے گیت باہر سے لاک کر دیا (آٹو میٹک) اور خود بکرے کا چاراداندہ غیرہ لینے باہر ہی سے چلے گئے اور مجھے بتانا بھول گئے۔ (تھوڑے بھٹکے ہیں نا) میں واش روم سے باہر آ رہی تھی کہ میں نے بکرے کو سامنے اپنا استقبال کرتے پایا بکرے نے مجھے دیکھا تو میری طرف دوڑ آیا پھر تو میری چیخیں تھیں اور بکرے کی دوڑ میں نے بھاگ کر واش روم میں جا کر دروازہ بند کر دیا دل خوف سے دھڑکنے لگا اب باہر دروازے پر بکرے میاں لکریں مار رہے تھے (بہت ہی جنگلی بکرا تھا) اور اندر میں میاں جی کو دل ہی دل میں برا بھلا کہہ رہی تھی تقریباً ۱۵ منٹ بعد باہر سے آٹو میٹک لاک کھول کر میاں جی چارہ وغیرہ لے کر آئے تھے تب انہوں نے اکیلے گھر میں بکرے کی کارستانیاں دیکھیں کرسیاں گر کر ہوئی برتنوں کی ٹرے اٹھی ہوئی، کپڑے بکھرے ہوئے انہوں نے پکڑ کر بکرے کو گیراج میں باندھا تب میں نے واش روم کا دروازہ کھولا بعد میں اسی بکرے کی دودن سیوا بھی کی (تب بندھا ہوا تھا نا) آج بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر جاتی ہے۔

ضیاض اسحاق..... سنانوالی

جواب نمبر ۱:- ہمارے ہاں شروع سے روایت ہے کہ سب سے پہلے قربانی کے گوشت سے کچی پکائی جاتی ہے جو کہ آج تک قائم ہے پہلے یہ ڈیوٹی آپی کی ہوا کرتی تھی جب سے ان کی شادی ہوئی ہے یہ ہماری ذمہ داری ہے جو کہ ہم انتہائی ایمان داری اور خلوص نیت سے سر انجام دیتے ہیں اور سب سے خوب داد وصول کرتے ہیں۔

جواب نمبر ۲:- آج کل سلت ایما جی کی پیروی کم اور دکھاوا زیادہ ہے جسٹ لوگوں کو اور رشتہ داروں کو دکھانے کے لئے خود کو شواف بکرنے کے لئے قربانی کی جاتی ہے ثواب کی نیت کم اور دکھاوے کی

نیت زیادہ ہوتی ہے پھر بھی دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہماری ان قربانیوں کو قبول فرمائے آمین۔

جواب نمبر ۳:- ایسی ڈش جو گوشت کی پکی نہ ہو اور تو کوئی نہیں ہوتی پھر سیکنڈ ڈے میری فیورٹ مسور کی دال پکائی جاتی ہے۔

جواب نمبر ۴:- گوشت کی تقسیم میری ماما جانی کی ذمہ داری جو کہ بہت اچھے طریقے سے بیچ کرتی ہے۔

جواب نمبر ۵:- جب ہم بہت چھوٹے تھے تو ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم تھا اور ہمارے یہاں دو یا تین قربانیاں ہوتی تھیں ایک عید پر جو بکری ذبح کی تو اس میں سے اس کا ایک بے بی باہر آیا۔ بکری اتنی لسمارٹ تھی کہ فیل ہی نہ ہوا کہ اس کا کوئی بے بی بھی ہوگا یا نہیں، ایک سو سٹکی وہ جانور رات کے وقت خریدا گیا تھا پھر ہماری وہ قربانی نہ ہو سکی اور دوسری قربانی کی۔ پھر ہم بچوں نے بے بی کو اپنے ہاتھوں ذبح کیا اور یہ ہماری لائف کا قربانی کا یادگار واقعہ تھا اور کئی سال تک ہم اس بے بی کی قبر پر بھی جاتے رہے۔ اب بھی ہم انکل کو کہتے ہیں کہ انکل وہ قربانی لائیے گا جو کہ ایک بچہ بھی نہیں دے۔

ماہیہ کھول مانی..... گوجرانوالہ

جواب نمبر ۱:- ڈشز تو بہت ساری پکتی ہیں سب کی اپنی اپنی فرمائشیں ہوتی ہیں البتہ مضافے والی بریانی ہماری پکٹی ڈش ہوتی ہے۔

جواب نمبر ۲:- سو فیصد اس بات پر اتفاق کرتی ہوں، پچھلے سال کی بات ہے میں نے ایک خاتون کو کہتے ہوئے سنا کہ اس کے سال ہم بھی قربانی کریں گے تاکہ ہمارے بچے بھی دوسروں کا منہ نہ دیکھیں۔ اور دوسرا یہ کہ فلاں نے قربانی کی ہے ہم کیوں نہ کریں ہم کون سا اس سے کم ہے۔ قربانی کا اصل مقصد اور اصل نیت تو سب ہی لوگ بھول گئے ہیں اور جو لوگ قربانی کرتے بھی ہیں وہ صرف خود کو مد نظر رکھتے ہیں کسی غریب کے گھر چولہا نہیں جلا تو ہمیں کیا ہے ہمیں تو بس اپنے گھر والوں کے فریجوں کو بھرنا ہے تاکہ پورا مہینہ آرام سے من پسند ڈشز پکا کر کھا سکیں۔ (بڑے فسوس کی بات ہے یار)

جواب نمبر ۳:- کچھ مت پوچھیں عید کا تو سارا دن ہی پکانے اور کھانے کی نذر ہو جاتا ہے البتہ ہمارے گھر میں سوٹ ڈش زیادہ بنتی ہے کیونکہ ہم پوری فیملی و بیچیرین ہیں گوشت کو پسند نہیں کرتے اس لیے میٹھا زیادہ شوق سے کھاتے ہیں۔

جواب نمبر ۴:- نو پرا بلیم یار یہ مام جانیں اور ان کا کام ہم تو پوری الذمہ ہیں کیونکہ مابدولت کا شمار ابھی پھولوں میں ہے اور یہ کام گھر کے سربراہ کا ہوتا ہے (کیا سمجھے)۔

جواب نمبر ۵:- بہت انٹرٹیننگ سوال ہے کچھ سال پہلے کی بات ہے ہمارا ایک بکرا تھا جسے ہم نے بچپن سے ہی پالا تھا اور مجھے تو جانوروں سے بڑی انسیت اور محبت ہے۔ میں نے اسے مارنا سکھا دیا حالانکہ ہمارے باپا نے منع بھی کیا کہ اسے مارنا مت سکھاؤ کل کو یہ تنگ کرے گا۔ مگر وہ مانی کیا جو کسی کی بات مان جائے لیکن یہ مجھے کیا پتا تھا کہ ایک دن یہ اپنا ہنر مجھ پر آزمائے گا۔ ہوا یوں کہ ایک دن امی

کر کے ڈینگیں ماری جاتی ہیں۔ یہ مذہبی جذبہ درسم اب محض اپنی معاشی حیثیت کی نمائش بن کر رہ گیا ہے، ہم یہ حقیقت فراموش کیے بیٹھے ہیں کہ اللہ پاک کو قربانی کا گوشت پہنچاتا ہے نہ خون، اس بے نیاز ذات اقدس کو صرف ہماری نیت و جذبہ سے غرض ہوتی ہے۔

جواب نمبر ۳۴:- ہاں جی، بڑی مشکل ہے جی یہ ذمہ داری، الجبرا اور لوگر تھم سے بھی زیادہ مشکل، مگر ابھی ہم چونکہ اس ذمہ داری سے مبرا ہیں تو ہم سکون سے صرف بانٹتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ باقی گوشت کے پیکٹ بنانے کا کام ابوالجی خود کرتے ہیں اور بہت خوب کرتے ہیں۔



جواب نمبر ۱:- سوال تو مزے کا ہے افسوس مجھے کچھ پکارتی
نہیں آتا۔

جواب نمبر ۳ :- ہاں جی ہمارے ہاں گوشت کے علاوہ فردٹ چاٹ کی فرمائش ہوتی ہے اس کے علاوہ میرے بابا جانی امی سے کہتے ہیں کہ تم خود رکاز جو بھی رکنا ہے اور ساتھ امی کی تعریف میں کہتے ہیں تم جیسا کھانا کوئی نہیں پکا سکتا۔

جواب نمبر ۴: بے شک یہ ذمہ داری بہت بڑی ہے مجھے ایک بار ہی موقع ملا ہے تب میں نے سب سے پہلے جو ہمارے قریب قریب جو غریب گھر تھان میں تقسیم کیا تھا اس سب سے بہت خوش محسوس ہوئی۔

جواب نمبر ۵:۔ نہیں جی ایسی کوئی یاد نہیں ہے۔ بس ترس آتا تھا جانوروں پر لہوا کثر میں رو پڑتی تھی کیونکہ میرے کزن کہا کرتے تھے اس کے بعد تمہاری باری ہے (ہاہاہاہا) آگے سے آپ خود ہی اندازہ لگا لیں کیا ہوتا ہوگا۔

جواسہ نمبر ۱: عید الاضحیٰ پر ہمارے گھر میں سب سے پہلے قربانی کے فوراً بعد بچی کا سالن پکانے کی روایت ہے، مزید ارلور چٹ پٹا سا یہ سالن پہلے ای جی پکانی تھیں اور اب کئی سالوں سے میں پکا رہی ہوں۔ تمام مٹل و میال کرنا کرنا کچے اور بچی سے ناشتہ کرتے ہیں ویسے یہ واضح کرتی چلوں کہ ہمارے گھر میں قربانی عید کی نماز کے فوراً بعد ہو جاتی ہے۔

جواب نمبر ۲:- آج کل قربانی میں خلوص نیت اور رضائے الہی کے جذبات سے مفتوں ہو چکے ہیں قربانی کا جانور خریدنے سے پہلے یہ حساب کیا جاتا ہے کہ رشتہ داروں، دوستوں میں گوشت کی تقسیم کئے بعد اپنا فریزر ایک مخصوص مدت تک کس سائز کے جانور سے بھرا جاسکتا ہے جانور کی خریداری کے بعد بڑھ چڑھ کر عزیز واقارب کو فون



مناجے نی ہیں کنول آکھیں

تازیہ کنول نازی

READING
Section

بہتے پانی پر چل رہا ہوں میں
ساتھ لے کر رواں دواں منظر
رنگ کیا کیا زمیں بدلتی ہے
جب بدلتا ہے آسماں منظر

بوجھل اعصاب کو بار بار اگر کوئی چیز چھیڑ رہی تھی تو وہ ”سحرش“ کا تصور تھا۔ وہ سحرش جو پچھلے پانچ سال سے اس کی دوست تھی اور اسی کے ساتھ برائوٹ اسکول میں نہایت کم اجرت پر جاب کر رہی تھی۔ تحریم کی طرح وہ بھی حالات کی ماری تھی بس فرق صرف اتنا تھا کہ اس کا باپ مر چکا تھا اور تحریم کا باپ زندہ ہوتے ہوئے بھی ان کے لیے مردہ سے کم نہیں تھا۔ دونوں اکثر بریک میں ایک دوسرے کے ساتھ اپنے دکھ سکھ شیئر کیا کرتی تھیں مگر اب وہی بات بات پر گھنٹوں رونے والی سحرش سر تا پیر بدل گئی تھی نہ صرف وہ بدل گئی تھی بلکہ اس کی تقدیر بھی بدل گئی تھی اس نے بہت محنت کی تھی کچھ اس کی ذہانت بھی کام آئی تھی بھی نہایت نراب حالات کے باوجود اس کی نیا پارلنگ گئی تھی۔

دو ماہ پہلے وہی سے اس کے لیے رشتہ آ یا جسے معمولی چھان چٹک کے بعد قبول کر لیا گیا اور جٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق فوری شادی رچا کر وہ اسکول چھوڑ گئی۔ تحریم اس کی تقدیر کا کھیل دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی تھی بھلا لڑکیوں کی قسمت یوں بھی کھل جاتی ہے؟ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

شادی کے پورے تین ماہ بعد وہ اسکول آئی تھی اپنی کولیگ دوستوں سے ملنے اور ان کا منہ میٹھا کرانے مگر وہ جتنی خوش اور خوب صورت لگ رہی تھی تحریم کی نظریں اس کی چہرے پر گڑ کر رہ گئی تھیں۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کے شوہر کی پچھٹی ختم ہو گئی ہے لہذا وہ وہی واپس جا رہے ہیں مگر وہ تنہا نہیں جا رہے اسے بھی ساتھ لے کر جا رہے ہیں کیونکہ ان کے میاں جانی کا دل اس کے بغیر اب نہیں لگتا۔

وہ لڑکی جسے اسکول سے گھر واپسی پر روٹی بھی قسمت سے ملتی تھی اب وہی جا رہی تھی وہ بھی اپنے میاں جانی کے ساتھ۔ تحریم اس کی خوش فہمی پر جتنا بھی رشک کرتی کم تھا مگر کوئی چیز

بزم موسم کے زرد پتے
اجازتہستی میں اثر ہے ہیں
ہواؤں سے سذیر لب مخاطب
ہمانی کتنی ہیز ہے باقی؟
جون کی سستی دو پہر میں بسوں میں دھکے کھا کر جس
وقت سینے سے شرابور وہ گھر پہنچی آگے لوڈ شیڈنگ اس کو منہ
چڑا رہی تھی۔

گھر کے صحن میں برسوں پہلے اس کے مرحوم دادا ابا
اپنے ہاتھوں سے شیشم کا پیڑ لگا گئے تھے اس وقت بھی شیشم کا
پیڑ خود دھوپ میں جلتے ہوئے اس گھر کے مکیوں کو چھاؤں
فراہم کر رہا تھا۔

اماں اور چھوٹی لائبرے کے ساتھ ساتھ بھابی بھی اپنے تینوں
ننگ ہڑنگ بچوں کے ساتھ اسی پیڑ کے نیچے دھری چار پائیوں
پر کسی قبضہ گروپ کی صورت پر اجماع تھیں۔ اوپر ٹنگی میں پانی
ختم ہو چکا تھا تحریم کا پہلے ہی گرمی سے کھولتا دماغ مزید کھول
اٹھا اس گھر میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

بیک چار پائی پر بچکتے ہوئے اس نے ہینڈ پمپ سے بالٹی
بھری اور ہاتھ منہ دھو کر کچن میں آ گئی۔ کور میں ٹھنڈا پانی موجود تھا
وہ گلاس بھر کر ٹھنڈا پانی اندر اٹھیلنے کے بعد اس کے اعصاب
قدرے پرسکون ہوئے تھے ہاٹ ہاٹ میں اس کے حصے کی
روٹی موجود تھی جو ابی نے یقیناً بہت مشکل سے بھابی کے بچوں
سے بچا کر رکھی ہوئی تھی۔ قریب ہی چولہے پر دھری ہانڈی میں
اموی کا سالن تھا اس نے ٹھنڈا سالن پلیٹ میں نکالا اور چند
نواں لکھانے کے بعد روٹی پلیٹ کر رکھی بھوک ہی مری گئی تھی۔
اگلے چند منٹوں میں دھو کر کے ظہر کی نماز ادا کرنے کے
بعد گرمی میں ہی بنا کپڑے تبدیل کیے چار پائی پر ڈھکے گئی۔

تھی جس نے اس کے اندر یک عجیب سا طوفان اٹھا دیا تھا۔ اسے یکا یک ساری دنیا سے نفرت سی محسوس ہوئی تھی، سحرش اس سے زیادہ خوب صورت نہیں تھی، قابل بھی نہیں تھی اور سہ سے بڑی بات نیک بھی نہیں تھی اس نے تو کبھی بھول کر بھی پانچ نمازیں باقاعدگی سے ادا نہیں کی تھیں۔ وہ فیشن کی دلدادہ تھی، نہایت غربت میں بھی وہ خود پر تو جدویدنا اور خود بننا سنوارنا نہیں بھولتی تھی۔ شدید پریشانی میں بھی اس کی بھنوں ترشی رہتی تھیں اور ہاتھ پاؤں کے ناخن نیل پالش سے رنگے رہتے تھے پھر بھی اس کا نصیب کھل گیا تھا اور وہ بھی ایسا قابل رشک کہ جس کو پتا چلتا تھا منہ میں انگلیاں دابتا تھا مگر وہ ابھی تک نامساعد حالات سے لڑ رہی تھی۔ نیک، پاک، خوب صورت، ذہین ہونے کے باوجود اس کا نصیب نہیں کھل رہا تھا، اول تو کوئی رشتہ ہی نہیں رہا تھا بھول بھٹک کر آ جاتا تو بات آگے ہی نہ بڑھتی وجہ اس کے حالات تھے۔

اس کے باپ نے بڑھاپے میں جب جوان بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے کا وقت تھا، کسی عورت سے معاشقہ لڑا کر دوسری شادی کر لی تھی اور ان لوگوں کے احتجاج پر اپنی نئی نوٹیلی ولہن بیوی کو لے کر علیحدہ ہو گئے۔ بھائی خود شادی شدہ مگر پرائیویٹ ملازم تھے کرائے کے گھر میں، طوفانی مہنگائی کے ساتھ اس کے لیے سارے کنبے کی کفالت مشکل ہوئی تو تحریم نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر بی ایس بی ایڈ کے بعد خود پرائیویٹ اسکول میں نوکری کر لی۔ اس کی ماں ایک صابر اور سادہ خاتون تھیں، پچھلی عمر میں شوہر کی بے حیائی اور بے وفائی کے روگ نے انہیں بستر پر ڈال دیا تھا پھر بھی وہ اپنے بچوں کا خیال رکھنا نہیں بھولتی تھیں۔

تحریم جب اسکول لائف اور کالج لائف سے گزر رہی تھی تو دو چار لڑکوں نے اس پر جال پھینکا تھا اسے اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش بھی کی مگر اس نے کسی کو گھاس نہیں ڈالی تھی۔ خطرناک عمر میں بھی اپنے باپ اور بھائی کی عزت کے لیے اس نے اپنے جذبات پر کڑے بند پاندھے رکھے تھے مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ تنہا ہوتی گئی اور اس کے خواب گرد آلود ہوتے گئے۔ اب تو دور دور تک اس کی زندگی میں کوئی لڑکا نہیں تھا مگر اب وہ چاہتی تھی کہ اس کی زندگی میں بھی کوئی ہو جو اس کی رومی پھیلی بے رونق زندگی میں خواب بھر کر اسے رنگین بنائے اسے زندگی کا نیا پیر من عطا کرے۔

عمر جیسے جیسے سالوں کی مسافت طے کر رہی تھی اس کے

امد کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے اپنی خوب صورتی اور ذہانت، بے مستی ہونی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے امد کے اضطراب سے تنگ آ کر اس نے ایک دوست کےصرار پر ”فیسر بک“ جو اس کی تھی اور پھر واقعی اس کا نام اچھا پڑا، ہونے لگا تھا۔ اس کی فرینڈ لسٹ میں صرف لڑکیاں ایڈ تھیں اس نے کسی لڑکے کو کبھی ریکوئسٹ نہیں بھیجی تھی مگر لڑکوں کی ریکوئسٹ ضرور اسے موصول ہوتیں جو کبھی تو وہ قبول کر لیتی تھی کبھی پینڈنگ چھوڑ دیتی تھی مگر اس رستے پر بھی اس کے لیے نہ سکون تھا نہ منزل۔ لڑکے گپ شب نور دوستی کی آفر تو کرتے تھے مگر شادی کی طرف نہیں آتے تھے۔ تمام تر صلاحیتوں، ذہانت اور خوب صورتی کے باوجود وہ جیسے کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی اس کے لیے پوری دنیا میں جیسے جس کوئی ایک لڑکا بھی نہیں تھا۔

آنکھوں پر بازو رکھے امد دے ہو رہی تھی جب اس سے چھوٹی لائبریری امد کمرے میں چلی آئی خواتین ہی اس نے پکے کا بن آن کر دیا۔

”کلائٹ آگنی ہے بجو! گرمی میں کیوں پڑی ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے۔“

”ہوں بس یونہی تھکن ہو رہی تھی۔“ جلدی سے بازو آنکھوں سے ہٹا کر وہ اچھٹکتی لائبریری کے قریب ہی ٹپک گئی۔

”نماز پڑھ لی؟“

”ہوں فورتم نے؟“

”میں نے بھی ابھی پڑھی ہے، سچ پوچھو تو آج مجھے تہبزی واپسی اشدت سے متاثر تھا۔“ لائبریری نے آنکھوں میں عجیب سی خوشی سموتے ہوئے اس کے گھسنے پر ہاتھ رکھا تھا، دو چوک گئی۔

”کیوں خیریت؟“

”ہوں خیریت ہی ہے، خلد نفیس آئی تھیں آج وہی جوابی کی منہ بولی بہن بنی ہوئی ہیں۔ من کی کوئی بھائی ہیں جو اپنے خوب صحبت جو من بھائی کے لیے شہدہ دیکھ رہی ہیں۔ خلد نے انہیں تہبازی تصویر دکھائی تھی جو کہ انہیں بہت پسند آئی۔ اب وہ باقاعدہ رشتہ لے کر آنا چاہتی ہیں، امی تو صبح سے بے حد خوش ہیں کیونکہ لڑکا بہت اچھا ہے، سمجھ رہے ہیں سب سے بڑی بات اس کی کوئی فیماں نہیں ہے، ہرے عمر کے حالات کے بارے میں بھی جانتا ہے۔“ لائبریری شریات جہنم کرنے پر آئی تو پھر بولتی چلی گئی۔ تحریم کا دل زور سے دھڑک نکلا۔

”ہاں جی سچ“ خالہ کہہ رہی تھیں جہیز وغیرہ کی ضرورت بھی نہیں لڑکا کہتا ہے اپنے زور بازو پر اپنا گھر خود بناؤں گا بس یہ ہے کہ وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے اہل میں حالات کی وجہ سے اسے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنی پڑی۔“

”پھر بھی کتنا پڑھا ہے؟“

”پتا نہیں شاید میٹرک کیا ہو۔“ لائبہ نے بتایا تھا اور ادھر تحریم کے خوابوں کے شہزادے کی جیسے بیٹائی چلی گئی تھی۔

”نام کیا ہے؟“

”ندیم۔“ شہزادے کے بازو بھی ٹوٹ کر گر گئے۔

”کام کیا کرتا ہے؟“

”فروٹ کی ریڑھی لگاتا ہے چمن بازار میں خالہ بتا رہی تھیں ہو سکتا ہے ایک دو سال میں باہر چلا جائے۔“ شہزادے کی گردن بھی ٹوٹ کر گر پڑی۔ تحریم کے چہرے پر یکایک ہی مایوسی کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے جبکہ آنکھیں بھرا گئی تھیں۔

”کیا ہوا؟“ لائبہ جو اسے اشتیاق سے دیکھتے ہوئے سب بتا رہی تھی اب اچانک سے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر حیران رہ گئی تحریم کا سر جھک گیا تھا۔

”تمہیں یہ رشتہ میرے قابل لگتا ہے لائبہ! سچ بتانا کیا اپنی پڑھی لکھی قابل بہن کے لیے ایک ریڑھی والے کا رشتہ تمہارے لیے قابل قبول ہے وہ بھی اس صورت میں جب وہ پڑھا لکھا نہ ہو اور اس کی ترقی کے کوئی چانس بھی نہ ہوں۔ مان لیا کہ وہ باہر چلا جائے گا مگر باہر جانے والے غریب لڑکے کئی کئی سال دھکے کھانے کے بعد عزت اور سکون کی زندگی جینے کے قابل ہوتے ہیں کیا میری ساری زندگی میرے خواب یونہی حسرتوں کی مٹی تلے دفن ہو جائیں گے؟“ سر جھکائے جھکائے اس کی آنکھیں چھلکی تھیں۔

”میں عام لڑکی نہیں ہوں لائبہ! مجھے دھن دولت زیورات آسائش کی ہوس نہیں ہے۔ میں اپنے حالات اور مجبوریوں سے بھی بے خبر نہیں ہوں مگر زندگی کے ہمسفر کے لیے میرا ایک خاکہ ہے بالکل نمرہ احمد اور فرحت اشتیاق کی کہانیوں کے ہیرو جیسا نبیلہ عزیز کی کہانیوں کے ہیرو جیسا ایک منفرد شخص جس کا ساتھ مجھے مکمل کر دے۔ میں اپنی فرینڈز سے جب اس کا تعارف کرواؤں تو مجھے شرمندگی نہ ہو۔ کوئی رحم سے میری طرف نہ دیکھے یہ نہ کہے کہ تم نے اتنا صبر کیا پھر بھی تمہیں یہ ملا

ایک معمولی شخص..... نہیں لائبہ! مجھ سے اپنے سنہری خوابوں کا ٹوٹا برداشت نہیں ہوگا کیونکہ خواب جب ٹوٹ جائیں تو ان کی کرچیاں انسان کی روح میں چبھ جاتی ہیں میں زخمی روح کے ساتھ کیسے زندہ رہوں گی؟“ وہ اب باقاعدہ رو رہی تھی لائبہ کا چہرہ بھی اداں پڑ گیا۔

”میں تمہارے جذبات سمجھتی ہوں بھو! مگر یہ بھی تو دیکھیں کہ ہمارے حالات ہمارے بس میں نہیں ہیں کیا ہے ہمارے پاس کسی کو دینے کے لیے اور پھر ابو کی کہانی جو بھی رشتہ دیکھنا آتے ہیں تحقیقات ضرور کرتے ہیں بھی جب ان کو ابو کی کہانی کا پتا چلتا ہے وہ چپ چاپ پیچھے ہٹ جاتے ہیں جن کے باپ ایسے ہوں ان کی بیٹیاں مجبوراً سمجھوتا کرتی ہیں زندگی سے یہ نمی ایک سمجھوتہ ہی ہے ورنہ میں بھی جانتی ہوں تمہاری خواہشات کیا ہے مگر تم خود دیکھو کیا ہمارے جیسے گھر میں نمرہ احمد یا نبیلہ عزیز کے ہیرو جیسے لڑکے پر پوزل بھیج سکتے ہیں؟“

”کیوں نہیں بھیج سکتے کیا لگی ہے مجھ میں؟ میرا باپ اگر ایک غلط انسان ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں اگر غریب پیدا ہوئی ہوں تو میرا کیا قصور ہے؟ وہ سحرش بھی تو غریب تھی ان کے گھر میں کیا تھا؟ ان کے حالات تو ہم سے بھی زیادہ خراب ہیں پھر بھی اس کو وہ مل گیا جو اس نے سوچا بھی نہیں تھا بالکل فرحت اشتیاق کے ناڈ جیسا ہیرو شخص کتنے فخر سے وہ سارے ایشاف کے سامنے اس کا تعارف کروا رہی تھی۔ تعریفیں کر رہی تھی اور سب حیرانگی سے کنگ نہایت رشک سے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے واہ واہ کر رہے تھے کیا اس کے ساتھ معجزہ نہیں ہوا؟ کیا وہ مجھ سے زیادہ اللہ سے قریب ہے؟ اس نے تو بھی بھول کر نماز نہیں پڑھی سارے وہ کام کیے جو اللہ کو ناپسند ہیں پھر بھی اللہ نے اسے نواز دیا میں کیوں نظر نہیں آتی اللہ کو؟ کیا میں اس کی تخلیق نہیں ہوں کیا میرا رت کوئی اور ہے؟“ وہ جذباتی ہوئی تھی لائبہ رحم سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

”ہر انسان کا اپنا نصیب ہوتا ہے بھو! کچھ لوگوں کو دنیا میں سب کچھ مل جاتا ہے اور کچھ کے لیے اللہ آخرت میں ان کا حصہ سنبھال رکھتا ہے۔“

”س کرو یا! آخرت کس نے دیکھی ہے مجھے نہیں چاہیے آخرت میں کچھ بھی۔ میرا دل بہت دکھی ہے مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے بس.....“

”ایسا نہیں کہتے بھو! اللہ ناراض ہوتا ہے۔“

”مجھ سے راضی کون ہے؟“ وہ چڑی تھی لائبہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

”ندیم بھائی خوب صورت ہیں بجو! پھر محنت کرتے ہیں محنت میں کوئی شرم کوئی برائی نہیں ہے بہر حال ای کو فوری انکار مت کیجیے گا انہیں دکھ ہوگا۔“ گہری سانس بھر کر اٹھتے ہوئے لائبہ نے اپنی بہن کو تلقین کی تھی تحریم چپ چاپ گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔

اگلے روز سنڈے کی چھٹی کے باعث وہ گھر پر تھی۔ نفیسہ خالہ ندیم کی بہن کو گھر لے آئیں گھر کے در و دیوار تو جیسے بھی تھے مگر صفائی میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ بھابی جیسی بھی تھیں مگر نندوں کے فرض سے سبکدوش ہونا ان کی پہلی ترجیح تھی لہذا وہ بھی ہر کام میں پیش پیش تھیں۔

تحریم نے ماں کے اصرار پر کپڑے بدل لیے تھے مگر نہ خود کو سنوارا تھا نہ مہمانوں کے پاس بیٹھی تھی نہ اس نے ان سے کوئی بات کی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی خزاں چھائی تھی جبکہ لبوں پر مستقل چپ کا قفل تھا جسے مہمانوں کے ساتھ ساتھ خود اس کی ماں اور بھابی نے بھی محسوس کیا تھا مگر اسے پروا نہیں تھی۔ ریزھی فروش ندیم احمد کا رشتہ اس کے لیے ہونے نہ ہونے کے برابر تھا۔ ذہنی ڈسٹرنبس کے باعث وہ ظہر اور عشا کی نماز بھی نہ پڑھ پاتی تھی۔

موسم میں جس تھا رات کے کھانے کے بعد سب چھت پر سونے چلے گئے مگر وہ بچوں کی ٹیٹ کا پیاں چیک کرنے کے بہانے شیٹیم کے پیڑ تلے بیٹھی خاموشی سے رونی رہی کل سحرش نے جیسے اس کے اندر کی سوئی دنیا کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔

سردرد حد سے بڑھا تو اس نے کا پیاں سمیٹ کر بناء نماز کی پروا کیے سیل فون پر فیس بک آن کر لی آج کل کسی بھی ڈپریشن میں اس سے اچھا دل بہلانے کا ذریعہ اور کوئی نہیں تھا۔ حسب معمولی اجا کس میں کئی دوستوں کے پیغامات اس کی توجہ کے منتظر تھے۔ تحریم نے سرسری سی نظر ڈالنے کے بعد توجہ ہٹالی مگر اسی وقت اس کی نظر عبدالبہادی نامی شخص کے پیغام پر پڑی تھی اور وہ ٹھٹک گئی تھی وہ شخص اس کی فرینڈ لسٹ میں تھا مگر پچھلے تین ماہ سے کبھی کبھار سلام کا پیغام آ جاتا تھا جسے وہ عادت کے عین مطابق نظر انداز کر دیتی۔ تاہم اس وقت وہ نظر انداز نہیں کر سکی تھی سلام کے بعد اس نے بس ایک جملہ لکھا تھا۔

”آپ اتنی سادہ اور اداس کیوں رہتی ہیں؟“ وہ حیران رہ گئی

ایسا پیغام تو آج تک موصول نہیں ہوا تھا بھلا یہ شخص اسے کیسے جانتا تھا؟ فوراً سے بیشتر سارے سوالوں کو ذہن سے جھٹک کر اس نے اس شخص کی پروفائل چیک کی تھی وہ ایک خوب صورت شخص تھا۔ بے حد پشش اور پڑھا لکھا ذہنی میں جاب کرتا تھا۔ اپنی پروفائل میں اس نے اپنی اپنے دوستوں کی اور چند دیگر تصاویر بھی شیئر کر رکھی تھیں جو تحریم نے بعد میں اس کی فرینڈ لسٹ میں شامل ہونے کے بعد دیکھی تھیں کیونکہ اس شخص نے اپنی پرائیویسی سکیور کر رکھی تھی۔

تحریم کو وہ ہو ہو فرحت اشتیاق اور نبیلہ عزیز کے ناؤز کے ہیروز کی طرح لگا تھا بھی نا چاہتے ہوئے بھی اس نے اس کے پیغام کے جواب میں لکھ دیا تھا۔

”بلیک السلام! آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟“ مخالف شخص کو شاید اس سے جواب کی امید نہیں تھی بھی شخص دس منٹ کے بعد اس نے اس کا پیغام پا کر خوشی کا اظہار کیا تھا۔

”شکریہ آپ نے جواب تو دیا میں اکثر آپ کی پوسٹس اور کمنٹس دیکھتا رہتا ہوں اپنی ایک کزن کی وال پر بہت اچھی حساس لڑکی ہیں آپ کہیں شادی وغیرہ ہوئی ابھی تک کہ نہیں؟“ چار سال ہو گئے تھے اسے فیس بک جوائن کیے ہوئے مگر ان چار سالوں میں وہ پہلا شخص تھا جو اس سے شادی کا پوچھ رہا تھا تحریم کا دل دھڑک اٹھا۔

”نہیں.....“

”کیوں کیا ابھی تک کوئی اچھا نہیں لگا؟“ وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے برسوں کی شناسائی ہو تحریم چاہتے ہوئے بھی اسے نظر انداز نہیں کر پاتی تھی۔

”نہیں“ میں بہت منفرد سی افسانوی لڑکی ہوں میری پسند کے معیار پر کوئی عام شخص نہیں اتر سکتا اسی لیے شاید میرے خواب ایک پسندیدہ مسافر کے لیے کبھی پورے نہ ہوں۔“

”آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟“ اسے شاید اس کی ماہوسی سے حوصلہ ملا تھا۔

”داب اگر پورے ہو بھی جائیں تو کیا جانا تو ایک دن مٹی میں ہے۔ میں آپ میں انٹر سٹڈ ہوں آپ بالکل میری پسند کے معیار پر پوری اتری ہیں اسی لیے میں آپ کو پوز کرنا چاہتا ہوں پلیز مجھے غلط مت سمجھئے گا میں فلرٹی یا فراڈ نہیں ہوں ذمہ دار شخص ہوں میچور ہوں ذہنی میں سیٹل ہوں انسان ہوں فرشتہ ہرگز نہیں ہوں اور نہ ہی خود کو پرفیکٹ سمجھتا ہوں آپ میرے

آپ کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

آنچل نئے افق

ہر وقت ہر ماہ آپ کی ڈیلیز پر فراہم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

افریقہ امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

5000 روپے (ایک ساتھ منکوانے)

6000 روپے (ایک الگ الگ منکوانے)

میڈل ایسٹ ایشیائی یورپ کے لیے

4500 روپے (ایک ساتھ منکوانے)

5500 روپے (ایک الگ الگ منکوانے)

رقم ڈیمانڈ آرٹ منی آرڈر منی گرام
ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

فون نمبرز: 922-35620771/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Circulationn14@gmail.com

47 اُنچل اکتوبر ۲۰۱۵

بارے میں سوچ لیں میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔
نبیلہ عزیز کے ناؤز کے بیروں جیسا وہ خوب دھنس کہہ رہا تھا اور
تحریم جو عوام حالات میں یوں بھی کسی کو منہ لگانے کا سوچ بھی
نہیں سکتی تھی۔ خواہشات کے بہاؤ میں اس کے قدم اکھڑ گئے
ستائیس سال کی عمر میں لوگوں کی طرف سے روز شادی کا سوال
سن کر اس کا دل بے زار ہو گیا تھا اندر کہیں مایوسی کی شام
اترنے لگی تھی بھی شاید کپکپاتی آنکھوں سے اس نے لکھا تھا۔
”میں جسے جانتی نہیں اس کے بارے میں کوئی رائے کیسے
دے سکتی ہوں؟“

”ہوں آپ یقیناً مجھے نہیں جانتیں مگر ہم ایک دوسرے کو
جان سکتے ہیں بہت دھک ہیں میری زندگی میں۔ میں چاہتا ہوں
آپ میری اور میں آپ کا ہمسفر بنوں آپ میرے دھک سیمیں
مجھے سہارا دیں اور میں آپ کے خواب پورے کروں آپ کو
ڈھیر ساری خوشیاں دوں۔“

”مگر میں آپ پر یوں فوری کیسے اعتبار کر سکتی ہوں ایسے تو
کوئی بھی لڑکا کسی بھی لڑکی کو پرپوز کر سکتا ہے پھر میں بہت مختلف
سی لڑکی ہوں پتا نہیں میں آپ کے ساتھ چل پاؤں کہ نہیں۔“
”پلیز ایسا مت کہیں میرے خلوص اور نیت پر شک مت
کریں۔ کوئی لڑکائیوں کسی لڑکی کو پرپوز نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ
اس کے ساتھ سنجیدہ نہ ہو جہاں تک مجھ پر اعتبار کی بات ہے تو
ہماری فیملی میں آج تک نکاح ہو جائے تو طلاق کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا۔ باقی میں انجان ضرور ہوں مگر ایک بات کہہ سکتا ہوں
میرا آپ سے وعدہ ہے اگر آپ ہاں کر دیں تو میں نکاح ”مدینہ
منورہ“ میں کروں گا جہاں سے ساری زندگی کے لیے رحمتیں اور
برکتیں ہمارا ساتھ دیں گی۔ اس سے بڑی سچائی کی میرے پاس
کوئی گارنٹی نہیں ہے۔“

تحریم کا دل ایک مرتبہ پھر زور سے دھڑکا تھا کیا واقعی اس
جیسی معمولی لڑکی پر تقدیر اتنی مہربان ہو سکتی تھی کہ کوئی اپنے
اخلاص کے لیے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی گارنٹی
دے رہا تھا۔ پہلی بار عشاء کی نماز قضا ہونے پر اسے کوئی افسوس
نہیں ہوا تھا۔

رات کافی ہوئی تھی مگر اسے پروا نہیں تھی سیل کا چارج ختم
نہ ہوتا تو شاید وہ پوری رات پونہی اس کا انٹرویو لیتی رہتی۔ اس
رات وہ ایک سیل کے لیے بھی نہیں سو سکی تھی سردی اتنا تھا بے
یقینی ہی ایسی تھی کہ اسے کسی طور پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ قدرت

READING
Section

اس پر یوں مہربان بھی ہو سکتی ہے یوں کوئی اجنبی انجان شخص بننا اسے جانے پر کھاسے پر پوز بھی کر سکتا ہے۔
دل میں جہاں خوشی تھی وہیں یہ خوف بھی تھا کہ کہیں کوئی اسے بیوقوف بنا کر اس کی سادگی سے فائدہ ہی نہ اٹھا رہا ہو۔ بھلا اس جیسی سادہ دل لڑکی کو بے وقوف بنانا کون سی مشکل بات تھی۔ ساری خوش فہمیاں اور خدشات اپنی جگہ مگر وہ رات اس کی زندگی کی سب سے خوب صورت رات تھی۔

اسے لگا جیسے قدرت نے اس کی روکھی پھینکی بے رونق زندگی میں تازہ بہار کی مانند کوئی دسیجہ ڈا کر دیا ہو اس کی ذات کے اندھیروں کو کوئی روزن مل گیا ہو۔ اسکول میں بھی سارا دن وہ بے حد خوش رہی۔ دوپہر میں بس کا سفر اور گری بھی اسے بڑی نہیں لگی تھی مگر واپسی پر روز کی طرح لوڈ شیڈنگ نے بھی اس کا موڈ آف نہیں کیا۔ دن بھر کی مصروفیات کے بعد رات میں وہ پھر آن لائن تھا۔

”کیسی ہو؟“

”قائن۔“

”کیا کر رہی ہو؟“

”کچھ نہیں ابھی عشاء کی نماز پڑھی ہے۔“

”ماشاء اللہ اور کیا کیا کرتی ہیں آپ؟“

”کچھ خاص نہیں اسی شہر میں ایک مقامی اسکول میں پڑھاتی ہوں۔“

”گڈ شوقیہ پڑھاتی ہیں یا.....؟“

”نہیں..... شوقیہ نہیں پڑھاتی حالات سے مجبور ہو کر پڑھاتی ہوں۔“ وہ اسے آزمانے کے لیے اس سے کوئی بھی بات چھپانا نہیں چاہتی تھی۔ دوسری طرف اس نے اداسی والا آئی کون ارسال کر دیا۔

”کیا ہوا حالات کو کیا ابواب بھائی نہیں ہیں؟“

”نہیں ابو ہمارے ساتھ نہیں رہتے بھائی پرائیوٹ جاب کرتے ہیں ان کی تنخواہ میں سب کے اخراجات پورے نہیں ہوتے۔“

”اوہ ویل سید ابوساتھ کیوں نہیں رہتے؟“

”بس پونہ چاند سال پہلے انہوں نے دوسری شادی کر لی تھی اسی لیے چلے گئے۔“

”اوہ دیری ٹریجک..... کاش میں اس وقت آپ کے پاس ہوتا تو اپنے بازو آپ کے گرد پھیلا کر آپ کو خود میں سمیٹ لیتا“

اتنی پیاری سی لڑکی غمگین اچھی نہیں لگتی۔“

”آپ کیسے جانتے ہیں کہ میں پیاری ہوں؟“

”نہیں نہیں جانتا میرا دل جانتا ہے کہ جو اسے اچھی لگی ہے وہ ضرور بہت پیاری ہوگی ایسے ہی تو پر پوز نہیں کر دیا آپ کو۔“ اس نے لکھا تھا اور تحریم کا دل ڈھیروں خوشی سے بھر گیا۔

”ایک بات پوچھوں سچ جواب دیں گی؟“ اگلے ہی پل پھر پیغام آیا تھا تحریم نے سر تکیے پر ٹکا دیا۔

”جی پوچھیں؟“

”آپ کسی کو پسند کر چکی ہو یا تلاش ابھی جاری ہے؟“ جس موضوع پر وہ خود سے بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی اسی موضوع پر وہ خود آگیا تھا تحریم کے اندر تک سرشاری اتر گئی۔

”نہیں میری کوئی پسند نہیں ہے۔“

”کیوں؟“

”بس پونہ پسند کے مرد صرف کہانیوں میں ملتے ہیں حقیقت میں نہیں۔“

”کیوں کیا میں آپ کی پسند کے معیار پر پورا نہیں اترتا؟“

”میں نے آپ کی بات تو نہیں کی۔“

”آپ میری بات کریں ناں پلیز میں آپ کو کیسا لگا؟“

”ہاں نہیں آپ میری فرینڈ لسٹ میں نہیں ہیں شاید اسی لیے میں آپ کی پروفائل نہیں دیکھ سکتی۔“

”او کے میں آپ کو ایڈ کرنا ہوں پلیز آپ میری پروفائل دیکھیں۔“

”میں کام کی مصروفیات کی وجہ سے سوئل میڈیا زیادہ استعمال نہیں کرتا مگر آپ کے لیے فیس بک پر آتا ہوں وقت نکال کے۔“ اس شخص نے پھر اسے معتبر کر دیا تھا تحریم کے لب مسکرا دیئے۔

”شکریہ میں دیکھتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے میں اپنے لیے آپ کی رائے کا انتظار کر رہا ہوں۔“ فوراً ہی اس کا جواب آگیا تھا تحریم نے اس کی ریکوسٹ قبول کر کے اگلے پانچ منٹ میں اس کی ساری تصاویر دیکھ لیں۔

”کیسا لگا میں آپ کو؟“ کچھ ہی دیر کے بعد اس نے پوچھا

”تھا تحریم نے کروٹ بدل لی اس کی ماں اس کے برابر میں سو رہی تھی دوسری طرف لائے کا بستر تھا وہ درمیان میں لیٹی تھی۔ بھائی اور بھائی نیچے مکن میں سوتے تھے بھی ایک نظر اپنی سوتی ہوئی ماں پر ڈالنے کے بعد اس نے لکھا تھا۔“

”بہت اچھے اللہ نظر بد سے بچائے۔“

”شکریہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ آپ کے الفاظ میرے لیے کتنے قیمتی ہیں۔“

”شکریہ کی کوئی بات نہیں، کیا میں آپ کی فیملی کے بارے میں کچھ پوچھ سکتی ہوں؟“

”ہاں کیوں نہیں، کیا جاننا چاہتی ہیں آپ میری فیملی کے بارے میں؟“

”کون کون ہے آپ کی فیملی میں، باقی جو آپ بتانا چاہیں۔“

”میں سب سے چھوٹا ہوں اپنی فیملی میں، دو بھائی اور دو بہنیں مزید ہیں۔ ایک بھائی اور ایک بہن شادی شدہ ہیں، دوسرے کا ابھی سوڈ نہیں، امی کی چند سال قبل ڈیڑھ تھوڑی ہے۔“

ابوزندہ ہیں اب آپ بتائیں آپ کی فیملی میں کون کون ہیں؟“

”میری امی ہیں، ایک بھائی ہیں جو شادی شدہ ہیں، ایک چھوٹی بہن ہے جو پڑھ رہی ہے۔“

”بھائی کیا کرتے ہیں پرائیوٹ جاب کے علاوہ؟“

”کچھ نہیں بس جاب ہی کرتے ہیں۔“

”گڈ پھر کیا سوچا آپ نے مجھ سے شادی کے لیے؟“

”کچھ نہیں آپ مجھ سے شادی کرنا کیوں چاہتے ہیں؟“

دل میں جو خدشات تھے وہ زبان پر لانا چاہتی تھی دوسری طرف سے جواب دیا۔

”کیوں کی کوئی خاص وجہ نہیں، یہ میرا فیصلہ ہے شادی تو ایک نہ ایک دن کرنی ہی ہے لیکن میرے لیے آپ بیسٹ ہیں۔ میں اپنی بیوی کی حیثیت سے آپ جیسی لڑکی ہی چاہتا ہوں، سادہ سادہ، اداس اداس، ایک غریب تخلص لڑکی جو ہمیشہ میرے ساتھ وفا کرے۔ زندگی کے اچھے بُرے دنوں میں بھی میرا ساتھ چھوڑ کر نہ جائے۔ فیصلہ تو آپ نے کرنا ہے مگر سوچیں گے اور نکاح کر لیں گے۔ وہاں میرے دوست رہتے ہیں، میری فیملی اور کچھ رشتہ دار بھی ہیں، کچھ دن وہاں ان کے پاس قیام کریں گے پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں ان شاء اللہ ہمارا نکاح ہوگا۔“ اس نے جو بھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا وہ حقیقت میں ہو رہا تھا مگر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ابھی کل تک وہ سحرش کے نصیب پر رشک کرتی تھی اب اسے اپنے نصیب پر رشک آ رہا تھا۔ کیا وہ اس قابل تھی کہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ جاسکتی؟

کیسی بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

”ٹھیک ہے میں اپنی امی سے بات کر کے بتاؤں گی مگر اس سے پہلے میں آپ کو لائیو دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”کوئی مسئلہ نہیں، کیا آپ اسکا آپ استعمال کرتی ہیں؟“

”نہیں میرے پاس نہیں ہے۔“

”کوئی بات نہیں میں دو ماہ میں پاکستان آ رہا ہوں آپ مجھ سے مل بھی سکتی ہیں مجھے دیکھ بھی سکتی ہیں مگر جب تک میں پاکستان نہیں آتا آپ کو قسم ہے آپ خود کو میری امانت سمجھنا، میں کسی طور اب آپ کو کھونے کا تصور نہیں کر سکتا۔“

کتنی بے قراری تھی اس کے ایک ایک لفظ میں وہ خوشی سے جھوم اٹھی۔ اس کی دعا میں رائیگاں نہیں گئی تھیں۔ تقدیر کو آخر اس پر رحم آ ہی گیا تھا، ابھی اس نے مسکراہٹ والا آئی کون ارسال کر دیا۔

”ایک سوال پوچھوں آپ سے، اگر سچ سچ جواب دیں؟“ اس کے آئی کون کے جواب میں اگلا پیغام آیا تھا، تحریم نے لکھ دیا۔

”جی پوچھیں۔“

”کیا آپ کو رومانس اچھا لگتا ہے؟“

”ہوں مگر آپ تو شکل سے رومانک نہیں لگتے۔“

”بندہ شکل سے نہیں جذبات سے رومانک ہوتا ہے اور میں اور رومانک ہوں برداشت کر لیں گی مجھے؟“ تحریم کو اس سے ایسے جواب کی امید نہیں تھی ابھی وہ شپٹائی تھی۔

”مجھے تو آپ مشکوک لگ رہے ہیں۔“

”پلیز، میرے جذبات کا خون مت کریں آپ کو اپنانے کا فیصلہ میرا اپنا ہے آپ رجحیکٹ کر سکتی ہیں مگر میرے خلوص پر شک مت کریں کیونکہ میں سمجھتا ہوں آپ زندگی میں کبھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑیں گی۔“ وہ ہرٹ ہوا تھا، تحریم گھبرا گئی۔

”سوری اگر آپ کو بُرا لگا، آپ بتائیں پاکستان کب آ رہے ہیں؟“

”جب آپ بلا میں آپ حکم کریں گی تو ابھی اڑ کے آ جاؤں گا۔“ مخالف کا سوڈ فریٹ تھا، تحریم پھر لا جواب ہو گئی۔

”اچھا پلیز اپنی تین چار تصاویر تو ارسال کریں، میں نے گھر والوں کو دکھانی ہیں۔“ اس کی خاموشی کے جواب میں عبدالہادی کی طرف سے فرمائش آ گئی تھی، تحریم نے لکھ دیا۔

”سوری، ابھی میرے پاس تصاویر نہیں ہیں ویسے بھی

جب تک میں آپ کو اچھی طرح جان نہیں لیتی، تصاویر ارسال نہیں کر سکتی۔“

”کیوں؟ کیا آپ کو ابھی بھی مجھ پر یقین نہیں میں نے مکہ اور مدینہ کا حوالہ دیا ہے کیا کہیں گی آپ ایسے آدمی کے بارے میں جو آپ کو مدینہ میں نکاح کی گارنٹی دے رہا ہے۔ کیا وہ آپ کو دیکھنے کا حق بھی نہیں رکھتا۔ میں جسے اپنی زندگی میں اپنی بیوی بنانے جا رہا ہوں، کیا میرا اتنا ساق بھی نہیں کہ اس کا چہرہ دیکھ سکوں۔“

”حق ہے مگر ابھی نکاح ہوا تو نہیں ناں، ابھی آپ میرے لیے اجنبی ہیں۔ ابھی میں کیسے آپ کو اپنی تصویر دکھا سکتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے، مت دکھائیں مگر میں ایک بات کہوں گا، شک انسان کی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے۔ زندگی میں لوگوں پر یقین کرنا سیکھیں، نہیں تو آپ زندگی میں ہمیشہ کہیں گی ”میں نے اسے شک کی آندھی میں کھود دیا۔“

”جسے پایا ہی نہیں اسے کھونا کیسا؟ مجھے آپ کے خلوص پر کوئی شک نہیں مگر..... آپ تو پہلے ہی مرحلے پر پائی اختیار کر گئے زندگی کا سفر تو ابھی بہت لمبا تھا۔“ اس نے فوری لکھا تھا مگر وہ آف لائن ہو چکا تھا، تحریم کے اندر تک اضطراب بکھر گیا۔ اس کا دل عجیب سے احساسات کا شکار ہو رہا تھا، پتا نہیں وہ کسی کے ہاتھوں بے وقوف بن رہی تھی یا واقعی تقدیر نے اس کی زندگی میں کوئی نیا دریچہ کھول دیا تھا۔ رات کے ددج رہے تھے وہ کافی دیر عبد الہادی کی طرف سے پیغام کی منتظر رہی پھر سوئی۔ اگلے روز اس کی بے کلی اور اسی عروج پر تھی اسکول میں بھی چپ چاپ سی رہی گھر واپسی پر اپنی ماں کو نفیسہ خالہ کے ساتھ مصروف پا کر اس نے لائبریری کو ساری بات بتا دی۔

”ہوں تو یہ بات ہے پھر اب کیا چاہتی ہو تم، میں کروں امی سے بات؟“ ساری بات سن کر لائبریری نے اس سے پوچھا تھا وہ انگلیاں چٹکا کر رہ گئی۔

”میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا لائبریری! فیس بک پر زیادہ تر لوگ فراڈ ہوتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا اس پر اعتبار کروں یا نہ کروں اگر اعتبار کرتی ہوں تو رسوائی کا خدشہ ہے اگر نہیں کرتی تو اسے کھونے کا ڈر ہے جو میں کسی صورت نہیں چاہتی۔ وہ شخص ہو بہو میرے تخیلاتی ہیرو جیسا ہے اگر میں نے اپنی ناوانی میں اسے کھودیا تو خود کو بھی معاف نہیں کر سکوں گی۔“

”اگر ایسی بات ہے تو تم اسے تصویر بھیج دو زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہے وہ؟“

”یہی تو میں سوچ رہی ہوں کیا پتا وہ سچی ہی کہہ رہا ہو۔ کیا پتا سحرش کی طرح میرے نصیب کے تالے بھی کھل جائیں۔“

”ہوں اللہ کرے ایسا ہی ہو، کھانا لاؤں تمہارے لیے؟“

”نہیں ابھی بھوک نہیں ہے تم بتاؤ یہ خالہ نفیسہ اس وقت کیا کرنے آئی ہیں؟“ وضو کے لیے جاتے جاتے اس نے رک کر پوچھا تھا لائبریری سے بتانے لگی۔

”کرنا کیا ہے وہی رشتے والی بات کے لیے آئی ہیں بتا رہی تھیں کہ ندیم بھائی نے کہیں تمہیں اسکول آتے جاتے دیکھا ہے ان کو تم اچھی لگی ہو تو اسی لیے انہوں نے اپنی بہن کو بھیجا۔ امی نے رات مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہاری رائے لوں کیونکہ ندیم بھائی انہیں بہت پسند آتے ہیں ویسے بھی پورا شہر ان کے اخلاق اور کردار کی گواہی دیتا ہے وہ کسی طور اتنے اچھے رشتے سے دستبردار نہیں ہونا چاہیں گی۔ مگر اب میں سوچ رہی ہوں کہ انہیں کہاجواب دوں، تم تو پٹری ہی بدلے کھڑی ہو۔“

”کیا کروں یا ز میرا دل نہیں مانا کسی معمولی سے شخص کے لیے اگر ایسے ہی کسی شخص سے شادی کرنی ہوتی تو کب کی کر لیتی، اتنا صبر نہ کرتی۔“

”اچھا، میں دعا کروں گی اللہ تمہارے حق میں بہتر کرے تم ٹینشن نہ لو پلیز۔“ کمرے سے نکلتے نکلتے لائبریری نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گئی۔



”اللہ اور اللہ کے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”تمن و ن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی کے قطع تعلق جائز نہیں جو اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرے گا اللہ اس کو بلند کر دے گا۔ محبت میں تو ویسے بھی انا نہیں ہونی چاہیے اگرچہ آپ نے ڈائریکٹ میرے کردار پر الزام لگایا تھا جو مجھے بہت بُرا لگا مگر میں محبت کو اپنی انا پر قربان نہیں کر سکتا“ آئی مس یو۔“

پورے دن بے حد مصروف رہنے کی وجہ سے وہ فیس بک آن نہیں کر سکی تھی مگر رات میں دل کے ہاتھوں مجبور جیسے ہی اس نے فیس بک آن کی اس کا پیغام سامنے آ گیا۔ وہ شخص اس سے ناراض نہیں رہ سکا تھا، تحریم سارے دن کی تھکن، بول گئی مسکراتے ہوئے اس نے لکھا تھا۔

”میری تو آپ سے کوئی ناراضگی نہیں، آپ کو جو اچھا لگا آپ نے وہ کیا آپ میرے پابند نہیں ہیں۔“

”میں پابند ہونا چاہتا ہوں تمہارے سارے جملہ حقوق اپنے نام کروانا چاہتا ہوں تمہارے ہمیشہ کے قرب کا طلب گار ہوں میرا ہاتھ تمام لو پلیز۔“ وہ عاجزی پر اتر آیا تھا، تحریم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

”کیا آپ ہر لڑکی سے یونہی مٹھی چند دنوں میں کلوز ہو جاتے ہیں؟“ وہ اسے اپنی کمزوری نہیں دکھانا چاہتی تھی، ابھی ایسا سوال پوچھا جس کا جواب اسے فوری موصول ہوا تھا۔

”یہ اگلے بندے پر منحصر ہے میں بہت کائنات ہوں یہاں دئی میں بہت دوست ہیں میرے گریز بھی اور بوائز بھی مگر میں ایک بیلنس زندگی گزار رہا ہوں الحمد للہ۔“

”ہوں مجھے کردار کے مضبوط مرد بہت پسند ہیں۔“

”آپ جب یہاں دئی آئیں گی تو آپ کو میرے میل اور فی میل فرینڈز بتا دیں گے کہ میرا ان کے ساتھ کیسا رویہ ہے۔“

”گڈ“ میں نے بہت ہمت اور صبر کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے۔ میں چاہتی ہوں جس سے شادی کروں وہ کوئی عام شخص نہ ہو مجھے صرف شوہر نہیں چاہیے بلکہ شوہر کے روپ میں ایک ایسا دوست چاہیے جو میرا سب کچھ ہو اور مجھے اپنا سب کچھ سمجھے۔“

”اوہ تحریم! تم میری جان ہو آپ مجھے اتنا پیار دینا کہ میں دنیا کا ہر دکھ بھول جاؤں۔ تم نہیں جانتیں صبر کرنا کتنا مشکل ہے ہجر کے یہ لمحے عجیب سی آگ بن کر سینہ جلا رہے ہیں۔ دل کرتا ہے یہ دوری مٹ جائے۔“ دل پسلیاں توڑ کر کیسے باہر آتا ہے یہ اسے اس لمحے پتا چلا تھا، صرف ایک لمحے میں اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں، وہ شخص ضرورت سے زیادہ رو میٹھک ثابت ہو رہا تھا۔

”بس بس پلیز..... لگتا ہے آپ پر دئی کے بے ہاک ماحول کا کچھ زیادہ ہی اثر ہو رہا ہے؟“ کپکپاتی اگلیوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے لکھا تھا، جواب بھی فوراً ہی آ گیا۔

”نہیں یار یہاں پاکستان سے زیادہ اچھے مسلمان رہتے ہیں جس نے گناہ کرنا ہے وہ دئی کا محتاج نہیں۔ پاکستان میں دئی سے شراب پی جاتی ہے، زنا ہوتا ہے، کل ہوتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے آپ اپنے گھر والوں کو کب بھیج رہے ہیں

ہمارے گھر؟“ وہ فوراً مطلب کی بات برآ گئی تھی۔

”پہلے آپ مجھے جان لیں، سمجھ لیں پھر ڈائریکٹ فیملی کو انوالو کر لیں گے بلکہ آپ لوگ ہمارے گھر آ جانا یا ہم آ جائیں گے آپ کے ہاں لیکن اس سے پہلے پلیز آپ مجھے اپنی دو تین تصاویر ارسال کریں، آخر میں نے فیملی کو بھی دکھانی ہیں کہ نہیں اب یہاں بیٹھ کر کیاں کہوں ان کو کہ لڑکی پسند کی ہے مگر ایسی لڑکی جسے میں نے ابھی تک خود دیکھا نہیں ہے۔“ گھوم پھر کر بات پھر تصویر پر آ گئی تھی، تحریم نے اس بار حماقت کیے بغیر تصویر ارسال کر دی۔

”اوہ میری جان! آپ تو بالکل پٹھانی لگتی ہو، کاش میں اس وقت آپ کے پاس ہوتا، کاش.....“ فوراً سے اس کا تعریفی پیغام موصول ہو گیا تھا، تحریم کا سپرد خون بڑھ گیا۔ اس رات پھر وہ عشاء کی نماز نہیں پڑھ سکی تھی، پڑھتی بھی کیسے عبد الہادی کے پیغامات نے اسے نماز پڑھنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا مگر وہ اتنی سرور تھی کہ اسے اب نماز چھوٹنے پر زیادہ افسوس نہیں ہوتا تھا، آخر کو اس کی دعائیں مستجاب ہو گئی تھیں، اس کے خواب تعبیر پانے جا رہے تھے۔



موسم بدل رہا تھا، دو ماہ کیسے اور کب گزر گئے پتا ہی نہیں چلا خواہشات کے سمندر میں قدم اکھڑنے کے بعد تحریم ہر نئی موج کے ساتھ بہتی چلی گئی تھی۔ عبد الہادی صرف رومانوی نہیں تھا، اس بارن کا پتا اسے اس وقت لگا جب اس نے اس کے ساتھ اپنا سیل نمبر شیئر کیا۔ دئی سے پاکستان کال اس کے لیے جیسے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھی، اس کا لہجہ بے حد گھبر اور مضبوط ہوتا تھا۔ اتنا گھبر اور مضبوط کہ تحریم سمجھ دار ہونے کے باوجود خود کو جذبات کے بہاؤ میں بہنے سے نندوگ پاتی۔

بحر اور عشاء کی نماز پڑھنا تو ممکن ہی نہیں رہا تھا، مگر اس میں بھی سرور تھا۔ وہ ایسی کوئی حماقت نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کے خوابوں کا شہزادہ اس سے ناراض ہو کر اسے چھوڑ دیتا پھر اسے خود بھی رومانیت پسند تھی۔ وہ خود بھی یہی چاہتی تھی کہ جب عبد الہادی اس سے بات کرے تو پھر ساری حدیں پار لگ جائیں۔

اماں کو ندیم پسند تھا، مگر تحریم کی خوشی اور ضد سے مجبور ہو کر انہوں نے نفیسہ خالہ کو دبے دبے لفظوں میں انکار کر دیا۔ عبد الہادی نے اگرچہ اب تک اسے نہ اپنے علاقے کا بتایا تھا

تاں فیملی کے دیگر افراد کا تاہم اس نے پاکستان آنے کی تاریخ کلیئر کر دی تھی۔

تحریم نے اس سے کہا تھا کہ وہ نکاح پاکستان میں ہی کرے گی تاہم نکاح کے بعد عبدالبہادی کی زوجیت میں وہ صرف مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جانا چاہے گی۔ عبدالبہادی نے کوئی اعتراض نہیں کیا وہ تحریم کے ڈر اور شک سے بخوبی واقف تھا۔

اوائل سردیوں کے دن تھے جب وہ پاکستان آیا تھا تحریم کو جیسے ہی اس کے آنے کی خبر ملی وہ جھوم اٹھی پاکستان ایئر پورٹ پر پہنچنے کے بعد اس نے سب سے پہلے کال اسے ہی ملائی تھی۔

”کیسی ہو میری جان!“

”میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟“

”کیسا ہو سکتا ہوں جب تک اپنی جان کو قریب سے نہ دیکھ لوں محسوس ناں کر لوں خود ہی بتاؤ بھلا کیسا ہو سکتا ہوں؟“ اس کی بے قراری اور آنچ دیتے لہجے کے خمار میں پاکستان پہنچ کر بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ تحریم کا جسم پھر موم کی طرح پگھلنے لگا۔

”خدا کا نام لیں اب تو پاکستان آگئے ہیں اب تو ہوش کر لیں ذرا۔“

”نہیں میری محبت کی شدت میں کبھی کمی نہیں پاؤ گی تم۔“

”ہادی پلیز۔“

”کیا پلیز یار! ہونے والا شوہر ہوں تمہارا تم سے یہ ساری باتیں نہیں کروں گا تو اور کس سے کروں گا۔ میرا اور یہ ہے ہی کون دنیا میں تمہارے سوا؟“ ایک پل میں ہی وہ جذباتی ہو گیا تھا تحریم کا دل جکڑنے لگا۔

”ایسا مت کہو پلیز تمہارے ابو ہیں بھائی ہیں بھابی بہنیں ہیں۔ میری ای بھی تو تمہاری ای ہیں پھر خود کو اکیلا کیوں سمجھتے ہو تم؟“

”میرا کوئی نہیں ہے تحریم! ماں کے ساتھ سارے رشتے مر گئے میرے لیے۔ میں اکیلا تمہارے گھر آؤں گا تمہارا ہاتھ بانٹنے۔ پھر شادی کی تاریخ لینے ابوائیں گے بس میرا اور کوئی نہیں ہے میں نے اور کسی کو اس معاملے میں شامل نہیں کرنا۔“ وہ جذباتی ہوا تھا تحریم پریشان ہو گئی۔

”ایم سوری ہادی! میں نے آپ کو ہرٹ کر دیا مجھے رے رے کوئی مطلب نہیں مجھے بس آپ کے ساتھ زندگی گزارنی ہے پلیز آپ دیکھی مت ہوں۔“

”میں دکھی نہیں ہوں میری جان! اب کیوں دکھی ہوں گا اب تو اللہ نے مجھے میری منزل عطا کر دی ہے۔ زندگی کا مقصد دے دیا ہے اب دکھی نہیں ہونا میں نے بس تم اپنا خیال رکھنا میں آ رہا ہوں صبح تمہارے گھر۔“ فوراً ہی سنبھل کر اس نے کہا تھا اور لائن ڈس کنکٹ کر دی تھی۔

اکلا دن تحریم اور اس کے گھر والوں کے لیے عید کا دن تھا۔ عبدالبہادی تصویروں میں جتنا خوب صورت دکھائی دیتا تھا حقیقت میں اس سے کہیں زیادہ خوب صورت تھا بے حد صاف ستھرا اور نفیس اس کی پرسنائی غضب کی پرسنائی تھی۔ اس وقت سفید شلوار سوٹ میں ملبوس وہ اس کے گھر کے کچے صحن میں بیٹھا تھا اور تحریم کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

وہ بلیک قیمتی جوتوں میں قید اس کے شفاف دودھیا پاؤں کو دیکھ رہا تھا اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس کے کپڑوں کا رنگ زیادہ سبید ہے یا اس کے جسم کا۔ عجیب سی سرشاری اور بے یقینی تھی کیا واقعی وہ اتنی خوش نصیب تھی کہ اسے اس جیسا مسافر ملتا؟ بھابی اور لائبہ کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں تھا وہ تحریم کی طرف خاصی رشک بھری ستائش نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں اور جیسے جیسے ان کی نظریں اس کی طرف اٹھتی تھیں تحریم کی گردن مزید اونچی ہو جاتی اتنی ہی کہانی ہی تو ہوتی ہے لڑکیوں کی۔

اسکول کالج میں سکھوں نے اپنی اپنی الفت کے چٹارے وار قصے سنائے تو فٹ سے دل میں خواہش بیدار ہو گئی کہ کوئی ہمیں بھی ٹوٹ کر چاہے۔ عمر تھوڑی سی زیادہ ہونے پر کسی نے شادی کا سوال پوچھا تو خواہ مخواہ شرمندگی اور خود پر ترس آنے لگے۔ زندگی کے کسی موڑ پر کوئی اچھا شخص مل جائے تو سب کے سامنے اترانا گویا فرض ہو جائے جیسے کے ٹو کا پہاڑ سر کر لیا ہو۔

تحریم کی فیملی کو بھی اس وقت کچھ ایسی ہی تھیں اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ہواؤں میں اڑے اور خوب اونچے اونچے قہقہے لگائے۔

عبدالبہادی اس کی ماں سے شادی کی بات کر رہا تھا اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ فراڈ نہیں ہے۔ اس کی ذات کے لیے تحریم کے دل میں جنم لینے والے سارے خدشات بے بنیاد ہیں وہ نہ صرف تحریم کے لیے بے حد قیمتی تحائف لایا تھا بلکہ اس کی ماں بھابی بچوں بھائی اور لائبہ کے لیے بھی کئی بیش قیمت تحائف لایا تھا بھی کسی کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے تھے مگر

اس کی ماں زیادہ خوش نہیں تھی۔

اس نے اپنی بیٹی کی خوشی کے لیے گھر آئے شخص کو عزت تو دی تھی مگر وہ اپنا سبب نندے سکی تھی جو انہوں نے ندیم کو دی تھی۔

وہ ندیم جو ان کا دیکھا بھالا اسی شہر میں رہنے والا عام سا مگر شریف لڑکا تھا جس کی حیثیت ان کی جیسی ہی تھی۔

عبدالہادی ان کا دیکھا بھالا نہیں تھا وہ اس کے سامنے خود کو بہت معمولی تصور کر رہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ رات میں جب وہ کئی گھنٹے وہاں گزار کر واپس گیا تو انہوں نے تحریم کو اپنے سامنے بٹھالیا۔

”کیا بات ہے امی! کیا آپ کو ہادی اچھا نہیں لگا؟“ تحریم پریشان تھی انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں! اس میں اچھا نہ لگنے والی کوئی بات نہیں وہ بہت خوب صورت اور نفیس شخص ہے مگر جانے کیوں میرا دل نہیں مان رہا۔ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ یوں تمہاری شادی ایک قطعی انجان شخص کے ساتھ کر کے تمہیں خود سے اتنی دور بھیجوں گی۔“

”امی وہ انجان نہیں ہے میں نے ہر لحاظ سے جانچا پر کھا ہے اسے۔ اس میں آج کل کے عام لڑکوں جیسی کوئی بات نہیں! آپ دیکھیں کیا ہادی جیسے پرفیکٹ مرد کو لڑکیوں کی کمی ہو سکتی ہے؟ نہیں ناں! اس کا ہاتھ تھامنے کے لیے تو کوئی بھی لڑکی اپنی جان دینے کو تیار ہو سکتی ہے جس ملک میں وہ رہتا ہے وہاں لڑکیاں شہد کی مکھیوں کی طرح چمکتی پھرتی ہیں گلے کا ہار بنتی ہیں مگر اسے ایسی لڑکیاں پسند نہیں ہیں اسی لیے تو وہ پاکستان آیا ہے۔“

”وہ سب تو ٹھیک ہے مگر وہ اس رشتے میں اپنے گھر والوں کو ملوث کیوں نہیں کر دیا؟ ہم ایسے بناء نسلی کیے آتے ہیں بند کر کے تو بیٹی نہیں دے سکتے ناں؟“ وہ ماں تھیں اور ان کے اپنے خدشات تھے۔

”اُف امی! آپ یہ سوچیں ہمارے پاس ہے کیا جو کوئی ہمارے ساتھ فراڈ کرے گا اس نے مانگا کیا ہے ہم سے؟ جھڑ تک کے لیے صاف انکار کر دیا۔ جتنی دیر ہمارے گھر بیٹھا رہا ایک بار بھی نظر اٹھا کر بھابی یا لالائے کی طرف نہیں دیکھا۔ آپ پلیز اپنے دل کو فضول دہموں میں مت ڈالیں اگر تقدیر نے ہمارے بدن بدلنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو آپ بھی تھوڑا سا دل بڑا کریں۔ زندگی میں ایسے لوگ بار بار نہیں ملتے نہ ہی تقدیر یوں ہر کسی پر مہربان ہوتی ہے جہاں تک اس کے گھر والوں کی بات

ہے تو ہر فیملی میں مختلف ایٹوز ہوتے ہیں امی! ہمیں کیا پتا اس کی فیملی نے اس کے ساتھ کیا کیا ہوا ہے جو وہ اتنا ڈسٹرب ہو جاتا ہے ان کو لے کر۔“

”جو بھی ہوا خروہ اس کے خون کے رشتے ہیں! ایسے موقعوں پر جتنے بھی لڑائی جھگڑے ہوں انسان اپنے خون کے رشتوں سے نہیں کٹ سکتا اور پھر ہمیں کیا پتا وہ سچ بھی بول رہا ہے یا نہیں! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہو اور تمہیں دھوکہ دے رہا ہو۔“

”امی پلیز میں ہادی کے لیے اب ایسی کوئی فضول بات برداشت نہیں کر سکتی جتنا میں نے اسے جانا ہے وہ ایک بہترین عظیم انسان ہے۔ میں کوئی آسمان سے اتری خور پری نہیں ہوں جو وہ ساری دنیا کی لڑکیوں کو چھوڑ کر صرف مجھے ہی بے وقوف بنائے گا۔“

”اس کے لیے جو پری نہیں ہوگی میرے لیے ہو۔ میں اپنی بچی کو ایک قطعی انجان شخص پر بھروسہ کر کے اپنی آنکھوں سے اتنی دور نہیں بھیج سکتی تم لوگوں کے سوا مجھ دکھیا رنی ماں کے پاس اور ہے کیا؟ اللہ جانے وہاں لے جا کے کیا سلوک کرے گا وہ تمہارے ساتھ میں ادھر بیٹھی کیا کر سکوں گی؟ آئے روز ہزار واقعات ہوتے ہیں ویسے بھی میرا دل مطمئن نہیں ہے۔“

”امی پلیز کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟ میری زندگی ہے جب میں خوش ہوں تو آپ کو کیا مسئلہ ہے۔“

”تم نادان ہو کم عمر ہو تم نے ابھی دنیا نہیں دیکھی میں نے دیکھی ہے۔“

”مجھے دنیا نہیں دیکھنی مجھے بس اسی شخص سے شادی کرنی ہے ہر صورت ہر حال میں اگر یہ آپ کو منظور نہیں تو میں قسم کھا کر کہتی ہوں امی! میں ساری زندگی کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔“ رو کر غصے سے کہتی وہ فوراً وہاں سے اٹھ گئی تھی پیچھے اس کی ماں بے بس بے چین نگاہوں سے اس کی پشت دیکھتی رہ گئی تھیں۔

تحریم کے بھائی نے اپنی ماں کی التجاء پر ایک دوست کے ترے کر کے اس سے عبدالہادی کا اتنا پتا معلوم کروایا تھا وہ جس گھر میں رہتا تھا اس کی شان و شوکت باہر سے ہی دیکھنے والے کو مرعوب کر دیتی تھی۔ اس پاس کے لوگوں کے مطابق وہ بہت کم پاکستان آتا تھا اور اپنے کام سے کام رکھتا تھا گھر میں اس

55

آنجل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

کے علاوہ اس کے والد اور ملازمین رہتے تھے جن کی رائے میں وہ ایک بہت اچھا انسان تھا۔

صبح ناشتے کے بعد وہ گاڑی لے کر نکلتا اور پھر رات گئے گھر واپس ہوتی۔ کسی نے کبھی اس کے گھر میں کوئی لڑکی یا عورت آتے جاتے نہیں دیکھی تھی۔ ہر طرح کی تحقیق و تصدیق کے بعد اس نے اپنی ماں کو رپورٹ پیش کر دی جس کے بعد تحریم کی آنکھوں کے جگنوؤں میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

بھلا جذبول اور خوابوں کی رومانوی باتیں کرنے والا وہ شخص فریب ہو بھی کیسے سکتا تھا؟ کبھی اس نے اپنی ماں کو خاصی ملاستی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اس کی نظر میں آج کل کی مائیں تو خود اپنی لڑکیوں کی ایسے خوب صورت امیر لڑکوں کے ساتھ میل ملاقات کرواتی تھیں تاکہ ان کی بیٹیاں راج کریں لیکن ایک اس کی ماں بھی کہ پکی پکائی فصل کاٹنے پر بھی انہیں خدشات لاحق تھے۔

شادی کی ساری شاپنگ ہادی کے پیسوں سے ہوئی تھی اس نے تحریم سے کہا تھا کہ پہلے وہ صرف نکاح کرے گا بعد میں جب تحریم کے دینی کے لیے کاغذات بن گئے اس کا دیزہ کنفرم ہو گیا تب وہ رخصتی کر دے گا کیونکہ تحریم کے بغیر اب اس کا گزارہ مشکل تھا تحریم نے ہامی بھری اسے اس کے کسی فیصلے سے اختلاف نہیں تھا۔

ہادی کے بقول ایسے ایک خوب صورت پاکستانی سمجھ دار باونا باشعور لڑکی کی تلاش تھی جو اپنی محبت سے اس کی ذات کے سارے خلاء پر کردے۔ زندگی میں کبھی اسے تنہا چھوڑ کر نہ جائے اور تحریم ایسی لڑکی کے معیار پر پوری اتری تھی وہ خود پر رشک کیوں نہ کرتی؟ اوائل سردیوں کے دن تھے جب اس کا نکاح عبدالہادی کے ساتھ ہو گیا تھا۔

ہادی کی فیملی سے اس کے بزرگ والد اور چھوٹا بھائی آیا تھا کوئی خاتون نہیں آئی تھی مگر تحریم کو پردا نہیں تھی۔ براؤن سوٹ میں ملبوس عبدالہادی اتنا خوب صورت لگ رہا تھا کہ وہ جتنا اپنے نصیب پر رشک کرتی کم تھا نکاح کے بعد اس کے سارے خدشات دھوڑ گئے تھے۔

جو فراڈ کرتے ہیں وہ اپنا نام کبھی نہیں دیتے مگر عبدالہادی نے اسے اپنا نام دے دیا تھا۔ وہ جتنا بھی رب کا شکر ادا کرتی جشن مناتی کم تھا۔ نکاح کے بعد عبدالہادی کی وارثکیاں مزید بڑھی تھیں۔ وہ اتنی بے باک گفتگو کرتا کہ تحریم پاس کھڑی کھڑی

پانی پانی ہو جاتی اب اسے سحرش کی جیلیسی نہیں تھی کیونکہ اسے سحرش سے بڑھ کر ملا تھا۔

ایک فرہی میٹ ورک نے اسے ایک پرفیکٹ شخص سے ملا دیا تھا۔ وہ ہواؤں میں نہاڑتی تو کیا کرتی؟

نکاح کے چوتھے روز اس نے اسکول سے ریزائن کر دیا تاہم وہ پانچ کلو منٹھائی کے ساتھ بالکل سحرش کی طرح اپنی کولیکز سے اپنی خوشیاں شیر کرنا نہیں بھولی تھی۔ سحرش کی طرح سب اسے بھی ستاسی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور ان نظروں میں کیسی کیسی حسرتیں اور رشک تھا یہ صرف تحریم محسوس کر سکتی تھی کبھی اس کے قہقہے رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ہادی کی دن رات کی کوششوں سے تحریم کا ویزہ جلدی لگ گیا تھا لہذا شادی کی تاریخ بھی ساتھ ہی طے ہوئی تاہم شادی سے پہلے ہادی نے اس کے بھائی کو جاب چھڑوا کر ایک ویمپانے ورے کی کپڑے کی دکان کروادی تھی جس سے تحریم کے قد میں تو اضافہ ہوا ہی ساتھ اس کی بھابی اور بھائی بھائی کے گن گانے لگے۔

دسمبر کی چار تاریخ کو تحریم کی رخصتی ہو گئی۔ اس کی ماں اس کے گاڑی میں بیٹھنے تک دہلیز پر کھڑی چپ چاپ روتی رہی تھی۔ اپنے دل کی تمام تر بے چینی اور جدائی کے درد کے ساتھ تاہم تحریم نے وہ درد محسوس نہیں کیا تھا اس کے لیے ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں والا معاملہ تھا۔ ماں کے گھر سے رخصت ہو کر وہ سیدھی ایئر پورٹ آئی تھی جہاں عبدالہادی کا باپ بھی ان کے ساتھ ہی دینی جا رہا تھا۔

ہادی کی طرح تحریم کو وہ بھی بہت ناس انسان لگے تھے بے حد سلجھے ہوئے مشفق باپ اسے بے ساختہ اپنا باپ یاد آیا اور ساتھ ہی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں جہاز میں عبدالہادی کے برابر آرام دہ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنا سر ہادی کے کندھے پر ٹکا دیا تھا جس پر اس نے فوراً اس کی طرف جھکتے ہوئے بناء کسی کی پروا کیسے اس کی پیشانی چوم لی۔

عشاء کی نماز سے کچھ دیر پہلے ہی اس کے قدموں نے دینی کی سرزمین کو چھوا تھا اور اندر کہیں انوکھے ساز سے چھڑ گئے تھے۔ زندگی یلکھت ہی خواب ہو گئی تھی اسے اپنی آنکھوں پر یقین آ نہیں آ رہا تھا۔ ایک ایک منظر اور چیز کو وہ بے حد مشتاق نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور ہادی اس کی اس وارثی پر زیر لب مسکراتے ہوئے اسے شرارتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

پانچ گھنٹوں کے مسلسل سفر کے بعد اسے اس کمرے میں آنا نصیب ہوا تھا جو اس کا محلہ عروسی تھا۔ بے حد صاف ستھرا نفیس سا کمرہ جو خواب ناک لگ رہا تھا، تاہم اسے پھولوں سے سجانے کی زحمت نہیں کی گئی تھی شاید وہی میں پاکستان والے رواج نہیں تھے وہ سب سبج چلتی بیڈ پرائیٹھی ہادی اس کے ساتھ ہی آیا تھا۔

”خوش ہونا؟“ جگمگاتی نگاہوں سے اس کی خوب صورت آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ تحریم نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”گڈ اب خود کو تیار کر لو میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔“ میرے آتے ہی تمہاری کلاس شروع ہو جائے گی آج کے بعد صبح چار بجے سے پہلے سونا بھول جاؤ گی تم۔“ اسے بازوؤں سے پکڑ کر خود میں جذب کرتے ہوئے اس نے گویا اطلاع دی تھی۔ تحریم کے پورے جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔ اس شخص کی قربت اور جذبول میں بہت شدت تھی تحریم کے لبوں کو جیسے قفل لگ گیا۔

”میرا ساتھ دو گی ناں؟“ وہ بے خود ہو رہا تھا تحریم کی جان نکلنے لگی۔

”ہوں۔“ جانے کیسے اس نے کہا تھا۔
”تھینک یو۔“ اس کے اقرار پر پوری شدت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے وہ پیچھے ہٹا تھا اور پھر فوراً پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا تحریم اگلے پچیس تیس منٹ تک اپنی سانسیں ہموار کرتی رہی اس کا جسم جیسے ایک ان دیکھی ہی آگ میں جلنے لگا۔

پورے دو گھنٹے کے بعد رات کے کھانے کے ساتھ اس کی واپسی ہوئی تھی۔ تحریم نے بھوک نہ ہونے کے باوجود اس کا ساتھ دینے کے لیے تھوڑا سا کھانا کھالیا۔ کھانے کے بعد بیوٹیشن آگنی تو وہ تیار ہونے چل دی۔ وہی کے وقت کے مطابق ساڑھے گیارہ بجے وہ تیار ہوئی تھی اور ٹھیک بارہ بجے ہادی اپنے دوستوں کو گھنٹا کر کمرے میں اس کے پاس آیا تھا۔ تحریم کا دل اس کے قریب بیٹھتے ہی پھر بے قابو ہونے لگا تھا۔ تاہم ہادی کا حال اس سے زیادہ برا تھا وہ تو اسے دہن کے روپ میں اپنے سامنے دیکھ کر گویا پلکیں جمکاتا ہی بھول گیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی مضبوط گرفت میں لیے اس نے خواب ناک لہجے میں

اس سے پوچھا تھا۔

”تحریم تم واقعی اتنی ہی خوب صورت ہو یا مجھے لگ رہی ہو۔ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟“ اس کا لہجہ ایسا تھا کہ تحریم کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔

”بولوناں یا زچپ کیوں ہو؟ آج میرے صبر کے پیمانے چھلکنے والے ہیں ضبط کے سارے بند ٹوٹنے والے ہیں آج چپ مت رہو پلیز۔“ اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے اس نے جیسے التجا کی تھی۔ تحریم نے آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں اس کا جسم انکارہ بنا کانپ رہا تھا دوسری طرف ہادی کی شدتیں عروج پر تھیں۔ وہ تھیک رہی تھی مگر..... اسے ٹھکن کا اظہار کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ پیار کا اگر ایک یہ بھی روپ تھا تو قطعی لائق ستائش نہیں تھا۔

دوپہر ایک بجے کے قریب ہادی جاگا تھا۔ اسے سوتے دیکھ کر بناء ڈسٹرب کیے وہ چپ چاپ فریش ہو کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ تحریم شام چار بجے کے قریب جاگی تھی چار گھنٹوں کی نیند کے باوجود اس کا جسم بے حد ٹھکن کا شکار تھا جب کہ آنکھوں سے جیسے آگ نکل رہی تھی ہادی کمرے میں آیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”اٹھ گئی میری شہزادی؟“

”جی۔“ وہ اس سے نظریں ملانے کی بجائے سر جھکا گئی۔

”طبیعت ٹھیک ہے ناں؟“

”جی۔“

”گڈ تم سوچ نہیں سکتیں میں کتنا خوش اور سکون ہوں یوں لگتا ہے جیسے ذات کا سارا بوجھ اٹھ گیا ہو تھینک یو تحریم! تم واقعی میری جان ہو۔“ اچانک ہی وارٹی سے کہتے ہوئے اس نے پھر اسے پیچ لیا تھا تحریم پھر پھڑا کر رہ گئی۔
”چلو اٹھ کر ہاتھ لے لو پھر کھانا کھاتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے مگر پہلے میں گھر کال کر کے اپنی ای سے بات کرنا چاہوں گی وہ انتظار کر رہی ہوں گی۔“ بمشکل وہ سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ پائی تھی ہادی نے فوراً جیب سے سیل نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

”شیور جتنا دل کرے اتنی بات کرو۔ میں ابھی جا رہا ہوں تم فریش ہو جاؤ تو پھر مل کر کہیں اچھی جگہ پر جا کر کھانا کھاتے ہیں ٹھیک ہے۔“

”جی۔“ وہ مسکرائی تھی ہادی اس کی ناک دبا کر اٹھ گیا۔ اس

کے کمرے سے جانے کے بعد تحریم نے اپنے گھر کا لائی تھی۔ لائبہ نے اسی کے زیر استعمال رہنے والے سیل پر دی کا نمبر دیکھ کر فوراً کال ریسیو کر لی۔
”السلام علیکم۔“

”علیکم السلام! تحریم بول رہی ہوں، کیسی ہو تم اور ای کیسی ہیں؟ مجھے یاد کر کے رو تو نہیں رہیں؟“ لائبہ تحریم کی کھلتی آواز سن کر خوش ہو گئی۔

”ای ٹھیک ہیں مگر رات سے بخار ہو گیا ہے جب سے تم گئی ہو مسلسل رو رہی ہیں۔“

”آف..... میری بات کرو او امی سے فوری۔“ وہ بے چین ہوئی تھی لائبہ سیل ماں کے پاس لے گئی۔

”امی! بچو کا فون ہے دی سے۔“ اس نے کہا تھا اور انہوں نے فوراً سیل فون اس سے چھپٹ لیا تھا۔

”تحریم.....“ بے تابی سے اس کا نام پکارتے ہی وہ رو پڑی تھیں، تحریم کی اپنی آنکھیں بھرا آئیں۔

”جی امی! آپ رو رہی ہیں؟“ اس کی خوشی لمحوں میں ماند پڑی تھی۔

”تم کیسی ہو ٹھیک ہوتا؟“

”امی میں ٹھیک ہوں بے حد بے پناہ خوش ہوں۔ میرا یقین کریں امی! بندہ ساری عمر سجدے میں پڑا ہے اور خدا سے ہادی جیسا ہمسرا ملتا رہے تب بھی شاید اسے ایسا ہمسرا نہ ملے

جیسا میرے خدا نے مجھے بن مانگے دیا ہے۔ آپ دیکھنا امی! اب کیسے ہمارے حالات یوں چٹکیوں میں بدل جائیں گے۔“

وہ اتنی خوش اور مطمئن لگ رہی تھی کہ اس کی ماں کو اپنے آنسو خشک کرنے پڑے۔

”اللہ تمہیں ایسے ہی خوش رکھے میری بچی! میرا دل بہت بے چین تھا آج تک کبھی اتنا دور کیا جو نہیں خود سے۔“

”دل کو سمجھالیں امی کیونکہ اب ہمارے مدونے دھونے کے دن گئے ابھی ہادی کھانا لینے گئے ہیں تھوڑی دیر بعد مجھے پورا اونٹ اور شارجہ کھمائیں گے۔ اس کے بعد شاپنگ کریں گے اور دوستوں سے ملو انیس گے میں سچ میں بہت بہت خوش ہوں امی پلیز آپ میری فکر مت کریں۔“

”مائیں اولاد کی فکر کرنا نہیں چھوڑ سکتیں تحریم! خواہ اولاد کتنی ہی سکھی کیوں نہ ہو۔“

”لہ امی! پلیز اب خوش ہو جائیں ماں میں ہادی سے کہیں

گی مجھے کوئی اچھی سی جاب ملو انیس پھر وہ پیسے میں پاکستان بھیجوں گی آپ کو اس کے بعد میں ہادی اور آپ عمرہ کرنے جائیں گے ٹھیک ہے۔“ وہ ماں کو بچوں کی طرح بہلا رہی تھی سمندر بار سے اتنا ہی ہو سکتا تھا۔

”چلیں اب میں فون رکھتی ہوں، ابھی باتھ لینا ہے تیار ہونا ہے۔ آپ اب روئیں یا او اس ہوئیں ناں تو سچ میں میں نے ناراض ہو جانا ہے اور بات بھی نہیں کرنی۔“

”ٹھیک ہے نہیں ہوتی او اس مگر یہ دل ہے کہ اس میں عجیب سی آگ بھڑک اٹھی ہے کسی کروش قرار نہیں۔“

”دل کو مضبوط کریں امی! میں اب رات میں بات کروں گی اللہ حافظ۔“

اسے عجلت تھی لہذا جلدی سے لائن ڈراپ کر کے وہ واش روم میں گھس گئی۔ شام میں ہادی نے اسے وعدے کے عین مطابق دی اور شارجہ کی بہت سی اہم جگہوں پر کھمایا سٹی آف گولڈ سے خوب صورت سیٹ بھی لے کر دیا اور تمام دوستوں سے متعارف بھی کر دیا۔ رات گئے واپسی پر دونوں ہی محسن سے پُورے تھے لہذا سو گئے۔

اگلی صبح پھر ایسی ہی مصروفیات رہیں رات میں البتہ کھانا کھانے کے بعد جب وہ ہادی کے پہلو میں آ کر لیٹی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے بازو پر سلا لیا۔

”آج کیا موڈ ہے؟“

”کس بات کا؟“ وہ اس کی نظریں پہچاننے کے باوجود انجان بن گئی تھی۔

”بتاؤں کس بات کا؟“ وہ اس کے چہرے پر جھکا تھا، تحریم کی پلکیں لرزنے لگیں۔

”بتانا ضروری ہے۔“

”ہوں جو جان کر انجان بنے اسے بتانا ضروری ہے۔“ وہ شرارت پر آمادہ تھا، تحریم نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

”میں دعویٰ سے کہہ سکتی ہوں کہ پوری دنیا میں آپ سے بڑھ کر پیار کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔“ اس نے کہا تھا اور وہ کھل کر ہنس پڑا تھا۔

”ابھی یہ دعویٰ مت کرو کیونکہ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”ہر بات کا مطلب بتانا ضروری ہے۔“

”ہوں جب بات عقل کے خانے میں فٹ نہ آتی ہو تو مطلب بتانا ضروری ہے۔“

”ہوں تو یہ بات ہے چلو بتاتے ہیں پھر مطلب۔“ کہنی کے بل اٹھتے ہوئے اس نے کہا تھا اور پھر بناء کوئی شرارت کیے ایک بڑی سی البم اٹھالایا تھا۔ تحریم اٹھ کر بیٹھ گئی ہادی اس کے پہلو میں تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے البم کھولنے لگا۔ تحریم نے دیکھا وہ سب لڑکیوں کی تصاویر تھیں مختلف ممالک کی لڑکیوں کی مختلف رنگ اور نسل کی لڑکیوں کی کچھ خواتین کی۔

”یہ کیا ہے؟“ وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی ہادی نے اسے بازو کے حلقے میں لے لیا۔

”بتانا ہوں میری جان! بتانے کے لیے ہی یہ البم اٹھا کر لایا ہوں۔“ اس کے بھرے بھرے لبوں پر مسکراہٹ تھی تحریم نے اپنی نظریں پھر البم پر چکا دیں۔

”یہ سمیہ ہے پاکستان میں سیالکوٹ شہر کے قریب ایک گاؤں میں رہتی ہے تین بچے ہیں اس کے میری زندگی میں ماں کے بعد جو پہلی لڑکی آئی وہ یہی تھی۔“ البم کے آغاز میں ایک سادہ سی بھرے بھرے سے جسم والی لڑکی کی تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے اس نے بتایا تھا اور تحریم کے اندر کہیں چھن سے کچھ ٹوٹ گیا غیر محسوس انداز میں اس نے اپنے کندھوں کے گرد سے ہادی کا بازو ہٹانا چاہا تھا مگر نہ کام رہی تھی وہ تار ہا تھا۔

”بہت چاہا تھا میں نے اسے بھری گرمیوں کی دو پہروں میں بناء سورج کی تپش کی پردا کیے میں کئی کئی گھنٹے اس کے اسکول کے باہر کھڑا اسے صرف ایک نظر دیکھنے کے لیے جلتا رہتا تھا۔ بہت ماریں بھی کھائیں اس کے لیے دو بار جیل بھی گیا سارے زمانے کی رسوائی مول لی اپنا جسم سگریٹ سے جلا جلا کر راکھ کیا مگر اسے مجھ پر رحم نہیں آیا اور یہ بناء میری دیوانگی میری محبت کی پردا کیے مجھے چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی۔ میں جیسے پاگل ہو گیا تھا امی شوگر اور بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں میری حرکتوں نے ان کی جان لے لی اور وہ ایک رات لاہور کے میو ہسپتال میں شریان پھٹنے کے باعث چپ چاپ ہمیشہ کی نیند سو گئیں۔ امی کی موت میرے لیے زندگی کا دوسرا بڑا دھچکا تھا لہذا میں آوارہ گرد ہو گیا ابو نے سمجھانے کی کوشش کی تو ان سے لڑ پڑا۔ بھابی نے روک ٹوک کی تو ایک روز اسے پکڑ کر دھو دیا بھائیوں کے ساتھ بھی معاملہ قتل و غارت تک پہنچ گیا تھا تبھی گھر سے نکال دیا گیا۔ میرا ایک دوست یہاں دہلی میں سیٹل تھا

اسے برے حالات کا علم ہوا تو اس نے کوشش کر کے مجھے یہاں بھی بلوایا یہاں آ کر میں نے ایک نئی دنیا دیکھی ایسی دنیا جس کا پاکستان میں تصور بھی نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ میں اسی ماحول کا حصہ بن گیا تبھی میرے دوست نے مجھے کسی کام دھندے پر لگانے کی بجائے ایک نئی راہ دکھائی ترقی کی راہ کامیابی کی راہ دولت کمانے کا شارٹ کٹ راستہ۔“ اپنے مخصوص انداز میں ٹھہر ٹھہر کر وہ ایسے بتاتا جا رہا تھا اور تحریم دم سادھے سانس روکے سنے جا رہی تھی۔

”جانتی ہو وہ شارٹ کٹ راستہ کیا تھا؟ نہیں..... چلو میں بتاتا ہوں۔“ بے پردائی سے اس کی ساکت ہوئی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”ہم پانچ دوستوں کا گروپ ہے یہاں ایک کی بیوی اس کی کسی کزن کے ساتھ بھاگ گئی تھی دوسرے کی سوتیلی ماں نے اسے بڑا ستایا تیسرے کی گرل فرینڈ بے وفا نکلی اور چوتھا اپنے گھر والوں کی بی بی حسی سے متفکر ہو کر ادھر آیا۔ یہ جو لڑکیاں تم دیکھ رہی ہو یہ سب لڑکیاں ہم پانچوں دوستوں کی ان تھک محنت کا ثمر ہیں۔ دہلی کے سخت قانون کے مطابق یہاں کسی لڑکی کو بناء کسی محرم رشتے کے لانا قدرے مشکل ہے لہذا مجبوراً شادی کا کھیل رچا کر لانا پڑتا ہے۔ ہمارے یہاں پھر جو رئیس ہیں ان کے سامنے مختلف درجہ کی قیمت اٹکا کر چند گھنٹوں کے لیے پیش کرنا پڑتا ہے اب سمجھ گئی ہیں یا ذرا اور تفصیل سے سمجھاؤں۔“ وہ گوشت سے پھر کے تجسس میں تہذیل ہو رہی تھی اور ادھر ہادی یوں ہل سکون تھا جیسے یہ بات کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔

”چلو ذرا تفصیل سے سمجھاتا ہوں اصل میں یہاں دہلی میں پاکستانی لڑکیوں کی بہت مانگ ہے یوں سمجھ لو کہ انہیں خریدنا زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ انڈین انڈونیشیا فلپائن سری لنکا کی لڑکیوں کی بہتات ہے مگر ان کی اتنی مانگ نہیں تو مجبوراً ہم پاکستانی لڑکیوں کو دانا ڈالتے ہیں، کبھی بیس بک، کبھی اسکائیپ، کبھی سیل فون اور کبھی لائیو کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی پھنس ہی جاتی ہے۔ لڑکیاں بھی بے چاری کیا کریں پاکستان کے حالات ہی ایسے ہیں ایسے حالات میں محبت اور شادی ان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور ہم اسی مسئلے سے فائدہ اٹھا کر اپنا کاروبار چکاتے ہیں۔ یہ دیکھو یہ گرین سوٹ والی یہ ابھی بھی میری واقف ہے۔ دو گھنٹوں کے پانچ سو روپے ہم لیتا ہوں میں اس کے بہت فائدہ پہنچا رہا ہے اس محبت نے تمہاری طرح یہ بھی

حالات کی ماری تھی۔ سات بہنیں تھیں اس کی کسی کی بھی شادی نہیں ہو رہی تھی۔ اب تین کی ہو چکی ہے باقی کی طے ہو رہی ہے کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہے ناں؟“ وہ شخص جو خوشبو کا پیکر تھا فقط چند لمحوں میں گدھ بن گیا تھا اور تحریم کی دھند لائی آنکھیں اس کا چہرہ بھی نہ دیکھ پارہی تھیں جو مسکرا رہا تھا۔ اپنی خوش بختی اور اس کی بد نصیبی پر۔

”اور یار پلیز رونا نہیں یہاں رونے سے سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ پنک سوٹ والی دیکھو تم سے زیادہ خوب صورت پڑھی لکھی سمجھ دار تھی۔ ابھی پچھلے سال ڈیڑھ تھ ہوئی ہے اس کی امیر ماں باپ کی بیٹی تھی مگر میری محبت اور جذبات کی شدت کے سامنے قدم اکھڑ گئے اس کے۔ اسی لیے ماں باپ سے بغاوت کر کے سب کچھ چھوڑ کر میرے ساتھ یہاں چلی آئی۔ بہت روئی تھی شروع شروع میں بھوک ہڑتال بھی کی دھمکیاں بھی دیں۔ دو بار چکر دے کر فرار ہونے کی کوششیں بھی کی مگر کامیاب نہ ہو سکی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ ہمارا نیٹ ورک ہی اتنا مضبوط ہے کہ جو چڑیا ہمارے جال میں پھنس کر یہاں آ جائے اسے پھر موت کے سوار ہائی نصیب نہیں ہوتی۔ یقین نہ آئے تو آزما کر دیکھ لینا۔“ وہ اسے دھمکا نہیں رہا تھا بتا رہا تھا۔ تحریم کو دماغ کے ساتھ ساتھ اپنا سارا جسم سن ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

”تم میرے دل کو بہت اچھی لگی ہو میں نہیں چاہتا تمہارے ساتھ زیادتی ہو اسی لیے سمجھا رہا ہوں جیسا کہوں دیا کرتا تنگ کر دگی تو تمہارے ساتھ بھی کچھ اچھا نہیں ہوگا اور ادھر پاکستان میں تمہارے جو پیارے پیارے رشتے ہیں ان کو بھی تکلیف ہوگی کیا تم چاہو گی کہ ان کو تکلیف ہو؟“ تحریم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اسے وارن کر رہا تھا اس کی آنکھوں سے کئی قطرے ایک ساتھ چھلک پڑے اسے لگا وہ جیسے کسی پہاڑ سے دھکادے کر گرائی گئی ہو۔

”اچھا یہ ادھر دیکھو یہ جو بلیک سوٹ میں لڑکی ہے ناں۔ اسے بھی مجھ سے محبت ہوئی تھی بلکہ نہیں محبت کے ساتھ ساتھ اسے مجھ سے ہمدردی تھی۔ میری تنہائی میری اداسی میری وحشت ردل کٹا تھا اس کا کمشنر کی بیٹی تھی میرے دکھ بانٹنے میری زندگی میں آئی تھی مگر یہاں آنے کے بعد اسے مجھ سے نفرت ہو گئی۔ اس نے مجھے چیلنج دیا کہ یہ مجھے اور میرے دوستوں کو ضرور بے نقاب کرے گی تاکہ اس کی طرح کوئی اور لڑکی اپنی

خواہشات کی بحیثیت چڑھ کر ہمارے ہاتھوں برباد نہ ہو مگر افسوس کامیاب نہ ہو سکی۔ انکل نے اس کے ارادے جاننے کے بعد اسے ایک ”ایڈز“ کے مریض شخص سے ملوایا یوں ہمیں بے نقاب کرنے کی خواہش لیے چار ماہ کے اندر اندر ایڈز کی شکار ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ میں نے اس کے ماں باپ کو اس کی ڈیڈ باڈی بھجوا دی تھی ساتھ میں میڈیکل رپورٹس بھی۔“ کتنے فخر سے وہ اسے بتا رہا تھا تحریم کے اندر دھواں پھیلنا گیا۔

”اور کسی کے بارے میں کچھ جاننا چاہو گی؟“ روح شکاف انکشافات کرنے کے بعد کتنے سکون سے وہ اس سے پوچھ رہا تھا وہ سسک اٹھی۔

”میرے ساتھ ایسا مت کرو پلیز۔“

”کیوں؟ تم یہاں صرف دی دیکھنا آئی ہو؟“

”میں یہاں صرف تمہارے لیے آئی ہوں۔“

”ہمارا جو سرکل ہے اس میں میرا تیرا نہیں چلتا ڈیر تحریم! تم میری بیوی رہو گی مگر..... تمہیں رات کے لیے پارٹنر میں اپنے باس یعنی انکل سے پوچھ کر دیا کروں گا ویسے انکل سے تو تم مل ہی چکی ہو میرے والد کے روپ میں۔“

”نہیں پلیز ایسا مت کرو میں مرجاؤں گی مگر خود کو نیلائی کے لیے پیش نہیں کروں گی۔“

”وہ مرجاؤ یہاں پر اکس کو ہے۔“

”تم میرے ساتھ اتنا بڑا فریب کیسے کر سکتے ہو میں نے تم پر اعتبار کیا تھا تمہاری قسموں پر اعتبار کیا تھا۔“

”اعتبار کیا تھا تو اب اس اعتبار کا پھل بھی کھاؤ زیادہ بک بک کر رہی تو برداشت نہیں کروں گا۔“ ایک پل میں اس کے تیور بدلے تھے پھر اس سے پہلے کہ وہ مزید احتجاج کرتی وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔



سردی اپنے جو بن پر تھی۔ وہی فاش مارکیٹ میں مچھلی ہول سیل میں فروخت ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی سے اتری اور محتاط قدموں سے چلتی ہوئی سامنے بڑی مچھلی کی ایک قطار کی طرف چلی آئی جہاں اس جیسے عبا یا میں ہی ملبوس ایک لور لڑکی ایک خوب روی پاکستان سیلز مین سے کہہ رہی تھی۔

”بھائی دو کلو جھینگے ملیں گے؟“

”نہیں یہ ہول سیل ہے یہاں دو کلو کوئی چیز نہیں ملتی۔“ سیلز مین نے اس لڑکی کو صفا چٹ جواب دے دیا تھا۔ تحریم کے

قدموں کی رفتار سست پڑ گئی۔

”پلیز دے دیں میں زیادہ خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتی، مہربانی ہوگی پلیز۔“ وہ عاجزی پر اتر آئی تھی، تحریم کی سماعتوں میں جیسے گھنٹیاں ہی بجنے لگیں۔

”سحرش.....“ یونہی ابہام میں کپکپاتی آواز سے اس نے اس لڑکی کو پکارا تھا اور وہ جیسے کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔ ساتھ ہی مچھلیاں فروخت کرتے نوجوان نے چونک کر اسے دیکھا تھا اور جیسے ٹھنک گیا تھا۔ دہائی کی فضاؤں میں پورے پانچ سال کے بعد وہ کبھی یوں آن ملے کی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

”تحریم.....“ اس کے سامنے کھڑی پاکستانی لڑکی پلٹی تھی اور اس کے اندازے اور گمان کی تصدیق ہو گئی۔ وہ وہی تحریم تھی جسے اس نے چاہا اور پرپوز کیا تھا مگر وہ اس کی نہ ہو سکی تھی۔ آج جبکہ وہ لکھتی تھی تھا وہ صرف دو کلو مچھلی خریدنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی چھلکی تھی مگر وہ فوراً رخ پھیر کر دوسرے گاہکوں کی طرح متوجہ ہو گیا تھا۔ تحریم اسے نہیں پہچان پائی تھی وہ ندیم تھا۔

”تحریم..... تم یہاں کیسے؟“ بھیگی ہلکوں سے تحریم کے ہاتھ چومتے ہوئے سحرش نے اس سے پوچھا تھا جواب میں اس کی آنکھیں بھی بھرا آئیں۔

”بس حالات لے آئے تم سنا کیسی ہو؟“
”کیسی ہو سکتی ہوں سونے کے بچرے میں لمحہ بہ لمحہ جینے مرنے والی بے بس چڑیا کیسی ہو سکتی ہے؟“
”کیا مطلب میں سمجھتی نہیں۔“ وہ چونکی تھی سحرش نے آنسو پونچھ لیے۔

”میں تمہیں یوں سر راہ سمجھا بھی نہیں سکتی تحریم! میری نگرانی ہو رہی ہے بس اتنا سمجھ لو کہ زندگی برباد ہو گئی ہے۔ کوئی دولت کے سحر میں اپنا نام دے کر لوٹ لایا اور یہاں لا کر گناہ کی دلدل میں ڈھکیل دیا، یوں کہ واپسی کی ساری راہیں ہی مسدود ہو گئیں۔“ سحرش کے لہجے میں کرب کی آنچ تھی اس کی بلوری آنکھیں نقاب کے اندر بن بادل برسات برسنے لگی تھیں، تحریم کے دل کو زبردست دھچکا لگا۔

”بہت کوشش کی خود کو بچانے کی بہت ہاتھ پیر مارے مگر..... خدایا! اب تو ہمت ہی نہیں رہی اندر کہیں زندگی جیسے مر گئی ہے۔ خیر چلتی ہوں وہ لوگ یہیں کہیں آس پاس ہوں گے۔“ اچانک ہی گھبرا کر اس کے ہاتھوں کو پوری شدت سے

لفظ

میرے ہاتھ اٹھے، میرے لب ہلے
میرے دل سے آواز اٹھی
تیرے ہونٹوں کی ہلکی تیری آنکھوں کی چمک
تیرے لفظوں کی خوشبو، تیرے لہجے کی دھنک
سدا قائم رہے

تو جو سوچے تجھے مل جائے تو جو چاہے وہ ہو جائے
ہر قدم پر تجھے بہار ملے تو شاد رہے آبا رہے
تجھے زندگی سے اتنا پیار ملے جب محفل میں تیرا ذکر چلے
ہر لب پر یہ دعا آئے تجھے ہر خوشی اس آئے
کوئی غم نہ تیرے پاس آئے (آمین)

ثناء خان..... ہری پور

دباتے ہوئے وہ اس کے ہاتھوں سے ہاتھ چھڑائی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ایک طرف کو نکل گئی تھی۔ پیچھے تحریم یوں ٹھہرائی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی جیسے قافلہ گزر گیا ہو اور پیچھے صرف اڑتی ہوئی دھول باقی رہ گئی ہو۔

وہ بھی اسی راہ کی مسافر تھی کہ جس راہ نے تحریم سے اس کی زندگی کا مقصد چھین لیا تھا بڑا گہرا دار کیا تھا تقدیر نے کہ وہ جس لڑکی کے نصیب پر رشک کرتی تھی اسے بھی ویسا ہی نصیب مل گیا تھا اس نے کہا تھا۔

”مجھے نہیں چاہیے آخرت میں کچھ بھی۔“
اور وقت کے دیوتا نے جیسے یہ جملہ اچکپ لیا تھا، عبدالبہادی کے بعد اس کی عزت کا جنازہ نکالنے والا وہی شخص تھا جسے ہادی نے پاکستان میں اپنا باپ متعارف کروایا تھا مگر وہی میں وہ اس کا باس اور انکل تھا۔ اسی رات اس کی التجا پر ہادی نے اسے پاکستان کال ملا کر دی تھی۔

”اسلام علیکم بچو! کیسی ہو؟“ حسب توقع کال اٹھانے والی لائے تھی تحریم کی آنکھیں چھلک پڑیں۔
”تم کیسی ہو امی اور بانی سب لوگ کیسے ہیں؟“

”سب ٹھیک اور خوش باش ہیں آپ! آپ کو پتا ہے ندیم بھائی نے مجھے پرپوز کیا ہے اور امی نے اس بارانکار نہیں کیا آخر کو ندیم بھائی ان کے دل کو ٹکتے ہیں اور اب تو ہادی بھائی کی طرح ان کا بھی دہائی میں لاکھوں کا کاروبار ہے۔ فٹ مارکیٹ میں ہول

کی مائیں ان کے سونے سے پہلے سو جاتی ہیں ان بیٹیوں کا امتحان پھر زندگی اپنے ڈھب سے لیتی ہے۔

”میں سمجھی نہیں بجو۔“
”ای سمجھ جائیں گی۔“ شکستگی سے کہتے ہوئے اس نے آہستہ سے لائن ڈس کنکٹ کر دی تھی۔

ہادی اسکائپ پر پاکستان میں حیدرآباد کی کسی لڑکی سے کپ شپ لگا رہا تھا وہ باہر سڑک کی جانب کھلنے والی کھڑکی میں آکھڑی ہوئی۔

ہوا چل رہی تھی مگر اسے ٹھن محسوس ہو رہی تھی اندر ایک عجیب سی کسک کا غبار پڑھتا جا رہا تھا۔ آنسوؤں کا کوٹا تو جانے کب کا ختم ہو چکا تھا ابھی پلکیں موند کر سر کھڑکی کے کھلے ہوئے پٹ سے نکاتی وہ اپنے تحلیل کی دنیا میں پاکستان پہنچ گئی تھی وہ پاکستان جہاں غربت تھی جہالت تھی مسائل تھے لوڈ شیڈنگ اور بھوک تھی مگر..... اس بھوک میں بھی ذلالت نہیں تھی سکون تھا۔

اس کی عزت کی اجلی چادر فاقے کر کے بھی کسی کی گندے ہوس کے مزار پر نہیں چڑھتی تھی۔ کسی نے عزت بنا کر وہاں اس کے وجود کو دھجیوں میں نہیں بکھیرا تھا وہ اپنی ہی ذات کے مقبرے میں زندہ دفن نہیں ہوئی تھی۔ وہاں تو بس خواب تھے خواہشات تھیں اور ”اعتبار تھا۔“

مگر جانے افلاس کی اس دھرتی کی اور کتنی نوخیز کلیوں کو ان رو پہلے خوابوں خواہشات اور بھروسے کی سولی چڑھنا تھا۔

”مائے نی میں کنوں آکھاں درو و چھوڑے ادا حال نی
مائے نی میں کنوں آکھاں

دکھاں دی ردنی سولان داسا لن

آہیں دابا لن بال نی مائیں

مائے نی میں کنوں آکھاں؟ درو و چھوڑے ادا حال نی مائیں

جنگل بیلے پھراں ڈھونڈ پیدی

اے ناں پائیو بال نی..... مائیں

مائے نی میں کنوں آکھاں درو و چھوڑے ادا حال نی

راٹھن راٹھن پھراں ڈھونڈ پیدی

راٹھن میرے سال نی

مائے نی میں کنوں آکھاں درو و چھوڑے ادا حال نی



سیل میں مچھلی فروخت کرتے ہیں سب بہت خوش ہیں بجو! پچھلے ہفتے ابو کی دوسری بیوی بھی انہیں دھوکہ دے کر بھاگ گئی بہت پشیمان تھے ابو ادھر ہی آگئے ہیں۔ کاش آبی آپ یہاں ہوتیں تو دیکھتیں کیسے ہمارے سب رشتہ دار جل جل کر مر رہے ہیں چچی لوگوں کی تو زبان نہیں سوکتی تمہارے نصیب پر رشک کر کر کے۔ بڑی بے بے ہوئی بڑی ہے تمہاری یہاں بھائی کا کاروبار بھی اچھا چل پڑا ہے سچ کہتی ہوں بجو! اللہ تم جیسا نصیب ہر بیٹی کو دے۔“

”نہیں..... اللہ نہ کرے۔“ لائیبہ کی دعا پر اس نے دل کر دل ہی دل میں کہا تھا پھر خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بمشکل بولی۔

”ای کہاں ہیں؟“

”نماز پڑھ رہی ہیں ابھی سلام پھیرتی ہیں تو بات کرواتی ہوں۔ جب سے تم گئی ہو بجو! ای ہر وقت تمہاری باتیں کرتی رہتی ہیں تمہیں یاد کر کے روتی رہتی ہیں۔ پانچ سال ہو گئے تمہاری شادی کو مگر ای کی حجب نہیں ٹوٹی ہر وقت اداس رہتی ہیں۔ تمہارے لیے دعائیں مانگتی مصلے پر بیٹھی روتی رہتی ہیں۔ بس یہیں کہتی ہیں میرے دل کو سکون نہیں ہے میرا اندر جل رہا ہے اب اتنی خوشیاں ہونے کے باوجود پتا نہیں کیوں ان کے دل کو سکون نہیں ہے کیوں ان کا دل جلتا رہتا ہے؟“ لائیبہ اس سے اس کی ماں کی شکایت کر رہی تھی تحریم کے لیے اپنی سسکیوں کو روکنا محال ہو گیا۔ عجیب سنگل ہوتے ہیں ماؤں کے دلوں کے سمندر پار بیٹھ کر بھی انہیں اپنے بچوں کے دکھوں کا پتا چل جاتا ہے اس کے آنسو مزید روانی سے بہنے لگے۔

”ای کا خیال رکھا کرو لائیبہ! میں یہاں بہت خوش ہوں ہادی میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔“

”جانتی ہوں بجو! ہادی بھائی جیسا آئیڈیل شخص تو پوری دنیا میں دوسرا کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔“

”ہوں اچھا میں فون رکھتی ہوں کریڈٹ ختم ہو رہا ہے ای کو میرا سلام کہنا اور ایک ریکوئسٹ بھی کرنا۔“

”کیسی ریکوئسٹ؟“ لائیبہ پوچھ رہی تھی اور ادھر تحریم سے بولنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ اس لہجے میں اپنی ماں سے بات نہیں کر سکتی تھی کیونکہ مائیں لہجے پہچان لیتی ہیں۔

”ای سے کہنا لائیبہ! وہ رات میں تمہارے سونے سے پہلے نہ سو پا کریں کیونکہ شب کے اندھیرے میں جن جوان بیٹیوں



راحت و فائز
سہیلی محبت

READING
Section

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

اک عجب شور سا پا ہے کہیں
کوئی خاموش ہو گیا ہے کہیں
تو مجھے ڈھونڈ میں تجھے ڈھونڈوں
کوئی ہم میں سے رہ گیا ہے کہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شرمین دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر صبح احمد کے بیٹے کو لینے ہاسٹل پہنچ جاتی ہے اور وہاں چند ضروری سپر سائن کر کے بچے سے ملتی ہے۔ صبح احمد کا بیٹا شرمین کو دیکھتے ہی ماما کہہ کر پکارتا ہے جبکہ شرمین اذان (صبح احمد کا بیٹا) کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے کہ وہ صبح احمد کی کاپی ہوتا ہے۔ عبدالصمد کو جہاں آرا بیگم اپنے ساتھ لے جاتی ہیں ان کا خیال تھا کہ بچے کی محبت میں زیبا کی مستاجوش مارے گی اور وہ بے قرار ہو کر گھر آ جائے گی۔ مگر زیبا دل پر پھر رکھ کر صبر کر لیتی ہے۔ دوسرے ہی دن صفر عبدالصمد کو چھوڑنے آتا ہے تو زیبا اسے عارض کی تصویر دکھا کر اپنے ساتھ گناہ میں شریک ٹھہرا کر صفر کا سکون غارت کر دیتی ہے۔ صفر کا دل و دماغ یہ بات تسلیم کرنے سے عاری ہوتا ہے اس پر دوست کی حقیقت واضح تو ہوتی ہے کہ وہ لڑکیوں سے فلرٹ کرتا رہتا ہے لیکن اسے اس بات کا یقین نہیں تھا پھر بھی دل کی تسلی کے لیے وہ عارض کو زیبا کی تصویر دکھاتا ہے تو وہ اسے پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے۔ آغا جی نے سبنا کی ضمانت کرادی تھی لیکن اب سبنا امریکہ میں ہوتے ہوئے بھی ان کے لیے مشکل پیدا کر رہی تھی۔ سبنا عارض کے اپارٹمنٹ کے باہر مستقل اپنا ڈیرہ ڈال کر بیٹھ جاتی ہے۔ یہی بات آغا جی کو بہت پریشان کرتی ہے۔ شرمین اذان کے ساتھ زینت آپا سے ملنے آتی ہے تو وہ ششدر رہ جاتی ہے تب شرمین انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کر کے بوبی کے ساتھ منگنی سے معذرت کر لیتی ہے۔ زینت آپا افسردہ ہو کر شرمین کو بوبی سے۔ لے کا کہتی ہیں۔ صفر جہاں آرا بیگم کے ساتھ نئے گھر میں شفٹ ہو جاتا ہے لیکن اب اسے کسی کل چین نہیں رہتا۔ زیبا کی باتیں عارض پر الزام لگ رہی تھیں صفر کی نظر میں زیبا اس سے اس کی دوستی چھین رہی تھی جبکہ زیبا اس حقیقت کے لیے صفر کے سامنے سوالیہ نشان بنی کھڑی تھی۔ بوبی اذان کو دیکھ کر تلملا جاتا ہے۔ وہ کسی بھی صورت میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتا کہ شرمین ایک آٹھ سال کے بچے کی ماں ہے جبکہ شرمین اس پر حقیقت آشکار نہیں کرتی اور بوبی کے آگے شرط رکھتی ہے کہ وہ اسی صورت شادی کرے گی جب وہ اذان کو قبول کرے گا۔ عارض کو شاپنگ کے دوران شرمین نظر آتی ہے وہ شرمین کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھتا ہے لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے ساتھ بچے کو دیکھ کر اپنی جگہ ٹھہر جاتا ہے جبکہ شرمین اس کو دیکھ کر نظر انداز کرتی دوسری شاپ کی طرف چل دیتی ہے۔ عارض اس بچے کے بارے میں صفر سے معلوم کرتا ہے تو وہ لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ شرمین پر صبح احمد کی زندگی کا ایک نیا باب کھلتا ہے۔ صبح احمد زندہ ہے اور اپنے علاج کے لیے بیرون ملک مقیم ہے۔ شرمین ایک بار پھر پرانی محبت کے حصار میں آ جاتی ہے جبکہ عارض بھی اب اس سے بات کر کے معاملات کو سلجھانا چاہتا ہے۔ زیبا اب صفر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی لیکن وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ صفر اس کے گناہ گار کو سزا دے یک طرفہ محبت نے زیبا کو صفر کی نظروں میں رسوا کر دیا ہے صفر بھی اپنے عہد و پیاں بھول کر غصے کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



بلیو سادہ سے سوٹ میں جلدی جلدی بالوں میں برش کر کے اذان کو شاور کے لیے واش روم میں بھیجا وہ کافی لیٹ ہو رہی تھی۔

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 64

READING
Section

زیستہ آپا کے تین چار فون آچکے تھے۔ اذان کے پڑے الماری سے منتخب کر کے نکالے تو فون بجنے لگا۔ اسے لگا کتا پاہی کا فون ہوگا۔ مگر نیا نمبر دیکھ کر وہ کچھ ہچکچائی مگر پھر اٹینڈ کر لیا۔
”ہیلو۔“

”میڈم شرمین از دیر۔“
”جی۔“

”میں صبح احمد صاحب کا وکیل ایم عالم بیک بات کر رہا ہوں آپ کو اطلاع دینی تھی کہ مسٹر صبح احمد اب دنیا میں نہیں رہے۔“
”آہ.....!“ ایک چیخ حلق کے اندر دم توڑ گئی سماعت پتھرا گئی غیر متوقع اتنی افسوس ناک اطلاع اس کی آنکھوں سے جانے کیوں موٹے موٹے آنسو ٹوٹے اور رخسار پر پھسل گئے۔

”آپ سن رہی ہیں نا؟“ میرا صاحب کو خاموشی پر کہنا پڑا۔
”آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟“ کڑے ضبط کے ساتھ بولی۔
”مرحوم نے آپ کو بتانے بلکہ دل بھی آپ تک پہنچانے کو کہا تھا۔“
”میرا فون نمبر؟“

”وہ میں نے ہاسٹل کے چیف ایگزیکٹو باجوه صاحب سے لیا اذان کے لیے ان سے میرا رابطہ رہتا تھا۔ امید ہے آپ کے پاس اذان خیریت سے ہوگا۔“

”جی مگر مجھے صبح احمد کی دل سے کوئی سروکار نہیں۔“
”میڈم اذان کی کفالت کے تمام ترامور، مسٹر صبح احمد نے آپ کے نام لکھوا دئے ہیں۔ تو پھر آپ وقت بتائیں کب ملاقات ہو رہی ہے؟“

”آپ کو کفرم ہے کہ صبح احمد.....؟“ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔
”جی، کفرم ہے نہیں وہیں مسلم قبرستان میں دفن کر دیا گیا ہے۔“
”اوہ.....“ وہ بے دم سی ہو کر دیوار سے لگ گئی۔
”پھر۔“

”ابھی میں اس پر بات نہیں کر سکتی پلیز۔“ اس کی آواز رندھ گئی۔
”اوکے آئی ایم سوری۔“
”اٹس اوکے۔“

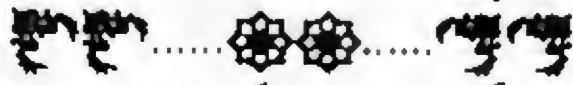
”ٹھیک ہے دل میرے پاس محفوظ ہے آپ جب چاہیں اوکے اللہ حافظ۔“
وکیل صاحب نے فون بند کر دیا مگر وہ دل و دماغ میں اٹھنے والے یادوں کے طوفان کو کہیں بند نہیں کر سکتی تھی۔ بس ڈوبتے دل کے ساتھ کمرے سے نکل کر بڑے کے ستون سے لپٹ کر سسکیاں لینے لگی۔ نفرتوں کی ویز تہہ میں دفن ہونے کے باوجود وہ سامنے آ گیا تھا۔ ان پر کیا گزری ہوگی، تنہا موت سے ملتے وقت کس دکھ سے گزر رہے ہوں گے؟
”اوہ صبح احمد! تم اس قدر بد قسمت تھے کہ آخری لمحوں میں کوئی تمہارے پاس نہیں تھا، کوئی ترپنے والا جان کنی کے کرب میں آنسو بہاتے ہوئے سورہ یاسین پڑھ کر سکون قلب دینے والا نہیں ہوگا۔ تم نے کیسی سزا پائی، وطن سے دور، اپنے پیٹے سے دور گھر بنالیا۔ ہمیشہ کے لیے وہیں رہ گئے کس قدر ترپے ہوں گے روئے ہوں گے اور جان جان آفریں کے سپرد کی ہوگی میں اذان کو کیسے بتاؤں گی، کیسے؟“

”ماما۔“ اذان کی آواز پشت سے آئی تو وہ چونکی۔
”بہنہ۔“ جلدی سے آنکھیں صاف کیں۔

”فون آ رہا تھا۔“

”لاؤ۔“ اس نے فون دیکھا زینت آ پا کا تھا مگر بند ہو چکا تھا۔
 ”ماما آپ ڈیڈی کو یاد کر رہی تھیں؟“ اذان نے تعصومیت سے پوچھا تو وہ پھٹ پڑی پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

”ڈیڈی خراب ہیں۔“
 ”نہیں، وہ آپ کے اچھے ڈیڈی.....“ وہ اس کو بانہوں میں بھر کے ادھورا جملہ بول کے اسے لیے کمرے میں آ گئی دل غم سے پھٹا جا رہا تھا زینت آ پا کو طبیعت خرابی کا میسج کر کے بیڈ پر دراز ہو گئی۔
 ماضی کی فلم نگاہوں میں چلنے لگی۔ سحر انگیز شخصیت کا مالک، نفاست و لطافت کا وجیہ پیکر جس سے اس نے دیوانہ وار محبت کی تھی وہ منوں مٹی تلے سو گیا تھا۔ ایک آزمائش دے کر، امتحانی مرکز میں چھوڑ کر اس نے برابر لیٹے اذان کو دیکھا جو بے فکر اور بے غم آنکھیں موندے لیٹا تھا ہر بات سے لاعلم..... بے خبر۔



زینت بیگم نے خاموشی کے ساتھ کھانا اپنے کمرے میں ہی کھایا۔ بڑے اہتمام سے ڈھیر ساری چیزیں انہوں نے تیار کروائی تھیں۔ مگر شرین کا میسج پڑھ کر خاصی افسردہ سی ہو گئیں، بابا کو صرف بوبی کے لیے کھانا لگانے کا کہا مگر بوبی تو آگ بگولہ ہو کر ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ بھولی برتن لے کر جا رہی تھی وہ اس سے ٹکرایا چھنا کے سے سب برتن کرچی کرچی ہو گئے۔
 زینت بیگم چلا آئیں۔

”یہ کیا..... کیا آپ نے؟“
 ”مجھے یہ بتائیں کہ وہ کیوں نہیں آئی، اس لڑکے کی وجہ سے۔“ وہ برتنوں کی ٹوٹ پھوٹ نظر انداز کر گیا۔ بھولی نے جلدی جلدی کر چیاں مڑے میں رکھیں اور باہر نکل گئی۔
 ”جو بھی وجہ ہو آپ یہ پوچھنے کے مجاز نہیں۔“
 ”کیوں ہماری بات طے ہوئی تھی۔“

”ہوئی تھی، جو آپ کی نادانیوں کے سبب ختم ہو گئی۔“
 ”کون سی نادانی، میں شرین کی طرح سنجیدہ بابا بن جاؤں۔“
 ”یہی..... یہی زبان کی خرافات اس رشتے کا خاتمہ بنی ہیں۔“ زینت بیگم کو غصا آ گیا۔
 ”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”بڑی دعائیں کیں، مگر آپ کو عقل نہ آئی پہلے شرین، شرین کی رٹ لگائی اور پھر اسی سے الجھنا بحث کرنا دطیرہ بنا لیا۔ اب شرین کو بھول جاؤ وہ شاید آپ کی وجہ سے کھانے کے لیے نہیں آئی۔“
 ”نہیں، وہ اس پر اسرار بچے کی وجہ سے نہیں آئی۔“
 ”تو نہیں سمجھ لو۔“

”آپ کو مجھ سے ہمدردی نہیں۔“
 ”بوبی شرین آپ سے بدظن ہو چکی ہے وہ گئی بات اذان کی تو وہ اسے نہیں چھوڑ سکتی۔“ انہوں نے واضح کر دیا۔
 ”اور مجھے اذان قبول نہیں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے، بھول جاؤ اسے۔“
 ”یہ آپ کہہ رہی ہیں۔“
 ”مجبوری ہے، شرین کو میں مجبور نہیں کر سکتی۔“
 ”ٹھیک ہے میں واپس چلا جاؤں گا۔“
 ”بھد شوق۔“ وہ رنجیدہ خاطر ہو کر بولیں۔
 ”یعنی آپ کو فرق نہیں پڑتا۔“

”تو کیا کروں؟ آپ کے پاؤں پکڑوں، ہاتھ جوڑوں، بوزمی بیمار ماں کو چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔“ وہ عشاء کی اذان سن کر اٹھتے ہوئے بولیں۔

”میں جانتا ہوں آپ شرمین کو فیور کر رہی ہیں۔“
 ”وہ غلط نہیں تھی کبھی، جب بڑی بن کر سمجھاتی تھی تب بھی آپ نہ سمجھے اس سے عشق فرماتے وہ بے زار ہوتی مگر اڑے رہے جب اس نے قبول کیا تو حماقتیں شروع کر دیں اذان میرے لیے بھی باعث تشویش ہے لیکن وہ باشعور ہے مرضی کی مالک ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسے چھوڑ دو، جانے کس وجہ سے وہ اس کے ساتھ ہے۔“ انہوں نے کچھ نرمی اختیار کی۔
 ”میں ضرور پوچھوں گا۔“ وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا تو وہ بے بسی سے سر آہ بھر کے وضو کرنے کے لیے واش روم کی طرف بڑھ گئیں۔



رات آنکھوں میں گزارنے کے بعد صبح کسی انسان کی کیا حالت ہو سکتی ہے یا سینے کے روبرو کھڑے ہو کر اس نے پورے صبح کے ساتھ دیکھا۔ محسوس کیا سرخ انگارہ آنکھیں، متورم پونے، سیاہ جلتے، کم لایا ہوا چہرہ، کپٹی کی تنی ہوئی رگیں جو بڑی نمایاں ہو گئیں تھیں برسوں کی مریضہ سے مل رہی تھی۔

”شرمین، محبت کی میت دفن ہوتی ہے تو ایسا ماتم بیا ہوتا ہے۔ روح ایسے بین کرتی ہے بدن ایسے سسکیاں لیتا ہے یہ جان لو کہ تم پر ایسی قیامت ہی گزری ہے کچھ بھی تھا کبھی سب کچھ ہی تھا۔“ اس نے الجھے بالوں میں برش کر کے آج خود کو تیار ہی سمجھا مگر پچھلی تصویر میں رنگ بھرنے کے لیے جیسے صبح احمد کی آواز کانوں میں گھنٹاں سی بجانے لگی۔

”لب اسٹک میرے جانے کے بعد لگایا کرو۔“ یہ شکوہ اس کو گلنار کر دیا کرتا وہ لب اسٹک ہاتھ سے لے کر رکھ دیتے اور اسے لو دیتی نگاہوں سے دیکھتے۔ وہ ان نگاہوں کا مطلب خوب سمجھتی تھی جان چھڑانے کو دور بھاگ کر الٹی سیدھی لب اسٹک کی تہہ ہونٹوں پر جمالیتی وہ خود سر اور انا پرستی کے مارے پھر ہفتوں اسے دیکھنے بھی نہ آتے۔

”اب میری لب اسٹک سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا، بلکہ بہت عرصے سے یہ سب قصے پرانے ہو چکے ہیں، مگر جانور کے اپنے پسندیدہ جانور کے رخصت ہونے کا بھی ملال ہوتا ہے۔ تم سے تو محبت کا تعلق تھا۔ محاف کرنا، اب تمہارے کہنے سے نہیں اپنے دلی دل کی آواز پر یہ رنگ بھرنے کو جی نہیں چاہ رہا۔ میں تمہارے سوگ میں نہیں بلکہ اذان کی یتیمی پر مغموم ہوں، تم نے اپنے طور پر کتنا دانش مندانہ فیصلہ کیا۔ صبح احمد تم تو اب ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں شامل ہو گئے ہو، اذان مجھے سوئپ کر تم نے خود سے میرا رشتہ پھر سے مضبوط کر لیا ہے۔ میری سب راہیں مسدود کر دی ہیں۔“ وہ کھڑی بڑبڑا رہی تھی مگر اذان نے اسے چونکا دیا بلکہ گلابی رنگ کی لب اسٹک ہاتھ میں لیے وہ رنگ بھرنے کی دعوت دے رہا تھا۔ وہ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اس سے لپٹ گئی، اس کی پیشانی چومی اور پھر لب اسٹک لگالی اذان خوش ہو کر اپنا اسکول بیگ اٹھا کر ریڈی ہو گیا۔
 ”دودھ کا گلاس بھی خالی کرنا ہے۔“ اس نے جلدی سے گاڑی کی چابی اور اپنا پرس اٹھاتے ہوئے کہا۔
 ”ماما پلیز دل نہیں چاہ رہا۔“

”دل کو سمجھاؤ، چلو شاہاش جلدی۔“ اس نے خود گلاس اٹھا کر اس کے منہ سے لگایا تو اسے پٹا پڑا اس کے اسکول کا ٹائم ہو رہا تھا اس نے اسے بھاگنے کا اشارہ کر کے کمرہ لاک کیا تو زینت پا کا فون آ گیا۔

”السلام علیکم آپ۔ میں آفس آ رہی ہوں اذان کو اسکول ڈراپ کر کے۔“ اس نے کہا۔
 ”آپ کی طبیعت کیوں خراب ہو گئی، اوہ اچھا میں گھر آتی ہوں۔“ اس نے دوسری طرف کی بات سن کر فون بند کیا۔ گاڑی تک پہنچ گئی تھی، اذان نے گاڑی میں بیٹھتے ہی پہلا سوال کیا۔

”ماما کس کے گھر؟“

”وہ آپ کی تانوکے گھر۔“

”وہ آپ کی ماما ہیں۔“

”ہنہہ یہی سمجھ لو، اچھا ڈائری دھیان سے نوٹ کرنی ہے لچ کرنا ہے۔“ اس نے اس کی گفتگو کا موضوع بدلا۔

”ماہڈیڈی کو اب تو بلا لیں۔“ اذان نے اچانک کہا تو گاڑی جھٹکے سے رک گئی۔ اس کا دل ڈوب سا گیا آنکھوں میں اس کے لیے ترس نمی بن کر گھوم گیا۔ اذان اس کی آنکھیں دیکھ کر جلدی سے بولا۔

”اچھا، اچھا رہنے دیں میں بھی تو ان سے ناراض ہوں۔“ وہ سمجھا کہ شاید اس کی آنکھوں میں ناراضگی ہے۔

”میں ناراض نہیں ہوں۔“ اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی۔

”تو پھر، پھر فون کریں۔“ وہ خوش ہو گیا۔

”ہنس۔“

”پھر ڈیڈی مجھے اسکول چھوڑ دیا کریں گے۔“ وہ اپنی ترنگ میں کہہ گیا۔ تو وہ ہنس کر ٹال گئی۔

”آپ کے ڈیڈی کا یہ مزاج نہیں وہ تو ہل کر پانی نہیں پیتے۔“

”ہا ہا ہا ہا.....!“ اذان سوچ کر ہنس دیا بات تو سچ تھی اسکول کے گیٹ پر اس نے اذان کو چھوڑا اور پھر واپسی کے لیے گاڑی موڑی۔

زینتہ آ پاشک کے سہارے واش روم گئی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کے گھٹنے کا درو شدت اختیار کر گیا ہے وہ پرملول سی ان کی میڈیسن اٹھا کر دیکھنے لگی بھولی ان کا ناشتہ کمرے میں ہی لگائی تھی اسے دیکھ کر خوشی سے بولی۔

”باجی آپ آگئیں۔“

”ہاں یہ زینتہ آپ کی طبیعت کیسے خراب ہو گئی؟“

”وہ چھوٹے صاحب آپ کی وجہ سے لڑتے رہتے ہیں تو.....!“ وہ رکی۔

”تمہیں بیگم صاحبہ کا تو بہت خیال رکھنا چاہیے۔“

”آپ واپس آ جائیں نا۔“

”جاؤ، جا کر ایک کپ چائے بنا کر لاؤ۔“ اس نے کہا تو وہ چلی گئی اسی اثناء میں واش روم کا دروازہ کھلا زینتہ پاباہر آئیں اس نے لپک کر انہیں سہارا دیا وہ خوش ہو گئیں۔

”تم آگئیں۔“

”آپ یہ طبیعت اتنی خراب کیسے ہو گئی؟“ بیڈ پر تنکے کے سہارے بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”ایک پینشن ہے نہ میرے مقدر میں۔“

”بھولی کی باتوں کا آپ سیریس نہ لیا کریں۔“

”تم نے کیا حال بنا رکھا ہے۔“ انہوں نے نظر جما کر دیکھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ وہ ٹال گئی۔

”کہاں ٹھیک ہو؟ کیا بات ہے بتاؤ۔“

”کچھ نہیں بس ویسے ہی رات ٹھیک سے سو نہیں سکی۔“

”کوئی وجہ۔“

”تھی بھی اور نہیں بھی۔“

”بتاؤ۔“

”آپ ناشتہ کریں، چھوڑیں۔“ اس نے ناشتے کی ٹرے ان کے سامنے رکھی۔

”شرمین ایک بات کہوں۔“

”جی۔“

”ترمگی کا سفر بہل نہیں، اذان کی ذمہ داری نہ لو، میں ایسا بھولی کی وجہ سے نہیں کہہ رہی، کیونکہ مجھے تم بھی بہت عزیز ہو۔“

”جانتی ہوں لیکن آپ اب تو چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتی، کیونکہ اب اذان کا میرے سوا کوئی نہیں۔“ اس کا لہجہ شک بار ہو گیا۔

”کیا مطلب؟“

”صبح احمد اب دنیا میں نہیں رہے۔“

”ک..... کیا..... تمہیں کس نے بتایا؟“ ان کی آواز لڑکھرائی۔

”ان کے وکیل نے..... اب ایسے میں اذان صرف میری ذمہ داری بن گیا ہے۔“

”لیکن شرمین یہ تو تمہارے اپنے ساتھ زیادتی ہوگی اس نے پہلے ہی تمہاری زندگی برباد کی، اب مر گئے تو بھی اپنا بیٹا

تمہارے گلے کا ہار بنا گئے۔ ان کی بہن ہے اور بھی کوئی ہوگا یا پھر میرے پاس چھوڑ دو۔“

”آپادہ مجھے ماما تسلیم کر چکا ہے، صبح احمد نے یہ ستم ہم دونوں کے ساتھ کیا ہے ان کی بہنوں کا مجھے کچھ اتنا پتا نہیں اور کاغذات

میں، اپنے خط میں انہوں نے اعتبار ہی میرے نام کیا ہے، میرے اعتبار کو پامال کرنے والے نے اپنا اعتبار صرف مجھ پر کیا ہے

ہے نامزے کی بات۔“ وہ بولتے بولتے طنز یہ ہنسی۔

”کچھ بھی ہے وہ تمہاری محبت، تمہارے خلوص کو فریب دے کر گئے تھے بیٹا اصل ماں کے حوالے کرتے۔“ زینت

بیگم کو غصہ آ رہا تھا۔

”آپ کا غصہ بجا ہے، اپنی مثال تو کچھ ایسی ہے۔“

ہجر پہ بھی نادیدہ تھے وصل پر بھی شرمندہ

وہ بھی رائیگانی تھی یہ بھی رائیگانی ہے

”اور پھر بھی تم خود کو مشکل میں ڈالنا چاہتی ہو۔“

”ڈال چکی ہوں آپ اب تو کچھ بھی اختیار میں نہیں۔“

”پلیز شرمین۔“ انہوں نے پر امید لہجے میں پکارا لیکن بھولی چائے بنا لائی تھی وہ کچھ بول نہ سکی۔ چائے پینے لگی واپس جاتے

ہوئے اس نے فقط اتنا کہا۔

”مجھے معاف کر دیجیے۔“ اور ان کا جواب سنے بغیر ہی آگئی بولی کو نہ ملنے کا فیصلہ چند منٹ پہلے ہی کیا تھا کیونکہ بولی کو سمجھنا

مشکل تھا۔



صبح کا وقت سڑکوں پر ایک طوفان بپا ہونے کا وقت ہوتا ہے اسکول، کالج، دفتر آباد ہونے کا وقت ٹریفک کا اثر و حام سب کو

آگے نکلنے کا جنون، بے صبری اور جلد بازی کے مناظر ایسے میں گاڑی چلانا وہ بھی اس ٹینشن میں کہ عبدالصمد چارپائی سے منہ کے

بل گرا ہے، اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے، منہ کی زخمی زبانی اطلاع دی گئی یا مقصد سے بلانا تھا اسپتال لے جانے کے لیے

جہاں آرا تو تڑپ کر اس کے سر ہانے کھڑی روئے لگیں۔ ان کی پریشانی دیکھ کر وہ جیسا سویا تھا اسی لباس میں گاڑی نکال لایا، بے

چہین تو خود بھی ہو کر اندھا یا، مگر پھر خود پر کنٹرول کرتے ہوئے زیبا پر برس پڑا ننھے عبدالصمد کو اس کی گود سے چھینا۔

”کرتی کیا ہو، ننھے سے بچے کی دیکھ بھال نہیں کر سکتیں۔“

”ارے بیٹا سارا دن اسی میں لگی رہتی ہے لیکن بس اب یہ چارپائی پر سکون سے نہیں لیٹتا۔“ حاجرہ نے بیٹی کی طرف سے

صفائی دی۔

”تو..... دھیان کس نے رکھنا ہے۔“ وہ ناک سے خون آلود رومال ہٹا کر دیکھتے ہوئے بولا۔

”میں نے اور ہوتے کون ہیں آپ؟“ زیبا نے جھنجھلا کر کہا۔

”یہ بعد میں بتاؤں گا، فی الحال جارہا ہوں۔“ عبدالصمد کو لے کر وہ باہر کو لپکا تو وہ چلاتی ہوئی پیچھا آئی۔

”چھوڑو، میرے بیٹے کو، یہ میرا بیٹا ہے تم اسے نہیں لے جا سکتے۔“

”میں اس وقت تم سے الجھنا نہیں چاہتا، لے جا رہا ہوں روک سکتی ہو تو روک کر دکھاؤ۔“ وہ پلٹ کر غرایا اور باہر نکل گیا۔

”لے جانے دو، اسپتال لے جانا ضروری ہے۔“

”کوئی ضروری نہیں ہے، میں خود دیکھ لوں گی۔“ وہ پیچھے بھاگی تو وہ عبدالصمد کو گاڑی کی سیٹ پر لٹا کر اندر آیا اور خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور کلائی تھام کر کھینچتا ہوا اسے بہر گاڑی تک لایا پچھلا دروازہ کھول کر اندر دھکیلا، گاڑی اشارٹ کرنے سے پہلے مستعمل ہو کر بولا۔

”لے جا رہا ہوں عبدالصمد کے ساتھ، اب جی چاہے تو چھلانگ لگا دینا میں نہیں روکوں گا۔“ ساتھ ہی گاڑی اشارٹ کی اور برق رفتاری سے نکال۔ لے گیا۔ منہمی اور حاجرہ بیگم دروازے سے دیکھتی رہ گئیں۔

”اپنے بیٹے سمیت چھلانگ لگاؤں گی۔“ اس نے غصے سے کہا تو وہ پلٹ کر گھورتے ہوئے بولا۔
”یہ تمہارے جہیز میں نہیں آیا۔“

”اس کے دعویدار آپ بھی نہیں ہیں۔“ وہ بھی قرض چکانے کے فن سے آشنا ہو گئی تھی۔
”کس قدر ڈھیٹ ہو، اپنی فضول حرکت پر شرمندہ ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔“ وہ دانت کچکچا کے گاڑی چلانے میں منہمک ہو گیا تو وہ بھی ندامت کے کڑوے گھونٹ بھر کے ضبط کر گئی۔ ویسے بھی عبدالصمد اب پھر درد سے رونے لگا تھا۔



بوتے کو شدت جذبات سے چومتے ہوئے وہ پہلی بار زیریا پر برس برس حالانکہ صفدر نے عبدالصمد کو اسپتال سے واپسی پر انہیں تسلی دے دی تھی کہ منہ کے بل گرنے سے ناک کے رستے خون آگیا لیکن فکر کی کوئی بات نہیں، ایک میرپ لکھا تھا جو صفدر ان کے حوالے کر گیا تھا اس کا آفس جانا ضروری تھا، زیریا نے نئے گھر کو طائرانہ نگاہوں سے دیکھا مگر جانے کے لیے تو کہنا ہی تھا جس پر وہ بڑے تیکھے تیوروں کے ساتھ بولا۔

”اُن وقت تو نہیں جاسکتیں جب تک میری طاقت کا اندازہ نہ کر لو۔“

”تو گویا آپ زبردستی مجھے یہاں رکھیں گے۔“ اس نے بھی تیکھے ہی انداز کو نرمی میں ڈھالتے ہوئے کہا۔

”یہ کس نے کہا؟“

”پھر کیوں لائے ہیں؟“

”ناکسیری ماں کو تم سے نفرت ہو جائے۔“ وہ خوانخواہ ہی یہ کہہ گیا۔

”اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ امی کے ذریعے بیٹے پر حق جتانا چاہتے ہیں وہ مجھے نفرت سے نکال دیں اور پوتے کو رکھ لیں کتنے بے حس ہیں آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ نفرت سے محبت ختم نہیں ہو سکتی رشتے کمزور پڑ سکتے ہیں اگر نفرت سے محبت مر سکتی تو آپ بے قرار ہو کر بیٹے کے لیے میرے پاس نہ آتے، اسے اسپتال نہ لے جاتے اور یہاں تو بالکل نہ لاتے اور غور کریں آپ کی نفرت خاصی عمر رسیدہ ہو کر بھی بیٹے کی محبت ختم نہیں کر سکی۔“ اس نے چسکا لیتے ہوئے خاصی لمبی بات کی تو وہ سلگ اٹھا۔

”بھول ہے، اب تو چال بازی اور الزام تراشی پر نفرت میں اضافہ ہوا ہے۔“ وہ یہ کہہ کر بریف کیس اور لیپ ٹاپ اٹھا کر چلا گیا تو وہ جہاں آ رہا بیگم کے پاس آ گئی مگر انہوں نے بھی پہلی بار توپوں کا رخ اس کی طرف رکھا۔

”ارے بہو بیگم، ایک ننھا سا بچہ سنبھال نہیں سکیں، خدا نخواستہ چوٹ خطرناک ہوتی تو تم اس لیے میکے میں ہمارا بچہ لے کر بیٹھی ہو کہ.....“

”کہ کیا؟ امی میں ماں ہوں، بھلا کیوں کر خیال نہیں رکھوں گی۔“

”یہی تو حیرت ہے یہ اتنا بڑا گھر بھائیں بھائیں کر رہا ہے میں ہر وقت سنبھالنے کو موجود ہوں ہر آسائش گھر میں ہے پھر بھی ہمارا بچہ اس ماحول میں پل رہا ہے کیا کہوں؟“ جہاں آ مارنے کوئی کمی نہ چھوڑی آسائشیں سہولتیں سب گنوا دیں تو زیریا کی آنکھیں بھرا آئیں۔

”آپ نے یہ نہیں کہا کہ اس بڑے گھر میں ہماری گنجائش کتنی ہے، ہے بھی کہ نہیں۔“

”کیا مطلب تمہارا گھر ہے اگر سمجھو تو، اب تو مجھے اپنے صفدر پر ترس آتا ہے شادی کے بعد کون سا سکھ ملا ہے اسے یہ معصوم

اللہ نے رونق بنا کر بھیجا تو تم میکے لیے بیٹھی ہو، اب کان کھول کر سن لو، تم نے جانا ہے تو جاؤ میرا پوتا کہیں نہیں جائے گا۔“ انہوں نے خوب کھری کھری سنا کر فیصلہ بھی کر دیا۔

”یہ سب اپنے بیٹے سے کہیں گے۔“
 ”کہہ دیں گے چلو اب جا کر چن دیکھو، ایک کپ چائے اور رس ہی لا دو، ہم نے تو پریشانی میں کھیل تک منہ میں نہیں ڈالی۔“
 انہوں نے بے تکلفی سے کہا تو ایسا آنکھیں صاف کرتے ہوئے باورچی خانے کا رخ کرنا پڑا۔
 وہ بھی اپنی جگہ حق بجانب تھیں۔ حالات تو ان دونوں کے درمیان سرخ رہے تھے۔ انہیں حقیقت نہیں معلوم تھی۔ وہ تو یہی جانتی تھیں کہ زیبا بسنا نہیں چاہتی، اب تو انہیں کامل یقین ہو چکا تھا اپنی سکی والدہ حاجرہ بیگم کی طرح کہ صفدر بے قصور ہے زیبا ہی غلط ہے۔

”اے اللہ میں کیا کروں، جس شخص کو سب دیوتا سمجھتے ہیں اس کا ظرف اتنا چھوٹا ہے کہ وہ فراخ دلی سے معاف کر کے اپنے دل اور گھر کے دروازے مجھ پر نہیں کھولتا، گھر چھوٹا ہو یا بڑا کیا فرق پڑتا ہے جب گھر کے سرپرست نے دل پر بھاری تالا لگا کر چابی سمندر میں پھینک دی ہو۔“ اشک بار نگاہوں کو رگڑ کر اس نے اللہ سے ہی فریاد کی اور چائے بنانے کے لیے ساس پین میں پانی ڈال کر چوہے پر رکھا۔



اذان کو اسکول سے پک کرنا تھا۔ اس نے پہلے سوچا کتافس سے ڈرائیور کو سمجھا کر بھیج دوں مگر یوبی کے آفس آنے کی اطلاع پر اور انٹرکام پر اپنے آفس میں بلانے کی بات پر بے زار ہو کر خود جانے کا ارادہ کیا۔ سرکلر روڈ سے ہو کر فیروز پور روڈ سے ذرا پہلے ایک زوردار آواز کے ساتھ ٹائر پچھر ہو گیا۔ دھیرے دھیرے اس نے گاڑی سڑک کے کنارے لگائی، چند لمحے سخت پریشانی میں کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اتر کر چاروں طرف نظر گھمائی، مگر بھاگتی دوڑتی زندگی میں کسی کے پاس اس کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔ سخت پریشانی کا مرحلہ شروع ہو چکا تھا اذان کی چھٹی کا وقت قریب تھا۔

”یا خدا، کیا کیا جائے۔“ یہ سوچ کر اس نے ورکشاپ کے مالک کا نمبر تلاش کیا۔ پھر خود ہی ایسا نہ کیا اپنی مدد آپ کے خیال سے ٹولز گاڑی سے نکالے لیا ایکسٹرل ٹائر باہر نکالا ٹائر بدلنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

وہ متاثر ٹائر کی طرف بڑھی ہی تھی کہ سفید ایکسل آئی کے ٹائر چرچرائے اور گاڑی بالکل اس کے قریب رک گئی۔ اس نے چونک کر دیکھا تو حیرت و بے زاری دونوں ایک ساتھ اس پر طاری ہوئے جسے عارض اور ڈرائیور نے واضح طور پر محسوس کیا۔

”ہائے۔“ وہ گاڑی سے نکل کر اس کے قریب آ کر مسکراتے ہوئے بولا وہ منہ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

”دیکھو، یہ مناسب جگہ ہے نامناسب وقت پلیز میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔“ وہ بہت دھیرے سے بولا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

”پلیز آپ جائیں تماشا لگائیں۔“ اس نے بھی بڑے دھیسے لہجے میں کہا۔

”کوئی تماشا نہیں ہے گاڑی کا ٹائر بدلنا ہے بدلو دیتا ہوں تم میری گاڑی میں بیٹھو۔“ اس نے ٹائر دیکھتے ہوئے کہا۔

”فار گاڈ سیک، جائیں آپ، میں ٹائر بدل سکتی ہوں۔“ اس نے غصے سے کہا۔

”میں بہت برا ہوں مگر تم اتنا بھروسہ مجھ پر کر سکتی ہو۔“

”دیکھیے عارض صاحب مجھے کسی کے بھروسے کی ضرورت نہیں۔“

”شرمیں آپ کو کوئی تو جلدی ہوگی آپ گاڑی میں چل کر بیٹھو میں ڈراپ کر دیتا ہوں ڈرائیور ٹائر بدل کے گاڑی پہنچا دے گا پلیز ٹرسٹ می۔“ اس نے آخری کوشش کی تو اسے اذان کا خیال پریشان کرنے لگا، اس کی چھٹی ہو چکی ہوگی اور وہ گیٹ سے لگا کھڑا ہوگا۔

”میں رکشہ لے سکتی ہوں۔“

”پلیز رکشہ اس وقت ملنا مشکل ہے۔“

”مگر“ وہ سخت تذبذب کا شکار ہوئی۔

”پلیز ناؤ۔“

”نہیں، بس اتنا ہی کافی ہے یہ گاڑی کی چابی ہے ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیجیے گا۔“ وہ بڑی مشکل سے سیدھ لینے کے لیے آمادہ ہوئی پرس کندھے پر ڈالا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ چابی ہاتھ میں پکڑے اسے پشت سے دیکھتا رہا، کچھ دور جا کر اس نے ٹیکسی روکی اور بیٹھ کر چلی گئی۔ تب عارض نے ڈرائیور کو چابی تھما کر پتا سمجھا دیا۔ اس کے دل کو اس وقت بہت قرار حاصل ہوا تھا یہ بھی بہت کافی تھا کہ وہ یوں مل گئی۔ اسے دیکھ لیا اسے سن لیا، ورنہ کوئی امید اسے اب نہیں رہی تھی کچھ تو بہتری ہوئی تھی اس نے اتنی بات مان لی تھی ورنہ جو سلوک اس نے روا رکھا تھا اس کے بعد بچا ہی کیا تھا آج کی اتفاقی ملاقات پر دل خوشی سے بھر سا گیا تھا۔

یہی بہت ہے کہ دل اس کو ڈھونڈ لایا ہے

کسی کے ساتھ سہمی، وہ نظر تو آیا ہے

کروں شکایتیں، تکتا رہوں کہ پیار کروں

گئی بہار کی صورت وہ لوٹ آیا ہے

وہ سامنے تھا مگر یہ یقین نہ آتا تھا

وہ آپ ہے کہ مری خواہشوں کا سایا ہے



اذان کو کھانا کھلا کر سلا دیا تھا۔

خود بھی ذرا دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئی۔ آفس میں کام تھا اذان کو چھوڑ کر اسے واپس جانا ہوتا ہے مگر وہ گھنٹے گزرنے کے باوجود عارض کا ڈرائیور گاڑی نہیں لایا تھا۔ اسے خود پر غصا رہا تھا کہ بلا وجہ گاڑی چھوڑ آئی آفس تو جانے کا وقت گزر گیا تھا۔ عارض سے یہ دوسری ملاقات تھی پہلی میں بات چیت نہیں ہوئی تھی آج بات کرنے کی وجہ سے ماضی کے بند کمرے کی کھڑکیاں جیسے ایک ایک کر کے کھل سی گئی تھیں مگر پھر اس نے سختی سے آنکھیں بھیجنے لیں کہ مبادا کسی کھڑکی سے وہ کود کے باہر نا آ جائے۔

”نہیں عارض صاحب تم نے آنے پر شور شراب کیا تھا مگر جاتے ہوئے تو صرف ایک خاموش جملہ بھیجا تھا۔ سمندر پار سے ایک خاموش جملہ جو مجھے یہ یقین دلا گیا تھا کہ ہنگاموں سے مزین فیصلے لجاتی ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی صداقت نہیں ہوتی۔“ اس نے فقط اتنا سوچا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اسے اٹھ کر دروازہ کھولنا پڑا۔ مگر دروازہ کھولتے ہی وہ بھونچکا سی کھڑی رہ گئی۔ ایک بڑے سے خوش نما پھولوں کے گلدستے کے ساتھ عارض کھڑا تھا۔ اپنی پرکشش مسکراہٹ کے ساتھ اس نے باہر نکل کر دروازہ باہر سے بند کیا اور دھیرے سے کہا۔

”عارض صاحب میں آپ سے شناسائی کا کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی یہاں میں اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی ہوں۔ لہذا میں نہیں چاہتی کہ میرے بیٹے کے ذہن میں الجھنیں پیدا ہوں آپ چلے جائیں ان پھولوں کے ہمراہ۔“

”بہ..... بیٹا..... وہ..... میں۔“ وہ بری طرح ہکھلایا۔

”جی..... اب جائیے۔“

”شرمین پلیز ہم بات کر سکتے ہیں۔“

”نہیں، ہماری کوئی بات نہیں ہو سکتی۔“

”ناراض ہو بجا ہے تمہاری ناراضگی۔“

”جی میں کسی سے ناراض نہیں ہوں، اب جائیے۔“

”عجیب سی بات ہے میں تمہاری زندگی میں خوشی لانے کا سبب بننا چاہتا تھا اس پر اب بھی خوش ہوں۔“ وہ جانے کیا کہنا چاہتا تھا۔

”جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے میری زندگی نہیں رہی، خوشیاں ہی خوشیاں ہیں میرے پاس مجھے

خوشیوں میں کوئی مداخلت قبول نہیں۔“

”میں نے تو تمہارے لیے مداخلت پہلے ہی چھوڑ دی تھی۔ مگر ایک بات یہاں لے آئی۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ کر رکا۔

”کوئی بات اب ہو نہیں سکتی۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔

”دراصل میرے لیے دونوں باتیں حیران کن ہیں۔“ وہ گلدستہ دروازے کے ساتھ دیوار سے لگا کر رکھتے ہوئے بولا۔

”کون سی باتیں؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے نکلا۔

”شاید یہ مناسب جگہ نہیں۔“ وہ بولا۔

”جی یہ میرا گھر آپ کے لیے مناسب جگہ نہیں میں کوئی فسانہ بنانا نہیں چاہتی۔“ اس نے جلدی سے کہا اور دروازہ کھول کے

اندر گئی اور پھر کھٹ سے دروازہ لاک کر لیا۔ اسے اپنی گاڑی کا پونپھنا بھی یاد نہیں رہا۔ دوبارہ عارض نے دستخط دی تو اسے مجبوراً اندر

سے کہنا پڑا۔

”پلیز، جاییے یہاں سے۔“

”گاڑی پورچ میں کھڑی ہے اور چابی دروازے کے باہر سے اٹھالینا۔“ اس نے یہ کہا تو اس نے دروازہ کھول دیا وہ جا چکا تھا

فرش پر چابی پڑی تھی اس نے چابی اٹھائی اور پھر بڑی اطمینان بھری سانس بھر کے اندر آ گئی گو کہ اس کے دل میں اب کہیں بھی وہ

نہیں تھا مگر پھر بھی وہ کیوں سامنے آ کھڑا ہوا تھا، کیسے زندگی میں سب مرضی کے خلاف ہوتا چلا جاتا ہے پاس جنہیں بلانا چاہیں وہ

دور ہو جاتے ہیں بنا کسی جرم کے کسی خطا کے اور پھر نہ چاہتے ہوئے دروازہ پر دستک دینے لگتے ہیں اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا چلا

آیا تھا صبح احمد کے لیے اپنی ذات مٹا ڈالی تو وہ دور ہی ہوتے چلے گئے۔ پھر اب نہ چاہا نہ بلایا تو اذان کی صورت وہ زندگی کا دروازہ

کھول کر آئے اور عارض، عارض کو روکنا چاہا تو وہ محبت محبت کا جنون لیے زندگی میں گھس آیا پھر زندگی بنا کر رکھنا چاہا تو وہ بند

دروازے سے بھی باہر نکل گیا اب کیوں پھر سے راہ میں آ رہا ہے اس نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے اذان کے بالوں میں انگلیاں

پھیرتے ہوئے سوچا جبکہ اب کچھ بھی حاصل نہیں تھا اذان کی خاطر تو وہ بوبی سے کنارہ کشی اختیار کر چکی تھی۔



کہتے ہیں کہ جب انسان کسی سے دور ہو کر بھی نہ اسے فراموش کر سکے تو یقیناً وہ اس کی الفت میں گرفتار ہے۔ عارض اسی

کیفیت سے دوچار تھا۔ اس نے واپس آ کر خود کو کمرے میں بند کر کے یہی اندازہ لگایا کہ وہ قطع تعلقی کا فریب ہی خود کو دیتا رہا

اسے بھولا تو ایک دن بھی نہیں۔ اب جبکہ وہ سامنے آ گئی تو دل دکھی ہو رہا تھا ذہن میں طرح طرح کے سوالات آ رہے تھے شرمین

ایک ناحل ہونے والا معمر کیوں بن گئی تھی صبح احمد کی زندگی، بوبی سے منگنی اور اب یہ بچہ میں کہاں رہ گیا؟ ان سب کے درمیان

میری ہستی کیوں معدوم ہو گئی؟

”اے کاش میری صبح احمد سے ملاقات ہی نہ ہوتی، کاش میں کھل کر پوچھ لیتا۔“ اس نے افسردگی سے سوچا۔

”مگر اس سے بھی پہلے عارض صاحب آپ ایک نادانی تو خود بھی کر چکے تھے فضول سوال کر کے اس سے بدگمان ہو کے، صبح

احمد تو محض ایک بہانہ بنے، حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے اسے الجھایا۔ اٹنے سیدھے سوال کیے محبت کی دلیلیں طلب کیں اور پھر صبح احمد

کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلائی، کتنا عجلت کا فیصلہ کیا تھا ایک لمحے کو بھی کچھ نہ سوچا اور ایک بار بھی شرمین کو صفائی کا موقع نہ دیا۔

صفدر نے آغا جان نے کتنا سمجھایا مگر ایک نہ سنی، مگر اب، اب کیا حاصل، شرمین خود دار، با حوصلہ ثابت قدم لڑکی ہے نہ اس کا حوصلہ

ٹوٹ سکتا ہے اور نہ اس کی انا کا خول، ایک بار بھی تو اس نے ماضی کا تعلق اپنی آنکھوں سے، اپنے لہجے سے، اپنی زبان سے باہر

آنے نہیں دیا۔“

”مسٹر عارض سب ختم ہو گیا اب شرمین سے ملنا نہ ملنا ایک برابر ہے۔ وہ تمہیں معاف کر کے بھی معاف نہیں کر پائے گی۔

اب کوئی اس کی زندگی میں ہے یا نہیں سچ تو یہ ہے کہ تم کم از کم نہیں ہو تمہارے لیے اس کی زندگی میں کوئی گنجائش نہیں۔“ اس نے

پورے یقین کے ساتھ سوچا اور پھر ایزی چیئر پر آنکھیں موند کر بیٹھ گیا۔ مگر اپنے محبوب کی یادیں کب بچھا چھوڑتی ہیں۔ شرمین

پہم سے بند آنکھوں کے آنکھن میں آ گئی۔ اس کی موہنی صورت مدھرا آواز نے جیسے پورے وجود میں آگ بھردی۔ وہ بے قرار ہو

جن کا ملنا محال ہو محسن
ان کی یادیں عذاب ہوتی ہیں

جو سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت سلب کر لیتی ہیں۔

”شرمین میں تمہیں بھولنا چاہتا ہوں کیونکہ یہی میری سزا ہے میں محبت کا اہل نہیں مگر تم مجھے بھولتی کیوں نہیں، میں کیا کروں؟“ وہ اونچی آواز میں بڑبڑایا تو گویا آواز گونج کر واپس آ گئی وہ دیوانوں کی طرح اپنے سر کے بال نوچنے لگا اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی وہ چونکا۔ اگلے ہی لمحے آغا جی کمرے میں آ گئے ان کی پیشانی شکن آلودھی چہرے پر جلال تھا انہوں نے اس کی پریشانی پر غور ہی نہیں کیا بولنا شروع ہو گئے۔

”بزرگوں سے سنا تھا کہ اللہ ایک دے اور نیک دے میں نے ساری زندگی خود ایک اور نیک ہونے کا ثبوت دیا میرے والدین مجھ سے راضی ہو کر گئے اپنے لیے میں اتنا بد قسمت کیوں ہوں یہ سوال مجھے دہی کر رہا ہے ستارہا ہے میرے پاس بھی ایک بیٹا ہے مگر اس کے نیک ہونے پر مجھے شکوک کیوں ہو رہے ہیں؟“ وہ لہجہ بھر کو چپ ہوئے تو وہ حیران پریشان سا بولا۔

”کیا مطلب؟“

”یار مجھے یہ بتاؤ آپ کتا آپ کو میری بات سمجھ میں نہیں آتی میں نے یہ کہا کہ اس ہندو لڑکی سے آپ کا کوئی نہ کوئی تعلق ہے تو آپ نے جھٹلایا حالانکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آپ نے شرین کو ٹھکرایا، اب وہ اپارٹمنٹ میں رہ کر آپ کا انتظار کر رہی ہے، یہ سب کیا ہے؟“ وہ پہلی بار حد درجہ مشتعل ہو کر بولے، وہ بڑی مشکل سے الفاظ اکٹھے کر کے بولا۔

”اپارٹمنٹ، وہ کب میں نے سچ کہا ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔“

”نہیں، میرا ہے میں نے معید صاحب کو کہہ کر اسے وہاں ٹھہرایا ہے ہاؤڈیز میں۔ وہ میرے اپارٹمنٹ میں رہتا ہے آپ سے رابطے میں رہے۔“

”بابا ایسا کچھ نہیں ہے میرا رابطہ نہیں ہے آپ میرا فون چیک کر لیں۔“

”رابطہ تو تھا مسٹر معید کی تو میں نے ایسی کلاس لی ہے کہ اب اس کی صورت نہیں دیکھیں گے۔“

”بابا معید صاحب کا کوئی قصور نہیں ہے میں نے مدد کرنے کو کہا تھا۔“ وہ شرمندہ سا ہو کر بولا۔

”جانتا ہوں کیونکہ آپ کے لیے وہ اہم ہے مگر کیوں؟“ وہ چلائے۔

”جہنم میں جائے وہ میں اپنی پریشانی میں ہوں آپ اسے نکال باہر کریں۔“ وہ جھلا کر باہر نکل گیا آغا جی سر تھام کر بیٹھ گئے۔



اس وقت وہ خاموش لیٹی کمرے کی چھت تک رہی تھی۔ جب صندریہ غیر متوقع طور پر کمرے میں آ گیا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اسے شاید کوئی فائل لیٹی تھی اس لیے اپنی رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا وہ نظریں جھکائے اور بیڈ کی پٹی سے پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ پر عذ کرتے اور چنے ہوئے دوپٹے میں بال بکھیرے بکھرے سے شانوں سے نیچے کی طرف جھول رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح وہ اس وقت بھی خوب صورت اور نازک سی لگ رہی تھی۔ صندریہ نے خود پر ضبط کیا اور اس کا دل جلانے کو ٹیبل سے فائل اٹھاتے ہوئے کہا۔

”جب تک ہو، اپنا بیٹا خود سنبھالو یہاں آرام کرنے تو نہیں آئیں۔“

”کسی ایک طرف تو رہیں جب اپنا بیٹا کہتی ہوں تو بھی غلط، اب آپ کی مرضی سے وہ آپ کی امی کے پاس ہے تو بھی میں

غلط آپ یہاں لے کر کیوں آئے؟“ وہ بھی ہتھے سے اکھڑ گئی۔

”غلط کو غلط ہی کہتے ہیں۔“

”تو پھر تسلیم بھی کر لیں کہ غلط ہی غلط ہوتا ہے میں غلط ہوں جبکہ آپ کو غلط صحیح کا فرق ہی معلوم نہیں۔“ اس نے طنز کیا۔

”مطلب؟“

”دوست صحیح اور میں غلط۔“

”یہ قصہ بھی ختم ہو ہی جائے گا پھر پوچھوں گا کہ کون غلط ہے اور کون صحیح۔“

”نی الحال مجھے اپنے گھر جانا ہے۔“

”ہاں لیکن اس کے لیے ایک کام کرنا ہوگا۔“

”کیسا کام؟“

”اپنی اداکاری سے میری ای کے دل میں اپنے لیے بہت ساری نفرت بھرو، وہ تمہارا جانا خوشی سے قبول کر لیں گی۔“

”اور یہ کام تو آپ اچھا کر سکتے ہیں۔ میری اصلیت بتاویں۔“ وہ بولی تو صفدر کو پتنگے لگ گئے۔

”وہ تم پر تھوکیں گی بھی نہیں دھکے مار کر نکالیں گی۔“

”اچھی بات ہے میرا اور میرے بیٹے کا پیچھا چھوٹ جائے گا۔“ وہ غصے میں کہہ کر کمرے سے باہر نکلنے لگی تو اس نے دہی خوب صورت بال منہی میں جکڑ لیے جو کچھ دیر پہلے بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ وہ پوری طرح اس کی گرفت میں آ گئی۔

”پلیز چھوڑیں مجھے..... پلیز۔“

”جانا تو ہے اتنی بھی کیا جلدی ہے کہیں رابطے بحال تو نہیں ہو گئے اپنے محبوب سے۔“ وہ سختی سے کہہ کر جھٹکے سے بال چھوڑ کر فائل لیے کمرے سے نکل گیا اس کی آنکھیں برسے نکلیں۔

”اتنے گھٹیا نفرت آمیز سلوک سے بہتر ہے میری جان لے لیں خاتمہ کر دیں میرا۔“ وہ سسکیاں بھرتے ہوئے وہیں بیڈ پر گر گئی۔ وہ تو جا چکا تھا اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر..... وہ کافی دیر دنی راہی منہی کا فون آتا رہا مگر اس نے اٹینڈ نہیں کیا۔

.....

رات وہ لیٹ گھر آیا۔

کمرہ خالی تھا لائٹس آف تھیں اس نے لائٹس آن کیں وہ شاید ای کے پاس سو گئی تھی یہ سوچ کر وہ چیلنج کرنے کے لیے واش روم میں گھس گیا کچھ دیر بعد باہر نکلا تو وہ کھانے کی ٹرے، لیے کمرے میں آ چکی تھی۔ روکی روکی صورت متورم آنکھیں، او اس ہونٹ، سفید سوٹ میں بالکل خاموش، ناراض سی پری کی طرح اس نے اچھتی سی نگاہ ڈالی تو چند منٹ دیکھنا پڑا، وہ واپس پلٹنے کو تھی کہ وہ بولا۔

”میں نے تو کھانا نہیں مانگا۔“

”مجھے اخلاقا ایسے کرنا پڑا۔“ اس نے جتلیا تو وہ پھر بھڑک اٹھا اسے گویا اس کی زبان سے آگ نکلنے لگی تھی۔

”اخلاقا تم معنی جانتی ہو اخلاقیات کے اس گھر میں داخل ہی نہ ہوتیں اگر اخلاقا سوچتیں۔“ وہ حیرت زدہ سوس سے دیکھتی رہ گئی۔

”آپ کو بتا دیا تھا۔“

”مہمہ مجھے اذیت میں مبتلا کر کے میرا سکون غارت کرنے کے لیے بتایا۔“ وہ کڑواہٹ سے کہہ کر گیلیہال تو لیے سے رگڑ کر صاف کرتے ہوئے کہا۔

”آپ، ابھی اسی وقت مجھے طلاق دے دیں پلیز، اب تھک گئی ہوں میں اس زہر کو پیتے پیتے مر گئی ہوں میں آہ..... ہا۔“ وہ دیوانوں کی طرح چیختے ہوئے زور زور سے روتے روتے فرش پر گر گئی اور بین کرنے لگی۔ صفدر پریشان ہو گیا رات کے سناٹے میں اس کی آواز باہر جا رہی ہوگی کچھ ہی دیر میں ای آ جائیں گی۔

”او..... اچھا خاموش ہو جاؤ چپ کر دو۔“ وہ خود بھی فرش پر جھک کر کچھ نری سے کہنے لگا مگر اس کی حالت تو جیسے آؤٹ آف کنٹرول ہو گئی۔ دانت بھیج گئے اور رونے سے ہچکیاں شروع ہو گئیں۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے وہ شدید صدمے کے باعث عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔ صفدر بوکھلا سا گیا اسے گود میں بھر کے بستر پر لٹایا۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے مگر اس کو تو جیسے دور صبا پڑ گیا تھا اس نے منہ تھپتھپایا۔

”ہوش کرو، ہوش میں آؤ کیا کر رہی ہو؟“ وہ سخت پریشانی میں اسے ہلانے جلانے پر مجبور ہو گیا۔ مگر اس کی تو جیسے کھکھی سی بندھ چکی تھی۔

”زیبا..... زیبا..... ہوش کرو۔“

”چھوڑ دیں مجھے نہیں مجھے جانے دیں جانے دیں۔“ وہ زور سے چیخی اور چلاتی ہوئی بیڈ سے اترنے کی کوشش کرنے لگی آج پہلا موقع تھا کہ وہ اس کے سرہانے اس کے قریب بیٹھا تھا اس نے اس کا بازو تھام کر روکا۔

”فارغاڈ سیک چیخنا بند کرو، امی سنیں گی تو کیا سمجھیں گی؟“

”سننے دیں بس مجھے جانے دیں آپ مجھے طلاق دے دیں۔“ وہ اور زور سے چلائی تو اس کا ہاتھ اٹھا اور اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔

”مرد، جو کرنا ہے کرو، جاؤ جہنم میں۔“ وہ تکیہ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا وہ چلائی۔

”جانے کیوں نہیں دے رہے میں گناہ ہوں، گند ہوں مجھے نکال باہر کرو۔“ مگر اس نے دروازہ باہر سے لاک کر دیا اور خود ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر جا کر لیٹ گیا ہاتھ پر نگاہ پڑی تو افسوس ہوا۔

”یہ کیا کیا تم نے، اتنی بیچ حرکت۔“ مگر وہ بھی کیا کرتا پریشانی میں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا شرمندگی سے سر تکیے پر پٹختے لگا۔

”کیا مصیبت ہے، زندگی حرام ہو گئی۔“ وہ چلا اٹھا۔



”صفدر صفدر یہ کیا فضول حرکت ہے، شرم نہیں آئی بیوی کو رات بھر کمرے میں بند رکھا۔“ جہاں آ راحت غصے میں پاس کھڑی چلائی تو وہ ہڑ بڑا کے اٹھا۔

”وہ، میں.....!“ کچھ بات نہ بن پڑی۔

”کیا میں میں شرم ہے کہ نہیں اسی لیے وہ یہاں نہیں رہتی، ایسا سلوک کرتے ہیں بیوی کے ساتھ ارے نئے گھر میں وہ آئی ہے اور تم نے لڑ جھگڑ کے اسے کمرے میں بند کر دیا۔ میں پوچھتی ہوں یہی تربیت کی تھی میں نے۔“ وہ سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

”اوہ، سوری، غلطی سے لاک لگ گیا ہوگا۔“ وہ شرمندہ ہو کر بولا۔

”لاک غلطی سے لگ گیا۔ تم یہاں صوفے پر بھی غلطی سے آگئے میاں بیوی کے رشتے میں فاصلے اور دوریاں نہیں ہوتے، احساسات کا تبادلہ ہوتا ہے، روح کی جھلک اتاری جاتی ہے لمحوں کو زندہ رکھا جاتا ہے۔“ وہ ذومعنی سب باتیں جل بھن کے کہہ گئیں۔

”ایسا تب ہوتا ہے جب ازدواجی رشتہ ہو، جب سچے احساسات ہوں۔“ وہ بھی جل کر بولا۔

”تم، تم ہی غلط ہو، رو رو کے وہ رات بھر ہلکان ہوتی رہی اور تم مزے سے یہاں سوئے رہے۔“

”سو تانا تو کیا کرتا اور یہ تو آپ کہہ رہی ہیں کہ مزے میں تھا جس کی بیوی رات میں طلاق مانگے چیخ و پکار مچا دے پھر کیا مجھے کمرے میں رہنا چاہیے تھا۔“

”اس کی جگہ اور کیا کرے وہ؟“

”آپ چھوڑیں۔“

”کیا چھوڑوں، جا کر دیکھو کتنی بری حالت ہے اس کی، میں تو شرمسار ہو گئی ہوں۔ اگر اس کی ماں آ جائے تو کیا کہے گی؟“

”ایسا کچھ نہیں ہوا؟“ وہ اٹھ کر جانے لگا تو وہ بھڑک اٹھیں۔

”بکو اس بند کرو، معافی مانگو زیبا سے۔“

”ایسا کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔“

”صفدر مت بھولو کہ اللہ نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔“ وہ بولیں۔

”ای، مجھے آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔“
 ”ہوتی رہے پہلے زیبا سے معافی مانگو۔“
 ”اے اس کمرے جانا ہے اسے کہیں کہ ایک دو دن گزار لے یہاں پھر سب واضح ہو جائے گا۔“
 ”کیا واضح ہو جائے گا، کیسی باتیں کر رہے ہو؟“
 ”آپ نے ناشتہ دینا ہے یا نہیں۔“
 ”ارے بد بخت وہ غریب تمہارے اس سلوک کے باوجود ناشتہ تیار کر رہی ہے۔“ انہوں نے جتلیا۔
 ”اسے کہیے، رہنے دے۔“

”پھر وہی ڈھاک کے تین پات، تمہاری اولاد کی ماں ہے شرم کرو۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئیں، وہ کچھ دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کندھے جھٹک کر نہانے و تیار ہونے کی غرض سے اپنے کمرے کی طرف گیا، جانتا تھا کہ اب وہ اس کے کمرے میں نہیں ہوگی، شاید اب بھی اس کمرے میں آئے بھی نہیں وہ ایسی بد تمیزی والا سلوک کرنا نہیں چاہتا تھا مگر ہو گیا اب اس سے معافی تو کسی طور نہیں مانگی جاسکتی تھی انا بھی کوئی چیز تھی۔



شہر سے تقریباً ستر اسی کلومیٹر دور ایک ٹرک ڈرائیوروں کے ڈھابے پر گاڑی کو بریک لگائی تو صفدر نے پہلی بار اس کو استغیاہم یہ نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔
 ”یہاں اتنی دور کیوں؟“

”تا کہ سلی سے بات ہو سکے۔“ عارض نے جواب دیا۔
 ”کیسی بات؟“ صفدر کے دماغ میں الجھل پیدا ہوئی کہ شاید عارض زیبا کے حوالے سے کچھ کہے گا۔
 ”صفدر، میں شرمین سے ملتا تھا اس کو ملنے گیا تھا پھر اس نے بڑی مختصر سی بات کی، مجھے تشویش ہے۔“
 ”کیسی تشویش؟“ اب صفدر کے حیران ہونے کی باری تھی۔

”اس بات کو میرا دماغ قبول نہیں کر رہا کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے جبکہ اس نے یہی کہا۔“
 ”بھائی میرے تمہیں اس پر سر کھپانے کی ضرورت کیا ہے، شرمین پر وقت کیوں ضائع کر رہے ہو؟“ صفدر اپنی ذہنی الجھن میں گرفتار تھا دفتر میں بھی کام کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اسے اصرار کر کے باہر لے آیا۔

”یہ تم کہہ رہے ہو؟“
 ”ہاں، کیونکہ شرمین کو تم اپنی زندگی سے نکال چکے ہو، اب وہ کس کے ساتھ ہے کون اس کا بیٹا ہے یا نہیں تمہیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔“ صفدر نے بالکل سیدھا جواب دیا۔

”اور اگر وہ اسے بھول نہ پایا ہو، اس سے مل کر دیکھ کر اور بھی بے قرار ہوگا۔“
 ”تو بھی کچھ حاصل نہیں یا خود سوچو کتنا سمجھایا تھا میں نے تمہیں مگر تم نے ایک نہ سنی، اس غریب کا جرم کیا تھا تم نے بزدلوں کی طرح اس کو نا کردہ جرم کی سزا سنائی یا آخر کیوں؟“
 ”بس اس کی بھی ایک وجہ تھی۔“

”اور اب وہ وجہ ختم ہوگئی؟“ صفدر طعنیہ بولا۔

”صفدر میں نے شرمین کی خاطر کیا تھا اس وجہ کا شرمین سے تعلق تھا۔“ عارض نے یقین دلانا چاہا۔
 ”اوچھوڑو یا، کوئی بھی وجہ بھی شرمین نے قتل کر دیا تھا پھر بھی تمہیں اسے صفائی کا موقع دینا چاہیے تھا۔“
 ”تم ٹھیک کہتے ہو مگر مجھے ایسا لگا کہ شرمین کو مجھ سے محبت نہیں بلکہ وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔“ عارض نے اعتراف کیا۔
 ”اور ایسا کیوں لگا تمہیں، وہ کسی کون تھا؟“ صفدر نے کہا۔
 ”میں اسے بتانا چاہتا ہوں مگر اسے کہو کہ وہ میری بات سنے۔“

”میں ایسا نہیں کہہ سکتا کیونکہ میرے پاس کوئی جواز نہیں ہے، خود بتاؤ، سمجھاؤ۔“ صفدر نے صاف جواب دیا۔

”مگر وہ مجھے سننے کا موقع نہیں دے گی۔“

”اللہ کی مرضی، صبر کرو پھر۔“

”پلیز کیسے دوست ہو؟“

”عارض میں خود بہت الجھا ہوا ہوں، میں بھلا کیسے یہ بات شرمین بہن سے کرو۔“

”اپنی انجمن مجھے بتاؤ، پلیز۔“

”ہاں، مگر اس کے لیے تمہیں میرے گھر آنا ہوگا۔“

”ضرور کب؟“

”کل یا پرسوں۔“ صفدر کھویا کھویا بولا۔

”ٹھیک ہے میں فون کر کے آ جاؤں گا۔“

”اب چلیں۔“

”اے کہو میری بات سن لے میں بہت غلط محسوس کر رہا ہوں، میں اسے مجبور نہیں کروں گا بس وہ میری بات سن کر دل صاف کر لے۔“

”اور اس کے بیٹے سے متعلق۔“

”مجھے معلوم ہے کہ وہ اس کا کیا لگتا ہے؟“

”کیا.....؟“

”خیر اس بات کو چھوڑ دو بس مجھے شرمین سے مطلب ہے۔“

”میں بڑے عرصے سے ملا نہیں، کوشش کروں گا مگر وعدہ نہیں۔“

”بس ایک بار وہ مجھ سے ملے۔“

”لو کے، کہانا کہ بات کی کوشش کروں گا۔“

”تھینک یو میرے دوست۔“ عارض نے پرسکون ہو کر کہا۔

”کوئی بات نہیں ویسے میں کس منہ سے بات کروں گا؟“ صفدر دیر سے بولا عارض نے کوئی جواب نہیں دیا گاڑی واپسی کے لیے موڑ لی۔



بھی منزل ہے میری جو میں اکیلا ہوں

کسرا سرتیرے آگے بھی خم نہیں ہوتا

وہ ہے جی ہے مسلسل شکست دل سے منیر

کوئی پچھڑ کے چلا جائے غم نہیں ہوتا

ٹیرس پر کھڑا وہ گہری ہوتی رات میں آسمان کی وسعتوں میں اپنے مقدر کا ستارہ تلاش کر رہا تھا۔ شرمین کی صورت میں جگمگاتا ستارہ جس کی روشنی اس سے روٹھ گئی تھی یا جسے اس نے اپنے ہاتھوں اندھیروں میں اتارا تھا اب ان اندھیروں سے نکل کر وہ پھر اس کے سامنے آ گیا تھا۔

”نہیں ہو..... وہ میرے احساس سے کبھی کہیں گئی ہی نہیں تھی، اسے اپنی زندگی کے ایک لمحے سے بھی باہر نہیں نکال سکا تھا وہ میری محبت، میری چاہت مجھے کسی وقت نہیں بھولی، بس مجھ سے بھول ہوئی۔“ پشت پر آہٹ ہوئی تو وہ ٹھٹکا ملازم چاچا اس کا موبائل لیے کھڑے تھے۔

”جی۔“ وہ بولا۔

”یہ آپ کا فون بج رہا تھا آغا جی نے بھیجا ہے۔“
 ”شکریہ۔“ اس نے فون تھام لیا فون دوبارہ شور مچانے لگا نمبر باہر کا تھا دسوسہ ساؤن میں آیا کہ شاید سبنا کا ہو لیکن پھر خیال
 ذہن سے نکال کر فون اٹینڈ کیا مگر دوسری طرف سچ سچ سبنا ہی تھی۔
 ”ہیلو۔“

”ہیلو، میں سبنا تھینک گاڈ میں بات کر پار ہی ہوں۔“ وہ بہت خوش تھی۔
 ”سبنا تمہیں ایک بات سمجھائی تھی کہ میرا تعاقب مت کرو، میرے بابا تمہاری وجہ سے سخت ناراض ہیں۔“
 ”بھگوان کی قسم میں نے بہت کوشش کی مگر تمہیں بھول نہیں سکے۔“
 ”اپارٹمنٹ بھی تمہیں خالی کرنا ہوگا، اپنے ملک چلی جاؤ۔“
 ”میرے گھر والے مجھے مار دیں گے وہ مجھے شمع نہیں کریں گے۔“
 ”تو میں کیا کروں، مجھے آئندہ فون نہ کرنا۔“ اس نے سخت رد عمل ظاہر کیا اور فون بند کر دیا پھر تاؤ میں آ کر معید صاحب کا نمبر
 ملا لیا۔ اس کو شدید غصہ آ گیا۔

”کمال کرتے ہیں معید صاحب اسے میرا نمبر دے دیا۔“
 ”نہیں، میں نے نمبر نہیں دیا وہ آفس گئی تھی شاید۔“
 ”بابا کو تو آپ نے بتایا۔“

”سرا نہوں نے ایسے سوالات کیے کہ میں جھوٹ نہیں بول سکا۔“
 ”تو ٹھیک ہے سبنا کو اپارٹمنٹ سے نکالو اور بس۔“
 ”مگر وہ پھر.....؟“

”بھاڑ میں جائے۔“
 ”سردہ رنگی میں آپ سے بہت محبت کرتی ہے آپ کی جیکٹ میں اس کی جان ہے۔“
 ”معید صاحب مجھے اس سے صرف انسانی ہمدردی ہے آپ مالی مدد کریں۔“
 ”آغا صاحب نے فوری طور پر اسے نکالنے کا حکم دیا ہے مگر مجھے ڈر ہے۔“
 ”کس بات کا۔“

”چھوڑیں، قبل از وقت کچھ کہہ نہیں سکتا۔“
 ”بہر کیف اسے سمجھائیں جانے کیوں میرے پیچھے پڑی ہے۔“ اس نے فون بند کیا اور میسر سے کمرے میں آ گیا بھوک کا
 شدید احساس ہوا تو کچھ کھانے کی غرض سے کمرے سے باہر نکلنا۔



اذان کا یو یو فارم استری کر کے وہ کمرے داروں کی طرف آ گئی انہوں نے پیغام بھیجا تھا کہ ہم مکان خالی کر رہے ہیں آپ
 آ کر گھر چیک کر لیں مگر آ کر بیٹھی نہ تھی کہ بار بار موبائل فون بجنے لگا۔ عارض مسلسل فون کر رہا تھا۔ ان کو ایلکسکو ز کہہ کر واپس آ کر
 فون اٹینڈ کرنا پڑا۔

”شرمین پلیز مجھے کچھ کہنا ہے۔“ اس نے اس طرح کہا کہ اس نے بڑی نرمی سے کہا۔
 ”جی کیسے۔“

”شرمین ایک وقت تھا کہ تمہیں میری محبت پر یقین تھا اعتبار تھا مگر اب میں جانتا ہوں کہ.....؟“
 ”مگر آپ کو نہیں تھا یہ میں نہیں جانتی تھی۔“ اس نے جملہ کاٹا۔
 ”بات مذاق سے شروع ہوئی اور پھر کچھ سے کچھ ہو گیا۔“ وہ وضاحت دے رہا تھا۔
 ”تو کیا ہوا..... کچھ نہیں ہوا۔“

اردو ادب کا روشن ستارہ

رفعت سراج

اپنے سلسلے وار ناول

چراغِ خانہ

کے ہمراہ آنچل محفل کی شان بڑھانے آرہی ہیں
ہمیشہ کی طرح اچھوتے موضوع پر قلم بند کرتی رفعت سراج اس بار بھی
حالات کی ستائی لڑکی کو اس کی منزل تک کیسے پہنچاتی ہیں

یہ جاننے کے لیے زیادہ نہیں بس تھوڑا انتظار
کیونکہ بہت جلد ماہنامہ آنچل میں آرہا ہے چراغِ خانہ
آپ بہنوں کی پرزور فرمائش پر

جلد ماہنامہ آنچل کے صفحات پر پڑھیں

READING
Section

”نہیں بہت کچھ ہوا تم سے پھٹنے کے بعد پتا چلا کہ تمہارے ساتھ ہی میری دنیا ختم ہو گئی۔“ وہ بہت عالم جذب میں تھا۔
 ”دنیا ختم ہو جانے والی ہی جگہ ہے۔“
 ”شرمین مجھے قرار نہیں، سکون نہیں، ایک پچھتاوا ہے ایک کسک ہے ایک اسرار ہے۔“
 ”کیسا اسرار؟“

”تم ملو تو بتاؤں۔“
 ”کاش کبھی ایسا ہو۔“
 ”مجھے یقین سا ہے کہ.....!“
 ”آپ کا یقین دھوکہ دے رہا ہے آپ کی طرح۔“
 ”میں دھوکہ باز نہیں۔“
 ”خیر، ہر چیز اپنی اصلیت کی طرف لوٹی ہے۔“
 ”آغا جی کہتے ہیں کہ میں تم سے ملوں۔“
 ”انہیں بتا دیجیے کہ.....“

اب کے تجدید و وفا کا نہیں امکان جاناں
 ”اخواہ۔“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو اس نے فون بند کر دیا۔

”ہنہ، بتا دو سب کو بتا دو کہ اب کے تجدید و وفا کا نہیں امکان جاناں.....“

یاد کیا تجھ کو دلائیں تیرا جیاں جاناں
 زندگی تری عطا تھی سو ترے نام کی ہے
 ہم نے جیسے بھی بسر کی تیرا احساں جاناں
 دل یہ کہتا ہے کہ شاید ہو افسر وہ تو بھی
 دل کی کیا بات کریں دل تو ہے ناداں جاناں
 ہم بھی کیا سادہ تھے ہم نے بھی سمجھ رکھا تھا
 غم دوراں سے جدا ہے غم جاناں جاناں

وقت کی مٹھی بے شک چھوٹی اور کمزور ہو مگر اس کے قدم بڑے بھاری اور توانا ہوتے ہیں جسم تو جسم روح تک کھلی جاتی ہے۔
 وہ اپنے پورشن کی طرف آگئی اذان ٹی وی پر کارٹون دیکھ رہا تھا اسے مغموم سادہ کیکھ کر بولا۔
 ”ماما آپ بابا کو معاف کر دیں۔“

”کر دیا۔“

”کیسے؟“

”بس کر دیا۔“ وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

”تو پھر بابا آجائیں گے۔“ اس نے پر امید نگاہوں سے دیکھا تو اس کا دل کٹ سا گیا۔

”نہیں، وہ وہ ہیں رہنا چاہتے ہیں۔“

”کیوں؟“ وہ غصے سے بولا۔

”آپ ایسی باتیں کیوں سوچتے ہو؟“

”ماماں ہم باہر چلیں۔“ وہ ٹال گیا۔

”ہاں جلدی سے ہوم ورک کرو، گھومیں گے پڑا کھائیں گے اور پھر واپس۔“

”ماما، کسی کو ملیں گے نہیں۔“

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”ہاں مل بھی سکتے ہیں۔“
 ”نہیں وہ انکل گندے ہیں۔“ وہ بے ساختہ بڑی تلخی سے بولا۔
 ”وہ نہیں وہ مجھے آفس میں ملتے ہیں ویسے کسی کو برا نہیں کہتے۔“ اس نے اپنے لیے اور اس کے لیے کپڑے الماری سے نکالے مگر محض اتفاق تھا کہ نہ سنتا پا کے لینڈ لائن نمبر سے فون آ گیا وہ ٹھنکی۔
 ”ہیلو۔“

”شرمین بیٹا بیگم صاحبہ گرگئی ہیں آپ جلدی آ جائیں۔“ بابا بہت گھبرائے ہوئے تھے۔
 ”وہ کیسے..... بوبی کہاں ہے؟“

”بس انہی کی وجہ سے تو گری ہیں وہ گھر پر نہیں ہیں۔“
 ”اچھا، میں ابھی آتی ہوں۔“ اس نے کہا تو اذان نے ناگواری سے دیکھا اور پہلے ہی کہہ دیا۔
 ”آپ جائیں مجھے شبانہ نئی کی طرف چھوڑ جائیں۔“ وہ خاموش ہو گئی کیونکہ اس وقت اسے سمجھنا مشکل تھا۔



”انا کی جنگ میں ہمیشہ جیت ہارنے والے کی ہوتی ہے۔“
 ”کیا سمجھے مائی سن۔“

آغا جی نے اسے لان میں اور اس ساٹھ لٹا دیکھ کر کہا تو وہ شام کے منگچے سے اگلے میں انہیں دیران نظروں سے دیکھنے لگا۔
 ”یہ او اسی، یہ تنہائی یہ دیرانی ایک دم ختم ہو جائے گی اگر شرمین کے قدموں میں بیٹھ کر معافی مانگ لو۔“ وہ پھر بولے۔
 ”اگر وہ معاف کرتی تو میں ایسا کر لیتا۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔
 ”خود ہی اخذ کر لیا یا اس نے کہا۔“

”ایک ہی بات ہے۔“
 ”نہیں، ایک بات نہیں ہے کیا اسے ایک بھی لمحہ، ایک بھی موسم ایک بھی گیت، ایک بھی موقع آپ نے ایسا نہیں دیا کہ وہ اسے یاد رکھتی اور آپ کو معاف کر دیتی، محبت کے تو قدم قدم پر کہکشاں اترتی ہے، قوس و قزح کے رنگ نکارہوتے ہیں پھر کیسی محبت کی تھی آپ نے؟“

”بابا شاید محبت تو اب ہوئی ہے۔“ وہ کھویا کھویا بولا۔
 ”تو کوئی بات نہیں اسباب ہی یقین ولاؤ۔“

”بابا یہ سب آسان کام نہیں، اب ایک بچہ ہے اس کے ساتھ اس کا مرکز ہی بدل گیا ہے۔“ وہ منمنایا۔
 ”میں چاہتا نہیں کہ محبت کا پیا مبر بنوں کیونکہ محبت میں جذبے ایک طرف سے اشارہ پا کر دوسری طرف اترنے لگتے ہیں۔“
 ”بابا اب کچھ نہیں ہو سکتا شرمین کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔“
 ”پاکل نہ بنو کوشش جاری رکھو اور اپنا ہر ارادہ بدل لو۔“
 ”کون سا ارادہ؟“

”اس لڑکی کو سبنا و سبنا کو بھول جاؤ۔“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بھی پھر سے ٹھہرنے لگا۔
 بابا کو کیسے یقین دلانے کہ سبنا سے اس کا کوئی دل کا رشتہ نہیں، وہ ایک، مظلوم لڑکی ہے اس کے شوہر نے اسے محبت کی شادی کرنے کی کڑی سزا دی ہے اس نے تو اس سے انسانی ہمدردی کے تحت حسن سلوک برتا ہے وہ خود دیوانگی کی حرکتیں کر رہی ہے اس کے دل میں کل بھی شرمین تھی اور آج بھی ہے اب تک تو معید صاحب نے اس سے اپارٹمنٹ بھی خالی کر لیا ہوگا۔ پھر جانے کیوں آغا جی کو مسئلے کی وجہ وہی لگ رہی ہے۔ جب کہ اس نے تو کبھی اس انداز میں سوچا بھی نہیں تھا۔ اسے جانے کیوں محبت ہو گئی بابا کے بقول اس کی چال ہے ہندو لڑکی کسی مقصد کے تحت اس کے قریب آتی ہے۔ مقصد کوئی بھی تھا مگر وہ تو آچکا تھا۔



زینت بیگم پر اللہ نے مہربانی کی تھی۔ وہ ان کو اسپتال سے لے کر گھر آئی سہارا دے کر بیڈ پر لٹایا کرنے کی وجہ سے وہاں گھٹنے اور دائیں بازو پر چوٹ لگی تھی پین کمر اور سوجن سے بچاؤ کی دوائیں لکھیں تھیں، زینت آپا کی احساس تشکر سے بار بار آنکھیں بھرتیں بھولی اور اذان کو کسی وجہ سے کمرے سے باہر بھیجا اور پھر پوچھا۔
 ”آپا کیوں پریشان ہیں کہاں گیا بولی؟“ وہ بول نہ سکیں بس روویں۔
 ”آپ دل پر پتھر کیوں نہیں رکھ لیتیں؟“ وہ ان کا سرو بابتے ہوئے بولی۔
 ”وہ..... وہ.....!“

”آپ نہ بولیں کوئی ٹینشن نہ لیں میں جانتی ہوں کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟“ وہ بولی مگر وہ آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہو کر اس کے مقابل آ گیا۔
 ”کیا جانتی ہو کیا پتا ہے تمہیں، مجھ سے پوچھو اس سب کی ذمہ دار تم ہو، تم نے مجھے اور میری ماں کو استعمال کیا ہے ہماری اس حالت کی ذمہ دار تم ہو۔“

”بولی بی ہیو یور سیلف۔“ اسے شدید غصہ آ گیا زینت نے بیٹے کو گھورا روکنا چاہا مگر وہ آپے سے باہر ہو گیا۔
 ”ماما چپ رہیں آپ یہ شرمین بی بی ہر روز ہمارے احساسات سے کھیلنے کا نیا سرٹیفکیٹ لے آتی ہیں۔ اب یہ جانے کس کی جائز ناجائز اولاد اٹھالائی ہیں۔“

”بولی.....!“ شرمین نے غصے سے زور دیا طمانچہ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔
 ”کیوں کیوں صرف تمہیں ہی برا لگتا ہے۔ تمہیں ہی غصہ آتا ہے۔ میں نے سچ کہا ہے بولو بتاؤ یہ اذان کس کا بیٹا ہے کون ہے اس کا باپ، تمہیں ماما کیوں کہتا ہے؟“ وہ تھپڑ کھا کر بھی کف اڑاتا رہا۔
 ”بولی.....!“ زینت بیگم پوری قوت سے دھاڑیں۔

”شٹ اپ، شٹ اپ بولی تمہاری کسی گھٹیا بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔“ شرمین غصے سے تھما اٹھی۔
 ”جواب کوئی ہے ہی نہیں، کیا جواب دوگی، میرا تماشا بنایا میری ماں کو بے وقوف بنایا اور پھر یہ نیا ڈرامہ؟“
 ”میرا تو ڈرامہ ہے اور تمہاری محبت کیا ہے، مسٹر بولی؟“ وہ کھڑی ہو کر پوچھنے لگی۔
 ”میری محبت تم ہو، تمہارے سام نہاؤ بیٹے سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔“
 ”تمہارا مجھ سے بھی کوئی واسطہ نہیں بلکہ تمہاری محبت تم ڈیزر ہی نہیں کرتے۔“ وہ بولی۔

”بولی، چپ ہو جاؤ۔“ زینت بیگم رو دیں۔
 ”شرمین صاحب آپ بھی مجھے ڈیزر نہیں کرتی تمہیں مگر میں محبت کرتا ہوں۔“
 ”شٹ اپ اور ماؤتھ، اب ایک لفظ بھی محبت کے لیے نہیں بولنا۔“ وہ چلائی۔
 ”کیوں تم نے محبت کہیں پال رکھی ہے؟“

”بالی یا نہیں، تم سے ہر گز نہیں۔“ شرمین نے اپنا بیگ اٹھایا اور باہر نکلنے کا اشارہ دیا زینت بے تاب ہو کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں مگر بولی نے انہیں روکا اور کہا۔

”جانے دیں ماما مجھے بچے کی ماں سے شادی نہیں کرنی، اس سے تو بہتر ہے کہ میں بھولی سے شادی کر لوں۔“ بولی نے گرم کھولنا ہوا الاوا گویا اس کے وجود پر پھینکا اور وہ سر تاپا مجلس کر کوئلہ ہو گئی۔ ناقابل بیان جرأت اظہار ناقابل برداشت سوج، شرمین کی آنکھیں دکھ اور حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ بولی ہے وہ بولی جس کی محبت کی مرکز صرف وہ تھی۔
 بھولی کے سامنے لاکھڑا کیا بھولی اور وہ ایک برابر ہیں محبت یہ تھی۔

”جائیں مس شرمین آپ میری طرف سے آزار۔“ اس نے بے بسی سے منہ چھپا کر روتی زینت کو دیکھا اور خود کو یکجا کر کے باہر نکل آئی۔



زندگی نے محبت کا ایک اور چہرہ مسخ کیا تھا۔
ایک اور میت زمانے کی قبر میں محبت کا کفن پہن کر اتری تھی۔ محبت کے بت دفناتے ہاتھ پھرائے گئے تھے۔ جسم میں جیسے
کسی شکستہ حال گورکن کی روح سا گئی تھی۔ اس شان سے اس لپیٹے سے وہ محبت کا تابوت قبروں میں اتارتی تھی کہ بڑے سے
بڑے گورکن کو بھی اپنی مہارت پر شک ہونے لگے محبت کی تازہ قبر بنی تھی۔
سوگ میں آنکھیں متورم تھیں..... لب خشک تھے..... چہرے پر ماتم تھا۔
جواں سال محبت کی مرگ کا سوگ بھی تو اس کے شایان شان ہی کرنا تھا نہ دانہ حلق سے اتر اور نہ بدن بستر سے لگا بس ایک
بے یقینی کی فضا تھی۔

بو بی بھی..... صبح احمد کی حدوں سے آگے..... عارض کی حدوں سے بڑھ کر.....
اسے سکون نہیں آ رہا تھا..... قرآن نہیں تھا محبت کی جذباتیت کا تو پتا تھا مگر سچ میں یہ چہرہ دکھائی دے گا یہ معلوم نہیں تھا۔
”ماما اذان نے اسے اس حال میں دیکھا تو پیار سے پکارا۔“

”ہنہ جی۔“
”آپ کو کیا ہوا ہے؟“
”بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔“
”آپ نے کچھ کھایا بھی نہیں۔“
”بھوک نہیں ہے آپ نے برگر کھالیا؟“ واپسی پر اس کے لیے برگر خرید لائی تھی۔

”جی۔“
”برش کر کے سو جائیں۔“
”آپ کو کچھ لاکر دوں۔“
”نہیں، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔“
”آپ ڈاکٹر کے پاس چلیں۔“
”میں ٹھیک ہوں بیٹا۔“
”ماما۔“

”ہنہ جی۔“
”وہ انکل ڈیڈی کا نام پوچھ رہے تھے۔“
”پھر۔“

”میں نے بتا دیا تو وہ غصہ ہونے لگے۔“
”کیا کہا؟“

”ڈیڈی خود نہیں سنبھال سکتے۔“
”چھوڑو وہ بس ایسے ہی ہیں نہیں جانتے کہ محبت میں بڑی گنجائش ہوتی ہے۔“ اس نے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔
”بس اب ہم وہاں نہیں جائیں گے۔“
”ٹھیک ہے۔“

”اب بیڈ پر آ جائیں۔“
”ہنہ آپ سو جاؤ میں نماز پڑھ کر آتی ہوں۔“ اس نے کہا تو اذان نے بات تسلیم کر لی۔ وہ بڑی ہمت کر کے اٹھی جلتے ذہن کو
سکون دینے کیلئے شاور لینے کی ضرورت تھی۔



بظاہر تو وہ لائش آف کر کے سو گئی تھی۔

مگر حلق میں آنسوؤں کا گولا سیا پھنسا تھا۔ سسکیاں اندر ہلکورے لے رہی تھیں۔ اذان کی وجہ سے اس نے آواز دبار کھی تھی۔ وہ اس کو احساس تک نہیں دلانا چاہتی تھی کہ بوبی نے جو کچھ کیا وہ صرف تمہاری وجہ سے کیا۔ تمہارے ڈیڈی کی وجہ سے کیا میرا براہ راست کوئی مجرم ہے تو وہ تمہارے ڈیڈی ہیں۔ جنہوں نے مجھے ایک سوالیہ نشان بنا دیا ہے۔

”صبح احمد تمہارا شکریہ کہ تمہارے ذریعے مجھے مزید محبتوں کی پہچان ہو گئی میں جان سکی کہ لوگ بالکل جھوٹ بولتے ہیں دھوکہ دیتے ہیں، محبت سے نہیں اپنی غلیظ فطرت ہے۔“ اس نے کروٹ بدلی۔

مگر اب اس میں زینت آیا کا کیا قصور؟ انہیں اس تکلیف میں تنہا چھوڑنا کتنی بری بات ہوگی۔

”شرمین بس اب یہ جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہونا بند کرو، چھوڑ دو سب محبت کا کلمہ پڑھنے والے رشتوں کو، یہ اہل نہیں ہوتا تو یہ چاہیے تھا کہ تم صبح احمد کو بھی آئینہ دکھا کر چلتا کرتیں انہوں نے ہی تو فریب اور دھوکے کی غلیظ بوند محبت کے پاکیزہ تالاب میں شامل کی تھی۔“

تمہاری محبت تو پاکیزہ اور معصوم تھی۔ کیوں اذان کو دھتکارا نہیں کیا ہو جاتا تمہارا دل مضبوط ہو جاتا، کیا ضروری تھا کہ اذان کے لیے خود کو قربان کر دیا۔“ وہ تر آنکھوں کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

”نہیں، اس معصوم کا کیا قصور، اور بوبی سے اس نادانی کے سوا کوئی توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ اس کا ظرف اتنا چھوٹا اور گھٹیا تھا کہ وہ اس حد تک گر گیا۔ ایک طرح سے تو اچھا ہی ہو گیا تھا۔ اب مجھے کبھی بوبی کا سامنا نہیں کرنا نہ دفتر اور نہ گھر۔ بس زینت آیا سے فون پر بات ہوگی۔“

”اور اخراجات..... فی الحال کرائے داروں کو گھر خالی کرنے سے روکنا ہوگا، جب تک نئی جگہ کا بندوبست نہیں ہوتا۔“ وہ اپنے ہی سوال کا جواب تلاش کر کے کچھ مطمئن ہو گئی آخر زندگی تو گزاری تھی۔ اس نے پلٹ کر اذان کو دیکھا وہ ہر غم اور فکر سے آزاد گہری نیند سوچکا تھا۔



زیبا بخار میں بری طرح پھنک رہی تھی۔

جہاں آرا کو اس کی بہت فکر ہوئی، چائے بنا کر دی، ملازمہ سے اس کا سرد بانے کو کہا، عبدالصمد کھیل رہا تھا۔ وہ اسے لے کر گھر جانے کی ضد کرنے لگی تو وہ ناراض ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئیں بخار نے اسے بھی غنووگی میں پہنچا دیا۔ پتا ہی نہ چلا کہ وہ سو گئی، صفر نے کندھا ہلا کر جھنجھوڑا تو جاگی۔

”میرے بیڈ پر سونے کا زیادہ شوق ہے۔“

”نہیں مجھے بخار تھا۔“

”چلو جاؤ مجھے سونا ہے۔“ اس نے بالکل بھی خیال نہیں کیا۔ وہ نفاہت زدہ سی اٹھ کر باہر نکل گئی۔ دروازے پر بیل ہو رہی تھی۔ اس نے ملازمہ کو بلایا مگر وہ جانے کہاں مصروف تھی۔ بیل جو بھی بار ہوئی تو اسے خود ہمت کرنی پڑی دے بھی طبیعت خرابی کے باعث کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا دروازہ بے دھڑک کھول دیا اور باہر دیکھا اور لڑکھڑائی کرنے کی آواز پر ملازمہ نے شور مچا کر صفر کو بلایا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





تیسری دنیا

نگہت عبداللہ

READING
Section



محبت کے سفر میں کوئی بھی راستہ نہیں دیتا
زمین واقف نہیں بنتی فلک سایہ نہیں دیتا
خوشی اور دکھ کے موسم سب کے اپنے اپنے ہوتے ہیں
کسی کو اپنے حصے کا کوئی لمحہ نہیں دیتا

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

ساجدہ بیگم کے گلے لگ کر ان سے دعائیں لے مافون کی بیل بجنے لگی۔

”میں دیکھتی ہوں۔“ وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی اور مسلسل بجتے ٹیلی فون کا تیزی سے بڑھ کر ریسپونڈ اٹھا لیا۔

”ہیلو..... ہیلو“ اس کی ہیلو کے جواب میں ادھر سے کوئی بولا ہی نہیں تو اس نے بدلی سے ریسپونڈ دیا۔

”کس کا فون تھا؟“ عقب سے احسن کی آواز سن کر وہ فوراً ان کی طرف پلٹی تھی۔

”کس کا فون تھا؟“ احسن نے اپنا سوال دہرایا تو وہ لاعلمی کے انداز میں سر ہلا کر یولی۔

”پتا نہیں کوئی بولا ہی نہیں۔“ پھر احسن کی تیاری دیکھ کر پوچھنے لگی۔ ”آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟“

”ہاسپٹل.....“ احسن کی نظریں اپنی رسٹ وارج پر تھیں۔ ”کیوں؟ میرا مطلب ہے آج تو سنڈے ہے۔“ اس نے جیسے یاد دلایا۔

”پھر.....؟“ احسن نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

”پھر یہ کتا آپ کیوں جا رہے ہیں؟“ وہ قدرے شپٹائی۔

”ایمر جنسی کال آئی ہے۔ تم امی ابو کو بتا دینا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ احسن عجلت میں کہتے ہوئے آگے بڑھے تو وہ ان کے پیچھے لپکی۔

”احسن.....“

”اب کیا ہے؟“ وہ رکے۔

”وہ..... آپ شاید کچھ بھول رہے ہیں۔“ وہ انہیں اپنی برتھ ڈے یاد دلانا چاہتی تھی۔

”کیا کیا بھول رہا ہوں۔“ احسن نے انتہائی سنجیدگی سے

معمول کے مطابق فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ کمرے سے نکلی تو روزانہ کی طرح نم اجالے نے اس کا استقبال کیا تھا۔ لاؤنج سے گزرتے ہوئے روزانہ کی طرح اس کے قدم آپ ہی آپ رک گئے اور وہ گلاس وال سے ادھر لان میں شبنم سے نہائے پھولوں کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ مسکرائی۔

پھر پگن میں آ گئی۔ بوا جائے نماز پر بیٹھی نماز کے بعد تسبیح میں مصروف تھیں۔ اس نے جلدی سے چائے بنائی ایک کپ بوا کے قریب رکھا اور دو کپ ٹرے میں رکھ کر جلال احمد اور ساجدہ بیگم کے کمرے میں لے آئی۔

”السلام علیکم!“ اس کی نظر پہلے ساجدہ بیگم پر پڑی تھی جو بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ اس نے چائے کا کپ ان کے قریب کارٹر ٹیبل پر رکھا پھر پلٹ کر جلال احمد کو دیکھا جو اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔

”کوئی خاص خبر ہے تایا ابو؟“ اس نے چائے کی ٹرے ان کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

”بہت خاص.....“ جلال احمد اسے دیکھ کر مسکرائے تو وہ مشتاق ہوئی۔

”مجھے بھی بتائیں تایا ابو کیا خاص خبر ہے؟“

”خاص خبر یہ ہے کتا آج ہماری نشاء کی برتھ ڈے ہے۔“ جلال احمد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بتایا تو اسے خوش سے زیادہ حیرانی ہوئی۔

”آپ کو یاد تھی تایا ابو۔“

”نہیں بیٹا! ابھی مجھے تمہاری تائی ای نے بتایا ہے۔“ جلال احمد کی صاف گوئی نے اسے مزید حیران کیا تھا۔ اس نے ساجدہ بیگم کو دیکھا۔ ان کا چہرہ ہمیشہ کی طرح سپاٹ تھا۔

”تھینک یو تائی ای۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور چاہتی تھی کہ

آنجل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 90

اسے دیکھا تو وہ جھنجلا گئی۔
”مجھے نہیں پتا۔“

”اسٹوپڈ..... جاؤ اندر اور دیکھو میرے کمرے کی صفائی اچھی طرح کرنا۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئے۔
”صفائی اچھی طرح کرنا“ نوکر ہوں تا میں..... نہیں کروں گی، بوا کو بھی منع کروں گی اور شانی کو بھی۔“ وہ مسلسل بڑبڑاتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگی اور جب احسن کے کمرے میں داخل ہوئی تو خود پر غصہ آ گیا۔

”پاگل ہوں میں۔ انہیں میری پروا نہیں اور میں۔“ خود پر جھنجلانے کے ساتھ وہ پھیلاوا بھی سمیٹتی جا رہی تھی پھر ڈسٹنگ کرتے ہوئے اس کی نظر ٹیبل پر رکھے پیکٹ پر پڑی تو وہ وہیں گھسنے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ پیکٹ پر چسپاں گلابی رنگ کا کارڈ جس پر سنہری حروف میں لکھا تھا۔
”اپنی نشا کے لیے۔“

”احسن.....“ اس کی نظروں کے سامنے ان گنت دیئے روشن ہو گئے تھے۔ آپ ہی آپ مسکراتے ہوئے وہ پیکٹ پر سے ریپراتار نے لگی تھی کہ دروازے سے جھانک کر محسن بولا۔
”ارے نشاء تم یہاں ہو میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔“ وہ ایک دم کھڑی ہو کر یوں محسن کی طرف گھومی کہ پیکٹ اس کے پیچھے چھپ گیا۔
”کیا کر رہی ہو؟“ محسن اندر آ گیا۔

”کچھ نہیں، کمرہ ٹھیک کر رہی تھی۔ تم بتاؤ کیوں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔“ اس کے پوچھنے پر جیسے محسن کو یاد آیا۔
”ہاں آج تمہاری برتھ ڈے ہے، یہی برتھ ڈے ٹو یو۔“ محسن کے پر جوش انداز پر وہ ایک پل کو مسکرائی لیکن اگلے پل اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

”ارے یہ کیا.....؟“ محسن فوراً اس کے قریب آیا۔
”سب کو میری برتھ ڈے یاد ہے، نہیں یا تو ابوجی کو یاد نہیں اور انہیں تو شاید یہ بھی یاد نہیں ہوگا کہ دنیا میں کہیں میں بھی موجود ہوں۔“ اس کی آنکھ سے فقط ایک آنسو گرا تھا۔

”پاگل ہو تم، کوئی کسی کو نہیں بھولتا اور چچا جان تمہیں فون کرتے تو ہیں، گفٹ بھی بھیجتے ہیں، خواہ مخواہ شاکی مت ہوا کرو پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک شخص کی وجہ سے تم باقی محبتوں سے منہ موڑ رہی ہو۔“ محسن نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ فوراً احساس کر کے نادام ہوئی تھی۔

”نہیں تو میں کہاں منہ موڑ رہی ہوں۔“
”تو پھر چلو تمہاری برتھ ڈے مناتے ہیں۔“ محسن پھر پر جوش ہوا تھا۔

”نہیں..... نہیں مونی، یہ سب نہیں، بس تم نے وش کر دیا میرے لیے یہی بہت ہے۔ وہ کہتے ہوئے کمرے سے جانے لگی تھی کہ محسن اس کے سامنے آ گیا۔
”کوئی بہت نہیں ہے، کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہیے۔ چلو ایسا کرتے ہیں۔“ محسن نے رک کر کھڑکی سے باہر نظریں دوڑائیں پھر اسے دیکھ کر بولا۔ ”موسم اچھا ہے چلو ریکٹ کھیتے ہیں۔“

”کیا.....؟“ وہ پہلے چیخی پھر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
”تم..... تم ریکٹ کھیلو گے۔“

”ہاں، میرا بہت دل چاہ رہا ہے۔ تھوڑی سی ایکسرسائز پھر اچھا سا ناشتا۔“ محسن بچوں کی طرح خوش ہوا تھا لیکن وہ خائف ہو گئی۔

”نہیں مونی، ایکسرسائز چھوڑو میں تمہیں اچھا سا ناشتہ کرا دیتی ہوں۔“

”بالکل نہیں، پہلے ریکٹ.....“ ضد بھی بچوں جیسی تھی۔ اس نے بہت منع کیا سمجھانا چاہا لیکن وہ مانا ہی نہیں۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی لان میں لے آیا اور ریکٹ اٹھا کر ایک اس کے ہاتھ میں تھما دیا..... وہ شش و پنج میں کھڑی تھی۔

”کم آن نشاء.....“ محسن نے پکارتے ہی شل کا ک اس کی طرف اچھالی تو پہلے ناچار پھر وہ بھی دلچسپی سے کھیلنے لگی تھی یوں کہ سارے خدشے ذہن سے نکل گئے تھے۔ وہ تو جب زور دار شارٹ کے بعد محسن ایک دم دھرا ہو کر گرنے لگا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

”مونی.....“ اس نے بھاگ کر محسن کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ”مونی، مونی، میرے پیارے بھائی۔“

”تائی ای، تائی ای۔“ وہ پوری قوت سے چیخی اور اس کی چیخ و پکار پر ہی ساجدہ بیگم دال کر کمرے سے نکلی تھیں کہ گلاس وال سے وہاں کا منظر دیکھتے ہی وہ پہلے ٹیلی فون پر جھپٹی اور کانٹے ہاتھوں سے نمبر پیش کرتے ہی تیزی سے بولی تھیں۔
”ایسوی لفس۔“



وہ مکن کے دروازے سے ہی شریا کو خدا حافظ کہہ کر تیزی

سے آگے بڑھی تھی کہ ادھر سے راحیلہ خاتون سامنے آ گئیں۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ کڑے تیوروں سے پوچھا۔

”کام سے جا رہی ہوں مای جی اگر آپ کو باہر کا کوئی کام ہے تو بتا دیں وہ بھی کرتی آؤں گی۔“ اس نے اپنے ازلی اعتماد جسے ڈھٹائی کا نام دیا جاتا تھا سے جواب دینے کے ساتھ پوچھ بھی لیا۔

”پہلے یہ بتاؤ تم کس کام سے اور کہاں جا رہی ہو.....؟“ راحیلہ خاتون سنگھیں۔

”یہ میں واپس آ کر بتاؤں گی۔ ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل آئی گئی۔

چھٹی کا دن ہونے کے باعث سڑکوں پر ٹریفک کا اڑدھام نہیں تھا جب ہی وہ مقررہ وقت سے کچھ پہلے ہی مطلوبہ مقام پر پہنچ گئی تھی۔ وسیع رقبے پر پھیلا عالی شان بنگلہ جس کے لاؤنج میں اسے چھوڑ کر ملازم جانے کس سمت غائب ہو گیا تھا۔ اس نے ارد گرد نظریں دوڑاتے ہوئے گہری خاموشی محسوس کی پھر کندھے اچکا کر بیٹھتے ہی ٹیبل سے میگزین اٹھا لیا۔ جانے بڑے صاحب اسے کتنا انتظار کروائیں گے۔ اسے کچھ کچھ اندازہ تھا اور ذہنی طور پر تیار بھی تھی جب ہی اس نے خود کو میگزین میں مصروف کر لیا تھا۔ پھر کتنی دیر بعد سیٹی نما آواز پر وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ ڈھیل چیر پر وہ بارہ تیرہ سالہ لڑکا یقیناً بٹی تھا جس کے لیے اسے بلایا گیا تھا۔

”تم ایسے کیوں دیکھ رہی ہو مجھے ترس کھا رہی ہو مجھ پر؟“ بٹی کے چہرے ہوئے انداز پر وہ ایک دم ہوش میں آئی۔

”کیوں.....؟ تم ایسے تو نہیں ہو جس پر ترس کھایا جائے۔ اچھے بھلے ہو شاعر بنگلے میں رہتے ہو نوکر چاکر ہیں جو بات منہ سے نکالتے ہوگی فوراً پوری ہو جاتی ہوگی اور.....“

”میں چل نہیں سکتا.....“ بٹی نے اپنے تئیں اس کی زبان کو لگا ہوی تھی۔

”تو جو چل سکتے ہیں وہ کیا تیر مار رہے ہیں۔ اصل اپاج تو وہ ہیں ہاتھ پاؤں سب سلامت پھر بھی کچھ نہیں کرتے۔“ اس نے قصداً بٹی کی بات کو اہمیت ہی نہیں دی تھی۔

”تم کون ہو؟“ بٹی نے غالباً جواب ہو کر پوچھا۔

”صبا..... میرا نام صبا ہے۔“ اس نے جھٹ تعارف کرایا۔

”میں نے تمہارا نام نہیں پوچھا۔“ بٹی نے فوراً ٹوکا۔

”پھر.....؟“ اس نے جان بوجھ کر پہلے نا سمجھی سے اسے

دیکھا پھر ایک دم سمجھنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ”اچھا اچھا میں سمجھ گئی“ تم یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ میں کون..... کہاں سے آئی ہوں..... اور یہاں کیا کر رہی ہوں؟ تو اچھے لڑکے میں ایک مجبور لڑکی ہوں، جاب کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی کہ کسی نے مجھے خان جنید کا نمبر دیا کہ میں ان سے مل لوں شاید وہ مجھے جاب دلا سکتے ہیں۔“

”بالکل دلا سکتے ہیں۔“ بٹی بے ساختہ بولا۔

”سچ.....“ وہ خوش ہو کر پوچھنے لگی۔ ”خان جنید صاحب تمہارے کون ہیں؟“

”ڈیڈی..... وہ میرے ڈیڈی ہیں۔“

”پھر تو تم ان سے میری سفارش کر سکتے ہو۔“ وہ کہہ کر اس کی منت کرنے لگی۔

”پلیز تم اپنے ڈیڈی سے کہنا بے شک وہ مجھے اپنے گھر میں نوکر رکھ لیں۔ میں سارے کام کر دوں گی۔ کہو گے ناں اپنے ڈیڈی سے دیکھو میں بہت مجبور ہوں۔ مجھے جاب کی سخت ضرورت ہے۔“

”تو بس تمہاری جاب ہوگئی۔“ بٹی کے شاہانہ انداز پر وہ ایک دم خاموش ہوگئی۔

”کہانا تمہاری جاب ہوگئی۔ کل سے آ جانا۔“ بٹی خود کو بہت بڑا محسوس کر رہا تھا۔

”کہاں میرا مطلب ہے تم مجھے اپنے ڈیڈی سے تو ملو اور بتائیں وہ.....“

”ڈیڈی میری بات نہیں ٹالتے۔ میں جو کہوں گا وہ وہی کریں گے۔ اب تم جا سکتی ہو۔“ بٹی کے انداز پر وہ بمشکل ہنسی روک کر بولی تھی۔

”اوکے باس۔“

”نو باس میرا نام بٹی ہے۔“ بٹی کی سہیہ پر اب وہ مسکرائی دی۔

”اوکے بٹی تھینک یو کل ملاقات ہوگی۔“

”اوکے.....“ بٹی نے اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ جلدی سے باہر نکل آئی اور پہلے اس نے خان جنید کو فون کر کے بتایا کہ بٹی نے اسے اد کے کر دیا ہے پھر اندازے سے ایک طرف چل پڑی۔ اس پوش علاقے سے نکلنے میں اسے چندرہ منٹ لگے تھے۔ جب اسٹاپ پر پہنچی تو جاذب کی گاڑی دیکھ کر

المینان ہوا کہ بسوں میں دھکے کھانے سے بچ گئی تھی۔

جاذب اسی کی تلاش میں گردن گھما گھما کر دیکھ رہا تھا۔
”کیا پاگلوں کی طرح گردن گھما رہے ہو۔“ اس نے جھٹکے
سے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہی کہا تو جاذب اسے دیکھنے
لگا۔ اس کی نظروں میں بے شمار سوال تھے۔ جنہیں وہ پڑھ سکتی
تھی بلکہ پڑھ لیا تھا جب ہی کہنے لگی۔

”جب تک تم میری بات کا جواب نہیں دو گے میں بھی
کچھ نہیں بتاؤں گی۔“

”میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے.....“ وہ بددل ہوا تھا۔

”پوچھنا بھی مت اور اب چلو مجھے کسی اچھے سے
ریسٹورنٹ سے بریانی کھاؤ۔ ساتھ کولڈ ڈرنک، سچ مزہ آجائے
گا۔“ اس کے چٹکارہ لینے پر جاذب نے دانت پیسے۔
”تم کیوں مجھے تنگ کرتی ہو؟“

”اور تم کیوں تنگ ہوتے ہو۔ میں نے کوئی ایسی فرمائش
تو نہیں کی جو ناممکنات میں سے ہو۔ خیر چھوڑو۔ مجھے نہیں کھانی
بریانی۔“ اس نے سیٹ پر سر کا کرآ نکھیں بند کر لیں۔ اس کی
بند پلکوں کے اندر جو موسم اتر رہا تھا وہ جاذب دیکھ سکتا تھا اور
دیکھ کر ہی اس نے نظریں چرا لی تھیں۔

پچیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد جب گاڑی بل کھا کر رکی
تب اس نے آنکھیں کھولی تھیں پھر بنا کچھ کہے اپنی طرف کا
دروازہ کھولا تو جاذب نے پکارا۔

”مبا ایسا مت کرو۔“

”تم جو کر رہے ہو وہ ٹھیک ہے؟“ وہ چٹخی۔ ”شرم کرو
جاذی تم مجھے کچھ اور نہ سمجھو پھر بھی تمہاری پھوپھی زاد ہوں اور
اس رشتے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ پھر مجھے راستے میں
اتارنے کا مطلب؟“

”تم جانتی ہو.....“ وہ جربز ہونے لگا۔

”ہاں جانتی ہوں بزدلی میں اپنا ٹانی نہیں رکھتے۔“ وہ کہہ
کر اتاری اور جب جاذب گاڑی بڑھالے گیاتاب تاسف سے
اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے اس نے گہری سانس کھینچی تھی۔ پھر
ست قدموں سے چلتے ہوئے گھر آئی تو آگے وہ راحیلہ
خاتون کے ساتھ بیٹھا تھا اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔

”تم کہاں سے آ رہی ہو؟“

”جہنم سے۔“ وہ کوئی لحاظ کیے بغیر بولی۔

.....●●●.....

احسن کی نظریں ایمر جنسی کے بند دروازے پر لگی تھیں۔
ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو جائیں
انتہائی بے بسی سے انہوں نے ساتھ بیٹھی اپنی ساتھی ڈاکٹر تانیہ
کو دیکھا تو وہ نرمی سے ان کا بازو تھام کر بولی۔
”ریلیکس احسن۔“

”میرا بھائی.....“ ان کے ہونٹوں سے اسی قدر نکلا۔

”جانتی ہوں ڈاکٹر انعام ہیں ناں اندر۔“ تانیہ نے انہیں
تسلی دی۔

”ہاں لیکن.....“

”پلیز احسن تمہارا اندر جانا ٹھیک نہیں کیونکہ تم خود پر
کنٹرول نہیں کر پا رہے۔ ایسے میں ڈاکٹر انعام کی توجہ بٹ
جائے گی۔ وہ تمہیں دیکھیں گے یا تمہارے بھائی کو۔“ تانیہ کی
آخری بات پر احسن نے خود کو ریلیکس کیا۔

”تم اکثر اپنے اسی بھائی کا ذکر کرتے ہو نا کیا ہوا ہے
اسے؟“ تانیہ نے پوچھا تو وہ لاعلمی کے انداز میں سر ہلا کر بولا۔
”ہتا نہیں صبح تو اچھا بھلا تھا۔ اب ہتا نہیں کیا ہوا میں تو
صبح سے یہیں تھا۔“

”ٹھیک ہو جائے گا تمہارا بھائی تم پریشان مت ہو۔“
تانیہ نے پھر تسلی دی تب ہی جلال احمد تیز قدموں سے قریب
آئے تھے۔

”کیسا ہے محسن کہاں ہے؟“ احسن انہیں دیکھ کر ایک دم
اٹھ کھڑا ہوا اور ایمر جنسی روم کی طرف اشارہ کیا تو جلال احمد
ایک نظر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگے۔

”ٹھیک تو ہے کوئی سیریس بات تو نہیں؟“ احسن کے
پاس جواب نہیں تھا جیسی ان سنی کر کے پوچھا۔
”کیا ہوا تھا مونی کو؟“

”ہتا نہیں بیٹا تمہاری امی بتا رہی تھیں نشاء کے ساتھ بیڈ
منٹن کھیلتے ہوئے گرا تھا۔“

”ادگاؤ۔“ وہ پریشان ہوئے۔ ”مونی بیڈ منٹن کھیل رہا تھا
اب آپ کہاں تھے؟“ جلال احمد ان کا کندھا تھپک کر رہ گئے۔

”آپ میرے روم میں جا کر بیٹھیں میں تھوڑی دیر میں
آتا ہوں۔“ احسن انہیں بھیج کر پھر تانیہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔
ان کے چہرے پر اب غصہ بھی جھلکنے لگا تھا۔

”کیا ہوا؟“ تانیہ نے دھیرے سے پوچھا تو انہوں نے
نگلی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

”تم اپنے بھائی سے بہت محبت کرتے ہو۔“ تانیہ نے پھر کہا تو ان کا سر اثبات میں ہلا پھر کہنے لگے۔

”بہت..... خود سے بھی بڑھ کر چاہتا ہوں اسے اور میں صرف اسی کی خاطر ڈاکٹر بنا اسی کی خاطر اب اسپیشلائزیشن کے لیے امریکہ جا رہا ہوں تاکہ اس کا علاج میں خود کر سکوں۔ یہاں تو ابھی تک ڈائیکوز ہی نہیں ہو پایا کہ اس کے ساتھ پر اہلیم کیا ہے؟ کس چیز کی کمی یا زیادتی ہے اس میں جو وہ اپنی جان پر ذرا سی سختی برداشت نہیں کر پاتا۔ ڈھے جاتا ہے۔“

”شروع سے آئی مین پیدا کسی ایسا ہے یا کوئی حادثہ؟“ تانیہ نے پوچھا تو ان کا ذہن بہت پیچھے بھٹک گیا۔ اس وقت جب وہ آٹھ سال محسن پانچ سال اور نشاء چار سال کی تھی۔ تینوں چھت پر کھیل رہے تھے۔ محسن نشاء سے اس کی گڑیا چھین کر بھاگا تھا جس پر نشاء نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا تھا۔ ساتھ ساتھ احسن کو پکار رہی تھی اور احسن گڑیا لینے کی خاطر ہی محسن پر جھپٹے تھے جس سے اس کا توازن بگڑ گیا اور وہ چھت سے نیچے جا گرا تھا۔

”کیا سوچنے لگے احسن.....“ تانیہ نے ٹوکا تو جو نکتے ہوئے انہوں نے یوں جھرجھری لی تھی جیسے محسن ابھی ابھی گرا ہو۔



عشاء کی نماز کے بعد بھی ساجدہ بیگم جا نماز پر بیٹھی تھیں۔ ان کی انگلیوں سے تسبیح کے دانے بہت دھیرے دھیرے پھسل رہے تھے۔ نشاء کے آنے کا انہیں پتا ہی نہیں چلا یوں بھی ان کی آنکھیں بند تھیں۔

”تائی امی! نشاء نے ڈرتے ڈرتے پکارا تو وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگیں۔

”تائی امی میں نے کچھ نہیں کیا میری غلطی نہیں ہے۔ میں نے منع کیا تھا مونی کو لیکن وہ زبردستی.....“ نشاء روہا سی ہو کر بولی تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

”بس مفاہیاں دینے کی ضرورت نہیں۔“

”میں غلط نہیں کہہ رہی تائی امی! میرا یقین کریں۔“

وہ رو پڑی۔

”میرے یقین اور بھروسے ہی سے تو کھیل رہی ہو تم۔“

عجیب چھین چھین انشاء تڑپ گئی۔

”میں تائی امی ایسا نہ کہیں میں مر جاؤں گی لیکن آپ

کے یقین اور بھروسے کو نہیں نہیں پہنچا سکتی۔“

”بڑے بول مت بولو نشاء جاؤ اپنے کمرے میں۔“

ساجدہ بیگم نے ناگواری سے ٹوک کر تحکم سے کہا تو وہ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے میں آتے ہی بیڈ پر گر کر سسکنے لگی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ فوراً ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی دروازے کی طرف اس کی پشت تھی اور مارے خوف کے اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ جب احسن سامنے آ کر کڑے تیوروں سے اسے دیکھنے لگے تو اسے اپنے پیروں پر کھڑے ہوتا دو بھر ہو گیا تھا۔

”کیا تمہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ محسن کتنا نازک ہے؟“

”م..... میں نے منع کیا تھا لیکن مونی نہیں مانا۔ میرا

یقین کریں۔“ اس کی رندی آواز کا احسن پر اثر نہیں ہوا تھا۔

”کیا یقین کروں..... سب بتا ہے مجھے مونی نہیں

مان رہا تھا تو تم امی سے کہتیں وہ سمجھا سکتی تھیں اسے۔ پتا ہے

ناں میں مونی کے معاملے میں کتنا حساس ہوں۔ مجھے اپنی

جان سے بڑھ کر پیارا ہے وہ۔ اس کی طرف سے کوئی کوتاہی

کوئی غلطی میں برداشت نہیں کر سکتا سمجھ رہی ہوں ناں۔“

”آ..... ابھی کیسا ہے۔ ٹھیک تو ہے نا۔ مجھے اس کے

پاس لے چلیں۔“ وہ خود محسن کے لیے بہت پریشان تھی۔

”ابھی نہیں.....“ احسن نروٹھے پن سے کہہ کر جانے لگے

کس نے بے اختیار ان کا بازو تھام لیا۔

”آپ کہاں جا رہے ہیں؟“

”کہیں نہیں جا رہا میں تم سو آرام سے۔“ احسن

جھنجلائے تھے۔

”مجھے نیند نہیں آئے گی۔“ وہ پھر روہا سی ہوئی۔

”کیوں..... تمہیں نیند کیوں نہیں آئے گی۔“ انہوں نے

پیشانی پر ہل ڈال کر پوچھا۔ تو وہ منمنائی۔

”تب سب ناراض ہوں تو نیند بھی روٹھ جاتی ہے۔“

احسن نے ہونٹ پیچ کر غالباً خود کو کچھ کہنے سے روکا تھا۔ پھر

یک دم نرم پڑ گئے۔

”بے ڈونی کی باتیں مت کرو۔ کوئی تم سے ناراض نہیں

ہے۔ بس آ سندرہ احتیاط کرنا چلو اب سو جاؤ۔“

”آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ اس نے پھر پوچھا۔

”کہاں جاؤں گا مونی کو ہسپتال میں اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی کے پاس جا رہا ہوں اور تم پریشان مت ہو صبح مونی آجائے گا..... لو کے۔“ آخر میں انہوں نے خوب صورت مسکراہٹ اس کی نذر کی پھر ساجدہ بیگم کو تسلی دے کر وہ ہسپتال آگئے تو وہاں جلال احمد ان کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے جلال احمد کو گھر بھیج کر فریش جوس لے کر روم میں آگئے۔ محسن چھت پر نظریں نکائے سیدھا لیٹا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں نرمی سے لے کر گویا ہوئے۔

”تم کچھ عرصہ میری نہیں کر سکتے مونی، کیا ضرورت تھی اچھل کود کرنے کی یا پھر تمہیں ہم سب کو پریشان کرنے کا شوق چرایا تھا۔ تمہاری وجہ سے نشاء کو بھی ڈانٹ پڑی۔“ اسے کیوں ڈانٹا بھائی وہ تو منع کر رہی تھی۔ میں ہی زبردستی..... محسن کو فسوس ہوا۔

”تو کیا نتیجہ نکلا۔ تم صرف خود پر ہی نہیں ہم سب پر بھی ظلم کر رہے ہو۔ خدا نخواستہ کوئی سیریس بات ہو جاتی تو تم سے پہلے میں مر جاتا۔“ احسن کی آخری بات پر وہ رو ہانسا ہوا۔ ”بس کریں بھائی میں آئندہ ایسا کچھ نہیں کروں گا۔“ احسن نے ہونٹ پیچ کر خود پر قابو پایا پھر کہنے لگے۔ ”جانتے ہوتاں میری سب سے بڑی خواہش کیا ہے میں تمہیں اپنے ساتھ بھاگتا دوڑتا دیکھنا چاہتا ہوں اور ایک دن میری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی بس تم ہمت نہ ہارنا سمجھے..... وعدہ کرو تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔“ محسن نے پلکیں گرا کر گویا وعدہ کیا تھا۔

”تھینک یو۔“ احسن نے اس کا ہاتھ چوم کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا تھا۔



اس نے جمائی لے کر وال کلاک پر نظر ڈالی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔

”اف میری ماں.....“ وہ کچھ جھنجھلاہٹ اور غصے سے کتاب شیخ کر اٹھی اور تیزی سے کمرے سے نکل کر کچن میں داخل ہوتے ہی رک گئی اور تاسف سے ثریا کو دیکھنے لگی جو برتن دھونے میں مصروف تھیں۔

”آپ کے کام ختم نہیں ہوئے ابھی۔“ وہ خود پر ضبط کی کوشش ترک کر کے تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ ”بس کریں امی

رات کا ایک بج رہا ہے سوتے سوتے دو بج جائیں گے پھر صبح اذان کی آواز کے ساتھ ہی اٹھ بھی جائیں گی۔“ ”تو اس میں کیا برائی ہے کام کاج کرتے رہنے سے صحت اچھی رہتی ہے۔“ ثریا نے ٹل بند کرتے ہوئے کہا تو وہ طنزیہ ہنسی۔

”ماشاء اللہ بہت اچھی صحت ہے آپ کی۔ برسوں کی مریض لگتی ہیں۔ اللہ کے واسطے امی خود پر نہیں تو مجھ پر رحم کریں خدا نخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہو گا؟“ ”کچھ نہیں ہوتا مجھے خواخوہ و ہم مت کیا کرو۔“ ثریا نے پیار سے اس کا گال تھکا تو وہ زچ ہو گئی۔

”آپ نہیں مانیں گی چلیں اندر۔“ وہ ثریا کو کندھوں سے تھام کر پلٹی تو دروازے میں جاذب کو کمرے دیکھ کر کاٹ کھا۔ نے کے انداز میں پوچھنے لگی۔ ”اب تمہیں کیا چاہیے؟“

”وہ کافی مل جاتی تو؟“ وہ اپنی گدی کھجاتے ہوئے بولا۔ ”کافی.....!“ صبا نے دانت پیسے۔ ”رات کے ایک بجے تمہیں کافی ضرور پینی ہوتی ہے۔ اگر اتنا ہی شوق ہے تو خود بنا لیا کرو۔ ہم تمہارے نوکر نہیں ہیں۔“ ”صبا.....“ ثریا نے پریشان ہو کر اسے ٹوکا۔ ”یہ کیا بد تمیزی ہے۔ ایسے بات کرتے ہیں۔“

”جانے دیں پھپھو۔ میں اس کی بد تمیزیوں کا برا نہیں مانتا۔“ جاذب کے معصوم بننے پر وہ مزید سلگی۔ ”اوہو..... خود تو جیسے بڑے تمیز دار ہو۔“

”صبا تم کمرے میں جاؤ چلو شبااش۔ جاذب بیٹا تم اس کی باتوں کا برا مت مانتا۔“ ثریا نے ایک ساتھ دونوں کو مخاطب کیا۔ ”ارے نہیں پھپھو۔ آپ نہ پریشان ہوں۔ آپ کی خاطر میں اس کی کڑی گولیاں شہد سمجھ کر نگل لیتا ہوں۔“ وہ تسلی ثریا کو دے رہا تھا دیکھ اسے رہا تھا۔

”تو پھپھو کی خاطر کافی بھی خود ہی بنا لو یا اپنی ماں بہن سے کہو وہ بنادیں گی۔“ اس پر ثریا کے ٹوکنے کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ جاذب کو جلی کٹی سنا کر ثریا کو کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئی تھی۔

”بس اب آپ سو جائیں جاذب کی فکر میں گھٹنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔“ ”کافی بنانے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔“ ثریا کا دھیان اس

خان جنید کچھ ضروری کاغذات چیک کرتے ہوئے بار بار نظر پڑا اٹھا کر بنٹی کو دیکھ رہے تھے جو ناراض اور غصے میں لگ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ملازم اس کے سامنے جوس کا گلاس رکھ کر گیا تھا وہ ویسے ہی رکھا تھا۔ بنٹی نے اسے چھوا تک نہیں تھا۔ خان جنید نے کاغذات بریف کیس میں رکھ کر دوسرے صوفے پر بیٹھی مدیحہ کو دیکھا پھر بنٹی کو مخاطب کیا۔

”بنٹی بیٹا تم کیوں ایسے بی ہو کر رہے ہو کیا چاہیے تمہیں؟“

”کچھ نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے۔“ بنٹی نے بدتمیزی سے جواب دیا۔ خان جنید ضبط کر گئے۔

”پھر کیا پر اہلکم ہے؟“

”میں..... فیل کرتا ہوں بہت زیادہ۔“ بنٹی نے کوئی نئی بات نہیں کی تھی۔ خان جنید رنج ہو کر کہنے لگے۔

”اب اس کا میں کیا علاج کروں۔ تم اپنے فرینڈز کو بلا لیا کرو پھر گھر میں تمہارے پاس سب کچھ ہے کمپیوٹر نیٹ، موویز.....“

”بس پاپا میں اکتا گیا ہوں ان سب چیزوں سے میں زندہ انسانوں سے بات کرنا چاہتا ہوں جو میری سنیں اپنی سنائیں۔“ بنٹی نے تنگ ہو کر کہا تو خان جنید فوراً بولے۔

”تمہارے فرینڈز۔“

”سی کے پاس فالٹو ٹائم نہیں ہے پاپا۔ کوئی مجھ اپاچ کو زیادہ وزیر کمپنی نہیں دے سکتا۔“ بنٹی کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا۔ خان جنید نے جیسے لا جواب ہو کر مدیحہ کو دیکھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

”ایسا نہیں کہتے بنٹی تم اپاچ نہیں ہو اپنا ہر کام خود کر سکتے ہو۔“

”مت بہلائیں مجھے آپ۔“ بنٹی ناراض ہوا تو مدیحہ خاموش ہو گئی۔

”مدیحہ.....“ کچھ دیر رک کر خان جنید مدیحہ سے مخاطب ہوئے۔ ”بیٹا تم یہاں بنٹی کے پاس کیوں نہیں آ جاتیں۔“

”یہ کیسے ممکن ہے پاپا کہ میں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں بنٹی کے پاس آ جاؤں یا تو آپ کو میری شادی ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ مدیحہ ان سے کہہ کر بنٹی کی طرف گھوی۔ ”اور بنٹی تم کوئی چھوٹے بچے نہیں ہو تمہیں خود سمجھنا چاہیے فیل کرتے ہو تو اس

کی طرف ہی تھا۔

”کوئی دیر نہیں لگتی وہ اپنی اماں سے کہے یا بہن سے وہ بناوے گی۔“ اس نے زبردستی ثریا کو پلنگ پر بٹھاتے ہوئے کہا تو وہ عاجز ہو کر بولی۔

”کیوں ایسی باتیں کرتی ہو تم جب پتا ہے کہ کام کاج کی ساری ذمہ داری مجھ پر ہے پھر بار بار ٹوکنے کا مطلب؟“

”اف کتنے آرام سے کہہ دیا آپ نے ساری ذمہ داری آپ پر ہے اور باقی سب لوگ وہ کیا صرف کھانے کے لیے ہیں۔“ وہ پھر چڑی۔

”صرف کھانے کے لیے کیوں۔ ماشاء اللہ کمانے بھی ہیں اور شکر کرو دو وقت روٹی ہمیں بھی مل جاتی ہے۔“

”تو دو وقت روٹی کا قرض چکانی ہیں آپ۔“ اس نے دکھ سے ثریا کو دیکھا۔

”یہی سمجھ لو.....“ ثریا نے لیٹ کر اس کی طرف سے کروٹ بدلی تو کتنی دیر وہ ان کی پشت پر نظریں جمائے بیٹھی رہی پھر اٹھ کر لائٹ آف کی اور اپنی جگہ پر لیٹے ہی تکیہ منہ پر رکھ لیا۔ سسکیاں گھٹ گئی تھیں لیکن آنکھوں کا سیلاب سارے بند توڑ گیا تھا۔

صبح اس نے ناشتے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ بس گھونٹ گھونٹ چائے پیتی رہی اور ثریا اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہی بولی کچھ نہیں کھی کیونکہ اس کی آنکھیں شدت گریہ کا پتا دے رہی تھیں۔

چائے کے بعد وہ آرام سے تیار ہوئی پھر بیگ اٹھا کر کمرے سے نکلی تو لاؤنج میں نگار کو بیٹھے دیکھ کر اسے بے ساختہ ہلکی آگئی۔ نگار چہرے پر ماسک لگائے بالکل بت بنی بیٹھی تھی۔

”کچھ بھی کر لو کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔“ وہ شرارت سے کھنکھار کر بولی تو نگار سلگ گئی۔

”تم جلتی کیوں ہو۔“

”ارے ارے بولو مت چہرے پر مزید لکیریں پڑ جائیں گی۔“ اس نے ٹوکا تو نگار فوراً سابقہ حالت میں آ گئی۔

”میرا مشورہ مانو چہرے کی بجائے دل پر توجہ دو۔ دل صاف ہو تو چہرہ شاداب نظر آتا ہے۔“ وہ چھیڑنے سے باز نہیں آئی۔

”یہ نسخہ تم خود پر کیوں نہیں آزما تیں۔“ نگار پھر تلملائی تھی۔

”آزما کر ہی مشورہ دے رہی ہوں۔ ویسے تمہاری مرضی.....“ وہ کہہ کر ہنستے ہوئے باہر نکل آئی تھی۔

کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھے اور پاپا کو پریشان کرو۔ پاپا تمہارے لیے جو کر سکتے ہیں کر رہے ہیں اور کیا چاہتے ہو؟“

”آپ ایسا کریں آپنی مجھے تھوڑا فلور سے نیچے دھکا دے دیں۔ میں آپ کے لیے پرابلم ہوں ناں تو آپ لوگ اسی طرح مجھ سے چھٹکارہ حاصل کر سکتے ہیں۔“ بنٹی کی بات پر خان جنید خود پر قابو نہیں پاسکے غصے سے چلائے اٹھے۔

”جسٹ شٹ اپ بنٹی، جاؤ اپنے کمرے میں۔“

”پاپا پلیز۔“ مدیحہ نے سچی انداز میں خان جنید کو دیکھا پھر بنٹی سے بولی۔ ”تم پرابلم نہیں ہو بنٹی میں، پاپا، ہم سب تم سے پیار کرتے ہیں بیٹا لیکن ہماری کچھ مجبوریاں ہیں۔“

”ہونہ مجبوریاں.....“ بنٹی نے تشفّر سے سر جھٹکا پھر وہیل چیئر کا رخ موڑ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ دروازے سے داخل ہوئی صبا کو دیکھ کر اس کے وہیل پر حرکت کرتے ہاتھ رک گئے۔

”السلام علیکم!“ صبا نے قدرے فاصلے پر رک کر سلام کیا تو خان جنید قصد انجان بن کر پوچھنے لگے۔

”ہو آریو؟“

”شی از مائی ٹیچر.....“ صبا سے پہلے بنٹی بول پڑا۔ ”اسے میں نے اپائنٹ کیا ہے آپ کو کوئی اعتراض ہے؟“

”نہیں، لیکن.....“ خان جنید جانے کیا کہنے جا رہے تھے کہ بنٹی نے انہیں بولنے ہی نہیں دیا۔

”آؤ صبا میرے کمرے میں چلو۔“ صبا نے قدم بڑھانے سے پہلے خان جنید کو دیکھا اور ان کا اشارہ ملنے پر بنٹی کی چیئر دھکیلتی ہوئی اس کے کمرے میں چلی آئی۔

”تھینک گاڈ۔“ خان جنید نے اطمینان کا سانس لیا پھر مدیحہ کو صبا کے بارے میں بتا کر بولے تھے۔

”میرا خیال ہے یہ لڑکی بنٹی کو ٹیکل کر لے گی۔“

☆☆☆.....

اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے محسن کو جلال احمد کے ساتھ آتے دیکھا تھا اس کے بعد کتنی دیر انتظار کرتی رہی جب یقین ہو گیا کہ ساجدہ بیگم اور جلال احمد محسن کو آرام کرنے کی تاکید کر کے اپنے کمرے میں جا چکے ہوں گے تب وہ محسن کے کمرے میں آئی تو وہ جو سیدھا لٹا تھا گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کچھ سہمی ہوئی اور مجرم سی بنی کھڑی تھی۔

”وہاں کیوں کھڑی ہو یہاں آؤ۔“ محسن نے کہا تو وہ

دھیرے دھیرے چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آ گئی۔

”کیا بات ہے یوں منہ لٹکائے کیوں کھڑی ہو۔ زندہ ہوں، مرنے نہیں گیا۔“ محسن نے ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا پھر بھی اس نے سہم کر سبب اختیار اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”موننی، مت ایسی باتیں کیا کرو۔“

”کیوں مرنے نہیں ہے کیا جب ایک بات سٹے ہے تو پھر اس سے بھاگنا کیسا؟“ محسن باز نہیں آیا تو وہ منہ پھلا کر بولی۔

”میں جا رہی ہوں۔“

”اچھا چلو نہیں کروں گا ایسی باتیں، تم بھی اپنی شکل سیدھی رکھا کرو۔ ہر وقت منہ پر بارہ بجائے رکھتی ہو۔“

”میری شکل ہی ایسی ہے۔“ اس کا انداز ہنوز تھا۔

”ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مانتا ہوں۔“ وہ شرارت سے مسکرایا تب وہ اصل بات کی طرف آئی۔

”اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟“

”دیکھ لو بھلا چنگا ہوں، کوئی کام ہو تو بتاؤ۔“ محسن درحقیقت اسے مجرمانہ احساس سے نکالنا چاہ رہا تھا۔

”بس زیادہ طرم خان بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ آرام سے لیٹے رہو اور مجھے بتاؤ تمہیں کچھ چاہیے تو۔ میرا مطلب ہے کھانے پینے میں جوس وغیرہ.....“ اس نے قدرے رعب جما کر پوچھا تو وہ بدلی سے بولا۔

”میں نشاء یہ سب نہیں۔“

”پھر اور کیا لاؤں؟“ اس نے پوچھا تو وہ یکلخت آ زردگی میں گھر گیا۔

”لا سکتی ہو تو کوئی ایسی دوا لاؤ جسے پی کر میں زندوں میں شامل ہو جاؤں یا پھر مردوں میں۔ یہ درمیان کی کیفیت تو بڑی تھکا دینے والی ہے نشاء۔ تھک گیا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔

”موننی.....“ نشاء کے صرف ہونٹ ملے تھے۔ دل دکھ سے بھر گیا آنکھیں بھی جل تھل ہو گئی تھیں۔ کتنی دیر وہ ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر پلٹ کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔ جلال احمد کے کمرے سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے غور کیا تو وہ احسن سے بات کر رہے تھے۔ موضوع یقیناً محسن تھا۔ وہ دے پاؤں آگے بڑھی تو ساجدہ بیگم کو لابی سے نکلے دیکھ کر پھر رک گئی۔

”شالی کہاں ہے؟“ ساجدہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی

ملازمہ شالی کا پوچھا تو اس نے سر ہلا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔
 ”عجیب لڑکی ہے صبح سے کہہ رہی ہوں گیسٹ رومز کی صفائی کر دے۔“ ساجدہ بیگم نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

”کوئی مہمان آ رہے ہیں تائی امی؟“
 ”نہیں، تمہارے ابو آئیں گے۔“ ساجدہ بیگم کا انداز سرسری تھا وہ چونک گئی۔

”ابو..... کب آ رہے ہیں؟“
 ”ابھی کچھ ٹھیک سے بتایا نہیں ہے انہوں نے..... دو ہفتے یا دو مہینے بعد۔ ایسا ہی کچھ کہہ رہے تھے۔“

”اکیلے آئیں گے؟“ اس نے پھر پوچھا۔
 ”اکیلے کیوں بیوی بچوں کو کہاں چھوڑیں گے۔ انہیں بھی ساتھ لے کر آئیں گے۔“ ساجدہ بیگم کی ناگواری محسوس کر کے وہ خاموش ہو گئی تو پھر وہ خود ہی بولنے لگیں۔

”اچھا ہے ناں بلال احمد نے گھر بسا لیا تھا کم از کم بڑھاپے کا سہارا تو ہو گیا در نہ تو زندگی مشکل ہو جاتی پھر کوئی بیٹا بھی نہیں تھا اور بیٹیاں کب تک ساتھ دیتی ہیں۔ تمہارے لیے بھی اچھا ہے اگلے گھر جاؤ گی تو ساتھ یہ فکر تو نہیں ہو گی کہ ابو اکیلے ہیں۔ ایک طرح سے اطمینان ہی رہے گا۔“

”اطمینان.....“ وہ ساجدہ بیگم کو بولتا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ دل پر جانے کیسا بوجھ آن پڑا تھا۔

اسے بالکل یاد نہیں تھا کہ یہ وہ گھر میں کب آئی تھی۔ کب ساجدہ بیگم کی گود میں ڈالی گئی تھی نہ اسے اپنی ای کا پتا تھا ہوش سنبھالنے سے بھی پہلے سے وہ خود کو یہیں دیکھ رہی تھی۔ اس وقت اس کے ابو بلال احمد بھی ساتھ تھے۔ پھر ابھی وہ لڑکپن کی عمر میں ہی تھی کہ اس کے ابو بھی اسے چھوڑ کر سات سمندر پار جا بسے۔ شروع میں وہ انہیں بہت یاد کرتی تھی لیکن پھر وقت نے سب بھلا دیا اور وہ اس گھر کے مکینوں کو ہی اپنا سب کچھ سمجھنے لگی۔ جلال احمد ساجدہ بیگم پھر احسن اور محسن نے بھی اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ ابھی بھی سب اس سے بہت محبت کرتے تھے وہ بھی سب پر جان چھڑکتی تھی اور یہ فطری بات تھی کیونکہ اپنی اب تک کی زندگی میں اس نے ان رشتوں کے علاوہ کسی اور کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ البتہ کبھی کبھی سوچتی ضرور تھی۔ خصوصاً اپنی ماں کو جس کے بارے میں جب بھی اس نے ساجدہ بیگم سے پوچھا تو خواہ وہ اس وقت اس سے کتنے لاڈ کر رہی ہو تیں اس کے

سوال پر خاموشی اختیار کر لیتی تھیں۔ ایسی خاموشی جو اسے مزید کچھ پوچھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی جبکہ احسن اور محسن لاعلمی کا اظہار کرتے تھے کہ انہیں کچھ پتا نہیں، بہر حال ایک معمر تھا جسے جب کبھی وہ سوچنے یا حل کرنے کی کوشش کرتی اس کا دھیان بٹ جاتا یا بٹا دیا جاتا اور پھر دنوں، مہینوں اسے خیال نہیں آتا تو اس کی وجہ سب کی محبتیں تھیں جن میں وہ پروان چڑھی تھی اور اب تو ان محبتوں میں ایک اور رنگ بھی شامل ہو گیا تھا اور وہ تھا احسن کا اظہار جس نے اس کے دل کی دنیا تہہ و بالا کر دی تھی۔ محبت کا یہ رنگ سب رنگوں پر حاوی ہو گیا چھٹا اور وہ ٹین اٹیج لڑکی سہانے سپنوں میں کھو کر یہ بھول ہی گئی کہ کوئی اور بھی اس کا دعویدار ہو سکتا ہے۔

”ابو جی کیوں آ رہے ہیں؟“ اس نے سوچا تھا کہ احسن نے کمرے میں داخل ہو کر اسے پکارا۔

”نشاء.....“ وہ چونکی اور پلٹیں جھپک کر آنکھوں میں ٹھہری نمی اپنے اندر اتارنے لگی۔

”کیا بات ہے تم رو رہی ہو؟“ احسن اس کا چہرہ دیکھ کر ٹھٹھکے تھے۔ ”کسی نے کچھ کہا ہے؟“

”نہیں مجھے کہاں کوئی کچھ کہتا ہے سب اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے۔ تایا ابو تائی امی، مونی، آپ.....“ وہ زبردستی مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھ نہیں پارہی تھی۔

”نشاء ادھر میری طرف دیکھو۔“ انہوں نے ٹوکا تو وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

”کیا پاگل پن ہے یار..... مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔ میری کوئی بات بری لگی ہے..... بتاؤ۔“ انہوں نے اس کی دونوں کلائیاں تھام کر چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹائے تو نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے منہ سے بلا ارادہ نکلا تھا۔
 ”ابو جی.....“

”کیا ابو جی..... فون آیا تھا چچا جان کا۔ انہوں نے کچھ کہا ہے۔“ احسن نے اس کی کلائیاں چھوڑ کر پوچھا۔
 ”نہیں، وہ آ رہے ہیں۔“ اس نے بتایا تو وہ حیران ہوئے۔

”ارے یہ تو خوشی کی بات ہے۔“
 ”ہاں، لیکن میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“ اس کے خدشے پر انہیں بے طرح پھانسا۔
 ”بے وقوف، تمہیں کون جانے دے گا۔ تم یہیں

رہو گی ہمیشہ۔“

”سچ..... آپ سچ کہہ رہے ہیں نا۔“ اس کی خوشی میں ہلکی سی غیر یقینی بھی تھی۔

”یہ تو تم پر منحصر ہے کہ تم یہاں رہو یا ان کے ساتھ۔“ انہوں نے کہا تو وہ فوراً بولی تھی۔

”میں نہیں رہوں گی۔“



راحیلہ خاتون پورے دھیان سے نگار کی بات سن رہی تھیں جب ہی انہیں جاذب کی آمد بری لگی تھی۔

”اچھا امی میں جا رہا ہوں۔“ جاذب عجلت میں تھا اور راحیلہ خاتون نے اس سے زیادہ عجلت دکھائی۔

”جاذب بیٹا اللہ کی امان۔“ لٹھ مار کر وہ پھر نگار کی طرف متوجہ ہوئی تھیں کہ صبا کی آواز پر تھملا گئیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔

”رکو جازمی میں بھی چل رہی ہوں۔“ جاذب نے بوکھلا کر راحیلہ خاتون کو دیکھا ان کی پیشانی پر بے شمار بل پڑ گئے تھے۔

”تنت..... تم کہاں جا رہی ہو؟“ راحیلہ خاتون کو سنانے کی خاطر جاذب نے اپنے سینے صبا پر عب ڈالا تھا۔

”مجھے ایک جگہ جانا ہے۔ ڈراپ کر دینا۔“ صبا صورت حال سے محفوظ ہو کر بولی تھی۔

”سوری مجھے پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔ اچھا امی خدا حافظ۔“ جاذب تیزی سے نکل گیا۔

”جاسکتی ہوں میں کسی کی محتاج نہیں ہوں۔“ صبا بھی اونچی آواز میں بولتی ہوئی نکل گئی تھی۔

”دیکھا امی!“ نگار نے فوراً راحیلہ خاتون کو اکسایا۔

”دیکھ رہی ہوں سب دیکھ رہی ہوں ان ماں بیٹی کے لپٹھن اور جاذب کو بھی دیکھ رہی ہوں بہت چالوسی کرنے لگا ہے ثریا کی۔ ضرور کچھ کھول کر پلا رہی ہے میرے بیٹے کو۔“

راحیلہ خاتون جل کر بولیں تھیں۔

”بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ مجھے تو شروع سے پھوکی نیت ٹھیک نہیں لگی زبردستی صبا کو جاذب کے سر تھوپنا چاہتی ہیں۔“ نگار نے کہا تو وہ دانت پیس کر بولیں۔

”میری جوتی یہ کلمو ہی رہ گئی ہے میرے جاذب کے لیے۔“

”ارے امی آپ بہت بھولی ہیں آپ کو ہاتھی نہیں انداز ہی انداز کیا کچھڑی پکد ہی ہے۔“

”ذرائع بھی سنوں۔ کیا کچھڑی پک رہی ہے بتاؤ۔“ راحیلہ خاتون نے کڑے تیوروں سے نگار کو دیکھا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

”رہنے دیں امی۔ آپ بس جاذب کو ٹائٹ رکھیں۔“

”ارے جاذب میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ سانس بھی مجھ سے پوچھ کر لیتا ہے۔“ راحیلہ خاتون نے اپنا سینہ ٹھونک کر کہا۔

”اچھا چھوڑیں میں آپ کو عمیر کے بارے میں بتا رہی تھی۔“ نگار کے یاد دلانے پر وہ پھر پورے دھیان سے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”ڈینٹس میں رہتا ہے عمیر بہت امیر کبیر باپ کا بیٹا ہے۔ کل کالج کے بعد وہ مجھے پی سی لے گیا تھا۔ وہیں ہم نے سچ کیا۔ سچ امی بہت مزہ آیا اتنا شاندار ماحول اور ایسا اعلیٰ کھانا سچ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی پی سی میں سچ کروں گی۔“

نگار ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔

”کیوں نہیں۔ تمہاری قسمت تمہیں اس سے بھی اونچا لے جائے گی۔ دیکھنا کس شان سے رخصت کروں گی تمہیں۔“

”پہلے اس صبا کی بچی کو دفعتاً کریں امی اس کے ہوتے تو میرا کچھ نہیں بننے والا۔“ نگار کو گویا صبا کے مقابلے میں اپنی کم روی کا احساس تھا۔

”ارے اس کا تو میں ایسا بندوبست کروں گی کہ یاد رکھے گی اور تم دیکھنا میں.....“ نگار کا سیل فون بجتے سے راحیلہ خاتون کی بات ادھوری رہ گئی۔

”عمیر کا فون ہے۔“ نگار سیل فون کان سے لگا کر کمرے سے نکل گئی تو راحیلہ خاتون کچھ سوچ کر انھیں پھر وندتا ہوئی ثریا کے سر پر جا پہنچیں۔

”ثریا..... یہ صباروز بن ٹھن کر کہاں جاتی ہے؟“

”جی.....“ ثریا خائف ہوئی۔

”میں پوچھ رہی ہوں صبا کہاں گئی ہے؟“ راحیلہ خاتون نے مزید تیز لہجے میں اپنی بات دہرائی تو ثریا دیرے سے بولی۔

”کالج.....“

”اب کون سا کالج؟“ راحیلہ خاتون کے بعد کون سی پڑھائی ہوئی ہے بی بی۔ تم بھی پڑھی لکھی ہو جاہل نہیں ہواتا تو تمہیں

100

بھی پتا ہوگا۔“

نے گھر سے کافی فاصلے پر گاڑی روکی تو اس نے اترنے سے انکار کر دیا۔

”جی پتا ہے وہ اصل میں آج کالج میں.....“

”سنو..... اگر تم میری مجبوری نہیں سمجھو گی تو کون سمجھے گا۔ اصل میں ای ذرا پرانے خیالات کی ہیں اور تم ان کے سامنے ہی.....“ جاذبِ تنجیدہ ہو کر اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ بول پڑی۔

”بس زیادہ صفائیاں مت دو۔“ راحیلہ خاتون اس کی بات کاٹ کر دھاڑیں۔ ”سب جانتی ہوں میں۔ تم کیسی ماں ہو ذرا فکر نہیں جو ان جہان لڑکی روز نکل جاتی ہے کل کلاں کو کوئی بات ہو گئی تو۔“

”بھابی.....“ ثریا نے بے اختیار ٹوکا۔

”ان کے سامنے نگار تو بڑے آرام سے اپنے یونیورسٹی فیلوز کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھ کر آتی ہے تب تو مای جی بہت روشن خیال بن جاتی ہیں۔“

”اوہو بہت بری لگ گئی میری بات جب زمانہ انگلیاں اٹھائے گا تب کس کس کو روکو گی۔ میں کہتی ہوں لگام ڈال کے رکھو بیٹی کو۔ کوئی بات ہو گئی تو ہم ذمہ دار نہیں۔ بھبی۔“ راحیلہ خاتون نے آخر میں نخوت سے سر جھٹکنا تھا۔

☆ ☆ ☆

”کیوں نگار آسمان سے اتری ہے کیا۔“ وہ تڑخ کر بولی اور اس کے ہونٹ بھینچے براہِ دم دروازہ کھول کر اتری اور تیز قدموں سے چلتی گھر آ گئی۔ اسے جاذبِ پر جس قدر غصہ تھا اس سے کہیں زیادہ دکھ اس کی بزدلی پر تھا۔ محبت کے دعوے تو بہت کرتا تھا لیکن اتنی ہمت نہیں لگتی کہ راحیلہ خاتون کی موجودگی میں اس سے بات کر سکے۔ وہ اگر اس کے لیے دل میں نرم گوشہ نہ رکھتی تو کب کی اس کی محبت پر لعنت بھیج چکی ہوتی۔ یہاں اپنے دل کے ہاتھوں وہ بھی مجبور تھی۔ جس نے لڑکپن کی حدود پار کرتے ہی اس کے نام پر دھڑکنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جاذب نے اس کی آنکھوں میں ایسے خواب سجائے تھے جن سے اب دستبردار ہونے کو وہ تیار ہی نہیں تھی۔ اس وقت وہ بری طرح جھنجھلا رہی تھی اسے گالیاں بھی دیں پھر ہمیشہ کی طرح سر جھٹک کر کچن میں آ گئی اور رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔

وہ کالج سے نکلی تو جاذب پہلے سے موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی گاڑی اس کے قریب لے آیا اور اس کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ غصے سے بولی۔

”خبردار جو مجھے لفٹ دینے کی کوشش کی۔ میں ہرگز تمہاری گاڑی میں نہیں بیٹھوں گی۔“

”تمہاری مرضی۔“ جاذب نے کندھے اچکائے پھر ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کے اندر کھینچ کر دروازہ بند کر دیا۔

”اب جتنا مرضی برا بھلا کہنا ہو کہہ لو۔“

”تو کیسی سڑی گری ہے۔“ وہ نیکسرا انجان بن کر اپنا چہرہ چھپتھپانے لگی۔

”ہاں اب سورج سے لڑنا شروع کر دو کہ وہ اتنی آگ کیوں برساتا ہے خصوصاً جب تم گھر سے نکلتی ہو۔“ وہ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

”میں تمہارا مطلب اچھی طرح سمجھتی ہوں۔“ اس کے تکیے انداز پر وہ مسکرانے لگا۔

”اسی لیے تو تم مجھے اچھی لگتی ہو۔ تمہارے ساتھ مغز ماری نہیں کرنی پڑتی فوراً بات پک کر لیتی ہو۔“

”کاش یہ کوالٹی تم میں بھی ہوتی۔“ وہ حسرت سے بولی۔

”کیا مطلب؟“ وہ پوچھ کر شپٹایا۔ ”میں تمہارا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔“

”ہا ہا ہا.....“ وہ زور زور سے ہنسنے لگی تو اپنی خجالت مٹانے کو جاذب نے شپ آن کر دیا۔ تیز میوزک میں صبا کی ہنسی دب گئی بھبی جس کا بدلہ اس نے یوں لیا کہ جب ہمیشہ کی طرح جاذب

”کیا پک رہا ہے؟“ وہ سالن بھون رہی تھی جب نگار نے آ کر پوچھا تو وہ جل کر بولی۔

”بھیبجا.....“ نگار بد مزہ ہو کر چلتی۔ ”یہ بھیبجا پکانے کا مشوہ کرنا ہے دیا تم کو۔“

”کبھی نے نہیں اپنی مرضی سے پکا رہی ہوں۔“

”اوہو تمہاری مرضی کب سے چلنے لگی۔“ نگار کے طنز کو اس نے کوئی اہمیت نہیں دی اپنے کام میں مصروف رہ کر بولی۔

”جب سے میں اس دنیا میں آئی ہوں۔“

”لیکن اس گھر میں تمہاری مرضی نہیں چلے گی۔ ایسا ہی شوق ہے تو اپنے گھر.....“

نگار کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ چیخ زور سے پتلی میں بیچ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ ثریا جانے کہاں تھیں۔ اس نے دیکھنے جانے کی سعی نہیں کی اور سرتک چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔ گو کہ اسے پہلی بار ایسا کچھ سننے کو نہیں ملا تھا وہ بچپن سے ایسی باتیں سنتی آرہی تھی، کبھی کسی فرمائش پر کبھی بچکانہ ضد پر اور اس کے سارے شوق تو اس ایک بات کی نذر ہوئے تھے کہ یہ اس کے باپ کا گھر نہیں ہے اور اس کے باپ کا گھر کہاں تھا وہ سوچتے سوچتے سو گئی تھی۔

پھر رات کے کھانے پر ثریا نے اسے اٹھایا تو وہ اٹھ تو گئی لیکن کھانے سے انکار کر دیا۔

”بری بات بیٹا رزق سے منہ نہیں موڑتے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ چلو شاباش کھا لو.....“ ثریا نہ جانتے ہوئے بھی جان گئی تھی کہ ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو وہ ناراض ہو کر سو گئی تھی۔

”نہیں کھاؤں گی۔“ اس کے غصے میں ضد بھی شامل ہو گئی۔

”کب تک بھوکی رہو گی۔“ ثریا نے نرمی سے اس کا گال چھوا تو وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

”جب تک آپ مجھے سچ نہیں بتائیں گی۔“
”کیا سچ کیا جانا چاہتی ہو تم۔“ ثریا عاجز ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

”بہت کچھ سب سے پہلے تو یہ بتائیں میرے پاپا کہاں ہیں؟“ اس کے پوچھنے پر ایک لمحہ کو ثریا کا چہرہ تاریک ہوا تھا پھر وہ بنا کچھ کہے اٹھنا چاہتی تھیں کہ صبا نے سختی سے ان کی کلائی پکڑ لی۔

”بتائیں امی..... مجھے بتائیں میرے پاپا کہاں ہیں؟ ان کا گھر کہاں ہے؟“ اس کا انداز ایسا جارحانہ تھا کہ اگر ابھی اسے نہیں بتایا گیا تو جانے وہ کیا کر ڈالے گی۔ ثریا نے خود کو بے بسی کی انتہاؤں پر محسوس کیا پھر بمشکل خود کو بولنے پر آمادہ کر کے گویا ہوئی۔

”اب مجھے نہیں پتا بیٹا کیونکہ میں جس گھر سے نکالی گئی تھی وہ گلشن اقبال میں تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تم دو سال کی تھیں اور نشاء چھ مہینے کی۔ اس کے بعد ماہ و سال کا حساب تم خود لگا لو۔ مجھے نہیں معلوم تمہارے پاپا نے کب وہ گھر چھوڑا اور کہاں چلے گئے؟ چاہے تم میرا یقین کرو یا نہ کرو یہی سچ

ہے کہ مجھے تمہارے پاپا کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔“
”آپ نے جاننے کی کوشش بھی نہیں کی؟“ اس نے پوچھا تو ثریا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”کیوں..... میرا مطلب ہے نشاء کے لیے کیا آپ کو یاد نہیں آتی، وہ چھ ماہ کی بچی آپ کی یا متا نہیں تڑپتی اس کے لیے۔“ وہ جانے اتنی سفاک کیسے ہو گئی تھی کہ ثریا کو کٹہرے میں کھینچ لائی تھی۔

”اگر ایسی ہی سنگ دل اور ظالم تھیں آپ تو مجھے بھی وہیں چھوڑ دیتیں کیوں لے آئیں اپنے ساتھ۔“

”صبا.....“ ثریا کا ہاتھ بے اختیار اٹھا اور اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔ وہ سنائے میں آگئی۔

”ایسا ہی پچھتاوا ہے تو جاؤ چلی جاؤ رہ لوں گی میں تمہارے بغیر بھی۔“ ثریا نے کہہ تو دیا لیکن پھر اپنے آنسو نہیں روک سکی تھی۔

”امی.....“ صبا نے تڑپ کر اسے اپنی بانہوں میں لیا تھا۔

حسن اٹھنے کا ارادہ کر رہی رہے تھے کہ تانیہ آگئی اور ان کے سامنے چیر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”تو اب عنقریب تمہاری امریکا روانہ ہے۔“
”ہوں.....“ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے حسن نے چیر کی بیک سے ٹیک لگائی پھر پوچھنے لگے۔ ”ارادہ تو تمہارا بھی تھا پھر تم نے کیمنسل کیوں کر دیا؟“

”اپنی ماما کی وجہ سے حالانکہ وہ تو چاہتی ہیں کہ میں ہائر اسٹڈیز کے لیے امریکا جاؤں لیکن میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔“ تانیہ نے کہا تو حسن چونک کر پوچھنے لگے۔

”کیا مطلب گھر میں اور کوئی نہیں؟“
”نہیں بس میں اور ماما ہیں۔ پانچ سال پہلے پاپا کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیڑھ تھہ ہو گئی تھی۔“

”اوہ ویری سیڈ اور بہن بھائی؟“ حسن کو واقعی محسوس ہوا اور خود پر حیرت بھی کہ وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔

”کوئی نہیں۔ اکلوتی ہوں۔“

”پھر تو تمہارا فیصلہ ٹھیک ہے۔ تمہیں اپنی ماما کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔“ انہوں نے کہا تو تانیہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

”کیا کروں مگر یہ بات نہیں مانتی، کہتی ہیں جب تمہاری شادی ہو جائے گی تب بھی تو میں اکیلی ہو جاؤں گی۔“

”بات تو ان کی بھی ٹھیک ہے۔“ وہ بے اختیار بولے۔

”یہ بھی ٹھیک ہے وہ بھی ٹھیک ہے تو پھر غلط کیا ہے؟“

تانیہ نے الجھ کر انہیں دیکھا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

”اصل میں ہمارا الیہ یہ ہے کہ ہم وقت پر صبح اور غلط میں تمیز نہیں کر پاتے بس جو ہمیں بظاہر صحیح لگ رہا ہوتا ہے ہم اسے ہی صحیح مان لیتے ہیں۔ پھر باقی کا سارا وقت خود فریبی میں مبتلا رہتے ہیں۔“

”تم اپنی بات کرؤ کیا تم مطمئن ہو۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ جس بھائی کی خاطر تم یہاں کی اچھی خاصی پریکٹس چھوڑ کر امریکا جا رہے ہو واپس آ کر اسے زندگی دے سکو گے؟“ تانیہ نے ان کی ساری بات سن کر پوچھا تو ایک پل کو ان کا چہرہ تاریک ہوا تھا پھر فوراً سنبھل بھی گئے۔

”زندگی دینا میرا کام نہیں ہے تانیہ مجھے اس کی بیماریوں سے لڑنا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں اس کی تمام بیماریوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

”ان شاء اللہ۔“ تانیہ نے خلوص دل سے کہا۔

”میں تمہارے لیے دعا کرتی رہوں گی..... اور ہاں تم نے اپنے بارے میں تو بتایا نہیں آئی مین خود اپنے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟“

”فی الحال میرا ایک ہی مقصد ہے ایک ہی خواہش ہے کہ میرا بھائی ٹھیک ہو جائے اس کے بعد اپنے بارے میں بھی سوچ لوں گا۔“ وہ ایک دم خاموش ہوئے پھر ٹیبل پر ذرا آگے جھک کر تانیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔

”ایک بات بتاؤ تم لڑکیوں کو گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت کیوں ہوتی ہے۔ سیدھے صاف لفظوں میں پوچھ لیا کرو۔ شادی کب کرو گے کس سے کرو گے کوئی چکر چل رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔“

”سوری مجھے ایسا کچھ نہیں پوچھنا۔“ تانیہ فوراً انجان بن گئی وہ پھر بھی باز نہیں آئے۔

”شیور.....“ ان کی آنکھوں میں ہلکی سی شرارت تھی۔ تانیہ کندھے اچکا کر اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی اس کے ساتھ چل پڑے۔ لابی سے نکل کر کوریڈور میں آتے ہی تانیہ رک کر انہیں دیکھنے لگی۔

”کیا ہوا؟“

”اسپتہم سے کب ملاقات ہوگی بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے کہ بتا نہیں پھر کبھی تم سے ملاقات ہوگی بھی کہ نہیں۔“ تانیہ نے ان کے ٹوکے پر کہا تو وہ فوراً بولے تھے۔

”کیوں نہیں میں واپس نہیں آؤں گا۔ یہاں سے مراو اسی شہر میں۔ ہاں اگر تم بیاہ کر کہیں دور دیس سدھار گئیں تب مشکل ہے۔ ناممکن پھر بھی نہیں۔“

”تم بہت عجیب ہو احسن۔“ وہ جانے کیوں چڑی تھی۔

”میں سمجھا نہیں۔“ وہ واقعی حیران ہوئے۔

”یہی تو ساری مشکل ہے کہ تم کچھ نہیں سمجھتے یا شاید سمجھنا چاہتے ہی نہیں۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ تمہارے جانے کے سارے انتظامات مکمل ہو گئے؟“ وہ خود ہی بات بدل گئی۔

”ہاں بس اب یہ چند دن اپنی فیملی کے ساتھ گزاروں گا۔ اس کے بعد فلائی کر جاؤں گا۔“

”فون کرو گے؟“

”کبھی کبھی۔“ انہوں نے کہتے ہوئے رسٹ وائچ پر نظر ڈالی تو ایک دم یاد آیا کہ انہیں نشاء کو کالج سے پک کرنا ہے۔

”اوہ سوری تانیہ مجھے اپنی کزن کو پک کرنا ہے۔“

”کہاں سے؟“

”کالج سے۔ اد کے چلتا ہوں۔“ وہ بہت عجلت میں اسے خدا حافظ کہہ کر پارکنگ کی طرف بڑھے تھے۔

پھر بیس منٹ کا راستہ پندرہ منٹ میں طے کر کے وہ کالج پہنچے تو اپنے انتظار میں کھڑی نشاء کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹک گئے۔ وہ گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور اس کے قریب کھڑا لڑکا جانے کون تھا اور نشاء سے کیا کہہ رہا تھا ان کا بہر حال خون کھول گیا۔ فوراً دروازہ کھول کر گاڑی سے اترنا چاہتے تھے کہ اسی وقت نشاء کی ان پر نظر پڑی اور وہ تقریباً بھاگتی ہوئی آ کر گاڑی میں بیٹھی گئی۔ انہوں نے نشاء کو دیکھا پھر اس لڑکے کو جو چند قدم نشاء کے پیچھے کر رک گیا تھا۔

”کون ہے؟“ انہوں نے نشاء سے پوچھا گھبرا ہوا سر دلہجہ تھا۔

”پپ..... بتا نہیں میں نہیں جانتی۔ بالکل نہیں جانتی۔“ وہ رو دینے کو ہو گئی تھی۔

”کچھ کہہ رہا تھا؟“ ان کا انداز ہنوز تھا۔

”نن..... نہیں کچھ نہیں۔ آپ چلیں ناں۔“

”تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو۔ اس نے کچھ کہا ہے تو بتاؤ۔“
انہیں نشاء کے گھبرانے پر غصہ آ گیا۔

”میں نے کہا ناں اس نے کچھ نہیں کہا“ بس آپ چلیں۔“
نشاء رونے لگی تو انہوں نے ایک نظر اس لڑکے کو دیکھا جو اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا پھر جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولے۔

”بند کرو رونا.....“ نشاء خائف ہو کر اپنے آنسو پوچھنے لگی پھر کنکھیوں سے انہیں دیکھا ان کے ہونٹ بھنپے ہوئے اور پیشانی پر گہری لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔ نشاء مزید خائف ہو گئی۔ پھر گاڑی روکتے ہی وہ نشاء کی طرف دیکھے بغیر اس سے پہلے اتر کر اندر آ گئے اور سیدھے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ٹیلی فون کی بیل پر بلا ارادہ انہوں نے رک کر ریسیور اٹھا لیا تھا۔

”ہیلو.....“

”نشاء سے بات کرادیں پلیز۔“ دوسری طرف غالباً وہی لڑکا تھا احسن کے اعصاب تن گئے۔ خود پر کنٹرول کرتے ہوئے انہوں نے گردن موڑ کر دیکھا تو نشاء وہیں رک گئی۔
”تمہارا فون ہے۔“ انہوں نے ریسیور اس کی طرف بڑھایا لیکن وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

”ریسیو کرو۔“ انہوں نے حکم سے کہا اور ریسیور نیچے رکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ نشاء سہی ہوئی آگے بڑھی اور کانپتے ہاتھوں سے ریسیور اٹھایا۔

”ہا.....ہیلو۔“ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔
”نشاء..... مجھے غلط مت سمجھو میں.....“ نشاء نے گھبرا کر ریسیور رکھ دیا۔ اس کی ٹانگیں کاپنے لگی تھیں۔

احسن نے اس کے کانپتے وجود کو نوٹس کیا پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئے تھے۔



نشاء خود کو تھینتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اس کے ہاتھ ہیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ خود کو بیڈ پر گرا کر اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا تھا۔

”اف یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کون تھا وہ جو میرا نام بھی جانتا ہے اور گھر کا نمبر بھی پہلے تو میں نے اسے بھی نہیں دیکھا۔ یہ اچانک کہاں سے آ گیا۔ اور احسن.....“ اس کا دل ڈوبنے لگا۔

”احسن تو شاید یہ سمجھ رہے ہیں جیسے میں پہلے سے..... نہیں میں نہیں جانتی اسے میں نہیں جانتی۔“ وہ آخری جملے کی تکرار کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی وہ سب کچھ سہہ سکتی تھی احسن کی بدگمانی نہیں۔ اپنی ساری ہمتیں یکجا کر کے وہ احسن کے دروازے پر آئی اور ہلکے سے دروازہ ٹاک کیا تو چند لمحوں کی تاخیر سے دروازہ کھولنے کے ساتھ ہی احسن نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

”کیا بات ہے؟“

”آپ..... آپ کو میری بات کا یقین کیوں نہیں ہے۔“ وہ ان کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کر پارہی تھی۔
”کون سی بات کا؟“ ان کا انداز ہنوز تھا۔ البتہ اس کے لیے اعداد آنے کا راستہ چھوڑ دیا تھا۔

”وہ..... میں نے کہا ناں میں اسے نہیں جانتی۔ میں نے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا۔ مجھے نہیں پتا وہ کون ہے اور مجھ سے کیا کہنا چاہ رہا تھا۔“ وہ الجھا الجھ کر بول رہی تھی۔

”میں نے تم سے کچھ کہا ہے کچھ پوچھا ہے؟“ وہ کہتے ہوئے اس کی طرف سے رخ موڑ گئے تو وہ روہانسی ہو گئی۔

”بدگمان تو ہو رہے ہیں ناں اور مجھ سے آپ کی بدگمانی برداشت نہیں ہو رہی۔“ احسن کچھ نہیں بولے تو اس نے آنسو پونچھ کر پھر ہمت باندھی۔

”آپ جانتے ہیں میری زندگی میری سوچیں اسی گھر سے شروع ہو کر اسی گھر پر ختم ہوتی ہیں۔ اس سے آگے کیا ہے میں نے بھی جاننے کی جستجو بھی نہیں کی پھر آپ میرا یقین کیوں نہیں کر رہے۔ میں نہیں جانتی اسے۔“

”وہ تو تمہیں جانتا ہے۔“ وہ ایک دم اس کی طرف گھومے تھے۔ ”تمہارا نام پتہ سب پورے یقین سے کہہ رہا تھا کہ نشاء سے بات کرادیں۔ کوئی اتنا کونفیڈینٹ کیسے ہو سکتا ہے؟“ ان کے شاکی اعداد پر وہ رونے لگی۔

”آپ کا مطلب ہے میں.....“ احسن اس کے رونے سے پریشان ہو گئے۔

”نہیں نشاء میں تمہیں الزام نہیں دے رہا مجھے تم پر یقین ہے بھروسہ ہے لیکن یہ بھی تو پتا چلے کہ وہ کون ہے؟ کیسے جانتا ہے تمہیں اور کیا چاہتا ہے یا تم چاہتی ہو میں یہ ساری باتیں نظر انداز کر دوں۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ میں تو ایک دو دن میں چلا جاؤں گا پھر کیا تم اسے فیس کر سکو گی۔ بتاؤ؟“ وہ نفی میں سر

جاری رکھنی ہے۔ یہ میری خواہش ہے۔ سمجھی تم۔“ انہوں نے ڈانٹ کر کہا تو وہ روٹھ کر بولی۔

”تو آپ ڈانٹ کیوں رہے ہیں؟“
”پیارے سمجھتی جو نہیں ہو۔“

”سمجھ تو گئی ہوں۔“ ہنوز روٹھا انداز تھا۔
”کیا سمجھ گئی ہو۔“

”یہی کہ مجھے اپنی تعلیم جاری رکھنی ہے کیونکہ بی آپ کی خواہش ہے۔“ اس نے ان کی بات دہرائی تو وہ فوراً بولے۔

”میری ایک اور خواہش بھی ہے۔“
”کیا؟“ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو احسن چند لمحے رک کر بولے۔

”وعدہ کرو میرے جانے کے بعد محسن کا خیال رکھو گی۔“
”میں کیا اب خیال نہیں رکھتی۔“ وہ شاکی ہوئی۔
”رکھتی ہو لیکن اب تمہیں میری جگہ بھی لینی ہو گی۔ خاص طور پر دوا کی طرف سے کبھی بے پروائی نہیں ہونی چاہیے۔“
انہوں نے کہا تو وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی۔

”کوئی زبردستی نہیں ہے نشاء میرا مطلب ہے اگر تم یہ ذمے داری اٹھا سکو تب تو وعدہ کرنا اور نہ منع کر دو۔ میں ناراض نہیں ہوں گا۔“

”نہیں میں خیال رکھوں گی۔“ وہ فوراً بول پڑی۔
”وعدہ کرتی ہوں مونی کی طرف سے کبھی بے پروائی نہیں کروں گی۔“

”تمہینک یو..... تمہینک یو نشاء.....“ انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ نروس ہوئی۔

.....☆☆☆.....

صبا بنٹی سے ضروری کام کا کہہ کر جلدی وہاں سے نکل آئی تھی۔ پھر اس نے گلشن اقبال جہاں کا ایڈریس اس نے ثریا سے لیا تھا وہاں اپنے پاپا بلال احمد کے بارے میں معلوم کیا اور یہ جان کر بلال احمد پندرہ سال پہلے وہ گھر فروخت کر چکے تھے وہ سخت مایوس گھر لوٹی تھی اس کے انداز میں عجیب سی تسکین تھی جب ہی ثریا نے ٹوکا تھا۔

”کہاں سے آ رہی ہو؟“ اس نے جواب نہیں دیا جھک کر اپنے پیروں سے سینڈل اترنے لگی تو ثریا اس کے سر پر آن کھڑی ہوئیں۔

”میں کچھ پوچھ رہی ہوں صبا کہاں گئی تھیں؟“

ہلانے لگی۔
”اسی لیے میں اس معاملے کو فوری حل کرنا چاہتا ہوں۔“
وہ زور دے کر بولے۔ اس نے سر جھکا لیا تو قدرے رک کر کہنے لگے۔

”اپنے اندر کوئی فیڈنس پیدا کرو نشاء۔ زندگی کوئی کھیل نہیں ہے جسے تم اس چار دیواری کے اندر آرام سے گزار دو گی۔ اگر آگے کی جستجو نہیں ہے تب بھی اپنا دفاع کرنا سیکھو یا یونہی ہر ایک کے سامنے ہتھیار ڈال کر رونے کھڑی ہو جاؤ گی۔“ نشاء نے سر نہیں اٹھایا پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی تو وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولے۔

”اپنا نہیں تو میرا خیال کرو میں تمہیں ہمیشہ ہنتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”وہ.....“ بہت کوشش سے بھی وہ اسی قدر کہہ سکی۔
”وہ نہیں میں..... میں اور تم.....“ انہوں نے اس کی آنکھ کے قریب ٹھہرا آنسو اپنی انگلی کی پور پر سمیٹا تو وہ ان کی قربت سے گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی پھر تیزی سے ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

احسن کی باتوں نے اس کے اندر حوصلہ پیدا کیا تھا پھر بھی وہ اگلے دن کالج نہیں گئی۔ ساجدہ بیگم سے اس نے سر درد کا بہانا کر دیا اور کچھ دیر آرام کے بعد عادت کے مطابق سنگ روم کی جھاڑ پونچھ کر رہی تھی کہ احسن آ گئے۔

”تم آج کالج نہیں گئیں۔“ انہوں نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”نہیں اور کبھی جاؤں گی بھی نہیں۔“ وہ جو سوچ رہی تھی بے اختیار کہنے بھی گئی۔

”کیوں کیوں نہیں جاؤ گی؟“ وہ جارحانہ انداز میں اس کے قریب آئے تھے۔

”بس جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا، مزید میرا دل نہیں چاہتا۔“ وہ کہہ کر دوسری سمت بڑھی تھی کہ احسن نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچ لیا۔

”دل نہیں چاہتا یا اس کے ڈر سے بتاؤ۔ میرے سمجھانے کا یہ اثر لیا ہے تم نے۔ بجائے مقابلہ کرنے کے ڈر کے چھپ رہی ہو۔ وہ اگر یہاں آ گیا تو کہاں چھوگی۔“

”مجھے نہیں پتا.....“ وہ خائف ہوئی۔
”خبردار جو روئیں تو اور سن لو تمہیں ہر صدمہ اپنی تعلیم

”اپنے پاپا کا پتا کرنے۔“ وہ چڑ کر بولی پھر ثریا کو دیکھا وہ شاکد حالت میں کھڑی تھیں۔

”امی پلیز۔“ وہ تنک ہو کر بولی۔ ”اب یہ مت پوچھیے گا کیوں کس لیے؟“

”یہ تو پوچھ سکتی ہوں ایسی کیا ضرورت آن پڑی تھی؟“ ثریا اس کی ناگواری پر افسوس سے بولی۔

”ضرورت..... پاپا سے میرا ضرورت کا نہیں خون کا رشتہ ہے امی۔ میں ان کے وجود کا حصہ ہوں۔ خود کو ادھورا محسوس کرتی ہوں ان کے بغیر۔“ ثریا نے اس کی بات سن کر منہ موڑ لیا تو اس نے اٹھ کر انہیں کندھوں سے تھاما۔

”امی میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا رہی میں صرف اپنی حیثیت کا تعین کرنا چاہتی ہوں یہاں میری اور آپ کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہی آپ یہاں بیٹھیں۔“ وہ ثریا کو بٹھا کر ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

”امی اگر آپ نہیں چاہتیں تو میں پھر ایسی کوئی کوشش نہیں کروں گی۔ لیکن یہ آپ کو بتا دوں کہ مجھے آپ کی طرح نہیں بننا۔ آپ کی طرح اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر میں نہیں جی سکتی۔ میں اپنی مرضی کروں گی کوئی نہیں روکے گا مجھے۔“ ثریا نے بے حد پریشان ہو کر اسے دیکھا تب ہی راحیلہ خاتون نے دروازہ دھکیل کر اسے پکارا۔

”ثریا۔“

”جی بھابی۔“ ثریا عادت کے مطابق فوراً متوجہ ہوئی تھیں۔

”ابھی چائے پر ذرا اچھا انتظام کر دو۔ کچھ مہمان آرہے ہیں۔“ پھر صبا کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔ ”اسے بھی سمجھا دو مہمانوں کے سامنے ڈھنگ سے آئے۔“

”جی۔“ ثریا کا انداز نا سمجھنے والا تھا جس پر راحیلہ خاتون کو آگ لگ گئی۔

”کیا جی ننھی بچی ہو جو سمجھ نہیں رہیں۔ اسی صبا کے لیے آرہے ہیں مہمان ایک جگہ بات چلائی ہے میں نے اس کی اب سمجھیں۔“

”میں سمجھ گئی مامی جی۔ آپ فکر نہ کریں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ راحیلہ خاتون نخوت سے سر جھٹکتی چلی گئیں تو وہ ثریا سے بولی۔

”دیکھ لیا آپ نے۔“

”بس چپ ہو جاؤ۔ میں چائے بنانے جا رہی ہوں تم جب تک تیار ہو جاؤ۔“ ثریا نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ تاسف سے بولی۔

”تو آپ بھی یہی چاہتی ہیں۔“

”ہاں میں چاہتی ہوں تم عزت سے اپنے گھر رخصت ہو جاؤ۔“ ثریا کہہ کر چلی گئیں تو اس نے سلگ کر کچھ سوچا پھر تیزی سے جاذب کے کمرے میں آتے ہی اس پر چڑھ دوڑی۔

”تمہیں پتا ہے جازی یہاں کیا ہو رہا ہے؟“

”کیا ہو رہا ہے۔“ اس کے آرام سے پوچھنے پر وہ مزید سلگی۔

”انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے تم سب جانتے ہو۔“

”کیا ہو گیا ہے صبا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے کیا۔“

اپنے آپ جو چاہے سمجھ لیتی ہو اصل بات بتاؤ۔“ وہ زچ ہوا۔

”ابھی کچھ لوگ مجھے دیکھنے آرہے ہیں آپیشل مجھے دیکھنے۔“ اس نے زور دے کر اپنی طرف اشارہ کیا تو جاذب پریشان ہو گیا۔

”کیا..... یہ..... یہ سلسلہ.....“

”تمہاری امی چلا رہی ہیں۔“ وہ فوراً بولی۔

”نہیں..... یہ نہیں ہونا چاہیے۔“ وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

”تو پھر جاؤ کرو اپنی امی سے بات۔“

”ہاں میں کروں گا۔ امی سے بات کروں گا لیکن وقت آنے پر۔“ جاذب کے گڑبڑانے پر وہ تلملا گئی۔

”اور کون سا وقت آئے گا؟“

”صبا پلیز.....“ وہ عاجزی پر اتر آیا۔ ”تم جانتی ہو امی کیا چاہتی ہیں۔ وہ جب تک نگار کی شادی نہیں کر لیں گی میرا سوچیں گی بھی نہیں۔“

”اور انہوں نے میرا سوچ لیا ہے۔ بہت کھلتی ہوں میں انہیں اور وہ اسی طرح مجھے گھر سے نکال سکتی ہیں۔“ وہ غصے میں چبا چبا کر بول رہی تھی۔

”نہیں تم میری ہو صرف میری۔“ جاذب نے کہا تو اس نے سر جھٹکا۔

”ذالی باتیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

”خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔“

اچھا ابھی تم ایک کام کرو کسی طرح نالوان مہمانوں کو پھر میں
ای سے بات کروں گا۔“ جاذب نے اسے اپنی گرفت میں
لیتے ہوئے کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس کے کمرے
سے لگی اور اپنے کمرے میں یوں بند ہوئی کہ مہمانوں کے
آنے پر بھی نہیں لگی۔ ثریا عاجزی سے اور راحیلہ خاتون غصے
سے پکارتی رہیں لیکن اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ پھر کتنی دیر
بعد یقیناً مہمان رخصت ہو چکے تھے جب ہی راحیلہ خاتون
چلا چلا کر بول رہی تھیں۔ وہ اس کی ماں کو بے نقط سنا رہی
تھیں۔ ساتھ ساتھ اسے بھی برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ اس نے
خود پر بہت جبر کیا تھا جب خاموشی چھا گئی اور دروازے پر ہلکی
سی دستک ہوئی تب اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ ثریا مرے
مرے قدموں سے اندر آئی اور دیوار سے لگ کر رونے لگیں تو
وہ تڑپ گئی۔

”ای.....“

”مت کہو مجھے ای۔ میں نہیں ہوں تمہاری ماں۔“ ثریا
نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

”ای پلیز ایسے مت کریں۔ میری بات سنیں۔“
”نہیں سنی مجھے تمہاری کوئی بات۔ نہیں سنی۔“ ثریا نے
دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے وہ سکد ہی گئیں۔
”خدا کے لیے رو میں نہیں ای۔ میں مرجاؤں گی۔
آپ میری بات تو سنیں۔ میں نے جو کیا جاذب کے کہنے
پر کیا۔“ اس کی آخری بات پر ثریا ایک دم ہاتھ نیچے گرا کر
اسے دیکھنے لگی تھیں۔



احسن کل جا رہے تھے اور انہوں نے تو بہت چاہا تھا کہ وہ
محسن کو اپنے ساتھ امریکا لے جائیں جلال احمد بھی اس سے
متفق تھے لیکن ساجدہ بیگم کسی طرح مان کے نہیں دیں۔ محسن کو
لتنے لمبے سفر پر بھیجنے کو ان کا دل آمادہ ہی نہیں ہو سکا۔ ماں تھیں
واہموں میں گھری رہتی تھیں۔ جلال احمد نے انہیں بہت
سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ محسن امریکا سے بھلا چنگا ہو کر
واپس آئے گا لیکن ان کی ایک ہی رٹ تھی۔ میرا بچہ کمزور ہے
میں اسے نظروں سے اوجھل نہیں کر سکتی جو علاج ہوتا ہے یہیں
ہوگا آخر جلال احمد اور احسن بھی خاموش ہو گئے تھے اور اب
احسن جا رہے تھے تو انہیں یہاں کی فکر بھی تھی۔ اس وقت وہ
جانے کیا کچھ سوچتے ہوئے محسن کے کمرے میں آئے تو اسے

دیکھ کر ٹنک کر رک گئے۔

محسن چیر کی بیک پر سر رکھا نکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔
اس کے چہرے پر عجیب سی مردنی چھائی تھی۔ احسن کے دل کو
کچھ ہونے لگا۔ بمشکل خود پر قابو پا کر وہ آگے بڑھے تو آہٹ
پر محسن نے آنکھیں کھول دیں۔
”کس کے خیالوں میں گم تھے؟“ احسن قصداً
مسکرائے تھے۔

”مذاق مت کریں بھائی“ میرے خیالوں میں کون آئے
گا۔“ جواباً محسن کی مسکراہٹ افسردگی میں لپٹی ہوئی تھی۔
”کیوں..... تم نے کیا نو ویکینسی کا بورڈ لگا رکھا ہے۔“
انہوں نے ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا۔ ”میں اگر نکل ہوا ہوں تو چلا
جاتا ہوں۔“

”ارے نہیں بھائی۔“ محسن سیدھا ہو بیٹھا۔ ”آئیے
بیٹھیں میں خود آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“
”دیکھو مایوسی کی باتیں مت کرنا۔“ احسن نے وارننگ دی
تو وہ دکھ سے کہنے لگا۔

”جسے آپ مایوسی سمجھتے ہیں وہی سب سے بڑی حقیقت
ہے آپ نہ میرے لیے ہلکان ہوں بھائی جتنی میری زندگی
ہے مجھے اتنا ہی جینا ہے نہ ایک دن کم نہ ایک دن زیادہ۔“
”سب کے ساتھ ایسا ہی ہے۔“ احسن ایک دم سنجیدہ
ہو گئے تھے۔ ”مجھے دیکھو میں خود کو بہت توانا محسوس کر رہا ہوں
اس کے باوجود یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں کل کا سورج
ضرور دیکھوں گا۔ ہو سکتا ہے یہیں کھڑے کھڑے میرا ہارٹ
فیل ہو جائے۔“

”فار گاڈ سیک بھائی۔“ محسن تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا۔
”کیوں درد ہوا ناں۔ مجھے بھی درد ہوتا ہے جب تم مایوسی
کی باتیں کرتے ہو۔“ احسن نے اسے کندھوں سے تھام لیا پھر
کہنے لگے۔ ”امید پر دنیا قائم ہے مونی تم اپنے اندر جینے کی
امنگ پیدا کرو تمہاری زندگی خواہ ایک دن کی کیوں نہ ہو میں
چاہتا ہوں تم اس ایک دن کو بھر پور انداز میں گزارو۔“
”جو آپ چاہتے ہیں شاید ممکن نہیں ہے۔“ محسن بے
چارگی سے بولا۔

”کیوں ممکن نہیں۔ مجھے یقین ہے میری یہ خواہش ضرور
پوری ہوگی۔ تم ایک دن نہیں ایک سال نہیں بلکہ سا لہا سال خود
پر رشک کرو گے۔“ ان کے یقین پر محسن کے ہونٹوں پر زخمی

مغربی ادبی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ



مغربی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ
اسی کہانیاں جن سے آپ نے نہیں سنی ہوں گی

شائع ہو گیا ہے

قلندر ذات امجد بخاری کی سلسلے دار کہانی
ایک ایسی تحریر جس کا شعر آب کو خوابوں کی دنیا میں بہا لے جائے گا
مغربی ادب سے انتخاب ڈاکٹر ایم اے قسری کے قلم سے
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
تخلیف ممالک میں ملنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زینب قسری کے قلم سے ہر ماہ ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ * 109

مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں سونی۔ خود پر سے بے چارگی کا
خول اتار پھینکو۔ میرے جانے کے بعد امی ابو کا خیال تمہیں
رکھنا ہے۔ اور وہ..... اس گھر میں ایک بے وقوف سی لڑکی ہے
نشاء اسے بھی دیکھنا ہے اب یہ سب تمہاری ذمہ داری ہے۔“
انہوں نے کہا تو محسن نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔
”میں..... میں تو خود..... نہیں بھائی۔“

”کیوں نہیں.....“ وہ فوراً ٹوک کر بولے۔ ”ذمہ داری کا
احساس انسان کی زندگی بڑھاتا ہے۔ صرف اپنا سوچنے والے
لوگ بہت جلدی مرجاتے ہیں خواہ وہ کتنے خوش باش اور توانا
کیوں نہ ہوں۔ سمجھ رہے ہوتاں۔“ محسن نے محض ان کا دل
رکھنے کی خاطر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

”گڈ..... اور ہاں تمہیں کیا بات کرنی تھی؟“ انہوں نے
مسکرا کر پوچھا تو محسن نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”چلو پھر تم آرام کرو۔“ وہ اس کا کندھا تھک کر اس کے
کمرے سے نکل آئے اور لاؤنج میں نظر ڈالتے ہوئے اپنے
کمرے میں آئے تو ساجدہ بیگم ان کے لیے دودھ کا گلاس
لے بیٹھی تھیں۔

”کہاں تھے تم.....“ ساجدہ بیگم نے پوچھا تو وہ ان کے
پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔
”محسن کے پاس تھا۔“
”سو یا نہیں محسن؟“

”بس اب سو رہا ہے۔“ انہوں نے دودھ کا گلاس لے کر
ایک ہی سانس میں پی لیا پھر گلاس رکھ کر بولے۔ ”ایک بات
کہنی ہے امی۔“

”کہو.....“ ساجدہ بیگم ان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

”ہوں تو آپ سب جانتی ہیں پھر بھی میں سمجھتا ہوں
مجھے کہہ دینا چاہیے کہ نشاء.....“ وہ خاموش ہو گئے۔
”کیا نشاء.....؟“ ساجدہ بیگم نے ٹوکا تب بھی وہ رک کر
بولے تھے۔

”میں نشاء کو پسند کرتا ہوں امی۔ پسند سے میری مراد اس
سے شادی.....“

”سوچا تو میں نے بھی ایسا ہی ہے بیٹا لیکن سونی.....“
ساجدہ بیگم جانے کیا سوچنے لگی تھیں۔

”سونی پہلے ہے امی۔“ وہ زور دے کر بولے۔

READING
Section

”جب تک مونی ٹھیک نہیں ہو جاتا میں اپنے بارے میں نہیں سوچوں گا۔“

”میرا یہ مطلب نہیں ہے بیٹا۔“

”میں جانتا ہوں لیکن میں آپ کو بتا رہا ہوں‘ نشاء کے لیے میں نے اس لیے کہہ دیا کہ وہ لڑکی ہے اس کے پرپوزل آسکتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ کو صرف یہ یاد رکھنا ہے کہ نشاء ہی گھر میں رہے گی۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں۔“ ان کی وضاحت پر ساجدہ بیگم بے ساختہ مسکرائی تھیں۔ اور پھر اگلے دن جانے سے کچھ دیر پہلے انہیں نشاء سے تنہائی میں ملنے کا موقع مل ہی گیا تھا۔

”میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے کیا مجھے خدا حافظ نہیں کہو گی۔“ انہوں نے کہا تو نشاء نے جھمکتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی سلور کلر کی چین ان کی کلائی میں ڈال دی۔

”اسے میں کیا نام دوں؟“ وہ ایک نظر چین پر ڈال کر اسے دیکھنے لگے۔

”یونہی کچھ مت کہہ دیجیے گا۔ جب ایسا کوئی وقت آئے جب آپ کو لگے کہ یہ آپ کے لیے کتنی اہم ہے تب خود بخود اسے عنوان مل جائے گا۔“ وہ دھیرے سے بولی۔

”تم جانے کس وقت کی بات کر رہی ہو مجھے تو ابھی لگ رہا ہے جیسے میری زندگی میری سانسیں اس کے ساتھ جڑ گئی ہوں۔ میں گھبرا رہا تھا نشاء کہ اتنا لمبا سفر اکیلے کیسے کئے گا لیکن اب نہیں..... اب تم میرے ساتھ ساتھ رہو گی۔“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرائے اور اسے اپنی محبتوں کے حصار میں چھوڑ کر رخصت ہو گئے تھے۔



وہ جاذب کے ساتھ آ تو گئی تھی لیکن اس کا موڈ سخت آف تھا۔ اس کے بار بار کہنے پر بھی کھانے کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی تھی۔ آخر وہ زچ ہو گیا۔

”یاراب مان بھی جاؤ دیکھو کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“

”مجھے کچھ نہیں کھانا۔ میں صرف ایک بات سننا چاہتی ہوں۔“ اس نے تڑخ کر کہا تو وہ فوراً بولا۔

”ہزار بار کہہ سکتا ہوں تم سے محبت کرتا ہوں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اب تو خوش ہو جاؤ۔“

”شٹ اپ میں صرف یہ سننا چاہتی ہوں کہ تم آج ماں جی سے میری اور اپنی بات کرو گے کس..... اس کے ضدی

انداز پر وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”کروں گا بابا کروں گا لیکن.....“

”کوئی لیکن ویکن نہیں تم آج ہی بات کرو گے سمجھے۔“

اس نے ٹوک کر کہا تو جاذب خاموش ہو گیا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا جازی کہ تم اتنا ڈرتے کیوں ہو۔ وہ جو لڑکی ہے نگار وہ تو بڑے آرام سے ماں جی کے ساتھ اپنی شادی کی باتیں کر رہی ہوتی ہے اور تم مرد ہو کر.....“

”بس خاموش ہو جاؤ۔“ جاذب نے ہاتھ اٹھا کر کہا تو وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

”جاری ہوں میں اب تم سے کبھی بات نہیں کروں گی۔“

”ارے دے نیہ کھانا۔“ وہ بوکھلا گیا۔

”اپنی اماں کے لیے پیک کروالو۔“ وہ جل کر بولی اور اسے وہیں چھوڑ کر ریسٹورنٹ سے نکل آئی۔ جانتی تھی جاذب فوراً اس کے پیچھے نہیں آ سکتا۔ کھانا پیک کروانے اور بل کی ادائیگی میں کچھ وقت لگنا تھا اور اس نے اس کا انتظار نہیں کیا رکشہ کر کے گھر آ گئی۔ وہ اس وقت کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ثریا کا بھی نہیں لیکن آگے کمرے میں ثریا کے ساتھ راحیلہ خاتون بھی موجود تھیں۔ جو خلاف عادت بہت آرام سے بات کر رہی تھیں۔ وہ ٹھٹھک کر دروازے میں ہی رک گئی اور انہیں سننے لگی۔

”دیکھو ثریا ہم پر تم اور تمہاری لڑکی بھاری نہیں ہے میں جو کر رہی ہوں صبا کے بھلے کے لیے کر رہی ہوں یا تمہیں میری نیت پر شبہ ہے۔“

”نہیں بھائی اللہ نہ کرے جو میں کبھی آپ کی نیت پر شبہ کروں۔“ یہ اس کی ماں تھی۔

”تو پھر سمجھاؤ صبا کو اچھے رشتے آنے کی یہی عمر ہوتی ہے دو چار سال اور نکل گئے تو پھر کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔“

”جی بھائی بس وہ صبا کو جاذب کا شوق.....“

”شوق پر پابندی نہیں ہے۔“ راحیلہ خاتون فوراً ثریا کی بات کاٹ کر کہنے لگیں۔ ”شادی کے بعد پورے کر لے گی سارے شوق۔ اس دن میں نے مہمانوں کے سامنے بات بنا دی تھی کہ لڑکی کو اچانک بخار ہو گیا اس لیے وہ سامنے نہیں آنا چاہتی تو یقین کرو انہوں نے بالکل برا نہیں مانا بہت اچھے لوگ ہیں۔“

”آپ نے بھیا سے بات کر لی؟“ ثریا نے جانے کیوں

پوچھا تھا۔

”لو تمہارے بھیا کو کیا اعتراض ہوگا ان کی بھانجی خیر سے اپنے گھر کی ہو جائے گی تو انہیں خوشی ہوگی۔“ راحیلہ خاتون نے کہا تو اب وہ خود کو نہیں روک سکی آگے بڑھ کر بولی تھی۔

”اس سے زیادہ خوشی ماموں جی کو نگار کی شادی کی ہوگی تو مامی جی اچھا ہوگا جو آپ پہلے نگار کی شادی کا سوچیں۔ یوں بھی وہ بڑی ہے مجھ سے۔“

”ارے دو سال کے فرق سے کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔“ راحیلہ خاتون کو اس کی آمد اور پھر مدخلت سخت گراں گزری تھی جبکہ ثریا نہ صرف بوکھلائی بلکہ اسے خاموش رہنے کا اشارہ بھی کرنے لگی۔

”چلیں آپ نہ سمجھیں پھر بھی پہلے نگار کی شادی ہوگی۔“ وہ کہہ کر واپس روم میں بند ہو گئی اور جب منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو راحیلہ خاتون کمرے سے جا چکی تھیں۔ اس نے شکر کیا پھر ثریا کے پاس بیٹھتے ہی پوچھنے لگی۔

”امی جاذب اتنا بزدل کیوں ہے جبکہ اب وہ اس قابل ہو گیا ہے کہ مامی جی سے اپنے بارے میں بات کر سکے۔“

”اصل میں بیٹا تمہاری مامی جی نے شروع سے اسے بہت رعب میں رکھا۔ ہر بات میں روک ٹوک کرتی تھیں۔“

”صرف جازمی پر کیوں نگار بھی تو تھی۔“

”ہاں لیکن وہ ہر وقت جاذب کے سر پر سوار رہتی تھیں۔“

ثریا سادگی سے بتا رہی تھیں۔

”تا کہ ساری عمر اسے اپنے اشاروں پر چلا سکیں۔ یہی بات ہے ناں۔ بہت خود غرض ہیں مامی جی انہیں صرف اپنا خیال رہا یہ نہیں سوچا ان کی بے جا سختی سے جاذب کی شخصیت پر کیا اثر پڑے گا۔“ اس کے لہجے میں افسوس کے ساتھ جی بھی سمٹا آئی تھی۔

”خیر برے اثرات تو نہیں پڑے۔ ماشاء اللہ پڑھ لکھ گیا ہے۔“ ثریا کے لہجے میں بھتیجے کی محبت تھی۔

”بس رہنے دیں امی پڑھ لکھ کر بھی اس میں کوئی فائدہ نہیں آیا۔ من من کرتا ہے مامی جی کے سامنے۔ میرا خیال ہے اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔“ آخری بات وہ روانی میں کہہ گئی اور ثریا اچھل پڑیں۔

”کیا مطلب ہے تمہارا تم کیا کرو گی؟“

”یا اللہ ایک تو آپ پریشان جلدی ہو جاتی ہیں۔ کچھ نہیں

کر رہی ہیں۔ بس تماشا دیکھتی رہوں گی۔“ وہ چڑی تھی۔

پھر بہت سارے دن گزر گئے۔ اس نے خان جنید کا آفس بھی جوائن کر لیا تھا۔ صبح نو سے بارہ بجے تک وہ بیٹی کے ساتھ رہتی پھر ڈرائیور اسے آفس پہنچا دیتا جہاں سے پانچ چھ بجے اس کی گھر واپسی ہوتی تھی۔ اس وقت وہ اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ خان جنید نے اسے روک لیا۔ باہر سے کوئی ڈیلی کیشن آیا تھا جن کے ساتھ میٹنگ میں خان جنید اسے بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ یہ آفیشل میٹنگ تھی جس میں دیر بھی ہو سکتی تھی اس لیے اس نے پہلے گھر فون کیا تو ادھر سے راحیلہ خاتون نے فون اٹھایا تھا۔

”ہیلو.....“

”مامی جی مجھے آنے میں دیر ہو جائے گی۔ آپ ای کو بتادیں ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گی۔“ اس نے راحیلہ خاتون کی آواز سنتے ہی کہا تو جواب دیئے بغیر انہوں نے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔

اس نے افسوس سے اپنے سیل فون کو دیکھا پھر گہری سانس کھینچی تھی۔



ثریا جلے پیر کی بلی کی طرح اپنے کمرے میں چکرارہی تھیں۔ نو بج گئے تھے اور صبا ابھی تک نہیں آئی تھی۔ ثریا کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ صبا نے دیر سے آنے کا فون کیا تھا۔ جب ہی ان کی پریشانی فطری تھی اور وہ یہ بھی سمجھ رہی تھیں کہ شاید گھر میں کسی کو معلوم نہیں ہے کہ صبا ابھی تک نہیں آئی اس لیے وہ خود سے بتانے کی ہمت نہیں کر پارہی تھیں لیکن اب اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئیں تو وہاں راحیلہ خاتون کے ساتھ نگار اور جاذب بھی موجود تھا۔

”آئیے پھوپھو بیٹھیں۔“ جاذب انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تو راحیلہ خاتون فوراً بولیں۔

”ہاں بیٹھو ثریا کبھی ہمارے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔“

”جی بھابی وہ.....“ ثریا نے پریشانی سے جاذب کو دیکھا تو وہ پوچھنے لگا۔

”کیا بات ہے پھوپھو؟“

”وہ بیٹا..... صبا ابھی تک نہیں آئی۔“ ثریا نے بمشکل بتایا تو نگار چیخ نما آواز کے ساتھ بولی۔

”کیا..... صبا نہیں آئی ابھی تک۔“

”غضب خدا کا اتنی رات ہوگئی اس وقت کون سا آفس کھلا رہتا ہے۔“ راحیلہ خاتون اسی انتظار میں تو بیٹھی تھیں۔
”میں معلوم کرتا ہوں۔“ جاذب نے فوراً جیب سے سیل فون نکال کر صبا کا نمبر پرش کیا تھا لیکن پاور آف سن کردہ مایوس ہوا تو ثریا نے فوراً پوچھا۔

”کیا ہوا بیٹا؟“

”ارے ہونا کیا ہے۔“ راحیلہ خاتون بول پڑیں۔ ”لڑکی تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اور اس کے لیے تم کسی کو الزام نہیں دے سکتیں۔ خود ذمہ دار ہو تو بہ تو بہ جو ان جہان لڑکی اور تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو جاذب اپنے کمرے میں۔“ آخر میں جاذب کو گھر کا تودہ ثریا سے نظریں چرا کر جانے لگا تھا کہ سلیم احمد کھاتے دیکھ کر رک گیا۔

”کیا ہوا؟“ سلیم احمد یقیناً راحیلہ خاتون کی تیز آواز سن کر کمرے سے نکلے تھے۔

”وہ ابو صبا.....“ نگار بتانا چاہتی تھی کہ صبا آگئی۔

”السلام علیکم!“ صبا نے ایک ساتھ سب کو سلام کیا تو سلیم احمد تعجب سے پوچھنے لگے۔

”تم اس وقت آفس سے آ رہی ہو؟“

”جی ماموں جی دیر ہوگئی۔ اصل میں آج باہر سے ایک ڈیلی کیشن آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ میٹنگ میں باس کے ساتھ مجھے بھی جانا پڑا۔ وہیں دیر ہوگئی۔“ صبا نے سہولت سے جواب دیتے ہوئے ثریا کا دھواں دھواں چہرہ دیکھا تھا۔

”ایسی بات ہوا کرے بیٹا تو پہلے سے بتا دیا کرو یا فون ہی کرو سیتیں۔“ سلیم احمد نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

”میں نے فون کیا تھا ماموں جی۔“ پھر راحیلہ خاتون کو دیکھ کر بظاہر سادہ انداز میں بولی تھی۔ ”کیوں مامی جی میں نے آپ کو فون کر کے بتایا تھا ناں کہ مجھے آنے میں دیر ہو جائے گی۔“

”ہاں فون آیا تو تھا تمہارا لیکن ورسور کی بات تو تم نے نہیں کی تھی۔“ راحیلہ خاتون صاف مکر گئیں۔

”آپ بھول رہی ہیں مامی جی۔“ صبا نے بہت ضبط سے کہا تو راحیلہ خاتون بگڑ گئیں۔

”ارے اگر بھول گئی تھی تو اس وقت یاد آ جاتا جب ثریا کو پریشان دیکھ رہی تھی کہتی اس سے کہ بی بی پریشان مت ہو۔“

تم نے دیر سے آئے کو کہا ہے۔“

”ارے بیگم ناراض کیوں ہو رہی ہو چلو صبا بھول گئی ہوگی۔“ سلیم احمد نے بات ختم کرنا چاہی۔

”ہاں شاید میں ہی بھول جاتی ہوں۔“ صبا دکھ سے کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی تو ثریا اس کے پیچھے لپکی تھیں۔
”یہ کیا کر رہی ہو کیوں مامی کا غصہ ادھر نکال رہی ہو۔“
ثریا نے صبا کو الماری سے کپڑے نکال کر پھینکتے دیکھ کر ٹوکا تو وہ غصے سے بولی۔

”تو کیا کروں؟ مامی کے سامنے بولنے کی اجازت نہیں دیتیں ورنہ میں.....“

”کیا چاہتی ہو تم؟ یہ جو سر چھپانے کی جگہ ہے یہ بھی چھن جائے۔“ ثریا نے اسے دھکیل کر الماری بند کی تو وہ اور بھڑک گئی۔

”کیوں چھن جائے؟ یہ گھریا جی کا نہیں ہے اور نہ ہی ماموں جی نے بنوایا تھا۔ نانا ابا کا گھر ہے اور اس پر آپ کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا دوسروں کا۔“

”حق کی بات مت کرو میرا کوئی حق نہیں۔“ ثریا نظریں چرا کر بولی تھیں۔

”یوں کہیں آپ کو اپنا حق منوانا نہیں آتا۔ دوسروں کی چاکری کرنے کا شوق ہے آپ کو۔“

”پھر دہی دوسرے..... یہاں کوئی دوسرا نہیں سب میرے اپنے ہیں۔“ ثریا نے ٹوک کر کہا تو صبا افسوس سے بولی۔

”ہاں اپنے وہ بھی آپ کو اپنا سمجھیں تب ناں۔“

”بیٹا کیوں بے کار باتوں میں الجھتی ہو۔ ادھر آؤ میرے پاس آ کر بیٹھو۔“ ثریا نے عاجزی سے اسے پکارتا تودہ زچ ہوگئی۔

”بس ای نہ مجھے اموشنل بلیک میل کیا کریں میں صرف آپ کی وجہ سے کمزور پڑ جاتی ہوں۔“ وہ ثریا کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

”مصلحت کا تقاضا یہی ہے بیٹا کہ ہم خاموش رہیں۔“
ثریا اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے آزدگی میں گھر گئی تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ مام)





عید کے میرا دل رورو نوریت عید ضیاء

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

جس کی جھنکار میں دل کا آرام تھا وہ تیرا نام تھا
میرے ہونٹوں پر رقصاں جو نام تھا وہ تیرا نام تھا
مجھ پر قدرت ہمیشہ رہی مہرباں دے دیا ہمارا جہاں
جو سب سے بڑا انعام تھا وہ تیرا نام تھا

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

ہو گیا ہے؟ میری زندگی جان بوجھ کر کیوں عذاب بنائی جا رہی ہے۔ میرا بس چلے تو اس مختصر سے فتنے کو گولی مار دوں۔" جائش نے دل کی بھڑاس نکالی۔

"جائش سب اللہ پر چھوڑ دو اسے شاید یہی منظور ہے۔ ہمارے نصیب میں یہی لکھا تھا جو ہو رہا ہے ہونے دو۔" صندل کے جواب پر وہ بڑی طرح بھڑکا۔

"واہ جی..... واہ بہت آسانی سے کہہ دیا جو ہو رہا ہے ہونے دو گویا میرے جذبات و احساسات کی کسی کو قدر نہیں دادو کو نہ پایا کو ماما کو اور نہ تم کو....." اس نے غصے سے کال بند کی اور منسلپٹ کر لیٹ گیا۔

☆.....☆.....☆

ناصر صاحب چھوٹا سا بزنس کرتے تھے والدہ بیوی فاخرہ بیگم اور بیٹے جائش کے ساتھ رہتے تھے۔ کوئی بہن بھائی نہیں تھا ایک سالے برکت احمد تھے جن سے اچھی دوستی تھی۔ فاخرہ بیگم اور ان کی بھانج بھری میں کبھی نند بھانج والی چیقلش نہ ہوتی تھی ان کی ایک بیٹی صندل تھی جو سائیکلو جی پڑھ رہی تھی جب کہ جائش ایک فرم میں اچھی جاب پر تھا۔ صندل بہت خوب صورت تھی نازک سا دلکش سراپا سرخ و سفید رنگت لیے

"بڑی عید کے تیسرے دن ہم نے تمہارا نکاح گوری کے ساتھ طے کر دیا ہے۔" فاخرہ بیگم کی آواز کی بازگشت نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا کمرے میں بے چینی سے شہلتے ہوئے وہ کھڑکی میں آ کھڑا ہوا کمرے کے دوسری جانب کھڑکی گھر کے پچھلی طرف کھلتی تھی جہاں قریانی کے لیے لائے گئے جانور باندھے جاتے تھے۔

"اُف تو یہ۔" گوری ہاتھ میں پائپ اور داہرہ تھامے صفائی کر رہی تھی۔ "کیسی عجیب لڑکی ہے؟ غلیظ..... میں اس سے شادی کروں؟" ایسی گھیر دار فراک ڈھیلے پانچوں کی شلو اور وہی بڑی سی چادر میں منہ سمیت خود کو لپیٹے ہوئے عجیب جلیہ بنا رکھا تھا۔ کالی چہل میں نرم و ملائم سرخ و سفید پیرتے جو واضح نظر آ رہے تھے۔

"کیسی عجیب سی لڑکی ہے نری جاہل، گنوار....." جائش کھڑکی سے ہٹا اور بیڈ پر آ بیٹھا اسی وقت صندل کی کال آ گئی۔ "کیا ہو رہا ہے؟" صندل نے سلام کر کے سوال کیا۔

"ابھی ابھی بھنگن کا دیدار کر کے بیٹھا ہوں جو نہ جانے کہاں سے بلائے ناگہانی کی مانند میری زندگی میں عذاب کی صورت آ گئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا سب لوگوں کو کیا

سیاہ سلکی بال، گہری براؤن آنکھیں اور بات کرنے کا بے ساختہ اور معصومانہ انداز جسے بچپن سے ہی جانش پسند کرتا تھا۔ صندل کو بھی دراز قد، اسمارٹ سا سانولا پرکشش جانش اچھا لگتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتے تھے اور اس بات کا علم فاخرہ اور بشری بیگم کو بھی تھا۔

فاخرہ بیگم کی ساس نفیسہ بیگم پر وقار و جنگ شخصیت کی مالک خاتون تھیں جن کے کئے گئے فیصلوں کو آج بھی گھر میں اہمیت دی جاتی تھی۔ نفیسہ بیگم جانش پر جان چھڑکتی تھیں اور جانش کو بھی اپنی داد و بہت عزیز تھیں۔ برکت احمد اور بشری بیگم کو اس سال حج کی ادائیگی کی غرض سے جانا تھا اور اس دوران صندل کو اپنی پھوپھو کے گھر چھوڑنے کا ارادہ تھا اور جانش بے حد خوش تھا کہ صندل اتنے عرصے کے لیے رہنے آنے والی تھی اور عید پر بھی ساتھ ہوگی لیکن جب فاخرہ بیگم نے اسے یہ بتایا کہ صندل یہاں آنے کی بجائے اپنے ماموں کے گھر رہے گی تو جانش کا دماغ خراب ہو گیا۔

”یہ کیا سن رہا ہوں میں؟“ وہ دندنا تا ہوا ڈائریکٹ صندل کے کمرے میں پہنچا اور جاتے ہی غصے سے سوال کر ڈالا۔ صندل ابھی نہ کر نکلی تھی اس کے اچانک آنے پر حیرانی سے دیکھنے لگی۔

”کیا ہو گیا ہے؟“ دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلاتے ہوئے سوال کیا۔

”مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے کیا؟“ سوال پر سوال۔

”ارے مجھے کیا ہو گیا ہے میں نے کچھ کہا کیا؟ ایسا برتاؤ کیوں کر رہے ہو؟“ حیرانی سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

”تم..... تم..... اپنے ماموں کے گھر رہنے جا رہی ہو بجائے ہمارے گھر کے؟“ غصے سے پوچھا۔

”اوہ.....“ صندل بات کی تہہ تک پہنچی۔ ”یار ماما کی طبیعت کچھ خراب ہے اور پھر شمرہ باجی کسی وقت بھی ہسپتال جاسکتی ہیں تو ذرا سی ان کو سپورٹ ہو جائے گی۔ ماما کی طبیعت ٹھیک ہوگی تو آ جاؤں گی۔“ اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”ہاں تم کو سوائے میرے سارے زمانے کی فکر ہے ماما کو بی پی ہے شمرہ باجی ماں بننے والی ہیں لڈن کی اماں کا چالیسواں ہے کلو کے ابا کا نکاح ہے.....“ جانش نے لڑاکا عورتوں کے انداز میں ہاتھ لہرا لہرا کر کہا تو صندل بے

ساختہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

”گلا دبا دوں گا تمہارا، ہنسی بھی آرہی ہے تمہیں، شرم نہیں آتی؟ ہم نے کیسے کیسے پلان بنائے تھے کتنے مزے کرنے تھے ہم سب نے مل کر تم نے سارے ارمانوں کو خاک میں ملا دیا۔“

”جانش! دراصل ماموں اور ماما نے ہمیشہ ہمارا بہت خیال رکھا ہے اب اس وقت ان کو میری ضرورت ہے۔ ماما کا بخارا تر جائے بی بی پی کنٹرول ہو جائے بس..... اور عید پر تو یہیں رہوں گی نا میں۔“ صندل نے پیار سے دھیمے لہجے میں تسلی دی۔

”جی نہیں اس مہربانی کی بھی ضرورت نہیں آپ بھائی میں اپنی رشتہ داریاں ہم تو کچھ نہیں لگتے ناں۔“ وہ بچوں کے سے انداز میں منہ پھلا کر بولا۔ صندل نے کافی دیر تک ملاٹمت اور پیار سے اسے سمجھایا تو جانش بچھا بچھا سا لوٹ گیا۔

”کیا ہوا..... منہ کیوں اترا ہوا ہے میرے بچے کا؟“ دادو نے اسے متحیل دیکھ کر پوچھا۔

”کچھ نہیں دادو!“ وہ دادو کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ دادو نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”اوہو کیا سر پر بالوں کا گھونسل بنا رکھا ہے۔ کیسا روکھا سخت آف..... لگتا ہے سر پر کانٹے اگائے تم نے۔“ دادو نے اس کے جیل لگے سخت بالوں میں ہاتھ پھیرنے کی ناکام کوشش کی۔ ”سارا دن کام میں دماغ کھاتا ہے سر پر بول اگائے پھرتا ہے۔ ارے پاگل! تیل کی ماش کیا کر دماغ کا کام کرتا ہے تر رکھا کر سر کو۔ دماغ کھپا کھپا کر تھک جاتا ہے دیکھو تو آنکھوں میں چہرے پر کتنی ٹھکن ہے۔“

”اماں! یہ کام کی ٹھکن نہیں ہے۔“ فاخرہ بیگم نے ساس کے پاس سے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے مسکرا کر ذومعنی بات کی اور کپ لے کر کمرے سے نکل گئیں۔

”ما! یار آپ کو پتا ہے ناں میں کتنا خوش تھا صندل کی آمد کا سن کر آپ نے کچھ نہیں کہا؟“ وہ کچن میں فاخرہ بیگم کے پاس موجود تھا۔

”تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟ کل کو ہمیں صندل کا رشتہ مانگنا ہے تمہاری دادو بھی یہی پسند نہیں کریں گی کہ اس گھر کی ہونے والی بہو یہاں آ کر رہے۔“

”عجیب منطق ہے آپ لوگوں کی۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے

سے نکل گیا۔

برکت احمد اور بشری بیگم بقرعید سے تقریباً ایک ماہ پہلے حج کے لیے روانہ ہو گئے جانے سے پہلے وہ لوگ ملنے آئے تھے جائش کا موڈ بدستور خراب ہی تھا۔

”یار کم از کم جاتے وقت تو ہنس کر بات کر لو۔“ صندل نے جانے سے پہلے اس کے کمرے میں آ کر کہا۔

”صندل! ایمان سے بہت غصہ آ رہا ہے مجھے۔“ وہ لاڈ سے بولا۔

”ہم رابطے میں رہیں گے تاں پہلے کی طرح سے اور عید پر تو میں آنے والی ہوں ناں۔“ صندل نے کہا۔

”وعدہ کر دعید سے دو دن پہلے ہی آ جاؤ گی۔“ جائش نے ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔

”وعدہ..... یکا وعدہ۔“ صندل نے اپنا نرم صندلی ہاتھ جائش کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”اسمائیل پلیز.....“ جائش مسکرا دیا۔

”اوہ گڈ بوائے۔“ اس کو مسکراتا دیکھ کر صندل بھی ہنس دی۔ جائش نے نظر بھر کر اسے دیکھا، کتنا مکمل حسن تھا وہ دل میں اتری جا رہی تھی۔

”اوائے نظر مت لگانا۔“ صندل نے اس کو محویت سے دیکھتا پا کر آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو چونکا۔

”اپنا بہت خیال رکھنا۔“ جائش نے اس کے ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”اوکے۔“ وہ مسکرائی۔ برکت احمد بشری بیگم جانے کے لیے تیار تھے وہ دونوں ڈرائنگ روم کی طرف بڑھائے۔

☆.....☆.....☆

برکت احمد اور بشری بیگم حج پر اور صندل اپنے ماموں کے گھر روانہ ہو گئے صندل اور جائش کا موبائل پر مستقل رابطہ رہتا اس لیے جائش بھی کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔ اس روز موسم بہت حسین تھا آفس میں کام بھی زیادہ نہیں تھا جائش نے سارا دن صندل کے ساتھ باتوں میں گزارا اگر انسان کے اندر کا موسم اچھا ہو تو باہر کا تلخ اور تپتا ہوا موسم بھی بھلا لگتا ہے۔ اندر کے موسم کا اثر باہر کے موسم کو تبدیل کر دیتا ہے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ ٹھنڈی ٹھنڈی بوندیں برس رہی تھیں۔ وہ بہت خوش گوار موڈ میں گنگنا تا ہوا گیٹ سے اندر داخل ہوا تو تب ہی کوئی کالی پٹی ٹھنڈی نما چیز آ کر بری

یادگار لمحے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تجھ پر افسوس تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں نے قیامت کے لیے صرف یہی تیاری کی ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو اس شخص کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری محبت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ کہ ہم اسلام لانے کے بعد کسی بات پر اتنا خوش نہیں ہوئے جتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات سے خوش ہوئے۔ ”بے شک تو اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری محبت ہے۔“

(رواہ مسلم کتاب البر والصلۃ: 6713)

(نبیلہ خان مون..... عبدالحکیم مجاہد آباد)

طرح نگرانی۔

”لاحول ولا قوۃ!“ اس نے اچانک افتاد پر بے ساختہ کہا۔

”اوہ خیر.....“ جواباً وہ بھی بولی جائش نے غور سے دیکھا عجیب سی آواز تھی اس کی۔ بلیک گھیر کی لمبی فراک جس پر پیلے کلر کے بڑے بڑے پھول بنے تھے اس پر نیچے شلوار کے صرف پانچ نظر آ رہے تھے بڑے بڑے پانچوں کی شلوار اور اس پر بڑی سی کالی چادر میں اس طرح لٹی ہوئی تھی کہ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں اس پر بھی بے تنگے سے بڑے سے چوکور فریم والی گہرے شیشیوں والی عینک لگائے وہ عجیب مشکوک سی دکھائی دے رہی تھی جس تیزی سے وہ کلر کی اس تیزی سے واپس پٹی۔

”اوائے رک.....“ وہ چیخا۔ ”کون ہو تم..... اندر کیسے آئیں..... کیا چوری کر کے بھاگ رہی ہو؟“ جائش نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑی نرم نازک ملائم سفید کلائی جائش کے مضبوط ہاتھوں میں جکڑی تھی۔

”اوائے اوائے..... ام چور مور نہیں ہیں..... ام مہمان ہے مہمان۔“ بھاری آواز میں اس نے جواب دیا۔

”مہمان..... مہنبہ جھوٹ مت بولو تم‘ یا گل ہو کیا؟“
جائش نے حقارت سے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔
”اوئے ام کو پاگل ماگل مت بولو..... ام گوری ہے
گوری۔“ اس بار قدرے برہمی سے کہا۔
”تم گوری ہو یا کالی..... مگر تم اندر آئیں کیوں؟“ اسی
لمحے نفیسہ بیگم کسی کام سے باہر آئیں۔ ”دادو یہ دیکھیں پتا نہیں
کون چورنی ہے اندر گھس آئی ہے اس کی تلاشی لیں اس نے
جادو میں کچھ چھپایا تو نہیں ہے۔“ جائش اسے گھسٹتا ہوا نفیسہ
بیگم کے قریب آگیا۔ کلائی بدستور جائش کے مضبوط ہاتھوں
میں تھی۔

”دادی..... دادی..... ام کو اس آدی سے چھڑاؤ۔“ وہ
نفیسہ بیگم کو دیکھ کر فریادی لہجے میں بولی۔
”آ..... آدی.....“ جائش نے پلٹ کر کھا جانے والی
نظروں سے اسے دیکھا۔

”ارے بیٹا! سلام نہ دعا آتے ہی شروع ہو گئے۔ چھوڑو
اس کا ہاتھ یہ چور نہیں تمہارے دادا کے دوست کی پوتی ہے
آج ہی پشاور سے آئی ہے۔ ہمارے گھر مہمان رہے گی کچھ
عرصہ۔“ نفیسہ بیگم نے کہا تو اس نے جلدی سے گوری کا ہاتھ
چھوڑ دیا۔

”یہ کون سی نئی چیز آگئی۔“ آنکھیں پھاڑ کر عجیب و غریب
حلیے والی لڑکی کو دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ نظر نہ آیا۔ چہرہ تو مکمل
چھپا ہوا تھا۔

”جادو فاخرہ نے سمو سے بنائے ہیں تمہارے لیے انتظار
کر رہی ہے۔“ دادو نے کہا تو وہ گوری کو گھورتے ہوئے اندر کی
سمت چلا گیا۔

موسم کی مناسبت سے فاخرہ بیگم نے اس کی پسند کے
سمو سے بنائے تھے وہ بھی بہت اچھے موڈ میں گھر آیا تھا مگر
آتے ہی اس جاہل لڑکی نے موڈ خراب کر دیا تھا۔

”مما! یہ جو چیز باہر ادھر ادھر نکرانی پھر رہی ہے یہ اچانک
کہاں سے آئی؟ آج سے پہلے نہ بھی اس کا نام سنا نہ
تذکرہ؟“ وہ سیدھا کچن میں چلا آیا۔

”گوری.....؟“ فاخرہ بیگم نے چائے دم پر رکھتے ہوئے
پلٹ کر پوچھا۔
”جی۔“

”ارے بیٹا! تمہارے دادا جی کے گاؤں کی بیٹی ہے“

ایک وقت تھا کہ اس کے دادا نے جو تمہارے دادا کے
دوست تھے۔ تمہارے دادا کی بہت مدد کی تھی اب اس بیٹی
کا دنیا میں کوئی نہیں ہے پچھلے دنوں تمہارے پاپا پشاور گئے
تھے تا تب اس کے دادا کا انتقال نہیں ہوا تھا والدین کا
ہو چکا تھا مگر اب سنا ہے کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کا
کوئی نہیں۔ اس لیے تمہارے پاپا نے اسے یہاں بلوالیا
اب وہ یہیں رہے گی جب تک کہ کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر
اس کی شادی نہ ہو جائے۔“ چائے نکالتے نکالتے فاخرہ
بیگم نے تفصیل بتائی۔

”اوہ مائی گاڈ! یعنی اس عجیب و غریب تماشے کو نہ جانے
کب تک برواشت کرنا پڑے۔ کون کرے گا شادی اس
نمونے سے۔“

”ہش..... ایسا نہیں کہتے بیٹا!“ فاخرہ بیگم نے کہا تو وہ منہ
بناتا کچن سے نکل گیا۔

فریش ہو کر جیسے ہی داش روم سے نکلا تو صندوق کی
کال آگئی۔

”ہیلو.....“ موڈ خوش گوار ہو گیا۔

”مجھے پتا ہے تم پھوپو کے ہاتھ کے سمو سے کھا رہے
ہو گے ناں اس موسم میں۔“ صندوق کی بات پر ٹھنڈی سانس
بھر کر دیا۔

”اتنا اچھا موسم ہو رہا ہے تمہیں کیا ہوا؟“

”ارے یار! موسم کی خوب صورتی بھاڑ میں گئی اتنے اچھے
موڈ سے گھر آیا تھا کتا تے ہی عجیب و غریب پھوٹن کا سامنا
کرنا پڑا۔“ گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتے ہوئے وہ وہیں
بیڈ پر ٹک گیا اور تفصیل بتائی۔

”اوہ لڑکی! کیسی ہے کیا عمر ہوگی رنگ کیسا ہے ہاسٹ کیا
ہے؟“ لا تعداد سوال کر ڈالے۔

”ارے یار پاگل ہو گئی ہو کیا لعنت بھیجو اس پر یہ بتاؤ
کب آرہی ہو؟“ صبح سے کئی بار کیا جانے والا سوال ایک
بار پھر کر ڈالا۔

”ارے جائش! کیا ہو گیا ہے تمہیں کتنی بار بولوں عید
سے پہلے آ جاؤں گی۔“ صندوق نے جواب دیا۔

”آف..... یہ دن کیوں نہیں ختم ہو رہے یار!“ جائش کی
بے چینی پر صندوق ہنس دی۔ باہر سے پاپا کی آواز آرہی تھی
جائش نے کال بند کی اور بالوں میں برش کر کے کمرے سے

باہر آ گیا۔

شکر ہے کہ وہ رات کے کھانے پر موجود نہیں تھی بقول
فاخرہ بیگم کے وہ پردے کی بہت پابند ہے اور اسی لیے کھانا
ساتھ نہیں کھا سکتی کہ اسے منہ سے چادر ہٹانی پڑتی۔

”شکر ہے خدا کا اسے سامنے دیکھ کر کھانا کھانا بھی مشکل
ہو جاتا۔“ جانش نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ کھانا
کھانے کے بعد جانش کافی دیر تک کمرے میں لیپ ٹاپ پر
مصرف رہا اور جب سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو وی لاؤنج
سے شور کی آواز آنے لگی۔ اس کا کمرہ ٹی وی لاؤنج سے قریب
تھا اور وہ کھڑکیاں بھی کھول کر سوتا تھا اس لیے آواز سب سے
زیادہ اس کے کمرے میں آتی تھی وہ کمرے سے نکلا تو سامنے
صوفے پر گوری بیٹھی تھی۔ ٹی وی پر کوئی پشتو چینل لگا تھا اور کوئی
پشتو نغمہ چل رہا تھا دونوں ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے گوری
پوری طرح گانے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ جانش کا دماغ
گھوم گیا بھلا یہ کوئی وقت تھا اس ہنگامے کا۔

”او ہیلو!“ آواز پر وہ ہلٹی چہرہ بدستور چادر میں چھپا ہوا
تھا۔ آنکھوں پر گلاسز بھی لگے ہوئے تھے۔ جانش کو قطعی نظر
انداز کر کے وہ دوبارہ ٹی وی کی جانب متوجہ ہوئی۔

”اے لڑکی!“ جانش نے آگے بڑھ کر ریموٹ اس کے
ہاتھ سے لے کر ٹی وی کی آواز بند کر دی۔

”تم کو کتنی بار بولا اے کہ ام کلثوم کی مڑکی نہ بولا کرو! اما نام
گوری ہے گوری جاناں!“ اس نے جاناں پر زور دیا۔ ”اگر
گوری نئی تو جاناں ای بول دو۔ ام مہمان ہے مہمان تم کو ذرا سا
بھی اما خیال نہیں۔ دیکھو چا چا چاچی اور دادی لوگ کتنا اچھا
ہے کتنا پیار کرتا ہے۔ اور تم..... تم تو ایک دم کڑوس او۔“

”چپ.....“ جانش اس کی بات پر نرمی طرح تب
گیا۔ ”مہمان ایک دو دن کے ہوتے ہیں تمہاری طرح
نہیں ہوتے۔“

”ارے بابا ام بھی چلا جائے گا بس کوئی اچا سا
تمہارے جیسا لڑکا مل جائے ام سے شادی بنالے تو ام
بھی چلا جائے گا۔“

”افوہ..... تو یہ ہے کیسی بے ہودہ لڑکی ہے۔“ جانش نے
اسے نرمی طرح گھور کر دیکھا اور دل ہی دل میں کہتا ہوا
ریموٹ اس پر پھینک کر اپنے کمرے میں آ گیا اور دھاڑ سے
کھڑکی بند کر دی اسی لمحے صندل کا بیج آ گیا۔

سنو.....!

سنو..... تم نے کبھی ساحل پر بکھری ریت دیکھی ہے؟
سمندر ساتھ بہتا ہے مگر اس کے مقدر میں

ہمیشہ پیاس رہتی ہے.....

سنو! تم نے کبھی صحرا میں جلتے پیڑ دیکھے ہیں؟
کبھی کو چھاؤں دیتے ہیں مگر ان کو

صلے میں دھوپ ملتی ہے

سنو! تم نے کبھی شاخوں سے پھڑتے پھول دیکھے ہیں؟
وہ خوشبو بانٹ دیتے ہیں بکھر جانے تلک لیکن

ہوا کا ساتھ دیتے ہیں

سنو! تم نے کبھی میلے میں بجتے ڈھول دیکھے ہیں؟
عجب ہے! یہ ان کا بہت ہی شور کرتے ہیں

مگر اندر سے خالی ہیں.....

یہ ہی میرا فسانہ ہے

بس اتنی سی پہیلی ہے.....

یہ ہی میری کہانی ہے.....

جازبہ عباسی..... دیول مری

”کہاں تمیں تم دو گھنٹے سے کسی میسج کا ریپلائی نہیں کیا۔“

سارا غصہ صندل پر نکالا۔

”یار سوری! وراسل ثمرہ باجی کی طبیعت اچانک خراب
ہو گئی تھی ہم لوگ ہسپتال میں تھے ان کے ہاں بیٹی ہوئی ہے
بہت کیوٹ ہے ماشاء اللہ۔“

”او کے لیکن بتا کر جانا تھا ناں۔“

”ہاں جلدی میں میسج کر کے دیکھا نہیں وہ میسج تمہیں سینڈ
نہیں ہوا تھا میں نے ابھی دیکھا۔“ صندل کے جواب پر وہ
چپ ہو گیا۔ ”تم سوئے نہیں۔“ صندل نے پوچھا۔

”کہاں یار..... عجیب خطی اور پاگل لڑکی آگئی ہے مگر

میں اس وقت جب سب سو رہے ہیں محترمہ چادر میں منہ
چھپائے پشتو میوزک سے لطف اندوز ہو رہی ہیں بات کرنے
کا سلیقہ نہیں میوزک میں سمجھ رکھتی ہیں۔“ جانش طنز سے بولا۔

”چلو چھوڑ دانا موڈ ٹھیک کر کے سو جاؤ“ صبح بات
ہو گی گڈ نائٹ!“

”تمہارا میسج دیکھ کر موڈ ٹھیک ہو گیا گڈ نائٹ!“ جواباً کہا



برکت احمد اور بشری بیگم حج سے واپسی پر سیدھے فاخرہ بیگم کے یہاں آنے والے تھے کیونکہ صندل نے بھی عید پر یہیں آنا تھا۔ فاخرہ بیگم کا ارادہ تھا کہ عید کے بعد جب برکت احمد اور بشری بیگم آئیں تو جانش اور صندل کی باقاعدہ بات چلی کر دی جائے۔ فاخرہ بیگم دو چار دن بھائی بھادج کی مہمان نوازی کر رہی تھیں پھر وہ لوگ اپنے گھر چلے جائیں گے۔

عید الاکھی کے آنے میں چھ دن باقی تھے اس روز جانش نے فاخرہ بیگم سے اجازت لی کہ وہ صندل کے لئے کر عید کی شاپنگ پر جائے گا پھر صندل کو اس کے ماموں کے گھر اور چھوڑ کر جانش اپنے گھر آ جائے گا۔ فاخرہ بیگم نے اجازت دے دی کافی دن بعد جانش نے صندل کو دیکھا تھا اسے یوں صندل کے ساتھ شاپنگ کرنا اچھا لگ رہا تھا اپنی پسند سے اس نے صندل کو بوٹل گرین سی گرین کو سٹیشن کی لانگ امبرا ایڈی والی فراک اور پاجامہ دلایا ساتھ ہی میچنگ سینڈل جیولری بھی لی۔ جانش نے صندل کی پسند سے اپنے لیے ڈارک گرے کڑھائی والا کرتا اور سفید شلوار خریدے دونوں نے خوب انجوائے کیا۔

تین دن بعد صندل نے عید کرنے آنا تھا جانش بہت خوش تھا اور بہت اچھے موڈ میں گھر آیا تھا۔ شکر خدا کا کہ گوری سے سامنا نہیں ہوا تھا پاپا بھی گھر پر نہیں تھے۔ دادو شاید لیٹ گئی تھیں ماما کچن میں تھیں وہ فاخرہ بیگم کے پاس آ گیا۔

”ماما! بہت مزا آیا۔ ہم نے بہت شاپنگ کی اس کی پسند سے میں نے سوٹ بھی لیا۔“ بچوں کی طرح خوشی خوشی بتا رہا تھا۔

”میں تمہارا انتظار کر رہی تھی تم کمرے میں چلو میں آتی ہوں کچھ بات کرنی ہے تم سے۔“ اس کے والہانہ پن کے جواب میں فاخرہ بیگم نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

”اوکے ماما۔“ جانش کی سمجھ میں فاخرہ بیگم کا رویہ نہیں آ رہا تھا وہ اتنی سنجیدہ کیوں ہیں صبح تو بہت خوش تھیں اور خوشی خوشی شاپنگ کی اجازت بھی دی تھی۔ وہ کمرے میں آ کر بیٹھ کر کے بیٹھا تھا کہ فاخرہ بیگم آئیں آ کر بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

”ماما! خیریت تو ہے ناں آپ اتنی پریشان کیوں ہیں سب ٹھیک تو ہے ناں۔ ماما می خیریت سے تو ہیں ناں؟“

”ہاں ہاں سب خیریت ہے۔ جانش بیٹا! تمہاری دادو اور تمہارے پاپا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عید کے تیسرے دن تمہارا اور گوری کا نکاح کر دیا جائے۔“ فاخرہ بیگم نے لفظوں کا دھماکہ عین اس کے سر پر کیا۔

”کیا..... کیا.....“ وہ بیڈ سے ایسے اچھلا جیسے سانپ نے ڈنک مار دیا ہو۔ ”ماما کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟“ وہ جو صندل اور اپنے رشتے کے بچے ہونے کے خواب دیکھ رہا تھا اس افتاد پر حواس باختہ ہو گیا۔

”ہاں بیٹا! جو میں نے کہا یہی سچ ہے۔“

”میں ماما! ہرگز نہیں یہ کسی صورت نہیں ہو سکتا۔ کیا ہو گیا ہے پاپا اور دادو نے ایسا سوچا بھی کیسے؟ میرے اور صندل کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے آپ لوگ ایسا بے کافصلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ کہاں گوری جاہل گنوار اور ال منیر ڈلڑی جسے نہ بات کرنے کی کمیز ہے نہ پہننے اور ہنسنے کا ڈھنگ۔ اس بے جوڑ فیصلے کا کیا مقصد ہے پھر.....؟“

”بیٹا! تم جانتے ہو کہ گوری کا اس دنیا میں کوئی نہیں۔“

”تو..... اس کا کیا مطلب ہے میں قربانی کا بکرا ہوں کہ میرے سر لا دارٹ اور جاہل لڑکی کا بوجھ ڈال دیا جائے۔“ جانش کے لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا۔ ”آپ خود سوچیں ماما! کیا وہ آپ کی بہو میری بیوی بننے کے قابل ہے۔ وہ ان پڑھ جاہل اور میں.....؟“

”بیٹا! تم نے اسے دیکھا نہیں ہے گوری بہت پیاری میٹرک تک پڑھا ہے اس نے سارے کاموں میں ماہر ہے۔ صوم و صلوٰۃ کی پابند ہے اور با حیا بھی ہے۔“

”سب کچھ اپنی جگہ ماما! ایسا ہے تو ہم اس کے لیے اچھا لڑکا ڈھونڈ سکتے ہیں ضروری ہے کہ اسے میری بیوی بنایا جائے؟“

”بیٹا! دراصل تم کو پتا نہیں جب تمہارے دادا جی گاؤں میں رہتے تھے تو ان کے تعلقات اپنے بھائیوں سے خراب ہو گئے سوتیلے بھائیوں نے انہیں جائیداد سے بے دخل کر دیا اور یہی نہیں بلکہ ان کی جان کے دشمن ہو گئے ایسے میں گوری کے دادا نے ان کی ہر ممکن مدد کی اپنے پاس رکھا روپیہ پیسہ نہاد اور سب کچھ فراہم کیا۔ تمہارے دادا کے پاس پھوٹی کوڑی تک نہ تھی گوری کے دادا نے انہیں کاروبار کر دیا یہ سوچ لو کہ اللہ کے

بعد اگر وہ نہ ہوتے تو آج میں ہوتی نہ تم، تمہارے دادا کے سوتیلے بھائی ان کو قتل کر چکے ہوتے۔ اب تمہاری دادا اور پاپا کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ اس وقت کیے گئے احسان کا بدلہ ہم یوں اتار سکتے ہیں جب تمہارے دادا کا کوئی نہیں تھا، آج گوری کا کوئی نہیں ہے۔“ فاخرہ بیگم کی آواز رندھ گئی۔

”مما! آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں اور صندل ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور جب کہ ہمارا رشتہ پکا ہونے جا رہا تھا تو آپ لوگوں نے نیا شوشہ چھوڑ دیا۔ سوری ممما! میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔“ جانش نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”جانش تم جانتے ہو اپنے پاپا کو کہ وہ ہر بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں ان کا فیصلہ اور دادا کا فیصلہ ہمیشہ جتنی ہوتا ہے تمہیں اس پر عمل تو کرنا ہوگا اور رہی صندل کی بات تو وہ بہت پیاری، پڑھی لکھی اور دولت مند بھی ہے اس کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں۔“

”مما! حد کرتی ہیں آپ بھی کتنی آسانی سے کہہ رہی ہیں ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کا خواب دیکھا ہے ایک دوسرے کو جانتے ہیں، سمجھتے ہیں، پیار کرتے ہیں۔“ جانش کا لہجہ نرم ہو گیا تھا۔

”آئی ایم سوری بیٹا! ساری باتیں اپنی جگہ لیکن تمہارے پاپا کا فیصلہ اپنی جگہ اور ان کے فیصلے کو ماننا ہی ہوگا یہ میری بھی مجبوری سمجھو۔“ آخری جملے پر فاخرہ بیگم کی آواز بھی بھرا گئی اور وہ اٹھ کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

”افوہ.....“ جانش نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا، عجیب و غریب سچویشن تھی۔ وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلا تاکہ جا کر دادو سے صاف صاف کہہ دے کہ وہ یہ شادی ہرگز نہیں کر سکتا۔ وہ جیسے ہی کمرے کے پاس پہنچا اندر سے آئی آوازوں نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

”جی اماں جی! وہ مان گیا ہے۔“ یہ فاخرہ بیگم کی آواز تھی۔ ”ہاں مجھے قوی امید تھی کہ وہ مان جائے گا آخر اس کی رگوں میں ہمارا خون گردش کر رہا ہے۔ ہم نے ہمیشہ سے اپنے بڑوں کی باتوں کا بھرم رکھا ہے ان کا سر کسی مقام پر جھکنے نہیں دیا اور پھر گوری صرف گاؤں کے ماحول کی وجہ سے ایسی ہے اسے تھوڑا بہت سمجھانے کی ضرورت ہے۔ خوب صورت ہے نیک ہے، بچا حیات با پردہ ہے۔ تھوڑی سی ٹریننگ دینے پر وہ یہاں کے ماحول میں ڈھل سکتی ہے۔“

تائید لفظوں کی

☆ ہم جذبہ محبت کی تخلیق پر قادر نہیں ہیں۔ اسے مدت تو کیا صدیوں میں بھی تخلیق نہیں کیا جاسکتا۔
☆ مصروفیت اپنے اصل سے فرار ہے۔ دنیا نفس ہے اور نفس کے شور میں کھو کر روح کی پکار پر کیوں کر دھیان دیا جاسکتا ہے۔

☆ زخم ہمیشہ اسی سے ٹھیک ہوتے ہیں جو انہیں عنایت کرتا ہے لیکن کبھی کبھی تو یہ اس کے بس کی بھی بات نہیں رہتی۔

☆ یاد کرنے کے لئے تصویر کا ہونا ضروری تو نہیں۔ کچھ صورتیں دل پر بھی نقش ہو جایا کرتی ہیں۔ (صبا سلیم..... ٹنڈو جان محمد)

”افوہ..... دادو یہ کیا کہہ رہی ہیں؟“ وہ اٹنے پاؤں واپس لوٹ آیا۔ کمرے میں آتے ہی صندل کو کال ملائی۔ ”بہت مبارک ہو جی۔“ صندل کی بات پر وہ گڑبڑا گیا۔ ”کیا ہو گیا کس بات کی مبارک باد۔“

”واہ جی مدعی ست گواہ چست۔“ اس بار صندل کے لہجے میں ہلکا سا طنز بھی شامل تھا۔ ”تم کو خبر بھی نہیں کہ مبارک باد کس بات کی دی جا رہی ہے؟“

”بکواس بند کرو اپنی تم بجائے مجھ سے ڈھنگ سے بات کرو پر ابلم کا حل نکالو! تا تم بھی بکواس کرنے لگی ہو۔ تمہیں لگتا ہے کہ مجھے مبارک باد وصول کرنی چاہیے میں بہت خوش ہوں؟“ جواباً وہ غصے سے جھنجھلا کر بولا۔

”آہستہ بولو اگر یہی ڈرامہ رچانا تھا تو پھر مجھے کیوں آس میں رکھا؟“ اس بار صندل کے لہجے میں دکھ تھا۔

”صندل تم پاگل ہو گئی ہو؟ میں کوئی لڑکی ہوں کہ جہاں دل چاہے میرا رشتہ طے کر دیا جائے۔ میں پاپا سے بات کروں گا یا را!“

”نہیں جانش! تم گھر والوں سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا، پھوپا اور دادو کی بات مان لینا۔ اب اگر تم احتجاج کرو بھی تو شاید میں نہ مانوں اور پلیز آئیندہ مجھ سے بات مت کرنا۔“

”صندل! پلیز یا ربات تو سنو کم از کم تم تو میرے ساتھ ایسا برتاؤ مت کرو۔“ وہ رووینے کو تھا۔

”پھر..... پھر کیا کروں میں؟ اب جبکہ سارے فیصلے ہو چکے ہیں بات مجھ تک آگئی ہے۔“ صندل نے روتے ہوئے بات مکمل کی اور کال کاٹ دی۔

”صندل..... صندل..... میری بات.....“ وہ پکارتا رہ گیا مگر دوسری جانب فون آف ہو چکا تھا۔

”آف میرے خدا یہ سب اچانک کیا ہو گیا۔“

عید میں تین دن باقی تھے کل صندل نے آنا تھا اور آج..... آج یہ سب کچھ اچانک سے رونما ہو گیا تھا۔ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے وہ شدید اضطرابی کیفیت میں تھا اس کا دل کر رہا تھا کہ جا کر گوری کا گلا دبا دے جس نے آ کر بڑا فساد ڈال دیا۔ سب کچھ الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا۔ کتنے لوگوں کو ڈسٹرب کر کے رکھ دیا تھا۔

جانش نے ایک حتمی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ فی الحال گوری سے نکاح ضرور کرے گا مگر..... دوسری شادی ضرور کرے گا چاہے اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنا پڑے۔ اگر میں اپنے بڑوں کے فیصلے پر اتنی بڑی قربانی دینے جا رہا تھا تو دادو اور پایا کو بھی ہر صورت میں میری یہ بات ماننی ہوگی۔“ اسے رہ رہ کر دادو پر غصا آ رہا تھا جو اس سے اس قدر انج تھیں اتنا پیار کرتی تھیں زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ بناؤ اس کی مرضی کے کر گئیں تھیں جہاں اس کی پسند رائے کو کوئی اہمیت نہ دی گئی تھی۔ اس کا دل بجھ سا گیا تھا گوری نام کی وہ بلا ہر وقت دادو کی چاپلوسی میں لگی رہتی۔ سرد بانی، کبھی تیل لگانی، کبھی چٹیا گوندھتی اور وہ دور سے دیکھ کر واپس مڑ جاتا۔ کہاں کی حمید کیسی تیاریاں..... جانش کے لیے سب کچھ بے معنی اور بد مزہ ہو کر رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

چاند رات کو گوری اپنے کمرے میں قید ہو گئی بھول ماما کے۔

”چار دن بعد نکاح ہوتا ہے اس لیے اس نے سب سے پردہ کر لیا ہے۔“

”نکاح..... ہنہہ.....“ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ ”گن گن کر بد لے لوں گا کم بخت سے کیسی میسنی بن کر دل جیت لیے ہیں سب کے مگر میرا دل مرکز بھی نہ جیت پائے گی جابل گنوار۔“ دل ہی دل میں گوری کو صلواتیں سناتا رہتا۔ جب بے کلی حد سے زیادہ بڑھی تو اس نے صندل کو میسج کر دیا۔

”صندل پلیز آ جاؤ۔“

”کیوں..... تمہارے نکاح کے چھوڑے کھانے آ جاؤں؟“ جواب پردہ تڑپ گیا۔

”صندل یار! میں خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہا ہوں کیوں میرے زخموں پر نمک پاشی کر رہی ہو۔“ بلا خراس نے کال ملائی کال ریسو کرتے ہی صندل غصے سے گویا ہوئی۔

”جانش تمہیں صرف اپنا غم اپنا دکھ اور اپنا زخم نظر آ رہا ہے میں..... میں کسی گفنتی میں نہیں ہوں۔ زخم میں نے بھی کھایا ہے پھوپھو نے ہمیشہ یہی ظاہر کیا کہ میں ان کی بہو بنوں گی مجھے اس گھر میں آنا ہے اور اب اچانک سے یہ فیصلہ.....؟ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے تمہیں کچھ اندازہ ہے اس بات کا؟“ صندل کی بات پردہ بے تالی سے بولا۔

”صندل پلیز مجھے بتاؤ میں کیا کر سکتا ہوں؟“

”ایک بات مانو گے؟“ صندل نے قدرے سنجیدہ انداز میں پوچھا۔

”ہاں بولو۔“

”ہم گھر سے بھاگ کر شادی کر لیتے ہیں۔“ صندل کی بات پردہ بری طرح گڑبڑا گیا اسے صندل سے ایسی بات کی قطعی امید نہ تھی۔

”صندل.....! یہ..... یہ کیا کہہ رہی ہو تم..... پاگل ہو گئی ہو کیا؟ کیسی فضول بات سوچتی ہے تم نے۔ ہم دونوں اپنے والدین کے اکلوتے ہیں ہمیں لے کر ان لوگوں نے کیسے کیسے خواب دیکھے ہیں۔ کیا ہمارے اس اقدام کے بعد وہ زندہ رہ پائیں گے؟ تمہارے ماما پاپا ج جیسی سعادت کے بعد واپس لوٹیں گے تو کیا وہ آتے ہی اتنا بڑا صدمہ برداشت کر پائیں گے؟ بے شک صندل..... تم میری محبت ہو میری زندگی ہو میں تمہارے بغیر زندگی گزارنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ گوری نام کی لڑکی جو میری زندگی میں تمہاری جگہ لے کر آ رہی ہے ساری زندگی میرے پیار کو ترسے گی وہ صرف میری بیوی ہوگی۔ صندل ہم اپنے ماں باپ کی غیرتوں کو داد پر لگا کر بھی بھی خوش اور آسودہ نہ نہ کیسے گئے مجھے تم سے ایسی بات کی امید نہ تھی ہاں میں کچھ عرصہ بعد تم سے شادی کر سکتا ہوں اگر تم چاہو تو.....؟ اس وقت پھر میں دادو کی بات مانوں گا نہ پایا کی۔ اس وقت ان لوگوں کو ہر حال میں میری بات ماننا ہوگی تم سوچ کر جواب دینا ورنہ پھر جو ہمارے مقدر میں لکھا ہے اس پر شا کر

رہوں گا۔“ کہہ کر جانش نے کال بند کر دی۔

”صندل.....“ اس کے لبوں سے آہ کی صورت نکلا۔
”صندل میں کیا کروں؟ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی
مرد بھی اس طرح مجبور ہو سکتا ہے۔“

چاند رات کی ساری رونقیں بے معنی اور فضول لگ رہی
تھیں، صبح بقر عید کھی قریانی کے جانور پچھلے صحن میں گزشتہ تین
دن سے بندھے تھے۔

اسے رمضان کی عید کی چاند رات یاد آئی ابھی تو گزری تھی
ساری رات صندل نے اس سے بات کی۔ ابھی صفائی کی ابھی
پردے لگائے ابھی مہندی لگوائی کپڑے پر لیس کیے۔ ممانے
بادام پستے کائے چھوٹی چھوٹی ساری باتیں معصومانہ انداز میں
شیر کر رہی تھی اور وہ بھی بڑی دلچسپی سے ایک ایک بات سن رہا
تھا پوچھ رہا تھا۔

عید کی صبح ناشتے کے بعد وہ سب سے پہلے ماموں کے گھر
ہی گیا تھا فیروزی اور پنک سوٹ میں جی سبائی صندل کو دیکھ کر
دل بچل گیا تھا۔

عید کی صبح وہ جاگا عجیب سستی اور بے کلی کا عالم تھا تیار ہو کر
حسب معمول نماز پڑھنے پایا کے ساتھ مسجد چلا گیا۔ گوری مکمل
طور پر پردے میں تھی اسے کبھی کوئی شوق، کوئی جستجو یا دلچسپی نہ
تھی۔ اس کا ہونا نہ ہونا کوئی معنی نہ رکھتا تھا بلکہ اذیت اور ٹینشن
کا باعث تھی۔

عید الاضحیٰ کی نماز سے پایا اور وہ لوٹ کر آئے دادو اور ماما
سے ڈھیروں دعائیں لیں۔

”چلو بھئی بیگم جلدی سے ناشتا کرادو۔“ ناصر صاحب نے
کہا تو سب لوگ لاؤنج میں آ گئے۔ ابھی ناشتا کرنے بیٹھے ہی
تھے کہ ڈور بیل بجی۔

”اوہو شاید قصائی آ گیا۔“ ناصر صاحب نے گھڑی دیکھتے
ہوئے کہا۔

”آپ لوگ شروع کریں میں اسے بٹھا کر آتا ہوں۔“
جانش نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور باہر کی جانب چل دیا۔
”آف.....“ باہر نکلا ہی تھا کہ پچھلی طرف والے صحن کے
پاس اس نے دیکھا وہی بونل گرین اور سی گرین کو مڈلشن والا
سوٹ جو اس نے اور صندل نے مل کر خریدا تھا وہی پہنے سر پر
وہی کالی چادر اوڑھے یقیناً گوری کھڑی تھی۔

”یہ سوٹ..... یہ سوٹ اس تک کیسے پہنچا..... کہیں

میری نصیحت

سنو! ابھی تم عشق مت کرنا

ابھی مٹی سے کھیلو تم

تہہ باری عمر ہی کیا ہے

ابھی معصوم ہو تم

نہیں معلوم ابھی تم کو

کہ جب یہ عشق ہوتا ہے؟

تو انسان کتنا روتا ہے؟

ستارے ٹوٹ جاتے ہیں

سہارے چھوٹ جاتے ہیں

ابھی تم نے نہیں دیکھا

کہ جب ساتھی پچھڑ جاتے ہیں

تو کتنا درد ملتا ہے

کہ فرصت کے موسم میں

ہزاروں غم ابھرتے ہیں

ہزاروں زخم ملتے ہیں

سنو! ابھی تم عشق مت کرنا

عقیدہ رضی..... فیصل آباد

صندل نے تو غصے سے اسے بھجوا دیا؟“ جانش کی سمجھ میں نہیں
آیا یہ سب کیا ہے؟ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور جا کر بے ساختہ
اسے کاندھے سے پکڑ کر اپنی طرف پلٹایا۔

”اوئے خیرہ..... ام نامحرم اے یہ کیا کرتے اے.....؟“
چادر کے اندر سے وہ کسمسائی۔

”بکواس بند کرو یہ بتاؤ یہ کپڑے تم نے کیوں پہنے؟“ غصے
سے پوچھا۔

”اس لیے کہ یہ کپڑے تم نے میرے لیے ہی خریدے
تھے۔“ چادر پھینک کر وہ قریب آ کر بولی تو جانش کی آنکھیں
حیرت سے پھٹنے لگیں۔

”صن..... صندل..... یہ تم ہو..... تم.....“ لے لیے
بالوں کے ساتھ وہ سامنے کھڑی تھی۔

”کیوں مجھے نہیں آنا چاہیے تھا کیا؟“ الٹا سوال کر ڈالا۔

”واؤ یار! بڑے حسین لگ رہے ہو۔“ ساتھ ہی جانش کو سر
سے ہیر تک دیکھا گرے گرتے وائٹ کلف دار شلو اور بلیک

سینڈل میں وہ بہت پیارا لگ رہا تھا۔

”یہ..... سب کیا ڈرامہ ہے؟ گوری اور تم..... اود.....“
جائش جو الجھا الجھا سا تھا ایک لمحے میں معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا اور اس کا منہ بن گیا۔

”مطلب تم لوگوں نے میرے ساتھ اتنا بڑا اور اتنا گھٹیا مذاق کیا ہے؟ حتیٰ کہ داد دیا یا؟“ مما سب نے مل کر مجھے پاگل بنایا۔ مجھے ستایا، کیا سوچ کر اور کیوں یہ ڈرامہ رچایا؟“
جائش کا دل کر رہا تھا صندل کے حسین چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دے۔

”پلیز پلیز جائش! وی آر سوری..... چاہے تم غصہ مجھ پر نکال لو پلیز ناراض مت ہو جانا یہ سب میری وجہ سے ہوا اس میں باقی سب کا اتنا قصور نہیں ان لوگوں نے تو میرا ساتھ دیا ہے۔“ صندل ہاتھ جوڑے سامنے کھڑی تھی۔

”مگر اتنا گرا ہوا ڈرامہ تم نے آخر کیا کیوں؟ تم کو اندازہ ہے کتنی اذیت اور تکلیف میں گزر رہے ہیں میرے گزشتہ چار دن؟“

”ہاں آئی ایم سوری“ واصل تمہیں پتا ہے ناں میں سائیکالوجی کے حوالے سے نئے نئے موضوعات پر ریسرچ کرتی رہتی ہوں اسی وجہ سے ایک بار کلاس میں ٹیچر اور ہم اسٹوڈنٹ کے درمیان اس بات پر بحث ہو گئی کہ لڑکے جذبات میں آ کر فیصلہ کرتے ہیں اور لڑکیاں ان کی بہ نسبت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتی ہیں بس اسی موضوع کو لے کر میں نے یہ چھوٹا سا ڈرامہ کیا اور آخر میں تمہیں گھر سے بھاگ جانے کے لیے کہا لیکن تم نے انکار کر کے یہ ثابت کر دیا کہ لڑکے بھی سمجھداری سے کام لے لیتے ہیں۔“ شرارت سے ”بھی“ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”لیکن آئی ایم سوری مجھے معاف کر دو میں نے واقعی تمہیں بہت تنگ کیا ہے۔“ کان پکڑے معصوم انداز میں اعتراف کرتی ہوئی وہ سیدھا دل میں اتری جا رہی تھی۔
”بکو اس بند کرو اپنی۔ میں کسی صورت تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔“ وہ منہ بنا کر پیٹھ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔

لو ہاتھ جوڑے لو کان پکڑے

بتاؤ کیسے مناؤں تم کو.....؟

وہ ہاتھ جوڑے مصومیت کی ساری حدیں پار کرتی دل میں اتری جا رہی تھی وہ بدستور منہ پھلائے ناراضگی کا اظہار

کر رہا تھا۔

”بس اب زیادہ نخرے دکھانے کی ضرورت نہیں اب کیا بچی کی جان لو گے۔“ لہجہ شرارتی تھا۔
”تم نے جو میری جان عذاب کر رکھی تھی چار دن سے؟“ سوال کیا، لہجہ بدستور تیکھا تھا۔

”تو معافی تو مانگ رہی ہوں ناں یار! ٹھیک ہے اگر تم کو نہیں ماننا تو مت مانو۔ ادے یار آم کسی بھی سمندر خان بادشاہ خان یا گل خان سے شادی بنالے گا۔“

”گلا دبا دوں گا تمہارا بھی اور تمہارے خان کا بھی آگے بڑھ کر صندل کی نازک گردن پر دونوں ہاتھ جما کر بولا۔

”نکاح تو ہو جانے دو ظالم پھر مار دینا۔“ صندل کی بے ساختگی پر جائش کو ہنسی آ گئی۔

”اگر تمہیں مار دیا تو خود کیسے جی پاؤں گا؟“ والہانہ انداز میں جھک کر اس کے کان میں گنگنایا۔

”تم تو جان جائش ہو۔“ ساتھ ہی سر پر بوسے کی صورت میں خوب صورت عیدی پیش کر دی صندل ہنسن ہو گئی۔

”چلو بچو..... اندر آ جاؤ ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور پھر سچ دالا قصائی آ جائے گا۔“ فاخرہ بیگم کی آواز پر دونوں جھینپ گئے۔

آج کی عید کتنی حسین اور مکمل ہو چکی تھی دونوں کو ساتھ ساتھ آتا دیکھ کر فاخرہ بیگم نے نظروں نظروں میں دونوں کی بلائیں لے ڈالیں۔





میراثِ تیرے طلعتِ نظامی

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

یہ عید تیرے واسطے خوشیوں کا نگر ہو
کیا خوب ہو ہر روز تیری دید اگر ہو
ہر رات مسرت کے لیے گیت سنائے
لمحات کے پیڑوں پر بھی شبنم کا شہر ہو

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

ان بچوں کے آگے اپنے جذبہ شوق کی تسکین کر سکیں جن
کے گھروں میں خوب موٹے تازے جانور ایک مہینہ یا
پندرہ دن بیل رونق افروز ہو جاتے۔

یہاں تو گھر کے معمولی اخراجات پورے ہوتے نظر
نہیں آتے کجا قربانی ویسے بھی یہ سنت ابراہیمی صاحب
استطاعت لوگوں پر عائد تھی۔ وہ لوگ تو بس ”لینے“ والے
تھے ”وینے“ والوں کی صف میں ابھی کھڑے نہیں ہوئے
تھے پر بچوں کو کون سمجھائے ننھا منا اصرار اپنے سا وہ لوح
باپ کے آگے ہر سال ہوتا اور ساتھ اس فرمایاں کی تسلی بخش
مسکراہٹ ان کے اصرار کا حوصلہ ٹوٹنے نہیں دیتی۔

ہانیہ زوہیب سے چھوٹی تھی پر سمجھواری میں اس سے
کہیں آگے۔ زوہیب ضدی تھا زمانے کی ووڑ میں ساتھ
وینے والا تقریباً ہر گھر کے دروازوں کے آگے کوئی نہ کوئی
جانور بندھا دیکھ کر اسے بھی ہڑک اٹھتی کہ وہ بھی اپنے
جانور کی سب کے آگے نمائش کر کے واو و صولے۔ اس کی
عمر کے سب بچے اپنی گائے یا بکروں کی باتیں کر رہے
ہوتے تو اس کا دل بھی چاہتا کاش وہ بھی اس قابل ہوتا کہ

عید الاضحیٰ کی آمد میں ابھی پندرہ سولہ دن باقی تھے
لیکن گھر گھر جانوروں کی آمد اور بچوں کے شور و غول نے
رونق کا سماں باندھ دیا تھا۔ وہ بھی مغرب کی نماز ادا کر کے
کچھ دیر ستانے کا سوچ رہی تھی پورا دن سلائی مشین پر جھکے
جھکے کمر بھی دہری ہو گئی تھی۔ اس خواہش کو عملی جامہ
پہنانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ گلی میں پھر سے شور اٹھا اور
ساتھ بچوں کے سر پٹ ووڑنے کی آواز کے ساتھ ہی
”گائے آئی..... گائے آئی“ کے نعرے بلند ہونے
لگے۔ ایک لمبی سانس کے ساتھ اس نے کمر تکیے سے
ٹکائی ساتھ زوہیب اور ہانیہ کو آواز بھی لگئی کہ کہیں وہ بھی تو
اسی ہجوم میں مانگ جائیں۔

اس کا اپنا گھر تو اس عبادت سے ہمیشہ محروم رہا بچوں
کی بھی اس خواہش کو ہمیشہ پھسکی مسکراہٹ سے ٹالا کہ کسی
سال ایک چھوٹا موٹا سا ہی سہی ایک بکرا ہمارے دروازے
پر بھی بندھے۔ یہ تو خیر بچکانہ آرزو تھی پر ان دونوں میاں
بیوی کا دل بھی چاہتا کہ وہ بھی راہِ الہی میں قربانی کر کے
چتر خدوی کی مسند پر جا بیٹھیں۔ یہ دونوں بچے بھی محلے کے

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء * 123

READING
Section

ڈال دیا اور ان کا شوق پورا ہو گیا۔“ حمزہ نے جلے دل کا پھپھوٹا پھوڑا۔

”ثواب ہے بیٹا قربانی کے جانور کا خیال رکھنا، پیا نیکی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ جمیل صاحب کی بھی دو گائے آ کر بندھتی ہیں تو پیا بھی رات جاگ کر ان کی پہرہ داری کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کے گھروالے بھی آرام کر لیتے ہیں۔“

”اور بدلے میں کیا ملتا ہے انہیں۔“ پندرہ سالہ بچہ ضرورت سے زیادہ احساس کمتری کا شکار ہو گیا تھا۔

”ثواب..... جو سب نعمتوں پر حاوی ہے۔“ اس نے رسائیت اور سمجھ داری سے سمجھایا۔

”مما! ایک کلو گوشت بھی ہمیں نہیں دیتے، پیا کے یہ نام نہاد دوست اور بھنی ہوئی کچلی بھی اپنے ہی کارخانہ دار کو بانٹ رہے ہوتے ہیں۔“

”جب تمہارے پیا کو کوئی اعتراض نہیں اس بات پر تو تم کیوں کر رہے ہو ویسے بھی یہ تمہاری عمر نہیں بڑوں پر تنقید کرنے کی۔ اللہ کا دیا ہوا ثواب چند گوشت کے ٹکڑوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم کسی کو کچھ نہیں دے سکتے بدلے میں سوائے مدد کرنے کے اس لیے تم بھی اس مسئلے میں مت بولا کرو۔“ اس نے سمجھانے کے ساتھ اچھی خاصی سرزنش کر ڈالی۔ وہ پھولے ہوئے منہ سمیت کمرے میں چلا گیا، کھانا بھی نہیں کھایا، خود وہ بھی کچھ ملول سی ہو گئی تھی۔

جمیل صاحب کے گھرانے کو وہ جانتی تھی، دو گائے وہ قربانی کے لیے لائے تھے پر حکم خداوندی کے تحت تین حصے کرنے کے بجائے زیادہ تر حصہ اشاک کر لیا جاتا۔ فریج اور ڈیپ فریزر کے دروازے تک بھر جانے کے بعد چونچ جاتا وہ بڑی بڑی دیکچوں میں گرم کر کے روزمرہ استعمال کے لیے رکھ لیا جاتا جیسے روز گرم کیا جاتا تا کہ خراب نہ ہو اور اس پر بھی بس نہیں چلتا تو جمیل صاحب کی عمر رسیدہ مگر خوب تند مند والدہ موٹے موٹے دھاگوں میں پرو کر چھت پر خشک

شریک گفتگو بن سکتا یہاں تو یہ حال تھا کہ گھر کا کرایہ جاتا تو دو تین ہل منہ چڑانے کو تیار رہتے۔ پانی تو چار سال سے ٹل میں نہیں آیا تھا پر ہل ہر مہینہ باقاعدگی سے آتا۔ شکایت کرے تو کس سے جب حکمران ہی آنکھیں اور کان بند کر کے اپنی سیاست چمکانے میں مصروف ہوں ایسے میں عوام کی تقدیر رنگ لود ہی رہتی ہے۔

دوبل بمشکل ادا کیے جاتے تو بچوں کی فیس کی آخری تاریخ تک نوبت آ جاتی اور آخری تاریخیں تو شیطان کی آنت کی طرح کٹائے نہ کٹتیں۔ تنخواہ تک کی تاریخ آتے آتے گھر میں صرف آٹا اور وال بچ جاتے بچوں کی آس کی سیرابی نہ ہو پاتی پھر بھی دونوں میاں بیوی شکوہ کناں ہوئے بغیر زندگی کی گاڑی کو کھینچ رہے تھے۔

ایک گھنٹے بعد دونوں بچے گھر میں اس وقت داخل ہوئے جب وہ روٹیاں پکا رہی تھی حسب معمول زوہیب کا منہ لٹکا ہوا تھا اور چال تھکی تھکی جیسے گائے سوزو کی سے اتارنے میں پیش پیش رہا ہو جب کہ ہانیہ پورے جوش و جذبے سے سوزو کی نظر آنے سے لے کر گائے کے زمین پر تشریف لانے کا احوال سنانے لگی۔

”بہت بد معاش گائے ہے مما! زمین پر اتر کر ہی نہیں دے رہی تھی۔“ اسے ہنسی آ گئی اس خطاب پر۔ ”گلی کے سب مرد مل کر اتار رہے تھے ایسے میں پیا پہنچ گئے خود تو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ زور وار نعرہ ”اللہ اکبر“ لگایا اور سب کے سب پوری جان سے اسے اتارنے میں لگ گئے اور گائے ہل میں سوزو کی سے نیچے اتر آئی۔ پاپہنتے ہوئے بھیڑ سے نکل آئے۔“ اس کی ہنسی قہقہہ میں تبدیل ہو گئی۔

”تمہارے پیا ایسے ہی مزاحیہ حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔“ یہ سچ تھا حالات کی سنگینی نے بھی اسفر کی خوش مزاجی کو تبدیل نہیں کیا تھا۔ پورا محلہ مداح تھا اس کی خوش اخلاقی کا۔

”پیا کو تو کبھی شوق بھی نہیں ہوا ہو گا کہ ایک قربانی کا جانور پورے محلے کے سامنے اپنا بھی اتاریں سب کے ساتھ ہنس لینے دوسرے کے جانوروں کو چارہ پانی

کرتیں اور پورا سال یہ اشاک چلتا۔

روز اچھا اور مرغن کھانے کے جنون میں کہیں آگے بڑھ گئے تھے وہ جمیل صاحب سے اسفر کے والد کے بہت پرانے مراسم تھے جس کے نتیجے میں ان کے بڑے بیٹے سے اسفر کی بہت دوستی تھی لیکن جب سے ان کے حالات بدلے تھے انہوں نے آنکھیں بھی بدل لی تھیں ان کی طرف سے پورا گھرانہ دو کارخانے کی آنے والی نئی نئی آمدنی پر خدا کا شکر بجالانے کے بجائے ایک گھمنڈ میں مبتلا ہو گیا تھا، لہجے میں تکبر اور چال میں رعونت آگئی تھی۔

اب تو ان کا بیٹا بھی اسفر سے کچھ خاص طریقے سے پیش نہیں آتا۔ دوستانہ لب و لہجہ اب متکبرانہ ہو گیا تھا جس کا احساس اسفر کو بخوبی تھا پراظہار کر کے وہ ماحول کو گنہگار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ حسب معمول اسی بے تکلفانہ انداز میں ان لوگوں سے پیش آتا۔

عید قرباں پر بھی وہ غیریت برتنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے محض چند چربی دار بوٹیاں اور ہڈی ان کا حصہ بنتیں پر وہ خیال نہ کرتے۔ صاف ستھری سوچ زیادہ بُرا سوچنے پر مجبور نہیں کرتی اسی طرح وہ بچوں کی تربیت بھی کرنا چاہتے تھے کہ کسی مقام پر بھی کم مائیگی کا شکار ہو کر راہ بد پر گامزن نہ ہو سکیں۔



دس دن قبل ان کے ہاں حسب توقع دو گائے آئیں اور اس بار ایک خوب صورت سا بکرا بھی۔ ایسہ کی آنکھوں میں اشک اٹھ آیا، جمیل صاحب کے شادی شدہ دونوں بیٹوں کو اپنے جانوروں کی نمائش عرشِ معلیٰ پر پہنچا دیتی۔ دونوں اکڑی ہوئی گردن سمیت اپنے کارخانے کے کاریگروں سے ان کی خوب خدمت کرواتے کاریگر بھی کچھ ”صلے“ کی امید لیے صبح شام جانوروں کو خوب نہلاتے دھلاتے رات تو ان کی باڑے میں گزرتی اور پورا دن نمائشی اشیاء کی طرح دروازے پر بندھی رہتیں۔

اس بار بھی تینوں جانوروں کو ایک دن کے لیے

دروازے پر بندھا چھوڑا گیا تاکہ بچے بھی جی بھر کے لطف اندوز ہو لیں، خوب جی بھر کے ستائش وصولی گئی۔ خدان کا چھوٹا بیٹا دروازے پر اندر بیٹھی بیوی کو بآواز بلند سنا رہا تھا۔

”ایمان سے صبا! پورے محلے میں ہماری گائے جیسی خوب صورت کسی کی نہیں ہے، چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔“

سنت پیغمبر اتباع رسول نہ ہوئی بلکہ ذاتی شوٹا ہو گئی۔ جذبہ ایمانی منقو و ہو گیا جذبہ ستائش بڑھ گیا تھا۔ ایسہ نے بھی اخلاقیات نبھاتے ہوئے کھڑی سے ہی ان کی بڑی بہو کے سامنے تینوں جانوروں کو سراہا وہ فخر نگاہوں میں سمائے اندر چلی گئی۔

نوذوالحجہ کو ایسہ اور اسفر نے روزہ رکھا، اس دن کے روزے کی بہت فضیلت اور ثواب بیان کیا گیا ہے اور بہت ساری دعائیں اپنے کامل ایمان اور حالات کے سدھر جانے کی کیں۔

دوسرے روز بقر عید تھی، دونوں باپ بیٹا صاف ستھرے کپڑے پہن کر نماز عید ادا کرنے چلے گئے واپس آ کر سب کی قربانی بھی دیکھنی تھی۔ ایسہ نے شیر خرما بنا کر بیٹی کے ساتھ نماز ادا کی۔ واپسی پر زوہیب نے جمیل صاحب کے دروازے پر ہونے والی قربانی پر جانے سے صاف انکار کر دیا، اسفر سمجھ گیا اس انکار کے پیچھے کس سوچ کا عمل دخل ہے۔

”چلو یار بہادر بنو جب اللہ نے چاہا ہمارے پاس بھی گائے آئے گی اور بکرا بھی۔ کچھ دیر ہے صبر کرنے والوں کا ساتھ اللہ دیتا ہے اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔“ اسفر نے دوستانہ انداز میں اس کا حوصلہ باندھا۔

”پاپا..... سب دوست اپنے اپنے جانوروں کی باتیں کرتے ہیں، میں بس خاموش رہتا ہوں، مجھے اچھا نہیں لگتا جب میرے پاس بولنے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔“

”آج بولنے کا نہیں دیکھنے کا دن ہے، کتنے ہی ایسے غریب گھرانے ہیں بیٹا جنہیں یہ سعادت نصیب نہیں

ہے تو کیا ان کے لیے عید الاضحیٰ نہیں یا تمہاری طرح گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے ہوں گے۔ کتنے ہی گھرانوں میں آج کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہوگا، ہم تو ان سے بہتر ہیں کہ پیٹ بھرنے کو اللہ کی نعمت ہے ہمارے پاس چلو شاہاش خوشی دلی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرو۔ آخر کسی نہ کسی طرح وہ اسے منانے میں کامیاب ہو گیا۔ اسفر نے بھی قصائی کے ساتھ مل کر بھرپور مدد کی تھی ایک گائے ایک بکرا کی قربانی آج ہونی تھی دوسری گائے کی کل ہونی تھی۔ ہمیشہ نے پیاز کاٹ کر مصالحہ بھی تیار کر لیا تھا تاکہ کہیں سے گوشت آئے تو ساتھ ساتھ سالن چڑھاوے جب تک روٹی دال اور شیر خرمہ سے کام چل گیا۔

آدھے دن کے بعد کہیں سے بوٹیاں چرنی کے ڈالے چھچھڑے اور ہڈی پر مشتمل گوشت کی آمد ہوئی۔ دو تین گھروں سے گوشت آنے کے بعد ہانڈی چڑھائی کہیں کہیں سے کچلی بھننے کی انتہا انگیز خوشبو بھی ناک سے نکل جاتی۔

آخر شام ڈھلے جمیل صاحب کے گھر سے بھی تبرک آیا ایک چھوٹی سی ٹرے میں ایک طرف آدھ کلو کے برابر گوشت اور چربی ہڈیاں تھیں دوسری سائیڈ پر ایک پاؤ سے بھی کم بکرے کا تبرک تھا۔ یہ تھا غریب کا حصہ جن سے برائے تعلقات کے ساتھ بہت مضبوط بھی تھا۔ ہر مشکل گھڑی میں اسفران لوگوں کے ساتھ رہا تھا اور اب بھی رہتا کیونکہ خدا نے اسے دل سے نہیں نوازا تھا۔

”مما انہوں نے کچلی بھی نہیں بھیجی۔“ اس بار ہانیہ شاید کچھ زیادہ توقع لگائے بیٹھی تھی۔

”تم زوہیب کی زبان مت بولو ہانیہ! میں تو سمجھی تھی میری بیٹی بہت صابر دشا کر ہے لیکن تمہیں بھی احساس ہونے لگا لوگوں کی ناروائی کا۔“

”سوری ممّا! وہ نگاہیں جھکا گئی۔

”ہمارے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ ان کی خوشی میں خوش ہو لیں اللہ بھی ہمیں خوش کرے گا۔ انہی لوگوں کی بدولت زیادہ نہ سہی کم مقدار میں ہی اس تحفے سے لطف

اندوز ہو لیتے ہیں۔“ وہ فریق میں رکھنے کے لیے شاپر نکالنے لگی بکرے کا گوشت جلدی سے ساس کے لیے چڑھا دیا کیونکہ وہ رہیزی کھانا کھاتی تھیں۔

کم و بیش ہر گھر سے ہی تبرک آئی بقر عید کا ایثار و قربانی سے مزین دن بھی گزر گیا۔

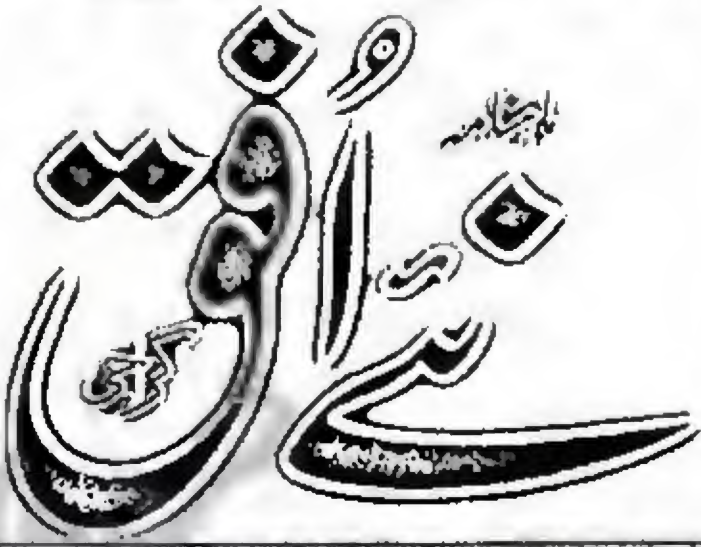
تیسرے دن جمیل صاحب کی چھت پر تیخ کباب اور تکیوں کا پروگرام تھا جو ان کے پوتے نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر ترتیب دیا تھا ساتھ میوزیکل پروگرام بھی تھا۔ رات گئے چہل پہل کے ساتھ کولے کے سلگنے پر کبابوں کی خوش بو بھی پھیل گئی تھی ان کی چھت سے چھت ملی ہوئی تھی اس لیے خوش بو ڈائریکٹ ان کے آنگن میں اتر رہی تھی۔ ساتھ کچوریوں کی سوندھی سوندھی خوش بو سن کو لپکا رہی تھی۔

زوہیب بہت بڑے جوش انداز میں گھر میں داخل ہوا تھا خوشی سے چہرہ تہمتار ہا تھا۔

”مما! وکی نے مجھے بھی انوائٹ کیا ہے میں بھی جاؤں ان کی چھت پر بہت مزا آئے گا۔“ وہ بچہ جس نے حالات بدلتے ہی بڑی حیثیت کے بچوں سے دوستی کر لی تھی اور زوہیب کو دیکھ کر راہ بدل لیتا تھا اب پتا نہیں اس کی آنکھوں میں کیا دیکھ کر آنے کو کہہ رہا تھا۔

”تم ہر وقت اور ہر لمحہ میرے آگے امتحان بن کر کیوں کھڑے ہو جاتے ہو زوہیب! اللہ نے جس طرح کی زندگی تمہیں بخشی ہے اس سے سمجھو کہ کیوں نہیں کر لیتے صبر و شکر کے ساتھ ہم اس کی مصلحت سے آگے کی نہیں سوچ سکتے۔ آج تمہیں ان صاحب حیثیت بچوں کے آگے شرم محسوس نہیں ہوگی جب وہ لیپ ٹاپ ایل ای ڈی انٹرنیٹ اور ڈھیروں جانوروں کی قربانی کے قصے سنائیں گے۔“ وہ حقیقتاً زچ ہو گئی تھی اس کی وقت بے وقت کی راگنی سے اس کا سر جھک گیا۔

”تمہیں پتا ہے ساتھ ساتھ گھر ملے ہونے پر آنے والی خوش بو ہمیں پریشان نہیں کرتی ہمارے منہ میں بھی پانی آتا ہے ہمارا دل بھی لپکاتا ہے بھی اپنے لیے بھی



ایک ایسی تحریر جس کا سحر آپ کو خوابوں کی دنیا میں بہا لے جائے گا
مغربی ادب سے انتخاب ڈاکٹر ایم اے قسری کے قلم سے
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف عمالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قسری کے قلم سے ہر ماہ مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم ویس ویس کی شاہکار کہانیاں

شائع ہو گیا ہے

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں

021-3562077 1/2

0300-8264242

اپنے بچوں کے لیے کہ یہ بھی پریشان ہوتے ہوں گے ان
اشائے خورد و نوش کے لیے پر سب سے بڑھ کر عزت نفس
ہے جو دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلائے پر مجبور نہیں کرتی۔
ہم بہت سی آسائشات سے نگاہ چرا کر اور نفس کے دامن کو
بچا کر سو جاتے ہیں کیونکہ اسی میں عافیت ہے۔ اپنے
باپ کو دیکھو جو بے لوث خدمت کرتا ہے اخلاق و کمینہ میں
اس کی مثال نہیں ملتی پر ان کے کارخانہ داروں کے آگے
جا کر کھڑا نہیں ہوتا اپنا حصہ طلب کرنے۔ روکھی سوکھی کھا
کر بھی اس کے لبوں سے مسکراہٹ کبھی جدا نہیں ہوتی تم
کبھی بھی اپنے باپ کے پاؤں کی دھول بھی نہیں
ہو سکتے۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آتی۔

”جب لوگوں کو احساس نہیں کہ جذبہ قربانی اللہ کی
خوش نو دی پاہمسائے کے حقوق کیا ہیں تو کیا ہم ڈنکا بجا کر
احساس دلا میں کس آؤ دیکھو ہم غریب ہیں ہمارے بچے
ان لوازمات کو ترس رہے ہیں جن کی خوش بو تمہارے
آنکھن کو لپیٹے میں لیے ہوئے ہے۔“ بڑے اضطراب
سے وہ نچلا ہونٹ چل رہا تھا صبر اور ایثار کیا ہوتا ہے یہ
واقعی وہ اپنے صابر و شاکر ماں باپ سے نہیں سمجھ سکا تھا۔

☆.....☆.....☆

قربانی کی اصل غرض و غایت سے لوگوں کو مطلب
نہیں کہ قربانی جانور کی نہیں بلکہ نفس امارہ کی ہوتی ہے
رضائے الہی کے لیے جانور تو محض تشبیہ ہے اصل مقصد
اپنے نفس کو قربان کر کے خدا کے آگے جھک جانے کا ہے
کیونکہ اللہ نے خود کہا ہے۔

”نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کا
خون البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تمہارا تقویٰ تمہاری
طرف سے یوں اس نے فرماں بردار بنایا تا کہ تم بڑائی
بیان کرو۔“ (سورہ حج ۲۲۔ پارہ اقرب ۱)

یہ عید ایثار اسماعیل اور سنت ابراہیم کی عظیم الشان
یادگار ہے جس نے اس کی روح کو نہ سمجھا اس کے گوشت
اور خون سے اللہ کو کیا مطلب؟

ان کے آگن میں دو خوب صورت بکرے درخت

سے بندھے تھے جیہڑ ساز و ہیپ انہیں چارہ وغیرہ دے رہا تھا ہانیہ بھی اپنے سسرال سے آئی ہوئی تھی میکے میں عید منانے۔ وہ اللہ ہی ہے جو ذرے کو آفتاب کا درجہ دیتا ہے اس کی لاشی بے آواز ہے اور حقوق العباد کی حق تلفی کی تو ویسے بھی معافی نہیں۔

قربانی کے گوشت کے حوالے سے دینی ہی نہیں دنیاوی احکامات بھی ہیں۔ زیادہ مقدار میں اور زیادہ دنوں تک گوشت فریز میں رکھنے سے معزز صحت اجزا پیدا ہو جاتے ہیں۔ جمیل صاحب اور ان کی فیملی اب بھی وہیں مقیم تھی پر طرح طرح کی بیماریوں نے ان لوگوں کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ بڑے بیٹے کو فیا بیٹس اور دل کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ وکی کو خارش کی لسی بیماری لگی تھی جو دوا کی کے زیر اثر تو ٹھیک رہتی پر چھوڑتے ہی پورے جسم میں الرجی کی طرح پھیل جاتی گویا اب یہ زندگی بھر کا سوا تھا۔ ایک بہو کے گروے میں پٹھری بننے کا سلسلہ جاری تھا تو دوسری کے معدے میں درد۔ نعمتیں سامنے رہیں پر وہ کھا نہیں سکتے تھے۔ فیا دیتی تو ہر چیز کی ویسے بھی نقصان دہ ہوتی ہے یہ لوگ تو ویسے بھی حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ عاقبت خراب کرنے کے ساتھ اپنی صحت کے بھی دشمن بن گئے تھے۔

ہمسائیوں کے صبر کو الگ آ زملیا تھا غریبوں کا حق مارا تھا اللہ نے رشتی کھینچ لی تھی کہ اب وہ پانی تک پھونک کر پیتے۔ آج بھی ان کے ہاں قربانی ہوتی پر سارے کا سارا گوشت بانٹ دیا جاتا ہے خود تو ایک لقمہ بھی سوچ کر اٹھاتے تھے۔ آج بھی وہ جذبہ ایمانی اور رضائے الہی کی خاطر سارا گوشت ہمسائیوں اور غریبوں میں نہیں بانٹتے تھے بلکہ مجبوری انہیں یہ قدم اٹھانے پر مجبور کرتی کیونکہ خمیر میں حرم طمع تھا آج وہ کیسے بدل سکتے تھے۔

”اس بار تو میں اپنے بیٹے کو گوشت کی ہر وہ ڈش بنا کر دوں گی جس کی وہ فرمائش کرے گا۔“ دلی پکلی سی فریٹ چہرے والی لیسہ نے محبت پاش نظروں سے زوہیب کو دیکھا جو سی لیس لیس کا امتحان پاس کر کے نئی جاب پر ان دنوں قائر ہوا تھا۔

”کیوں ماما؟ سارا سال ہم گوشت نہیں کھاتے جو عید قرباں پر ہی ساری جسرتیں مٹائیں گے وہ بکروں کے آگے پانی رکھ کر ہاتھ دھوتا ان کے پاس آ بیٹھا۔

”ارے..... تم تو گوشت کے رسیا ہو اور اس کی نت نئی ڈشز کے سارا سال انتظار کرتے تھے نا اس عید کا تاکہ تم لطف اندوز ہو سکو تو اب جب اللہ نے کرم کیا ہے تو اپنی تمام خواہشات کی تکمیل کر سکتے ہیں نا.....“ اس نے بیٹے کے دل کو اندر تک ٹولا وہ ہنس پڑا۔

”بچپن میں ہی آپ اور پاپا نے بہترین تربیت کے ساتھ ہر عبادت کی مقصدیت کو بھی اجاگر کر دیا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب ایک روز بھی ہمارے چند بوٹیاں پک جاتی تھیں تو وہ ہمارے لیے عید کا دن ہوتا تھا۔ اس وقت نماز زکوٰۃ حج و قربانی کا فلسفہ آپ نے باور کرا دیا تو کیا اب میں اسی خواہش طفلانہ کی پیروی کروں گا جب اللہ نے روزانہ لوازمات سے لطف اندوز ہونے کے اسباب پیدا کر دیے ہیں۔ اپنی فیملی اور ہمسائے کی فیملی کی چھت کو دیکھ کر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ کی زندگیوں میں کیا عمل داخل ہے۔ ہم سب روکھی سوکھی کھا کر بھی اللہ کی رحمت کے حصار میں ہیں۔ آپ اور پاپا جوان بچوں کے والدین لگتے ہی نہیں ویسے ہی خوش باش اور سرشار ہیں۔ ہم ان دونوں بکروں کے تین حصے کرنے کے باوجود اپنے حصے میں سے بھی مستحق لوگوں کو بانٹیں گے ماما! جن کے دلوں کو پُر لطف کھانوں کی خوشبو میں پریشان کرتی ہیں اور وہ اپنے نفس کو تھکلی دے کر سو جاتے ہیں۔“ لسی ہی کئی ترسی ہوئی راتیں زوہیب کی خوب صورت آنکھوں میں دما کی تھیں لیسہ جی اٹھی۔

”آج تو اپنی تربیت پر مان کرنے کا دن تھا۔ شکر تھا کہ غربیت نے غریب دلوں کی آرزوؤں کو پر کھنے کی پینائی عطا کی تھی ”بھوک“ سے اندھا نہیں کیا تھا۔“ زوہیب کو سینے سے لگا کر دوا نسو دوپٹے میں جذبہ کر لیے تھے۔





یادِ کاشانی

نوشٹا ہوانارا
سمیرا شریف طور

READING
Section

دو دن گزرے تو بخش دین چلا آیا تھا، بیسوں کا ایک لفافہ دے کر اس نے جو پیغام دیا اسے سن کر توزیب النساء کے حواس کم ہونے لگے تھے۔

”چوہدری صاحب اپنے بیوی بچوں سمیت بیرون ملک چلے گئے ہیں یہ رقم آپ تک پہنچانے کا کہا تھا۔“
”کب گئے؟“ کم حواسوں کو بمشکل یکجا کرتے اس نے پوچھا۔

”ایک دن پہلے انہوں نے پیغام بھی دیا تھا کہ وہ جلد از جلد واپس پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ مجھے ایک عدد چوکیدار رکھنے کا کہہ کر گئے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ اپنے باپ سے ہوشیار رہیے۔ اگر کوئی خطرہ محسوس کریں تو اپنی بہن کے ہاں چلی جائیے گا۔“
زیب النساء کو لگ رہا تھا کہ جیسے یہ سن کر اس کے قدموں تلے سے جان نکلتی جا رہی ہے۔
”وہ واپس کب آئیں گے؟“

”ایک ماہ کا قیام ہے وہاں اس سے زیادہ مجھے علم نہیں۔“ زیب النساء جیسے بالکل ڈھے گئی تھی۔ نجانے کیوں دل کو عجیب و غریبوں نے گھیر لیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی، ملازمہ موجود تھی۔ شام تک بخش دین وہاں رہا تھا اس نے باہر کے کاموں کے لیے ایک نو عمر لڑکے کا انتظام کر دیا تھا۔ بخش دین چلا گیا تو زیب النساء کا پریشانی سے بُرا حال ہونے لگا۔ ملازمہ نے بتایا تھا اس کی غیر موجودگی میں صفدر کئی بار اس کے گھر آیا تھا اور بُرا بھلا کہتے دھمکیاں دیتے چلا گیا تھا۔ اگلی صبح سویرے صفدر پھر آ چکا تھا۔

”سامان سمیٹ اور چل میرے ساتھ دھوکے سے نکاح کر لیا اس چوہدری سے تو میں نمٹ لوں گا۔“ وہ پھر شور مچا رہا تھا۔
”ابا! اماں نے اپنی مرضی سے نکاح کیا تھا کوئی دھوکہ نہیں دیا آپ اس قابل ہوتے تو رونا ہی کیا تھا۔ آپ نے تو مجھے اپنے جوئے کی خاطر بیچ ڈالا تھا اب کیا لینے آئے ہیں۔“

”زیادہ زبان نہ چلا اگر وہ چوہدری کسی قابل ہوتا تو واپس پلٹتا ساری خبر ہے مجھے مہینوں وہ تیری خبر نہیں لیتا۔“ وہ کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

”وہ ایک بڑے خاندانی زمیندار ہیں ہزار کام ہوتے ہیں ان کے ہر وقت ادھر نہیں رہ سکتے۔“ زہین نے چوہدری حیات علی کا دفاع کیا۔

”تو تجھے اپنے ساتھ رکھ تو سکتا ہے نا؟“ صفدر نے جرح کی، زیب النساء کے دل پر گویا آری سی چلی تھی اس نے بے بسی سے باپ کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹنے کو تھی۔

”یہ گھر کس کے نام ہے؟“ گھر کو ناڑتے صفدر نے پوچھا تو وہ رک گئی۔

”مجھے نہیں پتا۔“ وہ چڑ گئی، وہ باپ کی لالچی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔

آج کل اس کی جو حالت تھی اس کے سبب وہ دیسے ہی بہن چڑ چڑی ہو رہی تھی لیکن بڑے حوصلے اور صبر کے ساتھ باپ کو جھیل رہی تھی۔

”تو پھر تجھے پتا کیا ہے؟ کچھ خرچہ چہ بھی دیتا دلاتا ہے یا پھر خالی خولی نکاح کے نام پر بٹھا رکھا ہے۔“ زہین نے بڑے ضبط سے دیکھا اور پھر بغیر کوئی جواب دیئے وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔ صفدر بڑی سوچتی نگاہوں سے گھر کو دیکھتے ارد گرد چکر لگانے لگا تھا۔



شہوار اسپتال ماں جی کے ساتھ آئی تھی، مصطفیٰ ڈاکٹرز کے پاس تھا۔ صبوحی بیگم کو ہوش آ چکا تھا جبکہ ولید ابھی بھی انڈر آبز ویشن تھا۔ انا شہوار کے گلے لگ کر شدت سے رو رہی تھی۔

”اگر ولی کو کچھ ہو گیا تو میں بھی مرجاؤں گی۔“ اس کے الفاظ پر شہوار ساکت ہوئی اتنی شدت اتنی جذباتیت۔ سبھی ویٹنگ روم میں تھے جبکہ انا کے ساتھ صبوحی بیگم کے کمرے میں تھیں۔

”ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا بس تم دعا کرو۔“ شہوار تسلی دے رہی تھی جبکہ اس کا دل خود بھی بہت غم زدہ تھا۔
کچھ دیر بعد روشی اور احسن آ گئے تھے ساتھ ضیاء صاحب بھی تھے۔ ڈاکٹرز کی طرف سے ولید کے لیے ابھی ابھی وہی جواب تھا۔

مصطفیٰ بہت پریشان تھا۔ مصطفیٰ وقار صاحب کے ہمراہ صبحی بیگم کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں مہر النساء اور شہوار کو موجود پا کر رک گیا تھا انا کا کندھا تھپتھپاتے شہوار نے بھی مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

”آپ دونوں کس کے ساتھ آئیں؟“ قریب آ کر اس نے ماں جی سے پوچھا۔

”شہوار آنا چاہ رہی تھی تو ڈرائیور چھوڑ گیا تھا۔“

”آپ ساری رات کی تھکی ہوئی تھیں آرام کر لیتیں کسی اور کو ہمراہ لے کر شہوار آ جاتی۔“ مصطفیٰ نے کہا شہوار انا سے جدا ہو کر قریب آئی۔

”میں رات سے کالز کر رہی ہوں آپ یک ہی نہیں کر رہے۔“ انداز میں خفگی تھی۔

”ادھر اتنی ٹینشن تھی بڑی تھا۔“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے شہوار کو دیکھتے کہا۔

”لیکن میسج کار پہلائی تو کر سکتے تھے نا؟“

”میں نے ابھی تک کوئی بھی میسج نہیں دیکھا۔“ مصطفیٰ نے کہا اور پھر احسن کے پکارنے پر پلٹ گیا تھا۔ رات کی طرح مصطفیٰ کا انداز خفا نہیں تھا تاہم سنجیدگی برقرار تھی۔

شہوار کے اندر کچھ سکون سا اتر اٹھا صبح ہوتے ہی ڈاکٹر کے ڈیوٹی آورز شروع ہو چکے تھے۔ صبحی بیگم ہوش میں تھیں بات بھی کر رہی تھیں۔ ان کی طرف سے دل کو کچھ تسلی ہوئی تو توجہ اور پریشانی کا مرکز ولید کی ذات بن گئی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا سب کو لگ رہا تھا کہ گویا زندگی روٹھتی جا رہی ہے۔

”شہوار آپ ایسا کر سنا کو سمجھا بجھا کر گھر لے جائیں روشی ماما کے پاس رک جاتی ہے۔ پایا کو بھی آرام کی ضرورت ہے جیسے ہی ڈاکٹر کی طرف سے کوئی اچھی خبر ملتی ہے ہم آپ کو اطلاع کر دیں گے۔“ احسن نے کہا تو شہوار نے سر ہلا دیا تھا۔

انا گھر جانے پر آمادہ نہ تھی لیکن سب کے اصرار پر وقار صاحب اور شہوار کے ساتھ آ گئی تھی۔ مہر النساء ڈرائیور کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی تھیں۔ انا کو شہوار کے سہارے کی ضرورت تھی سو اس کے ساتھ جانے دیا گیا تھا۔ گھر آ کر صغراں سے چائے بنوا کر شہوار نے زبردستی انا کو پہلائی۔ وقار صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ ناشتا کرنے سے انہوں نے بھی منع کر دیا تھا عجیب افسردہ سا ماحول تھا۔ شہوار واپس انا کے پاس اس کے کمرے میں آ گئی تو وہ قالین پر بیٹھی شدت سے رو رہی تھی۔

”انا.....؟“ شہوار نے اس کا کندھا تھامنا چاہا تو وہ اس کے ساتھ لپٹ کر شدت سے رو دی تھی۔

”محبت پر کسی کو اختیار نہیں ہوتا اگر ہوتا تو شاید میں ولید ضیاء سے بھی محبت نہ کرتی۔“ انا نے روتے ہوئے کہا اور شہوار ایک دم کم صم سی ہو گئی تھی۔

”میں نے ولی کو دل کی تمام تر گہرائیوں سے چاہا تھا پاگل پن کی حد تک۔ ولی کی طرف نگاہ اٹھتی تھی تو اپنا آپ بھول جاتی تھی میں۔“ وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی شہوار نے دھیرے دھیرے اسے خود سے جدا کیا۔

”اگر یہ سب تھا تو تم نے یہ ممکن کیوں ختم کی یہ خدا کہاں سے آ گیا تھا تم دونوں کے درمیان۔“ شہوار کی حیرت سوا ہوئی تھی۔

”بالکل اسی طرح جس طرح کاشفہ میرے اور ولی کے درمیان آ گئی تھی۔“ شہوار کاشفہ کے نام پر ایک دم چوکی تھی۔

”کون کاشفہ؟“

”ایک بار ولی کی کار سے اس لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا پھر دونوں ملنے لگے وہ لڑکی ولید کو پسند کرنے لگی اور میں سمجھتی رہی کہ ولید میرے ساتھ ساتھ اس لڑکی کو بھی دھوکہ دے رہا ہے۔“ اپنی ہچکیوں پر قابو پاتے سر جھکائے اس نے مزید بتایا۔

”اس لڑکی نے ولید کی خاطر خودکشی کی کوشش کی تھی.....“ شہوار الجھ گئی تھی۔

”وہ مجھے کالز کرتی اور بہت کچھ کہتی رہتی میں سمجھتی رہی کہ ولید بھی اس لڑکی میں انوالو ہے۔ میری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں ولید سے پاگل پن کی حد تک محبت کرتی تھی اور محبت کے ساتھ اس کی پرچھائی بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ میں بد اعتمادی کا شکار ہوئی اور میرا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ میں نے ولید ضیاء سے محبت تو کر لی تھی لیکن کبھی اعتبار نہ کر سکی۔“ وہ کہہ کر اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھر شدت سے رو دی۔

”میں سمجھتی رہی کہ ولید مجھے دھوکہ دے رہا ہے، میں ولید سے الجھتی تھی لڑتی تھی۔ میرے جذبات نے مجھے عجیب پاگل سا بنا دیا تھا، میں نے اپنے ہاتھوں سے ولید کو خود سے بدظن کر دیا۔“

”جب یہ سب کچھ تھا تو پھر یہ فاصلے کیسے گئے تم دونوں میں جہاں تک میں جان پائی ہوں ولی بھائی ایک بہت ہی ڈیسنٹ اور مخلص انسان ہیں، تم نے اتنی بڑی زیادتی کر دی ان کے ساتھ۔“ شہوار کو یہ سب سن کر اور انا کی حالت دیکھ کر از حد تاسف ہو رہا تھا۔

”میری بیوقوفی، کم عقلی اور میرا جنون مجھے لے ڈوبا۔ میں ولید کی محبت اس کے ردیوں کو شک کی نگاہ سے تولتی رہی، کبھی کاٹھ اور کبھی کیتھی کو نے کر بدظن ہوتی رہی۔“ وقت انا کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ اب پچھتاوے اس کے ساتھ تھے صرف پچھتاوے۔ وہ پچھتاووں کے سمندر میں غرق خود احتسابی کے عمل سے گزر رہی تھی۔

”لیکن میں نے بس یہی چاہا تھا کہ ولی کو کچھ بھی نہ ہو کسی کو بھی کچھ نہ ہو۔ کاٹھ مجھے دھمکیاں دیتی رہی اور میں سب سمجھتے بوجھتے اس کے ہاتھوں کچھ تسلی بنتی گئی۔“ شہوار نے اسے حیرت سے دیکھا، نجانے یہ کاٹھ کون تھی اور اس کی کیا کہانی تھی؟

انا اسے بہت عزیز تھی لیکن اسے گمان تک نہ تھا کہ انا کی زندگی میں اتنا کچھ ہو گیا وہ بھی محض کسی اور لڑکی اور ایک شک کی وجہ سے۔ شہوار نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور انا اس کے دل پر منور کے حسیاب سے بوجھ لدا ہوا تھا وہ ایک ایک کر کے سب کچھ بتاتی چلی گئی اور شہوار حیرت سے گنگ انا کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سنتی رہی تھی۔



صفدر سانپ کی طرح اس کے گھر میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا زمین ایک طرح سے گھر میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ بخش دین جس لڑکے کا بندوبست کر کے گیا تھا وہ اسے فارغ کر چکا تھا، ملازمہ پر اس کی کڑی نظر تھی۔ کئی بار وہ زمین کے کمرے اور پورے گھر کی تلاشی لے چکا تھا، پیسے کی ہوس نے اسے اندھا بنا رکھا تھا، زمین گھٹ گھٹ کر جی رہی تھی۔

اس کی ڈلیوری کے دن جوں جوں نزدیک آتے جا رہے تھے ویسے ویسے ہی وہ زندگی سے بے زار حالات میں جکڑی بالکل بے بس ہوتی جا رہی تھی۔ ایسے میں بابا صاحب کی آمد کسی صدمے سے کم نہ تھی۔

”حیات علی کو ہم نے باہر بھجوا دیا ہے اور ہم ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ وہ اب اگلے تین سال تک پاکستان نہیں آ سکے گا۔ تم جیسی لڑکیوں سے اپنے بچوں کی جان کیسے چھڑوائی جاتی ہے، ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔“ وہ دولت و جاگیر کے نشے میں پور کہہ رہے تھے اور زمین حیرت میں کم ان کو سن رہی تھی۔

”جاگیرداروں کے بیٹے جوانی کے جوش میں ایسی غلطیاں کرتے رہتے ہیں، تمہاری حیثیت ہمارے نزدیک اس بازاری لڑکی سے زیادہ نہیں جو پیسے کی خاطر اپنا آپ کو بیچ دیتی ہے۔“ وہ اسے ذلیل کر رہے تھے اور زمین کے اندر گویا پل پل زندگی کی رمت ختم ہوتی جا رہی تھی۔

”ایک دو دن کے اندر یہ گھر خالی کر کے نکل جاؤ تم یہاں سے ورنہ میرے ملازم خود آ کر تمہیں یہاں سے ذلیل کر کے باہر نکال پھینکیں گے۔“ زمین کا دل ایک دم کانپا تھا۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے خاموش تماشا دیکھتے باپ کو دیکھا۔

”ایسے کیسے نکل جائیں تمہارا بیٹا نکاح کر کے لایا تھا اسے۔“ صفدر درمیان میں کودا تو پہلی بار باپ کی موجودگی سے زمین کے اندر کچھ تسلی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

”کون ہو تم؟“

”باپ ہوں اس کا۔“

”اوہ.....“ بابا صاحب نے بغور دیکھا۔ ایک چالاک اور عیار بخش جیسی چمک آنکھوں میں لیے وہ بغور دیکھ رہا تھا۔

”تو پھر ٹھیک ہے میرے بندے تم لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔“ بابا صاحب نے ڈراتا چاہا تھا۔

”میں پولیس میں رپورٹ لکھواؤں گا، کورٹ میں مقدمہ کروں گا۔“ صفدر چیخ کر بولا، تبھی بابا صاحب نے اپنے ملازمین کو آواز دی وہ اندھا گئے تھے۔

”دو دن تم لوگ اس گھر کے سامنے پہرہ دو گے اگر ان لوگوں نے گھر خالی کر دیا تو ٹھیک ورنہ اٹھا کر سامان سمیت باہر پھینک دینا۔“

وہ کہہ کر باہر نکل گئے تھے۔ پیچھے صفدر چیتا چلاتا رہا لیکن کوئی اثر نہ تھا۔ باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو صفدر باہر بھاگا ابھی گاڑی روانہ نہیں ہوئی تھی۔ بابا صاحب نے سنجیدگی سے صفدر کو کھڑکی کے پاس آ کر ہاتھ جوڑ کر کچھ کہتے دیکھا تو گئی سے مسکرائے۔



ایک ماہ گزرنے میں ابھی کچھ دن باقی تھے حیات علی نے گھر فون کیا۔ بابا صاحب سے بات ہوئی تو انہوں نے انہیں دو ماہ مزید رکھنے کو کہا۔ حیات علی پہلے ہی بڑی مشکل سے ایک ماہ گزار پائے تھے بابا صاحب کا یہ حکم بہت گراں گزرا تھا۔ انہوں نے احتجاج کرنا چاہا لیکن بابا صاحب کے دو ٹوک انداز کے سامنے بالکل بے بس ہو گئے تھے۔

بابا صاحب سے بات کرنے کے بعد حیات علی از حد فکر مند تھے۔ زمین جس حالت میں تھی ایسے میں اس کے پاس ایک ہمدرد ایک خیال رکھنے والے ساتھی کی ضرورت تھی۔ یہاں آنے سے پہلے وہ اس سے مل بھی نہیں سکے تھے ملازمہ کی زبانی اس کے باب کی آمد پھر بہن کے ہاں زمین کے چلے جانے کا سن کر دل اور بھی پریشان تھا۔ نجانے کس حالت میں تھی وہ جو بہن کے ہاں چلی گئی تھی۔ وہ تو دن کن کن کر یہ وقت گزار رہے تھے لیکن اب بابا صاحب کا یہ حکم انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ زبیدہ کا بھائی ان کے قیام کی مدت بڑھا دے گا وہ آرام و سکون سے بیوی بچوں سمیت وہاں رہ لیں۔

دو ماہ اور رکنا ایک عذاب لگ رہا تھا انہوں نے زبیدہ سے بات کی تو زبیدہ نے بھی انکار کر دیا تھا۔
”میں ابھی رکنا چاہتی ہوں بھائی صاحب بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم یہاں کچھ عرصہ مزید قیام کریں۔“
”تم اور بچے رکنا چاہتے ہو تو ضرور رکو مگر میں نہیں رکوں گا میں اب جلد ہی واپس جاؤں گا۔“ وہ سختی سے کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ ان کے دل میں عجیب عجیب سے دوسو سے پیدا ہو رہے تھے۔

زمین کو اس حالت میں چھوڑ کر آنے پر ان کا دل مسلسل ملامت کر رہا تھا۔ زبیدہ ابھی واپس آنے پر راضی نہ تھی وہ اپنی واپسی کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔ اس دن بھی وہ ابھی میں گئے تھے واپسی پر ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے تھے جب مخالف سمت سے آتی تیز رفتار گاڑی ان کو کچل کر بھاگ گئی تھی۔



وہ ان دونوں کے ہمراہ جس جگہ آئی تھی وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ ان کے ہمراہ چلتی وہ ایک کمرے میں آ گئی تھیں انا کو رہ رہ کر اپنے فیصلے پر پچھتاوے کا احساس ہو رہا تھا کہ اسے ان دونوں کے ہمراہ نہیں آنا چاہیے تھا۔
ولید کی طرف سے بدگمانی اور شکوک نے گویا اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب کر دی تھیں لیکن یہاں آنے کے بعد اسے ان دونوں لڑکیوں کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ ان کے ساتھ جیسے ہی ایک کمرے میں داخل ہوئی کاٹھہ اور اس کے ساتھ موجود دوسری لڑکی نے اس کے ہاتھ سے بکس اور بیگ لے لیا تھا۔
”یہ تم کیا کر رہی ہو؟“ وہ حیران ہوئی تھی۔

”تم ہماری مہمان ہو آرام و سکون سے بیٹھ جاؤ۔ چائے منگواتی ہوں وہ پیو اور ہماری بات سنو۔“ کاٹھہ نے اسے کندھے سے پکڑ کر بستر کے کنارے دھکا دے کر بٹھا دیا تھا۔ اس نے اس کا بیگ لے لیا وہ اس کی تلاشی لے رہی تھی اور پھر ایک کونے سے موبائل نکال کر اس نے اس کے سامنے سوچ آف کیا تھا۔ انا نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
”یہ تم کیا کر رہی ہو؟“ کاٹھہ مسکرائی تھی۔

اس کا دماغ اب تیزی سے سوچ رہا تھا اور جو حقیقت سامنے آ رہی تھی وہ یہ تھی کہ ان دونوں لڑکیوں کے ہاتھوں دھوکا کھا چکی ہے اور اب نجانے کاٹھہ کیا کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا وہ ایک دم اپنا چکر اتار سر قدام کر بے یقینی سے انہیں دیکھتی بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

”ارے ہم نے تو ابھی کچھ کہا ہی نہیں تم ابھی سے ہمت ہار گئی۔“ کاٹھہ نے طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جو پہلے ہی نڈھال سی تھی ایک دم بدمس ہو گئی تھی۔ اس کی ذہن کی سطح پر لگنے والی یہ سمدھما سے بالکل مفلوج کر چکا تھا۔
”کیا چاہتی ہو تم؟“ انا کی آواز لرز رہی تھی۔

”ولید کو؟“ وہ گھٹیا انداز میں ہنسی تھی۔ انا کے اندر جیسے بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

”تو مجھے یہاں کیوں لائی ہو تم؟“ وہ اذیت سے چنچنی تھی۔
”اپنی صحیح کرلو میں لائی نہیں تم خود اپنی مرضی سے چل کر آئی ہو۔“ انا کو لگا اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے ہوں۔
وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
”تم دونوں مجھے دھوکے سے ساتھ لائی ہو تم بات کرنا چاہتی تھی میں تمہاری بات سننے کے لیے ساتھ آئی تھی۔“ کاغذ ہنسنے لگی تھی۔

”ہاں تو بات ہی کریں گے۔“ ہنسی روک کر اس نے کہا تھا۔
”لیکن اب مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی جا رہی ہوں میں۔“ انا کاغذ کے تیور دیکھ کر سمجھ چکی تھی۔ وہ بے یقینی کے سحر سے نگلی تو ایک دم اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔
کاغذ نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا رستہ روکا تھا اور کاغذ کی دوست نے دروازہ لاک کر دیا تھا۔ انا کے لیے یہ سب ناقابل یقین تھا۔

”اب تم ہماری قید میں ہو اور تم تب تک یہاں سے نہیں نکل سکتیں جب تک میں نہیں چاہوں گی۔“ کاغذ کا لب و لہجہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھا انا کو لگا کہ جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پر آ گری ہے۔
”یو بلڈی۔۔۔۔۔“ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
”تم لوگوں نے مجھے چیٹ کیا دھوکے سے یہاں لائیں۔“ وہ ایک دم تمام تر لحاظ و مروت بھلا کر پھٹ پڑی تھی۔
”یوشٹ اپ۔۔۔۔۔“ کاغذ نے انگلی اٹھا کر ایک دم چپ کر دیا تھا۔

”تم نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی“ مکمل طور پر ہمارے اختیار میں ہو ذرا سی بھی بکو اس کی تو جان سے مار دوں گی۔“ کاغذ نے اپنے بیک سے چاقو نکال کر انا کے سامنے لہرایا تھا۔ انا کا سانس ایک دم رکنے لگا تھا۔
”آرام سے بیٹھ جاؤ۔“ چاقو کے اشارے سے اس نے اسے بستر کی طرف دھکیلا تھا انا بستر کے کنارے گر گئی تھی۔
”میں ولید سے محبت کرتی ہوں اور تم اس بات سے اچھی طرح واقف بھی ہو۔“ اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کاغذ نے کہنا شروع کیا تھا۔

”لیکن تم نہیں جانتیں کہ ولید مجھ سے محبت کرتا ہے۔“ دونوں کے چہرے کے مذاق بے بد لے تھے۔
”مجھے ولید پہلی نگاہ سے ہی اچھا لگا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ کچھ بھی ہو مجھے اس شخص کو حاصل کرنا ہے اور پھر میں نے اس کے لیے کوشش شروع کر دی۔“ وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی انا نے لب بکھینچ لیے تھے۔

”ولید جتنا شاعر تھا میرے لیے اتنا ہی مشکل مرو ثابت ہوا میں کاغذ جو لڑکوں کو اپنی انگلیوں پر نچاتی تھی وہ ولید ضیاء کو نہ اپنے حسن کے جال میں جکڑ سکی اور نہ ہی اپنی آواؤں سے۔ ولید سے دوستی میں زیادہ تر ہاتھ میرا تھا اور وہ مروت میں میری طرف بڑھتا رہا۔ میں سمجھتی رہی کہ ایک دن ضرور میں اسے حاصل کر لوں گی لیکن پھر تم درمیان میں آ گئیں۔“ اس نے کہتے کہتے نفرت سے انا کو دیکھا تھا۔

”تم نے مجھے بتایا کہ تم اس کی فیاضی ہو میں یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھی۔ میں نے ولید کے لیے کیا کچھ جتن کیا حتیٰ کہ اسے قائل کرنے کے لیے خود کشی تک کی کوشش کی لیکن وہ اب مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے۔ وہ کہتا ہے میرا اور تمہارا کوئی مقابلہ نہیں لیکن میں اب اسے بتاؤں گی اگر کاغذ کو اس کی من پسند چیز نہ ملے تو وہ کیا کچھ کر سکتی ہے۔“
”نور وہ سب جو تم اپنے اور ولید کے تعلق کے بارے میں بتاتی رہیں وہ سب کیا تھا؟“ کاغذ کے الفاظ سن کر انا کا غم سے بُرا حال تھا اس نے بے یقینی سے پوچھا تو کاغذ مسکرائی تھی۔

”وہ سب جھوٹ تھا میرا اور ولید کا ایسا کوئی بھی تعلق نہ تھا میرا مقصد تمہیں ولید سے بدظن کر کے دور کرنے کا تھا۔“ انا کا جی چاہا اپنے آپ کو شوٹ کر لے۔ وہ ایک کم عقل احمق اور بے وقوف لڑکی ثابت ہوئی تھی۔ اپنی بد اعتمادی اور خشکی طبیعت کے باعث

نہ صرف خود عذاب میں مبتلا رہی تھی بلکہ ولید کی زندگی بھی اجیرن کر چکی تھی۔ اس کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر روئے۔
 ”تو اب کیوں بتا رہی ہوں تم؟“ انا کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے سامنے کھڑی لڑکی سمیت وہ ساری دنیا کا آگ لگا دے۔
 ”میں ولید کے سامنے ہر طرح کا حربہ آزمایا چکی ہوں وہ اب میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا لیکن اب مجھے اسے حاصل کرنا ہے یہ اب میری ضد ہے اور تم مجھے ولید تک پہنچاؤ گی میرے اور اس کے درمیان راہ ہموار کرو گی۔“ کاوشہ نے سفاکیت کی انتہا کر دی تھی۔

”تمہارا کیا خیال ہے تمہاری یہ ساری بکواس سننے کے بعد میں تمہارا ساتھ دوں گی؟“ انا کے لہجے میں نفرت تھی کاوشہ مسکرائی تھی۔

”بالکل..... تمہیں ہر حال میں میرا ساتھ دینا ہوگا تم ہمارے ساتھ آ کر اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار چکی ہو اور جب تک ہمارے درمیان معاملات طے نہیں ہوں گے تم یہاں سے نہیں نکل سکتیں۔“ ہاتھ میں تھاما چاقو انا کے سامنے کرتے اس نے کہا تو انا کے اندر ایک دم غم و غصے کا شدید طوفان اٹھ اٹھا۔ اس نے کھینچ کر اپنا ہاتھ کاوشہ کے چاقو والے ہاتھ پر مارا تھا چاقو دور جا گرا تھا۔ کاوشہ کو دھکا دے کر اپنا بیگ جمپٹ کر انا تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ اسے اب ہر حال میں یہاں سے نکلنا تھا لیکن دروازہ لاک تھا تب تک کاوشہ اور اس کی دوست دونوں سنبھل چکی تھیں۔ کاوشہ نے دوبارہ چاقو تھام لیا تھا انا زور زور سے لاک کھینچ رہی تھی۔
 ”یو بلڈی..... تم یہاں سے بھاگو گی میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔“ کاوشہ پاگلوں کی طرح غراتے انا کی طرف بڑھی تھی۔



صنذر کی آنکھوں پر لالچ کی پٹی چڑھی ہوئی تھی وہ بابا صاحب سے ملا تھا۔ نجانے کیا معاملات طے کیے تھے کہ زیب النساء کے چیخنے چلانے کے باوجود اس نے ملازمہ کو فارغ کر دیا تھا اور پھر زہین کو زبردستی اپنے ساتھ لے کر ایک اور جگہ چلا آیا تھا۔
 ”ابا یہ ظلم مت کرو میری حالت دیکھو میں کہاں خوار ہوتی رہوں گی وہ میرے شوہر کا گھر تھا۔ میرا شوہر مجھے یہاں لایا تھا کیوں ظلم کر رہے ہو۔“ باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتی زہین صنذر کا دل نہیں پگھلا سکی تھی۔

”تیری ماں مرتے مرتے میرے ساتھ تو تنگی کر گئی ہے بڑا پیسہ ہے اس چوہدری کے پاس اب دیکھو میں کیسے پیسہ نکلواتا ہوں۔“ بیٹی کے رونے دھونے کا کوئی اثر ہی نہ تھا زہین نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

وہ اسے تھوڑا بہت کھانے کا سامان دے کر گھر میں بند کر کے چلا گیا تھا زندگی میں پہلی بار زیب النساء اس رات خوف زدہ ہوئی تھی اور پھر آنے والے لگا تار تین چار دن تک صنذر نے گھر کی راہ نہ نکلی تو زہین کو اپنے ساتھ اپنے اندر ہلتی جان کی فکر بھی ستانے لگی۔

گھر میں صنذر کھانے پینے کو جو چھوڑ کر گیا تھا وہ سب ختم ہو چکا تھا۔ کل سے وہ بس پانی پر گزارہ کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر اسی طرح وہ بھوک سے نڈھال لڑتی رہی تو وہ مر جائے گی وہ بس ہر وقت رورو کر اللہ سے صنذر کے آنے کی دعائیں کرتی رہتی تھی اور پھر پانچویں دن صنذر چلا آیا تھا۔ برآمدے کے نیچے فرش پر بے ہوش زیب النساء کو دیکھ کر وہ ایک ہل کو ٹھٹھا تھا۔

اسے بابا صاحب کے ساتھ کی گئی ساز باز پانی میں ڈوبتی محسوس ہونے لگی۔ وہ بابا صاحب کو بلیک میل کر کے بہت سارا پیسہ نکلواتا چاہتا تھا ایسے عالم میں زہین کا ذمہ رہنا لازمی تھا۔ جیسے تیسے کر کے اس نے زہین کو چار پائی پر لٹایا تھا اور خود اکثر کو بلانے چل دیا تھا بھوک نفاہت خوف اور صدمے نے زیب النساء کو نیم جان کر دیا تھا وہ زعمہ بھی بس اللہ کا ہی کرم تھا ڈاکٹر نے چیک اپ کیا دوائیاں لکھیں مناسب خوراک اور دیکھ بھال کی تلقین کرتا چلا گیا تو صنذر زیب النساء کی تیمارداری میں لگ گیا تھا۔ کچھ دنوں میں اس کی حالت بہتر ہوئی وہ اب اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہو گئی تھی۔

”لہا کیوں کر رہے ہو یہ سب؟“ اگلے دن صنذر کھانے پینے کا کافی سارا سامان رکھ کر پھر کہیں جانے لگا تو خوف سے لرزتی زیب النساء سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

”تو تیرا کیا خیال ہے میں ہر وقت تیرے کھٹنے سے ہی لگا رہوں۔“ کھا جانے والی نظروں سے زیب النساء کو گھورا تھا وہ سہم گئی تھی۔

ماں کے پلو سے لگ کر جوان ہونے والی لڑکی چوہدری حیات علی کی بیوی بن کر اور بھی خوف زدہ رہنے لگی تھی۔ صفدر چلا گیا تو وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر سسکنے لگی وہ اور کبھی کیا سکتی تھی۔ دن بہ دن اس کے اندر کی مقابلے کی قوت ختم ہو گئی تھی۔

چوہدری حیات علی کو ملک سے باہر ایک ماہ ہو چکا تھا وہ گھر چھوڑ چکے تھے کوئی جان پہچان والا نہ تھا کہ جس سے وہ رابطہ کر کے کوئی خیر خبر حاصل کر لیتی۔ زندگی ایک دم تاریک اور بھیاں بھیاں ہو گئی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ صفدر صرف تب تک اس کا خیال رکھنے والا تھا جب تک وہ بچے کو جنم نہ دے لیتی۔ اس کے بعد اس جیسا لالچی آدمی نجانے اسے کس کے ہاتھ جوئے کے نام پر بیچ دیتا۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے وہ دن رات حیات علی کے لوٹ آنے کی دعائیں کرتی رہتی تھی اس کی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔

بس اپنے بچے کے آنے کا انتظار تھا زیب النساء کا کسی سے بھی کوئی رابطہ نہ تھا اور پھر ایک شام اس کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی خوش قسمتی سے اس شام صفدر گھر پر ہی تھا۔ دو دن بعد وہ گھر لوٹا تھا بیٹی کی چیخیں سن کر کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر نجانے اسے اس کی حالت پر ترس آ گیا تھا یا کیا تھا وہ ایک عورت کو لے آیا تھا اور پھر اس شام اس نے اللہ کو یاد کرتے درد سہتے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔ ایک خوب صورت لیکن بہت کمزور سے بیٹا زیب النساء کو لگا اس کے اندر جیسے زندگی نے پھر نئی کروٹ لی ہو۔ اسے تمام تکلیفیں اور تمام درد بھولنے لگے تھے۔ صفدر خلاف توقع اس کا خیال رکھ رہا تھا کھانے پینے کا سامان لا دیتا تھا۔ بچہ بہت خوب صورت تھا لیکن بہت کمزور زیب النساء کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی لیکن اب اس کے اندر اپنے بیٹے کے لیے زندہ رہنے کی خواہش ابھری تھی۔ وہ زندہ رہنا چاہتی تھی صرف اور صرف اپنے بیٹے کے لیے۔ حیات علی کا انتظار کرتے کرتے وہ اب مایوس ہو چکی تھی اب اس کی سوچوں کا محور صرف اس کا بیٹا تھا۔

بیٹے کی پیدائش کا ٹھہ دن گزر چکے تھے نہ کوئی رسم ہوئی اور نہ ہی کوئی خوشی۔ غم سے نڈھال زیب النساء نے خود ہی اپنے بیٹے کا نام رکھ لیا۔

”فیضان حیات علی.....“ وہ دن میں کئی کئی بار یہ نام دہراتی اور سسکنے لگتی اسے حیات علی کی بہت یاد آتی تھی۔ صفدر کی طرف سے ابھی تک سکون تھا وہ اس کے کھانے پینے علاج معالجے کا خیال رکھ رہا تھا اسے لالچ تھا یا کیا تھا لیکن وہ زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اس دن فیضان کو سلا کر کمرے سے نکلی تو صفدر نے روک لیا۔

”اپنے بیٹے کو تیار کر دے مجھے اسے کہیں لے کر جانا ہے۔“ وہ ٹھٹھک کر رہی تھی۔

”کہہ..... کہاں جانا ہے.....؟“

”حیات علی کے باپ کے پاس جاؤں گا۔“

”کیوں؟“

”اس کے باپ کی خیر خبر لوں گا ایسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتا۔ نکاح ہوا تھا تمہارا اس کے باپ نے اس گھر سے نکلوا دیا اور اس نے پلٹ کر خبر تک نہ لی۔“ صفدر نے اس کی دکھتی نگاہ پر ہاتھ رکھا تھا۔

”تو تم خود جا کر پتا کر آؤ فیضان کو کیوں ساتھ لے کر جاتے ہو۔“

”زیادہ بک بک نہ کر تجھ سے مشورہ نہیں مانگا۔ اپنے بیٹے کو کپڑے بدل کر دے مجھے۔“ صفدر نے تلخی سے کہا۔

وہ ایک لمبی پلانٹ کر چکا تھا وہ اب فیضان کو آلہ بنا کر بابا صاحب کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ پہلے بھی وہ گھر چھوڑنے پر معاملہ طے کرتے ان سے رقم نکلوا چکا تھا۔ زندگی اس کی جیسے تیسے گزر چکی تھی لیکن وہ اب اپنے بڑھاپے کا بندوبست کرنا چاہتا تھا۔

”میں نہیں دوں گی تمہارا کوئی بھروسہ نہیں تم اسے لے کر بھاگ گئے تو.....“

”زیادہ زبان نہ چلا بھاگنا ہوتا تو ان دو ماہ کا انتظار نہ کرتا۔ اس کے باپ کا پتا کرنے جا رہا ہوں تیرا ہی بھلا ہے اس میں۔“

غصے سے بیٹی کو گھورا تھا وہ اس کی بات سن کر چوکی تھی۔

”لیکن فیضان بہت چھوٹا ہے وہ میرے بغیر نہیں رہ سکے گا۔“

”تو ٹھیک ہے چل ٹو بھی ساتھ چل۔“ اسے کسی بھی طرح آمادہ نہ دیکھ صفدر نے پینتر ابد لا تھا۔ زمین مان گئی حیات علی کے

گاؤں کا انہیں بس نام کا پتا تھا صفدر کے ساتھ انہیں وہاں آتے آتے چار گھنٹے لگ گئے تھے۔ وہ اپنے علاقے کے ایک بہت بڑے جاگیردار تھے حیات علی کی حویلی تک پہنچنے میں دقت نہ ہوئی تھی۔ بخش دین نے فوراً پہچان کر انہیں گیٹ پر ہی روک لیا تھا۔ ”تم یہاں کیوں آئے ہو؟“ وہ دیکھتے ہی پریشان ہو گیا تھا۔

”حیات علی میری بیٹی کا شوہر ہے اس کے باپ نے ہمیں وہاں سے نکال دیا“ کہتا تھا خاموشی سے نکل جاؤ ورنہ پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ میں اپنی بیٹی کی زندگی کی خاطر نکل آیا لیکن اب اس کا ایک بیٹا ہے چوہدری حیات علی کا کوئی اتا پتا نہیں۔“ صفدر اونچی آواز میں بولنے لگا تھا ”بخش دین ارد گرد دیکھتے کسی کو علم نہ ہو جانے کے خوف سے ان دونوں کو لے کر ایک طرف کونے میں آ کر کھاتا تھا۔“

”دیکھو تم نے ان کو اور بچے کو ساتھ لا کر بہت بڑی غلطی کی ہے تم نہیں جانتے یہ لوگ کیسے ہیں۔ چوہدری حیات علی کی وجہ سے بابا صاحب نے تم لوگوں کو زندہ چھوڑ رکھا ہے ورنہ وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔“

”لیکن چوہدری صاحب کہاں ہیں تم نے کہا تھا ایک ماہ بعد وہ پاکستان آ جائیں گے لیکن ابھی تک کوئی خبر نہیں ملی۔“

زبین نے خود پوچھا تو بخش دین کچھ دھیمّا ہوا۔

”باہر کے ملک میں چوہدری صاحب کا ایکسڈنٹ ہو گیا تھا۔“

”ہائے میں مر گئی۔“ زبین تو سن کر تڑپ اٹھی تھی۔

”بڑی نازک حالت تھی کئی ماہ سے وہاں اسپتال میں ہیں۔ سنا ہے دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی اور بھی چوٹیں لگی آئیں ہیں مہینوں لگ جانے ہیں بالکل ٹھیک ہونے میں۔“ بخش دین نے بتایا تو زیب النساء ایک دم رونے لگی۔ وہ جھپٹتی رہی تھی کہ حیات علی اسے چھوڑ کر چلے گئے اور اب کبھی پلٹ کر نہیں آئیں گے لیکن ایسا کبھی ہو سکتا ہے اس کے گمان میں نہ تھا۔

”اب کیا ہو گا؟“ وہ رورہی تھی۔

”آپ فکر نہ کرو چھوٹے چوہدری صاحب سے میرا رابطہ نہیں ہو رہا جب بھی کوئی اطلاع ملی تو میں ان تک پیغام پہنچا دوں گا۔“ بخش دین نے خلوص سے کہا۔

”چھوڑو تمہارے پیغام پہنچانے تک کیا ہم ایسے ہی لٹکے رہیں گے۔ میں آج بڑے چوہدری سے مل کر ہی جاؤں گا نکاح نامے کی کاپی میرے پاس ہے۔ یہ بچہ اب چھوٹے چوہدری کا بیٹا ہے دیکھتا ہوں چوہدری ہمیں کیسے یہاں سے نکالتا ہے۔“ صفدر جو پلاننگ کر چکا تھا اس سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

”چوہدری صاحب تم کو جان سے مار دیں گے اگر تم ایسا کرو گے۔ میری مانو تو تم دونوں چپ چاپ یہاں سے نکل جاؤ اگر بڑے چوہدری صاحب کو خبر بھی مل گئی تو وہ حشر نشر کر دیں گے تم لوگوں کا۔“ بخش دین نے ڈرانا چاہا۔

”میں انہیں ڈرنے والا تم مجھے چوہدری سے ملوادو بس پھر دیکھتا ہوں کیا کرتا ہے وہ۔“ وہ کسی بھی طور ٹلنے والا نہ تھا۔

”جیسے تمہاری مرضی لیکن ایک بات مانو بی بی کو ساتھ مت لے جاؤ ان کو میں ادھر کمرے میں بٹھا دیتا ہوں اور تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“ زیب النساء جو پہلے ہی حیات علی کا سن کر رورہی تھی ایک دم ڈر گئی تھی۔

بخش دین اسے چوکیدار کے بنے ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھا کر خود صفدر کو لے کر چلا گیا تھا چوہدری سراج بخش دین کے ساتھ صفدر کو دیکھ کر چونکے تھے۔

”تم یہاں.....“

”تم تو چوہدری اس گھر سے نکلنے پر کچھ ہزار دے کر فوج چکر ہو گئے تھے۔ تم کیا سمجھتے ہو میں اتنی جلدی تمہاری جان چھوڑ دوں گا۔ نکاح نامے کی کاپی میرے پاس ہے حیات علی کا بیٹا پیدا ہوا ہے میں چاہوں تو مقدمہ کر سکتا ہوں۔“ صفدر علی آپے سے باہر ہونے لگا تھا۔

”تم جیسے بچ خاندان کے لوگ ایسے ہی پیچھا پکڑ لیتے ہیں۔ تم نے معاملہ طے کیا تھا کہ تم اپنی بیٹی کو لے کر بالکل غائب ہو جاؤ گے اور کبھی نظر نہیں آؤ گے۔ پیسے لیے تھے تم نے مجھ سے اس کام کے لیے اب تم دھمکیاں دے رہے ہو وہ بھی چوہدری سراج علی

کو۔ جانتے ہو کیا انجام ہو سکتا ہے تمہارا یہاں آنے پر۔“ نہایت غصہ و غضب سے صفدر کو گھورتے ہوئے کہا۔
 ”تمہاری بہو اور اس کے بیٹے پر وہ ساری رقم خرچ کی ہے میں نے یا تو مجھے میری منہ مانگی رقم دیا پھر میری بیٹی کو اس حویلی میں جگہ.....“ اس نے دھمکایا۔ چوہدری سراج نے چند پل بغورہ غدر کو دیکھا۔
 وہ ایک لاپچی شخص تھا اس کا منہ بند کیا جاسکتا تھا لیکن یہ مسئلے کا حل نہ تھا وہ پھر کسی بھی وقت انہیں دھمکانے دوبارہ آ سکتا تھا اور پھر اگر کسی اور سے ملاقات ہو جائے تو ان کی عمر بھر کی عزت مٹی میں مل سکتی تھی۔ انہوں نے کچھ سوچا اور بخش دین کو کچھ لوگوں کو بلوانے کا کہا وہ لوگ آ گئے تو چوہدری سراج علی نے ان کو حکم دیا۔
 ”اس شخص کو لے جاؤ اس کا وہ حشر کرو کہ دوبارہ مجھے نظر نہ آئے۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے چوہدری میں پولیس میں جاؤں گا مقدمہ کروں گا تم پر۔“ وہ چیخنے چلانے لگا تھا جبکہ تین چار طاقتور مرد زبردستی دھکیلتے اسے لے گئے تھے۔ بخش دین خاموشی سے محو انتظار زمین کے پاس آیا تھا۔
 ”بی بی تمہارے باپ کو چوہدری کے بندے لے گئے ہیں اب وہ زندہ بچتا ہے یا نہیں تم فوراً یہاں سے لکلو۔ اگر چوہدری صاحب کو پتا چل گیا کہ تم بھی ساتھ تھیں تو وہ تمہیں اور تمہارے بچے کو بھی جان سے مروا دے گا۔“
 ”کیا.....؟“ زیب النساء ڈر گئی تھی۔ بخش دین اسے چوری چھپے وہاں سے نکال کر اڑے تک پہنچا گیا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار سفر کر رہی تھی نجانے وہ کیسے ٹھوکریں کھاتی واپس پہنچی تھی۔ صفدر کے ساتھ نجانے کیا سلوک ہوا تھا وہ غم سے نڈھال تھی۔ رات گئے وہ شہر پہنچی تھی اکیلی تنہا ایک دو ماہ بچے کے ساتھ ڈری بھی لڑکی وہ بہت کچھ برداشت کرتی گھر پہنچی تو آگے تالا لگا ہوا تھا۔
 اسے یاد آیا چابی تو صفدر کے پاس تھی۔ بخش دین نے اسے کرائے کے لیے کچھ پیسے دیے تھے ان میں کچھ بچ گئے تھے وہ تھکی ہاری جب مہر النساء کے گھر پہنچی تو رات کے دو بج رہے تھے۔ مہر النساء کا شوہر گھر پر نہیں تھا چوکیدار کو ترس آ گیا تھا اس کی حالت اس قدر ہتر ہو رہی تھی کہ اسے اندر جانے دیا تھا۔ مہر النساء اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ بخش دین کی زبانی زیب النساء کو جو معلوم ہوا تھا وہ سب اس نے مہر النساء کو کہہ دیا تھا۔

مہر النساء نے بظاہر تسلی دی تھی لیکن اندر ہی اندر وہ خود بھی پریشان ہو چکی تھی جیسے تیسے کچھ دن گزرے تھے۔ مہر النساء کا شوہر گھر آچکا تھا زیب النساء کو دیکھ کر اس نے ناک منہ چڑھایا تھا لیکن کہا کچھ نہ تھا۔ زیب النساء دو تین بار جا کر پتا کرتی تھی گھر پر ابھی بھی تالا تھا۔

اس رات وہ بہت غم زدہ تھی اس کی طبیعت خراب تھی۔ صفدر کی کوئی خبر نہ تھی مہر النساء کے شوہر کے تیور دن بے دن بدلتے جا رہے تھے آتے جاتے وہ کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کر جاتا تھا کہ زیب النساء ڈر جاتی تھی۔ وہ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ رات کو لیٹی تھی فیضان کو سلاتے سلاتے ابھی اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بجاتا تھا اس نے اٹھ کر کھولا تو نشے میں دھت مہر النساء کا شوہر کمرے میں داخل ہوا تھا زیب النساء چیخ مار کر ایک طرف ہو گئی تھی وہ پھرا ہوا شخص اس کی طرف بڑھا تھا وہ فیضان کو اٹھا کر اپنا پچاؤ کرتی بڑی مشکل سے کمرے سے نکلی تھی اس کی چیخوں اور شور کی آواز سن کر مہر النساء بھی آگئی تھی۔
 ”آپا..... مجھے بچالو.....“ روتی بلکتی زیب النساء اس سے لپٹ گئی تھی۔ نجانے مہر النساء کے اندر اتنی ہمت کیسے آگئی تھی روتی بلکتی بہن اور اس کے بیٹے کو سہارا دیتی وہ اپنے کمرے میں لے آئی تھی اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ رات بڑی بھیا تک تھی۔ وہ شخص مخلقات بکنا گالیاں دیتا شور مچاتا بے نتائج کی دھمکیاں دیتا رہا تھا۔

صبح ہوئی تو اس شخص نے صاف کہہ دیا تھا کہ زیب النساء اپنا کہیں اور بندوبست کر لے وہ اسے اپنے گھر میں نہیں رکھے گا۔ زیب النساء کے ہیروں تلذذ میں نکل گئی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کہاں جائے کیا کرے؟
 مہر النساء نے بہت منتیں کی تھیں لیکن اس کے شوہر کی ناں ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ مجبوراً مہر النساء نے اسے اپنی ایک نند کا ایڈریس لکھ کر اس کے حوالے کر دیا تھا۔ آپا صفیہ مہر النساء کے شوہر کی بہن تھیں اولاد سے محروم تھیں شوہر وفات پاچکا تھا وہ اکیلی گھر میں رہتی تھیں کافی نیک صفت خاتون تھیں۔

مہر النساء کے ساتھ بھی ان کا برتاؤ بہت اچھا تھا زیب النساء کو انہوں نے کھل دل سے خوش آمدید کہا لیکن آپا صفیہ کے ہاں

جا کر دکھوں اور غموں سے نڈھال زیب النساء کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ حیات علی کی غفلت باپ کی گمشدگی اور اب اس نے دھچکے نے اس کے اندر سے زندگی کی امید چھین لی تھی۔ وہ اندر ہی اندر کھلتی جا رہی تھی غموں نے اس کے وجود کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا آپا صفیہ اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں لیکن لگتا تھا کہ جیسے ذہن کے اندر زندہ رہنے کی لگن بالکل ختم ہو گئی تھی وہ اپنا علاج کروانے سے بھی کترانے لگی تھی۔

فیضان چھ ماہ کا ہونے کو رہا تھا لیکن حیات علی کا کوئی پتا نہ تھا اور صغیر بھی تاحال کم شدہ تھا وہ بالکل مایوس ہو چکی تھی۔ اسے سانس کا مسئلہ رہنے لگا تھا اور پھر ایک رات اسے دمہ کا دورہ پڑا تھا آپا صفیہ اسے ہسپتال لے گئی تھیں لیکن زیب النساء نے رستے میں ہی دم توڑ دیا تھا۔ روتا بلکتا فیضان باپ کے بعد ماں کی ممتا سے بھی محروم ہو گیا تھا۔ مہر النساء کا صدمے سے بُرا حال تھا دنیا داری کو وہ آئی تھی باپ کی ابھی تک کوئی خبر نہ ملی تھی کہ زندہ بھی ہے یا.....

فیضان کو اولاد کے لیے ترسی ہوئی آپا صفیہ نے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ زیب النساء کی زندگی کا باب بند ہوا تو چوہدری حیات علی سے متعلق ہر خبر نے گویا دم توڑ دیا تھا اور پھر زندگی ایک نئے ڈھنگ میں گزرنے لگی تھی۔



فیضان ماموں اور سہیل بھائی دوبارہ ہادیہ کے والد کے پاس گئے تھے انہوں نے مثبت جواب دیا تھا۔ ہادیہ اور رابعہ کا خوشی سے بُرا حال تھا ابو بکر بھی خوش تھا۔ بس یہی طے ہوا تھا کہ ایک دن بعد نکاح ہوگا اور رخصتی چند ماہ بعد..... ہادیہ کا باپ ایک محنتی انسان تھا اپنی زندگی کو انہوں نے خود بنایا سنوارا تھا اور زندگی میں ایک مقام بنایا تھا۔ ابو بکر سے متعلق انہوں نے بہت غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا تھا۔ ابو بکر میں انہیں اپنا ماضی دکھائی دیا تھا سو وہ فیصلہ کر کے مطمئن تھے۔

رابعہ جوش و خروش سے نکاح کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ ثریا بیگم بھی سب کے سمجھانے بجھانے پر صدمے کی کیفیت سے نکل کر ابو بکر کے نکاح کے بندوبست میں لگ گئی تھیں۔

ابو بکر کا فلیٹ تیار تھا لیکن یہی فائل ہوا تھا کہ ابو بکر کے نکاح کی ساری تیاریاں سہیل کے گھر سے ہی ہوں گی۔ وہ بھابی کے ساتھ ہی سلسلے میں ہی لگی ہوئی تھیں جب اس کے نمبر پر عیاس کی کال آ گئی تھی۔

”السلام علیکم! سر کیسے ہیں؟“ اس کی آواز میں کھنک سی تھی۔

”وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔“ عباس نے پوچھا۔

”آپ کی شادی کی ٹائمنگ کا پوچھنا تھا میں نے؟“ عباس نے فون کرنے کی وجہ بتائی تو رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”سر میری شادی نہیں ہو رہی۔“

”کیا..... کیا مطلب؟“ عباس الجھا۔

”سر! میری شادی کینسل ہو گئی ہے وہ اب نہیں ہو رہی۔ میں نے کال کر کے اسٹاف کے باقی ممبرز کو اطلاع کر دی تھی آپ کو شاید کسی نے نہیں بتایا ہوگا۔“ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ دوسری طرف موجود عباس کو لگا کہ جیسے یہ الفاظ سن کر وہ بہت پر سکون ہو گیا ہو۔

”کیسے کینسل ہو گئی شادی؟“ اب کے لہجے میں فکر مندی اور تشویش تھی۔

”شاید ابھی قسمت میں نہیں تھی۔“ وہ دُور سکون تھی۔

”لیکن کوئی ریزن تو ہو گی نا۔“

”اہل میں کل ابو بکر اور ہادیہ کا نکاح ہو رہا ہے۔“

”ہادیہ کا نکاح..... میں سمجھا نہیں؟“

”اہل میں سر.....“ ہادیہ نے بتانا شروع کیا تھا اور مختصر ہادیہ اور ابو بکر کے متعلق سب سنادیا۔

”ویری گڈ..... یعنی آپ ہادیہ کے لیے اتنی بڑی قربانی دے رہی ہیں ویل ڈن۔“ عباس رابعہ کے اس طرف پورے عمل سے

بہت متاثر ہوا تھا۔

”سر! قرانی کیسی..... وہ میری دوست ہے اور مجھے بہت عزیز ہے۔ ساری بات کھل چکی تھی اور میں جان بوجھ کر شادی کر بھی لیتی تو شاید میں کبھی خوش نہ رہ پاتی اور سب کچھ جاننے کے بعد میں ابو بکر سے شادی کر لیتی یہ ناممکن سی بات تھی۔“

”دیری ٹالس۔“ عباس نے ایک دم سراہا۔

”ماشاء اللہ ذہنی اپروچ بہت اچھی ہے آپ کی ورنہ آج کل کے دور میں لوگ حقیقی رشتوں کے متعلق غاصبانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں دوستی وغیرہ تو بہت دور کی بات ہوتی ہے۔“

”شکریہ سر! میرے لیے اپنی ذات اور بعد کے گرائمز کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا آسان نہ تھا لیکن میرے سامنے میری ساری زندگی کی خوشیاں اور دوسری طرف ہادیہ کی خوشی اور ابو بکر کی ذات تھی۔ فیصلہ مشکل تھا لیکن مجھے ابھی قدم پیچھے ہٹالینا بہتر لگا بانسبت اس امر کے کہ میں ابو بکر سے شادی کر کے ساری عمر پچھتاتی۔“

”بہت ہی اچھا فیصلہ کیا آپ نے میں کچھ بڑی تھا آفس بھی کم چکر لگ رہا تھا اس لیے مجھے آپ کی شادی کنسل ہو جانے کی خبر نہیں مل پائی۔“

”بس جو اللہ کو منظور ہو ہوتا تو وہی ہوتا ہے۔“ رابعہ نے بردباری سے کہا۔

”بالکل بے شک.....“ عباس مسکرایا۔ عباس کو لگا آج بہت دن بعد اس کے اندر ڈھیر سا راسکون اتر رہا ہو جیسے اپنی ذات ایک دم ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگی تھی خوشبوؤں میں بسی۔ معطر معطری.....

”او کے سر یہاں کچھ بڑی ہوں پھر بات ہوگی۔“ رابعہ کو باہر سے بھابی نے آواز لگائی تو اس نے فوراً کہا۔

”ایک منٹ رابعہ.....“ عباس ایک دم بولا۔

”جی سر.....“

”میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔“ عباس نے کچھ سوچ کر کہا۔

”خیریت سر.....؟“

”ایک ضروری کام ہے کیا آپ آج مل سکتی ہیں مجھ سے۔“ عباس نے پوچھا تو وہ ابھی۔

”کیسا کام؟“

”کام کی نوعیت ملنے پر ہی بتا سکتا ہوں۔“ عباس پرسکون تھا۔

”آج تو ممکن نہیں.....“

”تو ٹھیک ہے کل ابو بکر کے نکاح کے سلسلے میں میں ہادیہ کی طرف سے شامل ہوں۔ وہاں بات کر لیں گے۔“ عباس نے پروگرام ترتیب دیا تھا۔

”لیکن ہادیہ نے تو آفس کے کسی بھی ممبر کو اپنے نکاح کا نہیں بتایا۔“ رابعہ نے کہا تو عباس مسکرایا۔

”ہادیہ کے گھر والوں سے بابا جان کے اچھے فیملی ٹرمز ہیں وہ یقیناً نکاح میں انوائسٹ کریں گے۔ ہادیہ سے میں خود بھی بات کر لوں گا اس بات کی آپ ٹینشن نہ لیں۔“ عباس نے ایک دم جیسے ہر چیز پٹان کر لی تھی۔ رابعہ محض مسکرا دی۔

”او کے جیسے آپ کی مرضی سر۔“



کاشفہ تیزی سے انا کی طرف بڑھی تھی اس کی دوست نے بھی اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا تھا۔ انا شدید مزاحمت کر رہی تھی کاشفہ نے مستعمل ہو کر ایک زوردار پھٹرانا کے چہرے پر بار آور وہ زمین پر جا گری تھی۔

”اب اگر تم نے کوئی حرکت کی تو میں تمہاری جان لے لوں گی۔“ نہایت بے خوفی سے چاقو لہراتے اس نے انا کو خبردار کیا تھا۔

”تم اس قدر گھٹیا لڑکی ہو سکتی ہو میں نے بھی سوچا بھی نہ تھا۔“ جواباً انا نے کہا تو کاشفہ نے سختی سے گھورا۔

”بکواس بند کرو جتنی زبان چلاؤ گی اتنا ہی اپنے حق میں بڑا کرو گی۔ میں تمہیں یہاں محض بات چیت کے لیے لائی تھی اب اپنے حق میں تم خود بڑا کر رہی ہو۔“ کاشفہ کے چلا کر کہا تھا۔

READING
Section

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 142

آپ کی ہمس جولی آپ کی سہیلی

[پچل کی جانب سے بہنوں کیلئے ایک اور آنچل]

ماہنامہ
پچل
کراچی

انشاء اللہ نومبر 2015ء میں آپ کے ہاتھوں میں ہوگا

ماں، بیٹی، بہن، بہو کی یکساں پسند

ہیں کے بے حد سراپراں لے آپ ماہنامہ پچل ایک اور رخ
وہ سب کچھ جو بہنوں کو اپنے پن کا احساس دے
دل کو چھو لینے والی کہانیاں رون میں اتر جانے والی تحریروں
سے راستہ آپ کا اپنا ماہنامہ

ماہنامہ پچل
سرپرست محمد شہزاد روضہ کراچی

READING
Section

”اس وقت تم ہمارے انڈر ہو کچھ بھی کہو گی تو نقصان تمہارا ہی ہوگا۔“ کاٹھہ کی الفاظ پر انہوں نے بہت تلخی سے سد یکھا تھا۔

”جیدی کو بلاؤ۔“ کاٹھہ نے اپنی دوست کو کہا تھا۔ اس نے فوراً کسی لڑکے کو کال کی تھی دو منٹ بعد وہ لڑکا کمرے میں موجود تھا۔ اونچا لمبا بگڑے خاندان کا سپوت وہ بھی شاید کاٹھہ کا کوئی لگتا تھا۔

”یہ لڑکی قابو میں نہیں آ رہی اس کو اچھی طرح سبق سکھاؤ ہم تھوڑی دیر میں آتی ہیں۔“ لڑکے کے آنے پر کاٹھہ نے کہا تو انا کو لگا اس کا حلق خشک ہونے لگا ہے۔ اس نے بہت سہم کر اس لڑکے کو دیکھا جو بڑی بے باکی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ انا کو ایک دم اپنا آپ کسی گہرے کھنڈر میں گرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔



زیب النساء کی وفات کو مزید پانچ ماہ گزر چکے تھے۔ فیضان کو آ پاصفیہ نے بہت آسانی سے سنبھال لیا تھا چند دن اس نے ماں کی کمی محسوس کی بیمار بھی ہوا تھا لیکن پھر آ پاصفیہ کے ساتھ ملنے لگا تھا وہ اب بڑا ہو رہا تھا اس کی صحت بھی بہتر ہو چکی تھی۔ آ پاصفیہ اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس سارے عرصے میں مہر النساء صرف دو تین بار بھانجے سے مل سکی تھی۔ مہر النساء کی اپنی بیٹی افشاں بھی اب بڑی ہو رہی تھی لیکن مہر النساء کے اندر باپ کی غلط حرکتوں اور بہن کی جدائی نے ایک گہرا شکاف ڈالا تھا۔

اس کی معصوم بھولی بھالی کم عمری بہن دنیا سے کیسے خوار ہو کر گئی تھی یہ دیکھ مہر النساء کو اندر ہی اندر چاٹنے لگا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی تھی کہ بھانجے کو اپنے پاس لے جائے لیکن شوہر کی سختی نے ایسا نہ کرنے دیا تھا۔

چوہدری حیات علی کی کوئی خبر نہ تھی اور صفدر وہ نجانے کہا تھا۔ پھر ایک دن انتہائی خراب حالت میں مہر النساء کے گھر کے سامنے صفدر آ کر رکا تھا وہ بار بار مہر النساء سے ملنے کا کہتا تھا۔ چوکیدار کو کسی کو بھی اندر بھیجنے کی اجازت نہ تھی اس نے مہر النساء کو اطلاع کر دی تھی وہ خود گیٹ تک آئی اور صفدر کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ بڑی ہوئی داری بکھرے لمبے بال پھٹے پرانے کپڑے بڈیوں کا ڈھانچہ وہ تو کہیں سے بھی صفدر نہیں لگ رہا تھا۔

”ابا! یہ کیا حالت بنا رہی ہے تُو نے اپنی۔“ وہ حیران تھی جو اب صفدر مغالطات بکھٹے لگا۔

مہر النساء کے چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا مہر النساء اسے اندر لے آئی تھی۔ صفدر اسے اپنی بد حالی کی کہانی سنانے لگا تھا۔ چوہدری سراج علی کے آدمی اسے لے گئے تھے بہت مار پیٹنے کے بعد انہوں نے اسے ایک تنگ و تاریک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ صرف ایک وقت کا کھانا ملا تھا زندگی ایک دم صفدر پر عذاب بن کر آ رہی تھی۔ وہ اس وقت کو بچھٹانے لگا جب اس نے گاؤں آنے کا سوچا تھا نجانے زیب النساء کا کیا حال ہوا ہوگا؟ وہ وہاں کئی ماہ قید رہا تھا۔

جسمانی طور پر اس کے اندر اتنی کمزوری غالب آ چکی تھی کہ اس کی ساری اکڑ سارا کمر اور لالچ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ وہ دن رات کھانا لانے والے سے منتیں کرتا تھا کہ کوئی اسے یہاں سے نکال دے ورنہ وہ مرجائے گا قید تنہائی نے اسے بالکل مفلوج کر دیا تھا اور پھر شاید چوہدری کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ اس نے اس سے کچھ کاغذوں پر انگوٹھے لکوائے تھے وہ پڑھا لکھا نہیں تھا علم بھی نہ تھا کہ وہ کیسے کاغذات ہیں۔ بس رہائی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار تھا اور پھر چوہدری کے کارندوں نے اسے وہاں سے نکال کر ایک سنان اور ویران جگہ پر پھینک دیا تھا۔

اس وقت وہ جسمانی طور پر بالکل مفلوج ہو چکا تھا کچھ لوگوں کو اس پر ترس آیا وہ اسے اٹھا کر ایک اسپتال لے گئے تھے کچھ عرصہ اس کا علاج چلتا رہا تھا۔ کچھ کھانے کو ملا تو جسم میں قوت پیدا ہونے لگی اور پھر ایک دن اسپتال والوں نے اسے قارع کر دیا تو وہ اپنے کمرے کے گھر میں گیا تھا وہاں کوئی اور لوگ آباد تھے۔ مکان کا مالک گھر کا تالا توڑ کر وہاں کچھ لوگوں کو بوسا چکا تھا وہ وہاں سے نامراد ہو کر مہر النساء کی طرف آیا تھا۔ مہر النساء ساری کہانی سنتے کئی بار روئی تھی۔

”ابا تمہارے لالچ اور تمہاری بُری عادتوں نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔“ وہ شدت سے روئی۔

”زیبن کہاں ہے؟“ صفدر نے پوچھا تو مہر النساء نے غی سے باب کو دیکھا۔

”وہ تمہارے لالچ کی بھیجٹ چڑھ گئی۔“ صفدر نے نا جھبی سے دیکھا۔ ”پانچ ماہ پہلے وہ مر گئی دکھوں اور غموں نے اس کو گل

لیا۔ شوہر کی بے وفائی اور تمہارے لالچ نے اسے جیتے جی مار دیا تھا۔“

”زہین سرگنی۔۔۔۔۔“ وہ بڑبڑایا۔

”وہ مری نہیں تھی تم نے اسے مار ڈالا تھا“ اہاں نے چوہدری کی شرافت دیکھ کر اس کا نکاح کیا تھا لیکن اس کے باپ کے ظلم نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔“ وہ روتی رہی۔

”لو اس کا بچہ کہاں ہے؟“ صفدر کا ذہن کہیں اور تھا مہر النساء رو رہی تھی جبکہ صفدر کی آنکھوں میں نمی کا شائبہ تک نہ تھا۔ مہر النساء نے بہت کرب سے باپ کو دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔



”تم جس کام کے لیے لائی ہو وہ کرو جو کہتا ہے وہ کرو لیکن میں یہاں نہیں رکوں گی۔“ انا کا خوف کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا وہ جتنی بھی بہادر اور باہمت ہوتی لیکن جیدی جیسے لڑکے کو دیکھتے ہی اس کا خون خشک ہونے لگا تھا کلافہ مسکرائی تھی۔

”جیدی تو کھنڈ ایک ڈالو اے تمہارے لیے تمہارے لیے تمہاری عزت تمہارا کردار تو بہت اہم ہوگا اور یقیناً تم اس پر کوئی حرف بھی نہیں آنے دینا چاہو گی؟“ انا نے لب بھینچ کر بہت ضبط سے ان تینوں کو دیکھا تھا۔

”کیا چاہتی ہو؟“

”ولید کو؟“ وہ ہنس کر کہہ رہی تھی۔

”تو اس کے پاس جاؤ مجھے کیوں لائی ہو یہاں۔“

”وہ تم سے محبت کرتا ہے اور میں جان چکی ہوں جب تک تم درمیان میں موجود ہو وہ میری طرف مائل نہیں ہوگا۔“ وہ اس کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔

”تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟“ وہ پھٹ پڑی تھی۔

”سارا قصور ہی تمہارا ہے تم اگر چاہو تو ولید میری طرف آ سکتا ہے۔“ انا کے اندر ایک دم شدید اشتعال کی لہر اٹھی تھی۔

”کیا تم مائل ہو؟ میں بھلا کیسے کسی کو کسی دوسرے کے ہونے پر مجبور کر سکتی ہوں۔“

”تم کیسے کرتی ہو یہ تمہارا ہیڈ تک ہے۔“ وہ غصے سے بولی تھی۔

”مجھے ہر حال میں ولید چاہیے۔“ وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔

”ولید بازار میں کتنی کوئی چیز نہیں ہے جو تمہیں پسند آجائے تو تمہیں دے دوں۔“

”شٹ اپ۔“ انا کے لفظا پروہ پھنکاری تھی۔

”اگر تم میری بات مانتی ہو تو ٹھیک در نہ جیدی کو تم جیسی لڑکیوں کو ہینڈل کرنا خوب آتا ہے۔“ کلافہ نے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھ کر اسے ڈرانا چاہا تھا انا کے اندر ایک دم شدید طوفان اٹھنے لگے تھے۔

وہ ڈرنے اور ہارنے دلی لڑکی نہ تھی اور اب جبکہ سب کچھ کلیئر ہو چکا تھا۔ ولید کی ذات اس کا کردار اس کی پوزیشن سب کچھ صاف ہو چکا تھا تو وہ بھلا کیوں ڈرتی لیکن کلافہ کے ساتھ کھڑا لڑکا جن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا انا کے اندر شدید لہری اٹھی تھی۔

”کیا چاہتی ہو تم؟“ انا کلافہ کے ساتھ یہاں تک آئے کی ایک سنگین غلطی کر چکی تھی۔ اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا

ماسوائے اس کے کہ وہ اپنے اعدا کے طوفانوں کو دبائے خاموشی سے کلافہ کا موقف سن لے۔

”یہاں میرے ساتھ اگیری منٹ پر سائن کرو کہ تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی اور اسے خود سے متفر کرنے کی کوشش کرو گی۔“ کلافہ کی بات سن کر وہ ایک دم حیران ہوئی تھی۔

”میں کیوں سائن کروں؟ ولید کوئی بے جان چیز نہیں ہے جس کے لیے تم مجھے دھمکاؤ تمہیں ولید چاہیے تو خود کوششیں کرو۔“

”وہ کبھی نہیں آئے گا جب تک تم کوشش نہیں کرو گی۔“ انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

”اے ہم سوری میں سائن نہیں کروں گی۔“ اس نے بہت غصے سے کہا تھا۔

”مو کے لب پھر جیدی تمہیں ہینڈل کرے گا تمہارا دماغ ٹھکانے آ جائے تو بتا دینا میں آ جاؤ گی۔“ جیدی کو کہہ کر وہ جانے لگی

”تم جی انا ایک دم خوفزدہ ہوئی تھی۔“

”تم بالکل ہوا وہ شخص تم سے اگر محبت نہیں کرتا تو میں بھلا اسے زبردستی کیسے تمہاری زندگی میں داخل کر سکتی ہوں۔“ وہ خوف سے چلائی تھی۔

”تمہارے پاس دوا پشن ہیں بالکل اسی حالت میں جس میں تم آئی ہو واپس جاتی ہو یا میرے ساتھ ایگری منٹ کرتی ہو۔“ انا کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔

”میں ایگری منٹ نہیں کروں گی۔“ انا نے سختی سے کہا تھا۔

”اؤکے جیسے تمہاری مرضی جیدی گیری آن۔“ کاٹھ لڑکے کو اشارہ کرتے اپنی دوست کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی تھی انا کا چہرہ ایک دم تاریک ہوا تھا۔

”سنو کاٹھ! تم اچھا نہیں کر رہی تم کیوں کر رہی ہو ایسا دلید کو بھلا میں کیسے خود سے دور کر سکتی ہوں۔“ وہ اس کے پیچھے لپکی تھی لیکن کاٹھ اور اس کی دوست دروازہ کھول کر باہر نکلی تھیں۔

”کاٹھ..... کاٹھ.....“ انا بھی پیچھے بھاگی تھی لیکن جیدی انا لڑکے نے فوراً درمیان میں آ کر اس کا رستہ روک لیا تھا۔

جیدی کو دیکھتے انا کو پہلی بار صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا تھا اس نے اس لڑکے کو دھتکار تے باہر کی طرف دوڑ لگائی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی کاٹھ باہر سے دروازہ بند کر چکی تھی۔ انا دروازے کو زور زور سے پیٹنے لگی تھی لیکن دروازہ بند ہو چکا تھا اور اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔

حیات علی کا شدید ایکسڈنٹ ہوا تھا کچھ دنوں تک زندگی اور موت کی کشمکش میں رہنے کی بعد زندگی نے موت کو شکست دی تو علم ہوا کہ جسمانی توڑ پھوڑ نے ان کو بالکل مفلوج بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ جواڑ کر پاکستان پہنچنا چاہتے تھے ڈاکٹروں کے ہاتھوں خود کو بے بس دیکھ کر ٹھہرا ہوا تھا۔ نہ پیسے کی کمی تھی اور نہ ہی کسی اور چیز کی بابا صاحب حادثے کی خبر سن کر فوراً آ پہنچے تھے۔ زبیدہ کا بھائی ان سب کے مزید قیام کا بندوبست کرنے لگ گیا تھا۔ اس طرح وہ آہستہ آہستہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنے لگے تھے۔ جسم کے ٹوٹے حصے جڑنے میں مہینوں لگ جانے تھے بابا صاحب ایک ماہ رہنے کے بعد واپس چلے گئے تھے۔ زبیدہ اور بچے وہیں تھے بچوں کی تعلیمی مصروفیات کا حرج ہو رہا تھا۔ زبیدہ کے بھائی نے ان کے اسکول کا بندوبست کر دیا تھا دو ماہ بعد وہ گھر شفٹ ہو گئے تھے ابھی بھی بستر پر تھے۔ زبیدہ خوب خدمت کر رہی تھی کبھی کبھار ان کے اندر زبیدہ کے ساتھ کی گئی زیادتی پر شدید ندامت ہونے لگتی تھی۔ انہیں زمین بہت یاد آتی تھی نجانے وہ کس حال میں تھی اب تو اس کی گود میں ان کی اولاد بھی موجود ہوگی۔ پتا نہیں بیٹا تھا یا بیٹی بابا صاحب زمین کی خبر گیری کرتے ہوں گے یہ ناممکن سی بات تھی۔

اور پھر وہ سنہلنے لگے تھے ان کے بچے اسکول میں پڑھ رہے تھے وہ بھی بتدریج بہتر ہو رہے تھے۔ پورا ایک سال ان کا ٹریٹمنٹ چلا اور پھر وہ بالکل ٹھیک ہو گئے تھے بغیر کسی لڑکھڑاہٹ کے چل پھر سکتے تھے۔ بچوں کی تعلیم کا حرج ہونے کا خدشہ تھا لیکن وہ پاکستان بھی جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے کئی بار بابا صاحب سے واپس پاکستان آنے کی بات کی تھی پہلے تو وہ ٹالتے رہتے تھے اور پھر ایک دن انہوں نے اجازت دے دی تھی۔ زبیدہ بچوں کا تعلیمی حرج نہ ہو جانے کا کہہ کر جانے سے انکاری تھی سو سب کو وہیں چھوڑ کر وہ واپس آ گئے تھے۔

آتے ہی انہوں نے بخش دین کا پوچھا تو علم ہوا کہ وہ تو چند ماہ پہلے حویلی چھوڑ کر اپنا خاندان لے کر چلا گیا تھا کہاں؟ کسی کو کوئی خبر نہ تھی۔ وہ شہر گئے تھے زیب النساء کا کوئی پتا نہ تھا اور پھر وہ مہر النساء کی طرف بھی گئے وہ بھی ملنے پر آمادہ نہ ہوئی تھی اور اس کا چوکیدار بھی لاہور میں تھا ورنہ شاید اس سے ہی کوئی خبر مل جاتی۔ وہ چند دن پاگلوں کی طرح ٹھہرا ہوا کھومتے رہے اور پھر تھک ہار کر حویلی واپس لوٹ آئے تھے۔ اس رات وہ اپنے بستر پر دراز تھے زمین نجانے کہاں گم ہو چکی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ وہ پھر مہر النساء کے پاس جائیں گے اور زیب النساء کا پوچھیں گے پاکستان سے باہر جانے سے پہلے وہ جب زیب النساء سے ملنے آئے تھے تو زیب النساء مہر النساء کے گھر میں تھی یقیناً اب بھی ادھر ہی ہوگی ان کے دل کو یقین سا تھا۔

اگلی صبح وہ پھر تیار ہو کر شہر کے لیے روانہ ہونے والے تھے جب بابا صاحب نے ان کو بلوایا تھا۔ وہ ان کے پاس آئے تو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنگ نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

انہوں نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات ان کی طرف بڑھائے تھے۔

”کیا ہے؟“

”دیکھ لو۔“ حیات علی نے ان کو گھورا اور اس پر لکھی تحریر دیکھی تو چونک گئے۔

”یہ.....“ حیات علی نے حیرانی سے باپ کو دیکھا تھا۔

”چند ماہ پہلے صنفیر خود تمہارا پتا کرنے ادھر آیا تھا صنفیر کو تو تم نہانتے ہو گے تمہاری وہ نام نہاد شہر بیوی کا باپ۔“ بابا صاحب کے لہجے میں اب بھی وہی تنفیر اور نفرت کا ریلہ تھا۔

”جب علم ہوا کہ تم یہاں نہیں ہو تو تمہاری حالت کا سن کر کہنے لگا کہ وہ اپنی بیٹی کو اس گھر سے لے کر جانا چاہتا تھا مجھے بھلا کیا فرق پڑتا تھا لیکن مجھے تمہارا خیال تھا کہ تم باپ کو غلط نہ سمجھنے لگو۔ ثبوت کے طور پر یہ تحریر لکھوا لی تھی یہ اس کے انگوٹھے بھی موجود ہیں اس پر۔“ حیات علی نے لب بھینچ لیے تھے۔

”کچھ بتایا کہ وہ کہاں لے کر جا رہا تھا زمین کو۔“ یہ سب سن کر حیات علی کے دل کو مزید پٹنگے لگ گئے تھے۔

”مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔“ انہوں نے کندھے اچکائے تھے۔ حیات علی نے نہایت بے بسی سے انہیں دیکھا تھا۔

آنکھوں میں شکایت گلہ اور اذیت نہ جانے کیا کچھ تھا۔

صنفیر ایک جوار کی بد قماش اور نشہ باز انسان تھا، نہ جانے وہ زمین کو لے کر کہاں گیا تھا۔ وہ نڈھال سے پلٹ آئے تھے وہ اس دن شہر کے لیے روانہ نہیں ہوئے تھے چند دن گزرے تو پھر دل میں خیال آیا کہ ضرور مہر النساء کو تو بہن کا علم ہوگا۔ ان کے اندر ہمت بڑھی تھی وہ اسی وقت شہر کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ وہ کچھ گھنٹوں کے بعد پھر مہر النساء کے گھر کے سامنے تھے انہوں نے چوکیدار سے مہر النساء سے ملنے کا کہا تھا۔ چوکیدار کا دل تو مانا ہی نہ تھا لیکن پھر کچھ پیسے دینے پر اندر چلا گیا تھا۔

”بیگم صاحبہ کہتی ہیں وہ کسی حیات علی کو نہیں جانتیں آئندہ یہاں مت آئیے گا ورنہ پولیس کو بلوائیں گی۔“ حیات علی کچھ دیر کھڑا رہا تھا وہ چوکیدار کی منتیں کرتا رہا تھا کہ وہ ایک بار مہر النساء سے سے ملو اور لیکن چوکیدار بھی مجبور تھا، نہیں مانا تھا۔ مجبوراً ناامید ہی وہاں سے پلٹتا پڑا تھا اس نے سوچا کہ وہ کل پھر آئے گا شاید مہر النساء کو اس پر ترس آ ہی جائے۔



جیدی انا کی طرف بڑھا تو وہ مارے خوف کے کئی قدم پیچھے ہٹی تھی۔

”ڈونٹ نیچ می۔“ وہ چیختی تھی۔

”آپشنز تو تمہیں کاغذ نے دیئے تھے اگر قبول کر لیتیں تو مجھے برداشت نہ کرنا پڑتا۔“ وہ خباثت سے مسکراتا انا کی طرف بڑھا تھا انا کا مارے خوف کے بُرا حال تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ یہ وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ اس شخص نے ہاتھ بڑھا کہ انا کا بازو پکڑنا چاہتا تھا انا ایک دم ہاتھ جھٹک کر دوسری طرف بھاگی تھی۔

”دروازہ بند کھڑ کیاں بند..... کہاں تک بھاگو گی۔“ وہ مکر وہ ہنسی ہنساتا تھا۔ انا نے خطرناکی کیفیت میں ارد گرد دیکھا شاید اپنے بچاؤ کے لیے اسے کمرے میں کوئی چیز مل جائے لیکن وہاں ایسی کوئی چیز تھی ہی نہیں شاید بہت سوچ سمجھ کر اس کمرے کا انتخاب کیا گیا تھا۔

”دیکھو میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں پلیز چھوڑ دو مجھے۔“ وہ کسی کے سامنے بھی نہ ہارنے والی لڑکی اس بد فطرت انسان کے سامنے ایک دم ہاتھ جوڑ کر سسک اٹھی تھی۔

”میں کاغذ سے پیسے لے چکا ہوں تمہارا اور اس کا معاملہ سیٹ ہو جاتا تو ٹھیک لیکن اب میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“ وہ پھر اس کی طرف بڑھا تھا انا کو اپنا آپ ایک گہری دلدل میں گرنا محسوس ہو رہا تھا آنسو شدت سے بہنے لگے تھے۔

کاغذ نے انتہائی گھٹیا چال چلتے اسے زیر کرنا چاہتا تھا اور اپنی شکی فطرت کے سبب وہ کتنی آسانی سے اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی موت آ جائے یا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے اسے ایک دم اپنے آپ سے کراہیت اور شدید نفرت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اپنی بد اعتمادی کے سبب آج اپنے لیے جہنم خرید چکی تھی۔

”پلیز مجھے چھوڑ دو پلیز.....“ وہ اس کے سامنے سسکنے لگی تھی۔

”اس کمرے میں کمرے لگے ہوئے ہیں میں تمہیں چھوڑتا ہوں تو خود پھنستا ہوں ویسے بھی تم جیسی لڑکی کو کون کافر چھوڑ سکتا ہے بھلا۔“ وہ خباثت سے مسکرایا انا نے ایک دم گھبرا کر درود یوار کو دیکھا۔

”دیکھو ہونا تو وہی ہے جو ہم ملے کر چکے ہیں اس لیے بھاگنے کی بجائے میرے ساتھ تعاون کر دو تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔“ وہ اس کے قریب آ کر پھر کہہ رہا تھا انا وحشت سے درود یوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ اس کمرے کی حدود میں اپنا بچاؤ کرنا ناممکن ہی بات تھی۔

”میں کلاؤ کے ساتھ ہر طرح کی ڈیل کرنے کو تیار ہوں تم اسے بلو او پلیز۔“ ایک دم سسکتے ہوئے اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

وہ شدت سے رو رہی تھی۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا وہ شخص بے اختیار مسکرایا تو انا ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر ایک طرف کھسکی تھی۔

”بڑی جلدی لائن پڑ گئی ہو تم یہی بات جب تم سے کلاؤ نے کہی تھی تب تو تم مانی ہی نہ تھی۔“ وہ روتی رہی تھی۔ اس شخص نے ایک بھر پور نظر انا پر ڈالی تھی۔ اس بھاگ دوڑ میں اس کے وجود سے چادر سرک کر صرف ایک کندھے پر جھول رہی تھی۔ بغیر کسی ہٹاؤٹ کے بالکل بے دیا چہرہ خوب صورتی میں وہ بہت کمال تھی لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا تھا اس نے موبائل نکال کر نمبر ملایا تھا۔

”ہاں مان گئی ہے وہ۔“ سبجانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا وہ ایک دم ہنسیا تھا۔

”لڑکی ہے تو بہت خوب صورت چھوڑنے کو دل تو نہیں کر رہا۔“ انا سٹ سی گئی تھی۔

”لو کے..... لو کے.....“ تم آ جاؤ پھر اب خود دیکھ لو۔“ اس نے کہہ کر پھر انا کو دیکھا تھا۔ اس نے اپنے وجود پر دوبارہ چادر

درست کی تھی۔

”لگتا ہے کافی پونچے گھرانے سے ہو ورنہ کلاؤ اور ایسے معاملات سے گھبرا جائے۔“ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

”تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کلاؤ نے محض تمہیں ڈرانے دھمکانے کو میرا استعمال کیا ہے ورنہ تم چھوڑ دینے والی لڑکی تو نہیں

ہو۔“ اس نے قریب آ کر پھر انا کے چہرے کو چھونا چاہا تھا وہ فوراً سائیڈ پر سرک گئی تھی کچھ دیر میں کلاؤ اور اس کی دوست واپس آ گئی تھیں۔

”تم جاؤ۔“ جیدی کو کہہ کر وہ ایک طرف کھڑی سسکتی ہوئی انا کی طرف بڑھی تھی۔

”خوش قسمت ہو جو مجھے تم پر ترس آ گیا ورنہ تو میں نے ملے کر رکھا تھا تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتیں۔ تمہاری ویڈیو

دیکھ کر نہ صرف ولید تم سے نفرت کرنے لگتا بلکہ ساری دنیا میں تم بدنام ہو جاؤ۔“ جیدی کے جانے کے بعد اس نے ہنس کر کہا تھا۔ انا کا جی چاہا کہ اس کے پاس کاش کوئی چیز ہو اور وہ اس لڑکی کو مل کر ڈالے۔

وہ اس وقت اپنی زندگی کے بھیا نک ترین لمحوں کو گزار رہی تھی اور کسی طرح ان لڑکیوں کے چنگل سے نکلنا چاہتی تھی۔ اسے

ان کے ساتھ آئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور اگر وہ شام تک گھر نہ پہنچتی تو..... نئی سوچوں اور نئے تفکرات نے اسے گھیر لیا تھا۔

”تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی کیا؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ انا کو لگا اس کے دل پر ہی نہیں سارے وجود پر آ ری چل گئی ہو۔

”تم کو ہمارے ساتھ دوا گیری منٹ سائن کرنا ہوں گے۔“ کلاؤ نے اپنے پرس کی جیب سے دو کاغذ نکال کر اس کے

سامنے لہرائے تھے۔ ”ایگیری منٹ میرے لیے ہوگا۔“ اس نے ایک ایگیری منٹ انا کی آنکھوں کے سامنے کیا تھا۔ ”اس میں

درج ہے کہ تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی اسے اپنی طرف سے بدظن کر کے میری طرف راغب کرو گی۔ ولید اور اپنی فیملی سے

کچھ بھی نہیں کہو گی اگر کسی کو کچھ بھی بتانے کی کوشش کی تو تمہاری یہ ویڈیو ساری دنیا میں پھیلا دوں گی اور اگر زیادہ ہوشیاری کرنے

کی کوشش کی اور ہمیں دھوکہ دیا تو اس بار تار گٹ تمہاری فیملی اور ولید بنے گا۔ میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ انا نے انتہائی

بے بسی سے کلاؤ کو دیکھا تھا۔

”تمہارا باپ اور بھائی سارا دن آفس ہوتے ہیں ولید کا باپ بیمار رہتا ہے۔ تمہاری بھانج گھر میں اکیلی ہوتی ہے تمہاری

مخرب کے بعد بوتیک سے لوٹی ہیں۔ ہمیں سب کی روٹین کی خبر ہے سمجھ لو تم نے کسی سے کچھ کہا یا واپس جا کر کوئی ہوشیاری کی

تو ان سب میں سے کسی نہ کسی کی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔“ کاشفہ اسے دھمکار ہی تھی۔

”ویسے بھی تمہیں اپنی فیملی بہت پیاری ہے ان پر حرف تو کبھی نہیں آنے دو گی اور سب سے بڑھ کر ولید ضیاء اس کی زندگی کی خاطر تو تمہیں یہ سب کرنا ہی ہوگا۔“ وہ مسکرائی تھی۔ انا کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی اسی لمحے کھڑے کھڑے مر جائے۔ وہ اپنی بد اعتمادی اور شکی فطرت کے سبب آج کس دورا ہے پر آ کھڑی ہوئی تھی جہاں صرف موت ہی موت تھی۔

”اور اس پر تم خود لکھو گی۔“ اس نے دوسرا کاغذ اس کے سامنے لہرایا تھا۔ اس نے ایک قلم نکال کر اسے بستر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا انا بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

”لو اس پر لکھو۔“ اس نے اسے لکھنے کے لیے ایک پیڈ دیا تھا جس پر کاغذ رکھ کر لکھنے کا اشارہ کیا تھا۔

”کیا لکھو؟“ وہ بالکل ان کے شکنجے میں پھنس چکی تھی اس وقت ذہن بالکل مفلوج ہو رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس قید سے نکلنا چاہتی تھی اپنی زندگی سے زیادہ اسے اب اپنی عزت کی پروا تھی اور وہ چاہے اب اس آزادی کے لیے کچھ بھی کرتی اس نے اپنے ذہن کو اس ایگری منٹ کے لیے ایک دم تیار کر لیا تھا۔

”میں انا وقار خود کاشفہ کے ساتھ آتی ہوں میرے ساتھ کسی بھی قسم کی کوئی زبردستی نہیں ہوئی۔“ انا نے بہت دکھ سے کاشفہ کو دیکھا تھا۔

”یہ کیوں لکھواری ہو جبکہ دوسرے پراسائن کروا دی تو؟“

”میری بھولی بھالی چندا یہ اس لیے لکھواری ہوں کہ اگر تم ڈیل کر اس کرنے کا سوچو بھی تو تمہیں یاد رہے کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ہمارے حوالے کر چکی ہو۔“ وہ طنز سے گویا ہوئی تھی۔

”تم اگر ہمیں پھنسانے کی کوشش کرو گی تو پھر ہمارے پاس بھی کچھ پروف تو ہو گا نا۔“ انا نے لب بھینچ لیے تھے۔ اس نے چند اور لائنز بھی لکھوائی تھیں اور پھر دونوں کاغذات پر دستخط کروا لیے تھے دستخط ہوتے ہی انا ایک دم کھڑی ہو گئی تھی۔

”تمہارا کام ہو چکا ہے مجھے اب جانا ہے۔“

”اتنی جلدی کیا ہے چھوڑ آئیں گے تمہیں ابھی کچھ دیر بیٹھو اور بھی بہت کچھ سمجھانا ہے تمہیں۔“ اسے دوبارہ کندھے سے پکڑ کر بٹھاتے کاشفہ نے کہا تو انا ایک دم پھر اٹھی تھی۔

”میں سب کچھ لکھ کر دے چکی ہوں سب کچھ..... میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے مجھے شام سے پہلے ہر حال میں اپنے گھر پہنچنا ہوگا۔“ وہ پھٹ پڑی تھی۔

”گول ڈاؤن جذباتی مت ہو زیادہ بولنے کی کوشش کی تو یہاں سے نکلنے والی بات کو خواب سمجھ کر پھر بھول جانا جب مجھے مناسب لگا میں چھوڑ دوں گی۔“

”یو بلڈی..... تم میرے ساتھ دھوکہ کر رہی ہو۔“ وہ چیخنے لگی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے شدت سے گھر اور سب لوگ یاد آ رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر وہ چند پل اور ادھر رہی تو پاگل ہو جائے گی۔

”شٹ اپ آرام و سکون سے بیٹھ جاؤ جب میرا دل چاہے گا میں چھوڑ دوں گی۔“ وہ تنفر سے کہہ کر جانے لگی تھی۔

”تم ایسا نہیں کر سکتیں کاشفہ ا“ انا نے فوراً اس کا راستہ روکا تھا جواباً کاشفہ نے بھیج کر اسے پھٹ مارا تھا انا لہرا کر بستر پر گر گئی تھی۔

”اب زیادہ بک بک کی تو جیدی کو بلوا کر تمہارا دماغ سیدھا کروا دوں گی۔“ وہ بے رحمی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

دروازہ لاک ہو گیا تو انا ایک دم سسک اٹھی تھی۔ نجانے اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

”کاشفہ اسے یہاں سے جانے بھی دے گی یا نہیں۔“



مغدر و دتین بار صغیا پا کے ہاں آیا تھا فیضان کو۔ اس کے اندر عجیب عجیب سے خیالات گردش کرنے لگے تھے لیکن ہر بار اپنے دل و دماغ کو پرسکون کیا تھا وہ پہلے ہی اپنی لاپچی فطرت کے ہاتھوں بہت اذیت بھری زندگی گزار چکا تھا۔ اسے واپس آئے دو ماہ ہو چکے تھے وہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ رہ رہا تھا۔

اس دن وہ مہر النساء سے ملنے آیا تھا اب مہر النساء پر اس کے شوہر کی طرف سے اتنی سختی نہ رہی تھی چوکیدار مہر النساء کے کہنے پر صفدر کو آنے جانے دیتا تھا۔ وہ مہر النساء کے پاس دو تین گھنٹے گزار کر باہر نکلتا تو ٹھنک گیا، حیات علی اپنی گاڑی سے نکل رہا تھا وہ بھی صفدر کو دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔

”تم.....“

”کہاں ہے میری زیب النساء؟“ وہ صفدر پر چیل کی طرح جھپٹا تھا جیسے ایک لمحے کی بھی تاخیر کی تو وہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا۔

”مجھے نہیں پتا۔“ صفدر ایک پل میں جان چکا تھا کہ حیات علی زیب النساء کی وفات کی خبر سے لاعلم ہے۔

”اس کو اندر بٹھاؤ بات کرتا ہوں اس سے اچھی طرح۔“ ڈرائیور ساتھ تھا اس نے کمزور سے صفدر کو منٹوں میں قابو کر لیا تھا۔

مہر النساء کا چوکیدار خاموشی سے بس دیکھ رہا تھا۔ حیات علی صفدر کو لے کر اسی گھر میں چلا آیا تھا جس میں وہ شادی کے بعد زمین کے ساتھ رہتا تھا۔

”مجھے کچھ خبر نہیں۔“ صفدر کا وہی بیان تھا۔

”تم نے اگر مجھے سچ نہ بتایا تو میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ باقی ساری زندگی تم بھیک مانگتے گزار دو گے۔“

”زیب النساء میرے ساتھ ہے اور اس کا بیٹا بھی ہے ایک۔“ حیات علی کی حالت دیکھ کر وہ جان چکا تھا کہ وہ زمین کے متعلق کس قدر پریشان ہے۔ سو صفدر نے بھی سوچا کہ اچھا موقع ہے زندگی ایک بار پھر مہربان ہو سکتی تھی اگر وہ تھوڑی سی عقل استعمال کر لے تو۔

”میرا بیٹا بھی ہے۔“ صفدر نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔ ”کہاں ہیں وہ دونوں؟“ حیات علی دونوں کے بارے میں جاننے کے لیے ایک دم بے قرار ہو گیا تھا۔

”ایسے نہیں بتاؤں گا چاہے جان سے بھی مار دو۔“

”تو.....؟“

”خرچہ کرنا پڑتا ہے چوہدری صاحب! آپ تو چھوڑ کر چلے گئے تھے اس کے بعد اب تک زمین اور اس کے بچے پر اتنا خرچہ کرتا رہا ہوں۔“

”میں نے بخش دین کے ہاتھ زمین کو ایک بڑی رقم بھجوائی تھی۔“

”آپ کا باپ آپ کے جانے کے بعد آیا تھا، گھر سے نکال دیا تھا اس نے، گھر سے ایک چیز بھی لینے نہیں دی تھی۔“ صفدر بھرا بیٹھا تھا۔

”تم خود باپا کی اجازت سے لے کر گئے تھے زمین کو۔“ صفدر ہنسنے لگا تھا۔

”بڑا سیاسی باپ ہے تمہارا ایک تیر سے دو شکار سانپ بھی مر گیا اور لاش بھی نہ ٹوٹی۔“

”بلکہ اس بند کر صاف بتاؤ زمین کہاں ہے؟“

”کم از کم کچھ لیڈ دیے بغیر تو نہیں بتاؤں گا۔“ وہ ہنسا تھا۔

”ٹھیک ہے سب کچھ دوں گا جو مانگو گے پہلے زیب النساء کا بتاؤ۔“

”نہ صاحب، نہ شہی ہوں، جواری ہوں لیکن مچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ اس ہاتھ و داس ہاتھ لو والا معاملہ ہوگا۔“ اس نے صاف رکھائی سے کہا تھا۔ حیات علی اندر گیا تھا اور پھر ایک پیسوں سے بھرا لفافہ لا کر صفدر کے منہ پر مارا تھا، صفدر اتنی بڑی رقم دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا تھا یہ تو اس کی توقع سے بہت زیادہ تھی۔

”اب بتاؤ کہاں ہے زیب النساء؟“ اتنی ساری رقم دیکھ کر صفدر کا دماغ تیزی سے چلنے لگا تھا۔

”میرے ساتھ چلو گے اپنی بیوی اور بیٹے سے ملنے۔“ رقم کو جیب میں منتقل کرتے وہ پرسکون تھا۔

”ہاں ابھی چلو۔“ صفدر مسکرا دیا۔ وہ گاڑی میں آ بیٹھا تھا کافی لمبا چوڑا سفر طے کرتے وہ جس علاقے میں پہنچے تھے وہ ایک

انتہائی گندی خستہ حال نئی آبادستی تھی۔

”تم نے اس علاقے میں زمین کورکھا ہوا تھا۔“ مجکیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حیات علی کا دم گھٹنے لگا تھا۔
”چوہدری صاحب غریب بندہ آپ جیسی حویلی نہیں بنوا سکتا مجبوری تھی۔“ حیات علی نے لب بھینچ لیے تھے۔ وہ انہیں ایک ٹوٹے پھوٹے گھر کے سامنے لے کر آیا تھا۔

”یہاں کسی کے ساتھ رہتا ہوں صاحب! تم رکو میں زیب النساء اور اس کے بیٹے کو لاتا ہوں۔“ وہ کہہ کر ٹاٹ کا پردہ کھسکا کر اندر چلا گیا تھا۔ حیات علی شدت سے ان لوگوں کا منتظر تھا لیکن جوں جوں وقت گزرنے لگا تو وہ بے چین ہو گیا تھا۔ اس نے زور سے آواز لگائی اندر سے ایک ادھیڑ عمر برآمد ہوئی تھی۔

”صفدر کو کہیں جلدی آئے۔“

”صفدر تو کب کا جا چکا ہے۔“ عورت نے بتایا تو وہ حیران ہوئے۔

”کیا مطلب؟“

”اس نے ہمارے کچھ پیسے دینے تھے وہ دیئے اور چلا گیا۔“

”کیسے؟ ہم تو ادھر کھڑے تھے۔“

”گھر کا دوسرا دروازہ دوسری طرف کھلتا ہے ادھر سے نکلتا تھا۔“ حیات علی کا شدت سے جی چاہا کہ صفدر ایک پل میں اس کے سامنے آ جائے تو وہ اسے شوٹ کر دیں۔

وہ بڑے نامراد واپس لوٹے تھے پیسہ جانے کی انہیں فکر نہ تھی لیکن زیب النساء اور اپنے بیٹے کی گمشدگی نے انہیں بالکل غمگین کر ڈالا تھا۔



رات کے آٹھ بجے تو کافہ کو اس پر جیسے ترس آ گیا تھا۔ وہ اسے نجانے کیا کیا دھمکیاں دیتی رہی تھی اور انا بالکل بے حس ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ایک جذباتی، جنونی اور اعتماد کی کمی سے محروم لڑکی تھی لیکن اس کے کردار کا فخر ہمیشہ اس کے ساتھ رہا تھا۔ جواب مٹی میں مل گیا تھا۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کے گھر والے اس کے بارے میں کس قدر پریشان ہوں گے اور اب تک کیا کچھ سوچ چکے ہوں گے۔ وہ بہت خوف زدہ ہو چکی تھی بظاہر وہ باعزت واپس جا رہی تھی لیکن ایگری منٹ کی صورت وہ اپنے ہاتھ کاٹ کر کافہ کے حوالے کر چکی تھی۔ کافہ کا پاگل پن دیکھ کر وہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ کافہ کے ساتھ کوئی بھی غلط بیانی یا دھوکہ دہی تو وہ کسی بھی حد تک جاسکتی ہے۔

کافہ اور اس کی دوست اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ اپنے گھر تک کا رستہ اس نے عالم بے ہوشی میں طے کیا تھا اور پھر اس کے بعد کے حالات نے اسے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ اسے اپنے گھر والوں اور ولید کی زندگی بہت عزیز تھی۔ کافہ کی دھمکیاں بدستور اس کے ساتھ تھیں اور وہ واقعی اس کی دھمکیوں سے ڈر گئی تھی۔ کئی بار جی چاہا کہ گھر والوں کو سچ بتادے کم از کم صبوحی کو تو بتادے لیکن ہر بار کافہ کی وہ ویڈیو والی دھمکی یاد آتی تو وہ خاموش ہو جاتی تھی۔ وہ ولید کو دیکھتی تھی تو دل پھٹنے لگتا تھا اور پھر اس نے وہ سب کرنا شروع کر دیا تھا جو کافہ چاہتی تھی۔

حماد اتفاقاً اس کی زندگی میں آیا تھا انا کو لگا اسے سانس لینے اور بچ نکلنے کے لیے کوئی رستہ مل گیا ہے اور پھر اس نے سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ وہ ولید پاپا ماسب کی نظروں میں بُری بن گئی تھی۔ پاپا اسے حماد کے ساتھ رخصت کرنے پر تیار ہو چکے تھے لیکن ولید کو دیکھتی تھی تو دل کرتا تھا سب کچھ چھوڑ کر کچھ کھا کر ہمیشہ کے لیے سو جائے۔ روشی اور ولید اس کے بارے میں مشکوک ہو رہے تھے اور وہ خوف زدہ تھی کیا کر کسی کو علم ہو گیا تو نجانے وہ سب کیا سمجھیں؟ وہ بدکردار نہیں تھی لیکن کافہ جیسی لڑکی کی باتوں میں آ کر وہ اپنا سب کچھ برباد کر چکی تھی۔

وہ اب خود کو ولید کے قابل نہیں سمجھتی تھی اس نے ہمیشہ اسے شک کی نظر سے دیکھا تھا۔ کبھی کبھی اور کبھی کافہ وہ تو اس کو نجانے کیا کیا سمجھتی رہی تھی اور اب ہر بات مکمل جانے پر اس کے دل میں اس کا منہ نہ آتے تھے تو وہ شرم سے پانی پانی ہونے لگتی تھی۔

اس نے ولید اور وقار صاحب کو خود سے بدظن کر دیا تھا۔ اس کا کھیل بالکل ٹھیک جارہا تھا لیکن اب یہ اچانک ولید کا ایکسڈنٹ ہو جانا اسے لگ رہا تھا کہ اگر ولید کو کچھ ہوا تو وہ بھی زندہ نہیں رہ پائے گی۔ وہ جو اس کے بغیر جینے کی کوشش کر رہی تھی اسے اب زندگی سے دور ہوتے دیکھ کر خود بھی حوصلہ ہار چکی تھی۔ وہ جو کبھی کسی کے سامنے نہ کہتی حرف، بحرف شہوار کے سامنے دل کا درد کہتی چلی گئی تھی اور شہوار بے یقینی سے سب سختی حیرت سے گنگ بالکل پتھر بن چکی تھی۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا اور کسی کو خبر تک نہ تھی وہ بے یقین تھی۔



صفر چھپتا پھر رہا تھا اسے حیات علی سے جو رقم ملی تھی وہ آنے والے دنوں میں اس کے بہت کام آنے والی تھی۔ وہ ایک دن صفیّا پاگو گھر آیا تھا فیضان سو رہا تھا۔ صفیّا پاگو بازار سے کچھ سودا لانا تھا وہ اسے فیضان کے پاس چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ صفر کے دل میں نجانے کیا سمائی تھی اس نے خاموشی سے سوتے ہوئے فیضان کو اٹھایا اور گھر سے نکل گیا تھا۔

صفیّا پاگو گھر آئیں تو کھلے دروازے کو دیکھ کر چونکی تھیں۔ صفر اور فیضان دونوں غائب تھے وہ تو دونوں کو نہ پا کر ایک دم ڈھے گئی تھیں مہر النساء کو خبر کی تھی وہ فوراً آ گئی تھی۔ وہ باب کی اس حرکت پر شرمسار ہو رہی تھی۔ بہن کے بعد اب اس کے بیٹے کے چھن جانے پر وہ غم زدہ تھیں شوہر کا خوف تھا وہ چند گھنٹے نسلی دے کر چلی گئی تھی۔

صفیّا پاگو دل غم سے پھٹ رہا تھا فیضان کے وجود نے ان کی سونی گود کو آباد کیا تھا۔ انہوں نے اسے بالکل بیٹوں کی طرح چاہا تھا۔ ان کی مہر فیضان کے وجود سے سیراب ہوئی تھی۔ بہت دن تک ان کی آنکھیں غم اور دل غم زدہ رہا تھا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے دل کو قرأت آنے لگا تھا لیکن فیضان کی بھولی بھالی معصوم صورت یاد آتی تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔

صفر فیضان کو لے کر اپنے نشئی دوستوں کے پاس چلا آیا تھا جن کے ساتھ وہ کچھ عرصے سے رہ رہا تھا۔ بچے کو سنبھالنے کا اسے کوئی خاص تجربہ نہ تھا نتیجتاً فیضان بیمار رہنے لگا تھا صفر صرف حیات علی کو بلیک میل کرنے کے لالچ میں فیضان کو اٹھالایا تھا لیکن اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ فیضان اور اس کی بیماریوں سے اکتانے لگا تھا۔

دوسری طرف حیات علی نے کچھ عرصہ صفر کو تلاش کیا تھا مہر النساء کے گھر کے بھی چکر لگاتا رہا کئی بار اس کے شوہر سے ملاقات ہوئی تھی کوئی تبھی اسے کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہ تھا۔ مہر النساء تو حیات علی کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی اور پھر بابا صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔ وہ اسے پاگلوں کی طرح زمین کے لیے خوار ہوتے دیکھ کر اندر ہی اندر بیچ و تاب کھاتے تھے۔ زبیدہ اور بچے ابھی بھی باہر تھے بچے وہیں زیر تعلیم تھے۔ بابا صاحب کو اس سارے مسئلے کا بس یہی حل دکھائی دیا کہ بچوں اور زبیدہ کو مستقل وہیں سیٹل کروا دیں شاید اس طرح حیات علی بھی سنبھلنے لگے اور زمین اور اس کے بچوں کو بھول بھال جائے اور پھر دل کے مجبور کرنے پر وہ ایک بار پھر مہر النساء کے پاس آئے تھے اور شاید قدرت کو منظور تھا اس بار مہر النساء اس سے ملنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔

مہر النساء سے ملنے کے بعد انہیں جو کچھ سننے کو ملا وہ حیرت سے گنگ رہ گئے تھے۔ مہر النساء نے ان کے بابا صاحب اور صفر کی سازشوں کی تمام کہانی سنا ڈالی تھی۔ زیب النساء کی موت اور پھر بچے کی گمشدگی۔ حیات علی کو لگتا تھا کہ زندگی بالکل ختم ہو چکی ہے ان کے بابا صاحب اس قدر ظلم بھی کر سکتے تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے مہر النساء نے انہیں کچھ رقم لا کر دی تھی۔

”سیا پ کے باہر جانے کے بعد آپ کا ملازم زمین کو وے کر گیا تھا اتنی بڑی رقم کم ہو جانے کے ڈر سے زمین نے مجھے المیہ دے دی تھی تب سے میرے پاس تھی۔ فیضان بڑا ہوتا تو اسے دے دیتی اب وہ ہے نہیں میرے بھلا کس کام کی۔“ حیات علی کا دل بھرا یا زمین واقعی ایک با کردار نیک دل لڑکی تھی ان کا دل زخم زخم تھا۔ وہ غم سے نڈھال تھے۔

وہ کتنے بد نصیب تھے اتنی وسیع اراضی کے مالک لیکن ان کی محبوب بیوی ترستے سکتے دنیا سے چلی گئی تھی۔ انہوں نے مہر النساء کو باہر کا ایڈریس لکھوایا تھا اور فون نمبر بھی لے لیا تھا۔ مہر النساء بھی جیسے ہر طرح سے تعاون کرنے پر آمادہ تھی اس نے انہیں یقین دلایا تھا کہ جیسے ہی فیضان کی کوئی خبر ملے گی وہ انہیں اطلاع کر دے گی اور پھر وہ واپس حویلی پہنچے تھے۔ بابا صاحب سے اس کی شدید لڑائی ہوئی تھی اور وہ ان سے ہر طرح کا حلق ختم کرتے باہر چلتے آئے تھے۔

اپنے سالے کے ساتھ رہنے کی بجائے انہوں نے علیحدہ گھر لے لیا تھا مہر النساء کو نیا ایڈریس بھی دے دیا اور پھر زندگی

گزر نے لگی تھی اپنی رفتار اور جون میں۔

وقت کب کسی کے روکے رکنا ہے چار سال پلک جھپکنے میں گزرے تھے لیکن حیات علی کو لگتا تھا کہ زندگی جیسے رک سی گئی تھی ان کے اندر ہمیشہ کیلئے خزاں کا موسم ٹھہر گیا تھا۔ اکثر راتوں کو سوتے انہیں کفن میں لپٹی زہین دکھائی دیتی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ جاتے تھے۔ یہ ان کے اندر کا احساس ندامت تھا جو انہیں سونے نہیں دیتا تھا اور پھر ان کی راتیں جاگتے گزرنے لگی۔

زبیدہ ان کی حالت دیکھ کر بھی الجھنے لگتی اور کبھی رو پڑتی۔ زیب النساء کی موت کی خبر حیات علی کی زبانی اسے بھی مل چکی تھی دل میں سکون سا جیسے اتر گیا تھا لیکن حیات علی کا وہ یہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا تھا۔ سال بعد ایک روز ان کو ایک کال موصول ہوئی تھی۔ پاکستان سے آنے والی مہر النساء کی یہ کال انہیں جیسے کسی جمود کے حصار سے باہر کھینچ لائی تھی وہ فوراً پاکستان جانے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔

بچے اور زبیدہ بھی ساتھ جانے پر بھند تھے لیکن وہ کسی کی بھی پروا کیے بغیر فوراً پاکستان پہنچے تھے۔ وہ مہر النساء کے گھر پہنچے تو ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی مہر النساء جیسے انہی کا انتظار کر رہی تھی۔ مہر النساء کی بیٹی افشاں بہت پیاری بچی تھی مہر النساء کو شوہر کی سختی اور حالات کے غموں نے کھالیا تھا۔

کچھ دن پہلے دو آدمی آئے تھے وہ اسپتال کے کارندے تھے کب وہ صفدر کی خبر لے کر آئے تھے ایک رات نشے میں دھست صفدر کسی گاڑی تلے آ کر کچلا گیا تھا۔ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی بیماریوں سے نڈھال مہر النساء شوہر کی پروا کیے بغیر اسپتال گئی تھی جہاں باپ کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا۔ موت کی دہلیز پر کھڑے صفدر سے مہر النساء نے جب فیضان کا پوچھا تو صفدر نے جو انکشاف کیا تھا مہر النساء کو لگا کہ جیسے اس کے وجود سے کسی نے جان کھینچ لی ہو۔

صفدر فیضان کو لالچ کی خاطر لے تو گیا تھا لیکن آئے دن فیضان کی بیماری نے اسے اس سے بدظن کر دیا تھا۔ وہ اس سے بے زار ہو چکا تھا صفدر کی ساری زندگی جیسے فیضان کی وجہ سے پابند ہو گئی تھی وہ اب فیضان کو اپنے ساتھ لانے پر پچھتا نے لگا تھا۔ وہ حیات علی کے گاؤں نہیں جاسکتا تھا اور حیات علی کی کوئی خبر نہ تھی ورنہ اسے بلیک میل کر کے اس کا بیٹا اس کے حوالے کر دیتا۔ وقت گزرنے لگا تو فیضان کی بیماری بھی بڑھنے لگی۔ صفدر اس پر پیسہ لگانے سے بھی کترانے لگا تھا وہ واپس آیا صفیہ کے پاس جا کر اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا کہ کہیں وہ پولیس کو بلوا کر اسے پولیس کے حوالے نہ کر دے اور پھر ایک رات حیات علی اور اس کے باپ سے انتقام لینے کے لیے فیضان کے وجود سے تنگ آ کر فیضان کو ایک یتیم خانے کے دروازے پر پھینک کر بھاگ لیا تھا۔

حیات علی مہر النساء کے منہ سے یہ سب سن کر ایک دم کانپ گیا تھا۔

باپ کے زندہ ہونے کے باوجود ان کا بیٹا ایک یتیم کے طور پر پل رہا تھا۔ وہ مسک اٹھے تھے کیسی بے رحم زندگی تھی کیا محبت کرنے کی اتنی کڑوی سزا ہوتی ہے۔

”صفدر نے کچھ بتایا کہ وہ فیضان کو کس یتیم خانے میں چھوڑ کر آیا تھا؟“

”مہیں ابا کی طبیعت بگڑنے لگی تھی اور ڈاکٹروں نے مجھے ڈانٹ کر وہاں سے ہٹا دیا تھا اور پھر جب دوبارہ ابا سے سامنا ہوا تو وہ ہرچکا تھا اب اسے مرے پندرہ دن گزر چکے ہیں۔“ حیات علی کو لگا وہ جیسے پاگل ہو جائے گا۔

مہر النساء کا شکر یہ ادا کرتے وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ وہ شہر کے مختلف یتیم خانوں میں جا چکا تھا لیکن کوئی خبر نہ ملی۔ یتیم خانے والوں نے ان کی فراہم کردہ معلومات نوٹ کر لی تھیں اور انہیں کچھ دن بعد آنے کا کہا تھا۔ اس دن وہ پھر یتیم خانے آئے تھے وہ آفس میں آئے تو وہاں سامنے بیٹھے جوڑے کودیکھ کر ٹھنک گئے تھے۔

”سبحان اور حاجرہ۔“ ان کے لب پہلے تھے انہوں نے بھی حیات علی کو فوراً پہچان لیا تھا۔

”تم دونوں یہاں کیسے اور پاکستان کب آئے؟“

”ایک لمبی کہانی ہے تم سناؤ یہاں کیا کر رہے ہو؟“ گلے ملنے اور خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد دونوں نے یہاں موجودگی کا سبب جاننے کی کوشش کی تھی۔

”میں.....“ حیات علی افسردہ ہو گیا تھا۔ ”مجھے میری قسمت یہاں لگائی ہے بس تم کیسے آئے یہاں؟“

”شادی کے اتنے سال گزرنے کے باوجود ابھی تک ہم دونوں بولاؤ کی نعمت سے محروم ہیں، بہت علاوچ کروا دیکھنے گھر والے دوسری شادی پر زور دیتے ہیں جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا، ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ہم کوئی بچہ اڈاپٹ کریں گے یہیں اپنے پاکستان سے بچہ ساتھ لے کر جائیں گے۔“

”چلو بڑی نیکی کا کام ہے یہ تو اللہ تمہیں اجر دے گا۔“ حیات علی نے افسردگی سے کہا تھا۔

”حیات علی صاحب آپ نے جو معلومات فراہم کی ہیں اس کے مطابق ہم نے کچھ بچوں کو نکالا ہے آپ دیکھ لیں۔“ آفیسر نے کہا تو سبحان نے چونک کر دیکھا۔

”ایک لمبی کہانی ہے پھر بتاؤں گا آؤ بچوں کو دیکھتے ہیں۔“ وہ سبحان کو ساتھ لیے بچوں کو دیکھنے چل دیئے تھے وہاں کچھ بچے تھے ایک بچے کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئے تھے۔

”یہ جاوید ہے یہ جب ہمیں ملا تھا دو سال کا تھا اسے بھی باہر کوئی ڈال گیا تھا۔“ آفیسر انہیں ساتھ ساتھ بچوں کے بارے میں معلومات بھی دے رہا تھا۔

”یہ فیضی ہے جب ہمیں ملا تھا اس کی عمر تقریباً تین سال تھی۔ انتہائی بیمار اور ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا اس کی حالت بہت خطرناک تھی یہ بھی گیسٹ پر بڑا ملا تھا۔ ہم نے اس کا علاج کروایا تھا اس کے کپڑوں میں سے ایک کاغذ بھی نکلا تھا جس پر فیضی لکھا ہوا تھا یہ کسی ڈاکٹر کی دکان کی پرچی تھی ہم نے وہاں سے پتا کر لیا تو پتا چلا تھا کہ یہ بیمار تھا اور ایک آدمی اس کو لے کر اس ڈاکٹر کے پاس آیا تھا انہوں نے ایک نسخہ لکھ دیا تھا وہ بارہ وہ شخص نہیں آیا تھا۔ اس کے کپڑوں میں سے اس نسخے کے علاوہ دو ایسا بھی ملی تھیں جیسے کوئی ڈاکٹر کی دکان سے دوا لے کر سیدھا ادھر ہی ڈال گیا ہو۔“ یہ وہی بچہ تھا جسے دیکھ کر حیات علی چونکے تھے۔

نجانے کیوں ان کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ ہی ان کا فیضان ہے بالکل زمین کی طرح سنہری چمکتی آنکھیں اونچی لمبی کھڑی ناک پتلے ہونٹ اور مناسب پیشانی انہوں نے اپنے بیٹے کو نہیں دیکھا تھا لیکن ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہی ان کا فیضان ہے۔

”وہ نسخہ جس ڈاکٹر نے لکھ کر دیا تھا وہ کس علاقے میں ہے۔“ حیات علی نے بچے کو ساتھ لگا کر پیار کرتے آفیسر سے پوچھا تھا۔

”آپ دفتر میں چلیں ہم معلومات دے دیتے ہیں۔“ حیات علی نے اس بچے کو پھر پیار کیا تھا دفتر کے عملے نے ایڈریس دے دیا تھا وہیں بیٹھے بیٹھے سبحان کو ساری کہانی سنا ڈالی گئی سبحان بہت دکھی ہوا تھا سب سن کر وہ اسی وقت سبحان اور اس کی بیگم کے ہمراہ اس علاقے میں گئے تھے ان کو ڈاکٹر کا کلینک مل گیا تھا انہوں نے یتیم خانے کا وہ سابقہ ریکارڈ اس ڈاکٹر کو دکھایا تھا۔

”اس بچے کے بارے میں کچھ لوگ پہلے بھی کچھ معلومات کرتے آئے تھے۔“ ڈاکٹر نے بتایا تو انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔

”ہمیں بس اس آدمی کا پتا کرنا ہے جو اس بچے کو لے کر آیا تھا۔“

”وہ آدمی اس کے کافی عرصے بعد پھر دو تین دفعہ میرے کلینک آیا تھا کوئی نشئی تھا اپنا نام صفدر لکھوایا تھا۔ شکل سے غنڈہ ٹاپ لگتا تھا۔ یتیم خانے والوں نے مجھے جب بھی وہ آدمی آئے اطلاع کرنے کو کہا تھا لیکن میں ایک غریب سا آدمی ہوں کلینک ہی سب کچھ ہے میں ڈر گیا تھا کہ کہیں کوئی جھگڑا نہ ہو میں نے اطلاع نہیں کی تھی سب سے ایک ماہ پہلے بھی میرے کلینک آیا تھا بے تحاشا سگریٹ نوشی نے اس کے گردوں اور پھیپھڑوں کو فٹل کر دیا تھا اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔“ ڈاکٹر نے جو بھی بتایا تھا حیات علی کو لگا جیسے دل میں سکون سا اترتا چلا گیا۔ یہ فیضی ہی ان کا فیضان تھا ان کا بیٹا ان کا تخت جگر۔

”اگر آپ کو صفدر کی تصویر دکھائی جائے تو کیا آپ پہچان لیں گے؟“ حیات علی نے پوچھا تو ڈاکٹر نے سر ہلا دیا تھا۔

زہین شادی کے بعد اپنے گھر سے کچھ پرانی تصاویر لے کر آئی تھی جو چند سال قبل کی تھیں وہ ابھی بھی وہیں تھیں باہر جاتے وقت وہ صرف ذہین کی تصویریں لے کر گئے تھے صفدر کی تصویریں وہیں لٹاری میں پھینک دی تھیں وہ ڈاکٹر کا شکر یہ ادا کرتے اٹھے تھے وہ گھر گئے لٹاری میں اب بھی وہ پٹنی پرانی تصاویر موجود تھیں وہ لے کر وہاں ڈاکٹر کے پاس آئے تھے ڈاکٹر تصویر دیکھ کر الجھا تھا۔

”انہیں میں کا فرق لگ رہا ہے جو شخص میرے پاس آیا تھا اس کے منہ پر داڑھی تھی صاحب! اور وہ بوڑھا بوڑھا سا تھا جبکہ یہ جوان لگ رہا ہے۔“ حیات علی نے پیلسل لے کر تصویر کے منہ پر داڑھی دنا دی تھی۔

”ہاں کچھ کچھ ہی لگ رہا ہے بس یہاں آنکھیں بڑی بڑی اور کشادہ ہیں جبکہ وہ جب بھی میرے پاس آیا تھا اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوتی تھیں۔“ ڈاکٹر کے بیان کے بعد اب شک شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

بہت ڈھونڈیں ہم نے اس میں وفا لیکن
یاد رکھنا محبت میں تو بس
کبھی گزارہ بھی نہیں ملتا

شاعرہ: عزیزہ حنا عباسی
نازیہ عباسی
ٹھٹھہ

میں درد کا بیکراں
سمندر ہوں کنارہ بھی نہیں ملتا
بہت مارے گرداب میں ہاتھ پاؤں
پر سہارا بھی نہیں ملتا
بہت اندھیرا ہے ہر سمت ہے بہت تاریکیاں
ڈھونڈنے سے بھی کوئی جگنو
کوئی تارا بھی نہیں ملتا

”شکریہ اکثر صاحب آپ نے بہت تعاون کیا۔“ حیات علی اٹھ گیا تھا۔ لوگ حیات علی کے گھر آ گئے تھے حاجرہ ساتھ ہی تھی۔
”بہت سی یاد ہو تمہارے ساتھ بھی بھابی بوسنے کے ساتھ بھی کیا نہیں جونا چاہیے تھا۔“
”اب جب ہم کل تیم خانے جاتے ہیں تو بھابی کی بہن کو بھی ساتھ لے جانا ہو سکتا ہے وہ بچے کو پہچان لیں۔“
”بچے کو تو میں بھی پہچان چکا ہوں بس کتھن کرنا باقی ہے۔“ حاجرہ جوتے عرصے بالکل خاموش تھیں دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر قریب آ بیٹھی تھی۔

”میں سوچ رہی تھی کہ ہم کسی بچے کو ٹاپٹ کرنے آئے تھے لیکن بھائی صاحب کی کہانی سن کر ادھر چلے آئے کیوں نہ ہم اپنے فیضان کو ہی ٹاپٹ کر لیں۔“ حاجرہ کی بات پر دونوں چوہے کئے تھے۔

”میں میں بلبل بنے بیٹے کو خود سے جدا نہیں کریں گا۔“ حیات علی نے قطعیت سے کہا تھا۔
”آپ کو شاید اگلے لیکن ایک بات کہوں گی اگر آپ بچے کو ساتھ لے جاتے ہیں تو آپ کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ کے بلا صاحب اور بیوی کے علاوہ کوئی بھی یہ حقیقت نہیں جانتا کہ آپ نے دوسری شادی بھی کر رکھی تھی اور آپ کا بیٹا بھی ہے بعد میں نجانے کیا حالات ہوں شاید بچے پر بڑے سنگین بچے کی شخصیت متاثر ہوگی اگر آپ بچے کو بہترین ماحول دینا چاہتے ہیں تو آپ ہم پر محروم کر سکتے ہیں ہم بالکل بلا اپنے بیٹے کی طرح پائیں گے۔“ حاجرہ کے الفاظ پر سبحان بھی متفق ہو گیا تھا۔

”حاجرہ ٹھیک کہہ رہی ہے تم لیتا اپنا بیٹا ہمیں دے دو رہے گا تو وہ تمہاری اولاد ہی نہ۔ ہم صرف اسے پالیں گے بڑھائیں گے بڑا کریں گے ہم صرف اسے ٹاپٹ کریں گے اس سے کچھ نہیں چھپائیں گے تم اچھی طرح سوچو تو فیصلہ مشکل ہوگا لیکن تمہارے لیے اس میں بہت سی آسائیاں ہوں گی۔“ سبحان کے الفاظ پر حیات علی سوچ میں پڑ گیا تھا۔
”ہم اس کو اپنے ساتھ امریکہ لے جائیں گے تم اس کے فوج سے متعلق بالکل بے فکر ہو کر فیصلہ کر سکتے ہو۔“ حیات علی کے سامنے

سوچ کا ایک اور دروازہ کھلا تھا۔

”گلہ دن وہ مہر النساء کو لے کر دوبارہ تیم خانے گئے تھے فیضی کو بلوایا گیا تھا۔ فیضی کو دیکھتے ہی مہر النساء ایک دم ہمدردی تھی۔
”یہ ہی ہمارا فیضان ہے ہمارے فیضان کے کندھے کے چھلی طرف چاند گرہن کا سرخ نشان تھا۔ بھائی صاحب آپ دیکھیں اس کے جسم پر بھی ہوگا۔“ مہر النساء کے الفاظ نے گویا حیات علی کو زندگی بخش دی تھی۔ مہر النساء نے خود ہی شرٹ اتار کر دکھا تو ایک دم ہمدردی تھی بالکل ویسا ہی نشان اس فیضی کے کندھے پر بھی تھا اب تو جیسے ہر بات کی تصدیق ہو چکی تھی حیات علی کو اپنا بیٹا مل گیا تھا۔
اب دنیا کی کوئی بھی طاقت ان سے ان کا بیٹا نہیں چھین سکتی تھی تاہم اس کے بہتر مستقبل کے لیے ابھی انہیں بہت کچھ سوچنا تھا۔
مہر النساء کو واپس اس کے گھر چھوڑ دیا تھا۔ مہر النساء نے جاتے وقت ان سے ایک بات کہی تھی۔

”زیب النساء چاہتی تھی کہ اگر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو وہ اس کی شادی میری انشاں سے کرے گی کہنے والی تو مر گئی لیکن بھائی صاحب زندگی نے وفا کی تو یہ میری بہن کی لات ہے آپ کے پاس میں ایک بار بہن کی بات پوری کرنے ضرور آؤں گی اگر آپ کی رضا مندی ہوئی تو۔۔۔۔۔“ مہر النساء چلی گئی تھی لیکن ان کے لیے بہت ساری سوچوں کے کھل گئے تھے وہ فیضان کو اپنے ساتھ گھر لے آئے تھے۔

اگلا پورا ہفتہ انہوں نے پانچ سالہ فیضان کے ساتھ محوم کر گزارا تھا ہر وہ جگہ جہاں وہ بہن کے ساتھ گئے تھے وہ فیضان کو لے کر

آنجل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 157

READING
Section

گھوڑے تھے اور ہر وہ مقام جہاں زمین ان کے ہم قدم تھی انہوں نے فیضان کو دکھایا تھا اس کی ماں کی تصویریں دکھائی تھیں ایک تصویر تو ہر وقت ان کے بٹومے میں موجود رہتی تھی۔ وہ اس کورشتوں سے آشنا کروا رہے تھے اس کے لیے دنیا جہاں کی چیزیں خرید رہے تھے کہ سبحان اور حاجرہ مولیٰ بن کر ایک بار پھر ان کے پاس آئے تھے۔

”ہم جانتے ہیں آپ کے لیے اپنے بیٹے کو خود سے دور کرنا بہت مشکل ہے لیکن ہماری محرومی اور بچے کے مستقبل کے بارے میں ضرور سوچ لیں۔ آپ کے بیٹے کو آپ کا یہ خاندان کبھی قبول نہیں کرے گا لیکن اگر وہ ہمارے ساتھ رہا تو ہم ضرور اسے کسی قابل بنادیں گے۔“ حاجرہ کہہ رہی تھی۔

حیات علی نے محسن میں اپنے کھلونوں سے کھیلتے فیضان کو دیکھا اور پھر سبحان اور حاجرہ کو جو بڑی امید بھری نگاہوں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

”چلو ٹھیک بنانے بیٹے کے مستقبل کے لیے میں یہ جوا کھیلنے کو بھی تیار ہوں بس مجھ سے وعدہ کرو میرے بیٹے کو کبھی کوئی کئی کوئی تکلیف نہیں ہونے دو گے۔“ کہتے کہتے ان کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ سبحان اور حاجرہ بھی نم آنکھیں لیے اسے امید دلاتے نئے وعدے کرتے ہمیشہ فیضان کا خیال رکھنے کی باتیں کرنے لگے تھے۔



شہزاد گھر چلی آئی تھی اپنا اسپتال آئی تو ابھی بھی وہی ماحول تھا۔ مسلسل گریہ وزاری سے اس کی آنکھیں سوچ گئی تھیں چہرے کے نازک حصوں پر سرخی غالب تھی۔ وہ وقار صاحب کے ساتھ اسپتال آئی تھی بڑی سی چادر اوڑھے وہ بالکل ساکت سی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر وقار صاحب کی ہار جو نکلے تھی پتا ہم بولے کچھ نہ تھے۔

وہ صہجی یکم سے ملی وہ اب بہتر تھیں انہوں نے اس سے بات چیت بھی کی تھی۔ ان کے آنے کے بعد روشی اور ضیاء ماموں کو پاپا نے زبردستی گھر بھجوا دیا تھا۔ مصطفیٰ ابھی بھی اسپتال میں تھا احسن تو خود پریشان اور لکھرا ہوا تھا اس لیے مصطفیٰ کے وجود سے بہت ڈھارس مل رہی تھی سب کو۔

”بیٹا! تم بھی تھک گئے ہو گئے گھر جا کر آرام کرو۔ ہم ابھی ہیں دیکھ لیتے ہیں۔“ مصطفیٰ ڈاکٹر سے ساری رپورٹ لے کر لوٹا تو وقار صاحب نے کہا۔

”انکل ٹینشن مت لیں میں ابھی ہوں جب تک ولید کو خوش نہیں آ جاتا میں ابھر سے نہیں ٹلنے والا۔“ ان کا کندھا سہلا کر وہ احسن کی طرف بڑھ گیا تھا جو نڈھال سا بیٹھا ہوا تھا۔ انا ان کی قریب آ رہی تھی۔

”تم باہر کیوں آ گئیں ماما ٹھیک ہیں نا؟ احسن نے کھڑے ہو کر پریشان سے پوچھا تو اس نے سر ہلادیا۔

”وہ سو رہی ہیں۔“

”میں دیکھتا ہوں۔“ وہ فوراً کمرے کی طرف چلا گیا تھا مصطفیٰ نے انا کو دیکھا۔ عجیب سی غم زدہ اور نڈھال سی دکھائی دے رہی تھی۔

”طبیعت ٹھیک ہے۔“ مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے بس سر ہلایا تھا جبکہ آنکھوں میں ایک دم آنسوؤں کا سیلاب آٹھ رہا تھا۔

”میں بولی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔“ اس نے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرنا چاہی تھی لیکن بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔

”موکے آئیں۔“ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھتے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ اس کی سی پو میں جاتے دیکھ کر وقار صاحب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ مصطفیٰ کے ساتھ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو عجیب سرد ماحول تھا وہاں ہر طرف موت کی سی خاموشی تھی انا کا دل لرزنے لگا تھا۔

وہ مصطفیٰ کے ساتھ بیڈ تک آئی ولید ابھی تک اسی کیفیت میں تھا اس نے آہستگی سے ولید کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر رزس کو باہر نکلنے کا اشارہ کرتے خود بھی باہر نکل گیا تھا۔

انا ان دونوں کے جانے کے بعد ولید کے ڈرپ لگے ہاتھ کو احتیاط سے اپنے ہاتھ میں لے کر اس پر جھکی تھی پاس بڑی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے کندہ پشیمانی اور پچھتاؤں کے ایسناگ۔ تھے جو ہر لمحہ اسے جڈس رہے تھے جن کے حصار میں جکڑے وہ بالکل بے بس ہو چکی تھی۔

”نہ اسہی بولی۔“ وہ اپنے آپ سے سخت شرمندہ تھی ولید کے ہاتھ کو چہرے سے لگاتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

”میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا ہے ہمیشہ بدگمانی کا اظہار کیا اپنے خود سرخستہ واہموں اور بدگمانوں میں جکڑی آپ کی محبت اور توجہ کو شک کی نظروں سے دیکھتی رہی۔ ہر لمحہ آپ کو تنگ کیا میں بہت بُری ہوں لیکن پلیز مجھے ایسی سزا مت دیں۔ آپ کو کچھ ہوا تو میری سانسیں بھی رک جائیں گے آپ پلیز واپس آ جائیں میں ہر سزا جو پہلے کو تیار ہوں پلیز ایسا مت کریں۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں نے کئی بار ولید کے سر ہاتھ کو چھوا تھا اس کی گریہ و زاری کا اور ہی عالم تھا۔

وہ بالکل بے بس ہو چکی تھی اس کے دل نے اسے بالکل مات دے دی تھی وہ کچھ کر رہی تھی بالکل غیر ارادی ہو رہا تھا اسے سناپنی حالت کی خبر تھی اور نہ ہی اپنی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کی۔

”کاشفہ کہتی تھی وہ آپ سے محبت کرتی ہے اور آپ کو مجھ سے چھین لے گی۔ کاشفہ نے مجھے مجبور کیا تھا کہ میں خود کو آپ سے دور کر لوں۔ وہ ہم سب کی دیتی تھی کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو وہ آپ کو نقصان پہنچائے گی۔ میں اگر ایسا نہ کرتی تو وہ آپ کو تکلیف دیتی نقصان پہنچاتی میں بھلا کیسے برداشت کر سکتی۔“ اس کی سرگوشیاں اور سسکیاں عجیب دل دکھانے والی تھیں وہ سسکتی رہی تھی۔

ولید سے اپنے تمام کردہ اور نا کردہ گناہوں کی معافی طلب کرتی رہی تھی۔ مصطفیٰ اندر داخل ہوا تو وہ ولید کے ہاتھ کو جکڑے گا بھی بھی سسکتی رہی تھی۔ مصطفیٰ قریب آ یا تو وہ ابھی بھی اسی طرح سر جھکائے سسکتی رہی تھی۔

”انا.....“ مصطفیٰ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی۔

”چلیں اب۔“ مصطفیٰ نے کہا تو وہ ہاتھ چھوڑ کر چہرے کو دوڑے سے صاف کرتی کھڑے ہو گئی تھی تیس بھی کمرے میں آ گئی تھی وہ عجیب رحمہاں میزنگاہوں سے انا کو دیکھ رہی تھی وہ مصطفیٰ کے ساتھ باہر نکلے تو وقار صاحب نے پھر دیکھا تھا نڈھال وجود سرخ شدت گریکا تر جہان چہرہ۔

”کیا جیتنے والے بھی ایسے ہوتے ہیں ہارنے والوں جیسے؟“ اک سوال وقار صاحب کے سینے کی دیواروں میں شدت سے پھر پھڑپھڑایا تھا۔ انہوں نے نگاہیں پھیر لی تھیں آنکھوں میں شدت غم سے لہو ٹپکنے کو تھا۔

”ہم نیچے جا رہے ہیں ذرا آپ جائیں تو ولید کے پاس چکر لگالیں۔“ مصطفیٰ کی بدولت باقی افراد کو بھی آئی سی یو میں جانے کی اجازت مل چکی تھی مصطفیٰ ان کو کہہ کر انا کو لیے بیڑھیاں اترنے لگا تھا۔ مصطفیٰ نے نیچے کروٹنگ روم میں انا کو بٹھا کر خود ایک ڈسپونڈل گلاس میں پانی ڈال کر پلا یا تھا۔

”ایک بات بتا میں ایتنا؟“ دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑتی انا نے سر اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

”جب اس قدر محبت تھی تو یہاں صلی کیسے درمیان میں داخل ہو گئے تھے؟“ انا نے لب بکھینچ لیے تھے۔

”حمداً آپ دفتروں کے درمیان میں کیسے گیا تھا؟“ وہ مزید پوچھ رہا تھا اور انا کو لگا جیسے شدت غم سے بس اس کا دل پھٹنے والا ہے وہ دفتروں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ایک دم شدت سے رو رہی اور مصطفیٰ نے بہت ترخمہ میزنگاہوں سے اس کو یوں اس طرح بلکتے دیکھا۔



سبحان احمد نے قانونی کارروائی کے بعد فیضان کو ڈاؤن اپٹ کر لیا تھا وہ اسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتے تھے اس طرح فیضان حیات علی سے سکندر سبحان احمد نام کے کاغذات تیار ہو گئے تھے سبحان احمد کے خاندان والوں نے کسی بچے کو ڈاؤن اپٹ کرنے پر خوب دبا دیا مچایا تھا لیکن دفتروں میاں بیوی نے کوئی کان نہ دھرے تھے اس طرح فیضان حیات علی سکندر سبحان احمد بن کر سبحان اور حاجہ کے ساتھ امریکہ روانہ ہوا تو حیات علی بھی واپس کینیڈا جانے کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔

سبحان پر انہیں بہت اعتبار تھا وہ سکندر کے مستقبل سے مکمل طور پر مطمئن ہو گئے تھے انہیں یقین تھا کہ اب ان کے بیٹے کو زندگی میں صرف سکھ ہی سکھ ملے گا۔ انہوں نے جانے سے پہلے مہر النساء کی طرف چکر لگایا تھا مہر النساء فیضان کے سبحان کے ساتھ چلے جانے کا سن کر بہت افسردہ ہوئی تھی تاہم اس نے کوئی شکوہ شکایت نہیں کی تھی۔

مہر النساء نے سبحان کے گھر کا ایڈریس ضرور لے لیا تھا۔ ابھی وہ لوگ پاکستان لوٹیں گے تو ان سے ملنے جائے گی۔ حیات علی پچھلے چار سالوں سے بابا صاحب سے ملاض تھے پاکستان لوٹنے پر بھی وہ ان سے ملنے نہیں گئے تھے بلکہ حویلی فون کر کے گاڑی اور ڈرائیور منگوا لیا تھا۔

وہ مہر النساء سے ملنے کے بعد اپنا سامان لے کر رپورٹ کی طرف روانہ ہوئے تو بھی گاڑی جا کر باپ سے ملنے کا نہ سوچا تھا۔ وہ بابا

صاحب کو بیٹے کی جدائی کی سزا دینا چاہتے تھے بالکل ویسے ہی جیسے وہ پچھلے پانچ سالوں سے بیٹے کی جدائی کی آگ میں جلتے رہے تھے۔ زندگی اپنے معمول پر آگئی تھی وقت کا کام تھا گزرتا اسے بھلا گن دوک نہ تھا۔ بہت تیز رفتاری سے گزرا تھا۔ کم عمر بچے لب جوان ہو چکے تھے حیات علی مزید پانچ سال کینیڈا رہا اور پھر بابا صاحب کی شدید بیماری کی اطلاع پر انہیں واپس آنا ہی پڑا۔ بابا صاحب تادم کمزور اور لاغر ہو چکے تھے۔

حیات علی دل سے تمام کدو تھیں اور بدگمانیاں مٹا کر ان کی خدمت میں لگ گئے تھے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بابا صاحب کی بیماری بڑھتی رہی مگر اور پھر ایک شب زندگی کی ڈور ٹوٹ گئی تو حیات علی پر اتنی بڑی جاگیر زمینوں اور حویلی کی ذمہ داریاں پڑی تھیں۔ نواز تعلیم کے سلسلے میں ابھی کچھ کینیڈا میں تھا باقی حسن علی شاہنزیب لہندوں بچوں سمیت وہ لوگ دوبارہ مستقل پاکستان حویلی میں شفٹ ہو چکے تھے۔ حیات علی مہر النساء سے ملنے گئے تھے لیکن وہاں سے ملنے والی خبر نے ایک حویلی کر دیا تھا۔

مہر النساء کا ایک سال پہلے انتقال ہو گیا تھا اس کا شوہر باہر کی ملک میں شفٹ ہو چکا تھا اس کی بیٹی اپنی پھوپھی صغیر کے پاس تھی۔ مہر النساء نے ان سے ایک بار ایک بات کہی تھی وہ بات ابھی بھی ان کے دل میں باقی ہوئی تھی۔

سکندر سے متعلق سبحان ہر طرح کی معلومات فراہم کرتا رہتا تھا۔ سکندر ایک بہت ہی ذہین اور لائق بچہ تھا۔ اس کا اکیڈمک ریکارڈ بہت شاندار تھا سبحان اور حاجرہ نے اس سے اس کے والدین سے متعلق کچھ بھی نہیں جھیلیا تھا اس کے باوجود وہ سبحان اور حاجرہ سے بہت محبت کرتا تھا۔ بہت سے غموں اور بہت سی خوشیوں کے درمیان زندگی گزرنے لگی تھی۔ کل کے بچے اب جوان ہو چکے تھے وقت نے بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا۔ نواز کی تعلیم مکمل ہو گئی تو اس کی پسند پر حیات علی نے اس کی شادی بھی کینیڈا میں ہی ماسوں کی بیٹی سے کر دی تھی۔ اس طرح کچھ سال بعد حسن کے لیے بھی زبیدہ کی لائی تھی زبیدہ ہر بھی رشتہ داروں میں بیانی گئیں تو شاہنزیب کے لیے بھی حیات علی نے زبیدہ کے سب سے چھوٹے بھائی کی بیٹی مہر النساء کو پسند کیا تھا۔

انہیں مہر النساء میں زبیدہ کی اسی عادت دکھائی دیتی تھیں کچھ عادت سر کا تو سبھی لوگ اپنی اپنی زندگی میں سٹل ہونے لگے تھے۔ نواز کینیڈا میں ہی سٹل ہو گیا تھا حسن علی کراچی جا بسا تھا۔ شاہنزیب نے پولیس فورس جو ان کر لی تھی کبھی خوش تھے ایسے میں حیات علی کے دل میں گزرنے لگوں کی بدنگی کا کلام شدت سے جا کر ہونے لگتا تھا۔

ان کا بیٹا ان سے دور غیر لوگوں میں مل رہا تھا ان کے پاس کیا نہیں تھا دولت جائیداد جاگیر کوہر معاشرے میں بوجھ مقام لیکن وہ کتنے بے بس تھے کہ اس لولہ کو اس کا جائز مقام نہ دلا سکے تھے وہ معاشرے کے لوگوں کے ذریعے اپنی لولہ کو دوسروں کی جھولی میں ڈالنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ سبحان کی وکالت امریکہ میں خوب چمکی ہوئی تھی باہر اور پاکستان دونوں معاملات پر اس نے اچھی پر اپنی بٹاری تھی۔ کچھ پر اپنی سکندر کے نام بھی کر رکھی تھی۔

سکندر احمد اب بڑا ہو چکا تھا وہ سال بعد اس کی تعلیم مکمل ہو جاتی تھی سبحان اور حاجرہ اسے دیکھ کر جیتے تھے وہ مردانہ جاہت اور خوب صحتی کا شاہکار تھا۔ باں اور باب دونوں کا حسن لے کر پیدا ہونے والا یہ سکندر احمد اپنی ذات میں بے مثل تھا۔ حاجرہ اور سبحان امریکہ جانے کے بعد واپس نہیں لوٹے تھے۔ مزید دو سال لگا کر گزر گئے تھے۔ سکندر کی لیکچریشن مکمل ہوئی تو سبحان اور حاجرہ کا پاکستان چکر لگانے کا پروگرام بنا تھا۔ سکندر بھی ان کے ساتھ پاکستان آ رہا تھا۔ ان کا املہ کچھ ملو پاکستان میں رکھنے اور پھر واپس پلٹ جانے کا تھا۔ سکندر نے سبحان احمد اور حاجرہ کے ساتھ پاکستان کی سر زمین میں پہلی بار مکمل خوش و خوش میں قدم رکھا تھا۔ وہ بہت جذباتی تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ قسمت اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے۔ پاکستان آنے کے بعد اس کی زندگی میں بالکل مختلف اور ایک نیا موڑ شروع ہوا تھا۔

(ان شاملہ باقی آئندہ)





میرا وطن
نادینا طمہ رضوی

READING
Section



وہ انکار کرتے ہیں اقرار کے لیے
نفرت بھی کرتے ہیں پیار کے لیے
الٹی چالیں چلتے ہیں یہ دیوان گان عشق
آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لیے

پل بھر کے لیے نفل حسن نے بھی اسے باہر جاتے دیکھا پھر سر
جھٹک کر دوبارہ لپکھ کر دینے میں مصروف ہو گیا۔

”اُف خدایا یہ..... یہ نفل حسن یہاں کیسے؟ اور وہ بھی اس
روپ میں؟ یہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ نفل حسن یہاں کیسے
آ سکتا ہے؟“

”کیوں نہیں آ سکتا؟“ شہزین رضا کلاس سے باہر
آ کر گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے خود سے سوال و
جواب کر رہی تھی۔

”کہیں وہ مجھ سے بدلہ لینے تو نہیں آیا۔ اوہ مائی فٹ.....
اس کی اتنی جرأت نہیں کہ وہ مجھے یعنی شہزین رضا خان کو
ہر اسباب کرنے کی کوشش کر سکے۔“ خود سے بولتے ہوئے
ایک دہ اس کی ازلی خود سری اور تنک مزاجی عود کرتی۔ وہ انتہائی
خود اعتمادی سے کہہ اٹھی اچانک نفل کو دیکھ کر اس پر جو بدحواسی
کی کیفیت طاری ہوئی تھی وہ ختم ہو چکی تھی اب اس کی جگہ
ابھرنے لے لی تھی۔

”اوہ ہائے شہزین ڈیر! مجھے معلوم ہے کہ تم نے میری وجہ
سے کلاس مَس کی ہے ناں.....“ اچانک نجائے کہاں سے
جہانگیر آٹکا تو شہزین نے اسے بے زاری سے دیکھا۔

”جہانگیر تم اپنے بارے میں اتنے خوش فہم کیوں ہو؟“
اکناکس ڈیپارٹمنٹ کے جہانگیر کو اس پل دیکھ کر نجائے کیوں
وہ انتہائی بدمزہ ہو گئی وگرنہ آج کل ان دنوں کے درمیان بہت
اچھی دوستی چل رہی تھی جس کے چرچے کافی دور دور تک پھیلے
ہوئے تھے۔ نفل کی یہاں موجودگی اسے اندر سے نجائے
کیوں بے تحاشا ڈسٹرب کر گئی تھی مگر وہ یہ بات ماننا نہیں چاہ
رہی تھی کہ نفل نے اسے از حد پریشان کر دیا تھا۔

”اپنی پراہم ہنی اتم کچھ اپ سیٹ لگ رہی ہو؟“ جہانگیر

شہزین حیرت و بے یقینی کی کیفیت میں گہری ڈاس
کے پیچھے کھڑے اس گریس فلخص کو ناچاہتے ہوئے بھی
دیکھے جا رہی تھی۔ کشادہ پیشانی ذہانت سے بھرپور آنکھوں
میں فریم لیس چشمہ لگائے اپنی ناک کے نیچے عنابی لبوں کو
مخصوص انداز میں پیوست کیے وہ اسٹوڈنٹس کے حاضری
رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔

”س شہزین رضا!“ جب تیسری بار اس کا نام پکارا گیا تو
اپنی نوٹ بک پر جھکی ہادیہ شہزین کی غائب دماغی کا خیال آیا تو
اس نے اپنی کہنی مار کر اسے جاگتی آنکھوں مگر سوتی ہوئی شہزین
کو جگایا تو بے اختیار وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

”یہ کیا پاگل پن ہے شہزین! مانا کہ یہ موصوف کافی ہینڈسم
اور ڈشنگ ہیں مگر اپنے نام پر تم ”لیس سر“ تو بولو پھر بعد میں
چاہے گھور لینا۔“ ہادیہ شہزین کو کم صم بیٹھا دیکھ کر دانت پیستے
ہوئے سرگوشیاں لہجے میں بولی تو پہلے شہزین نے ہادیہ کو پھر
سامنے والے کو دیکھا جو اس کام سے فارغ ہو کر اب وائٹ
بورڈ کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔

”اُف شہزین! خدا کے واسطے اپنی بدحواسی پر قابو رکھو سر
نفل کافی اسٹریک ہیں وہ لڑکیوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔“ ہادیہ
کی بات شہزین سن ہی کہاں رہی تھی وہ ابھی تک ایک ٹرانس کی
کیفیت میں نفل حسن کو دیکھے جا رہی تھی جو اس پل پوری توجہ
سے شہزین کو نظر انداز کیے اسٹوڈنٹس کو پھر دے رہا تھا۔

شہزین کو ہنوز بیٹھا دیکھ کر ہادیہ نے اسے اس کے حال پر
چھوڑ کر اپنی توجہ نفل حسن کی طرف مرکوز کر دی جبکہ یک دم
شہزین اپنی جگہ سے اُٹھی اور اپنا بیک اٹھا کر ہنم نفل حسن سے
اجازت لیے کلاس روم سے باہر چلی گئی۔ شہزین کے اس قدر
عجیب برتاؤ پر پوری کلاس نے انتہائی اچنبھے سے اسے دیکھا

کے اس جملے نے نجانے کیوں اسے مشتعل سا کر دیا۔

”میں کیوں آپ سیٹ ہونے لگی، تم جانتے نہیں ہو مجھے۔“
آئی ایم شہزین رضا! اس شہر کے کامیاب بزنس مین رضا احمد خان کی بیٹی جس کے دو گھڑی ساتھ کے لیے تم جیسے کتنے اور مرے جاتے ہیں سمجھے۔“ نجانے کیا اول فول بول کر شہزین وہاں سے چلی گئی جب کہ جہانگیر ہکا بکا وہیں کھڑا اس کی کیفیت پر غور کرتا رہ گیا۔



گھر آ کر شہزین اور زیادہ ڈسٹرب ہو گئی اپنے کمرے کی تمام چیزیں الٹ پلٹ کر ڈالیں۔

”کیا سمجھتا ہے وہ خود کو نوفل حسن مجھے ہر ادے گا نہیں..... ہر گز نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا میں اسے ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ ساری زندگی یاد کرے گا۔“ شہزین ایک ہفتے سے یونیورسٹی نہیں گئی تھی وہ اپنے بھائی کے بیٹے کی ولادت کی وجہ سے اسلام آباد چلی گئی تھی جو اپنی جاب کی وجہ سے اپنی بیوی کے ہمراہ وہاں سیٹل تھا اسے اپنے والد کے بزنس سے کوئی لگاؤ نہیں تھا لہذا اسی ایس ایس کا امتحان پاس کر کے وہ کسٹم افسر کے طور پر اسلام آباد میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ ہادیہ نے فون پر اس سے کسی نئے سر کی آمد کا تذکرہ کیا تھا مگر اس نے دھیان سے سنا بھی نہیں تھا جو سر عنایت اللہ کی جگہ آئے تھے۔

سر عنایت اللہ اپنی ناسازی طبع کی بناء پر پڑھانے سے قاصر تھے لہذا ان کی جگہ نوفل حسن کو تعینات کیا گیا تھا آج شہزین نے جب نوفل حسن کو اپنے سر کے روپ میں دیکھا تو وہ بھونچکا سی رہ گئی۔ وہ گزری باتیں یاد نہیں کرتا چاہتی تھی مگر خیالات پر بھی کسی کا زور چلا ہے وہ کب کسی کی مانتے یا سنتے ہیں۔ نوفل حسن کا خیال بار بار اس کے دماغ میں سما کر اسے پریشان کر رہا تھا۔ بھولی ب سری یادیں اس پل ایک تہقہہ لگا کر چھپاک سے کسی آسیب کی طرح اس کے آگے پیچھے ناچنے لگی تھیں۔ شہزین تھک کر کاؤچ پر ڈھے گئی یادوں کے سامنے اس نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ اس کا ذہن چار سال پیچھے چلا گیا جب اس نے انٹر بہت اچھے نمبرز سے پاس کیا تھا اور بڑے جوش و اشتیاق سے وہ اپنی خالہ کے گھر لاہور ان کی بیٹی لیلیٰ کی شادی میں آئی تھی۔

شہزین کی خوب صورتی و ذہانت پورے خاندان میں

مشہور تھی اور اسے اپنی ان خوبیوں کا احساس بھی بخوبی تھا پھر رہی سہی کسر اس کے والد رضا احمد خان نے پوری کر دی تھی اسے خود پسند اور خود سر بنانے میں ان کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ شہزین ہمیشہ ہی صنف مخالف کے لیے کافی توجہ کا مرکز بنی رہی تھی لڑکے اس سے دوستی کرنے کے خواہاں رہتے تھے اور شہزین ان لوگوں کو تریتے اور اپنے پیچھے آہیں بھرتے دیکھ کر فخر و انبساط میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ لیلیٰ کی شادی میں بہت سے ایسے لڑکے تھے جو شہزین کے گرد پردانے کی مانند منڈلا رہے تھے مگر نوفل حسن ان سب سے الگ منفرد اور خاص تھا وہ شہزین کے پیچھے آتا تو دور اس پر ایک نگاہ بھی نہیں ڈال رہا تھا اور یہی بات شہزین کی نسوانیت پر کوڑا بن کر لگ رہی تھی۔ نوفل حسن کی بے نیازی اس کا مغرور انداز شہزین کو بہت زیادہ کھل رہا تھا جب کہ عاتکہ کے رویے نے اسے اور بھی مشتعل کر دیا تھا۔ عاتکہ اس کی ماموں زاد بھئی ان دونوں میں کبھی نہیں بنی تھی عاتکہ بھی شہزین کی طرح خوب صورت و دلکش تھی۔ دونوں میں ہمیشہ ہی مقابلہ فی فضا قائم رہتی تھی، نوفل حسن نے دو تین بار عاتکہ سے بات چیت کیا کر لی عاتکہ نے شہزین پر یوں ظاہر کیا جیسے اس نے نوفل حسن کو جیت ہی لیا ہو۔ نوفل حسن جو لیلیٰ کے ہونے والے شوہر کا بہت قریبی دوست تھا جس کا حلق گاؤں سے تھا وہ عاتکہ اور شہزین کے درمیان ایک چیلنج بن گیا تھا اور اس چیلنج کو شہزین نے جیت لیا تھا۔ شہزین نے اپنی معصوم اداؤں کا جال نوفل حسن پر پھینکا جس میں وہ پھنس گیا۔

لیلیٰ اور عاتکہ (نوفل کے دوست) کی شادی کی تقریب اختتام پذیر ہو گئی مگر شہزین اور نوفل کی پریم کہانی شروع ہو گئی۔ شہزین صرف نوفل کی خاطر لاہور میں دو ماہ رہی بہر حال ایک نہ ایک دن اسے کراچی تو جانا ہی تھا لہذا جانے سے ایک دن پہلے عاتکہ اور لیلیٰ نے اپنی تمام کزنز کو ڈنر پر انوائٹ کیا تھا شالیمار باغ کی سیر کرنے کے بعد ان سب کا پروگرام فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کرنے کا تھا جبکہ شالیمار باغ کے ایک جانب چھل قادی کرتے ہوئے نوفل حسن نے اسے پر پوز کر ڈالا تھا۔

”ہمگ..... مگر نوفل! اتنی جلدی شادی میں کیسے کر سکتی ہوں اور ویسے بھی میرے گھر والے بھی بالکل راضی نہیں ہوں گے۔ مجھے اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے۔“ شہزین اپنی انگلیاں مروڑنے لگی ہوئی نجانے کیوں اس پل ہمت ہی نہیں ہوئی

کہ وہ نوافل حسن کی بات پر قہقہہ لگا کر کہے کہ ”تم پاگل تو نہیں ہو گئے نوافل! محض چار دن کے ساتھ کو تم محبت سمجھ بیٹھے ہاں..... کہاں تم اور کہاں میں.....!“ شہزین کی بات پر نوافل حسن قہقہہ لگا کر ہنس پڑا شہزین کہیں گم سی ہونے لگی۔

”میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ ہم ابھی شادی کر لیں گے بس میری اماں تمہاری انگلی میں میرے منام کی انگلی پہنا دیں گی اور بس۔“ اچانک تالیوں کی آواز پر دونوں نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا تو عاتکہ کھڑے مسکراتے ہوئے تالیاں بجا رہی تھی۔

”مبارک ہو شہزین! تم تو واقعی جیت گئیں اور میں ہار گئی مان گئی میں ڈیر کرن! تم مجھ سے زیادہ ذہین ہو۔“ عاتکہ خوش گواری سے بولتے ہوئے ان کے قریب آ کر کی تو نوافل نے انتہائی نا سمجھنے والے انداز سے عاتکہ کو دیکھا کہ اس پل شہزین کی کیفیت بے پناہ عجیب سی ہو گئی۔

”یہ چیخ میں ہار گئی اور اپنی ہار میں نے کھلے دل سے تسلیم کی۔“ عاتکہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے بولی اور نوافل کے استفسار پر اسے سب کچھ بتائی چلی گئی مارے ندامت اور شرمندگی کے شہزین اپنا سر جھکا پی چلی گئی۔ نوافل ششدر سا عاتکہ کی زبانی اپنے بے وقوف بننے کی واردات سن رہا تھا جب عاتکہ خاموش ہوئی تو نوافل بے ساختہ ہنسنے لگا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔ شہزین نے انتہائی حیرت سے اسے ہنستے ہوئے دیکھا عاتکہ بھی متعجب سی ہو گئی۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

”اوہ مائی گاڈ..... مجھے یقین نہیں آ رہا۔“ بمشکل اس نے اپنی ہنسی کو کنٹرول کیا۔ ”اس کا مطلب ہے ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو اٹو بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔“

”کیا مطلب؟“ بے اختیار شہزین و عاتکہ بیک وقت بولیں۔

”مطلب یہ گاڑ کہ میں شہزین کو بے وقوف بنا رہا تھا جس طرح وہ مجھے بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔“ نوافل حسن کے منہ سے نکلے لفظ شہزین کو آسمان سے منہ کے بل زمین پر گرا گئے تھے مگر اس پل جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا وقت تھا۔

”اوپر شٹ اپ نوافل! تم مجھے کیا بے وقوف بنا رہے تھے دھوکہ تو میں تمہیں دے رہی تھی۔ میں شہزین رضا ہوں ایک زمانہ میرا دیوانہ ہے۔ تم جیسے چھوٹی اوقات کے لڑکوں سے تو میں بات بھی کرنا پسند نہ کروں وہ تو میرے اور عاتکہ کے درمیان تمہیں لے کر چیخ ہو گیا تھا۔“ شہزین نخوت سے اپنی

ناک سکیڑ کر بولی تو نوافل ہنستے ہوئے بولا۔

”اور تم کیا سمجھی تھیں کہ زمانے کو دیوانہ بنانے والی لڑکی میری بیوی بنے گی؟ نووے شہزین رضا! تم جیسی شو پس کی مانند لڑکیوں سے دوستی تو کی جاسکتی ہے مگر انہیں اسے گھر کی زینت قطعاً نہیں بنایا جاسکتا بھلا مصنوعی پھول بھی خوش بو دے سکتا ہے۔“ نوافل بھی انتہائی حقارت آمیز لہجہ میں گویا ہوا تھا۔

”وہ یو ایڈیٹ..... گیٹ لاسٹ فراہم ہیئر.....“ شہزین غصے دھدے سے بے حال ہو کر بولی۔

”ایم سوری شہزین! تمہاری جیت تو مشکوک ہو گئی۔“ عاتکہ مزے لیتے انداز میں بولی تو شہزین تلملا کر وہاں سے چلی گئی۔ عاتکہ بھی اس کے پیچھے ہوئی جب کہ نوافل نے اپنے ہاتھ میں موجود چھوٹے سے کالج کے دل نما ڈیکوریشن پس کو جو ابھی کچھ دیر پہلے شہزین نے اسے گفت کیا تھا اسے اتنی زور سے بھیجا کہ ٹوٹ کر اس کی کرچیاں نوافل کے ہاتھ میں پیوست ہو گئیں وہ ہونٹوں کو سختی سے پیچ کر وہاں سے پلٹ گیا۔



اس واقعہ کو چار سال کا عرصہ بیت گیا تھا نوافل حسن ایک یاد بن کر رہ گیا تھا ایسی یاد جو ہمہ وقت اسے ستاتی تھی اسے جلاتی تھی اسے رلاتی تھی۔ یہ سچ تھا کہ محض عاتکہ کو نیچا دکھانے کی غرض سے وہ نوافل کی جانب بڑھی تھی پھر اسے نوافل کے بے نیاز انداز نے بھی کافی متوجہ کیا تھا اپنا نظر انداز کیے جانا اسے ہرگز اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ نوافل کا زعم توڑنے کی غرض سے اس کے قریب آئی تھی مگر جب اس نے نوافل کو جانا تو وہ اسے بے حد شفاف دل اور ذہن محض محسوس ہوا۔ ایک ایسا انسان جس کا الٹ شیشے کی طرف صاف تھا جس کی شخصیت بالکل سادہ اور معصوم تھی وہ اپنے اندر کی بدلتی کیفیت سے پریشان تھی جسے فی الحال وہ سمجھنے سے قاصر تھی مگر جب عاتکہ کی سچائی بتانے پر نوافل نے اپنا اتنا سفلک اور بھیا نک روپ اسے دکھایا تھا وہ اس کی ذات کی ہستی کو بھل گیا تھا اس کے دل کو بڑی بے دردی سے توڑ گیا تھا پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس پر یہ باز منکشف ہوتا گیا کہ وہ نوافل حسن سے محض چاہت و عشق کا جو ڈرامہ کر رہی تھی درحقیقت وہ ڈرامہ نہیں بلکہ سچ میں اس سے محبت کرنے لگی تھی۔

اور اذیت انگیز باتیں اس کے ذہن میں آتی چلی گئیں۔ ہادیہ نے انکار کیا اور کیا بول رہی تھی مگر شہزین کے اندر بڑھتا ہوا شور اس کے دماغ کو ماف کیسے رہا تھا۔

”ٹھیک ہے شہزین! تمہیں اپنے حسن اور ذہانت میں جب اتنا ہی سگھمنڈ ہے تو نوافل حسن کو جھکا کر دکھاؤ تب میں مانوں۔“

”اوہ کم آن عاتکہ! یہ اتنی بڑی ذیل نہیں ہے نوافل حسن صرف میری توجہ حاصل کرنے کے لیے بے نیازی دکھا رہا ہے مگر نہ شہزین رضا کو آج تک کوئی نظر انداز نہیں کر سکا۔“

”تو پھر چیخ تم نوافل کو اپنا دیوانہ بنا کر دکھاؤ۔“ عاتکہ کی آواز کی بازگشت مامی کے کنوئیں سے ابھری تھی اور اس کی ساعت میں گونجتی چلی گئی تھی۔

”نہیں مجھے تمہارا چیخ ہرگز قبول نہیں ہے عاتکہ۔“ اجانک شہزین وحشت زدہ لہجے میں گھٹے گھٹے انداز میں چلا کر بولی تو ہادیہ نے اچھل کر حیرت و پریشانی سے اسے دیکھا اس بل شہزین کے چہرے پر اس قدر وحشت تھی کہ ہادیہ بدمی طرح گھبرا گئی۔

”تم ٹھیک ہو شہزین! کون سا چیخ اور یہ عاتکہ کون ہے؟“ ہادیہ کی شکرانہ آواز پردہ چوکی پھر چند ثانیے ہادیہ کو خالی خالی نگاہوں سے وہ گھورتی رہ گئی۔

”شہزین کیا ہوا تم ٹھیک تو ہونا۔“ ہادیہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی تو شہزین نے ایک گہری سانس لی پھر خود کو ریلیکس کرنے کے انداز میں آنکھیں موند کر چند ثانیے بعد کھولیں۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں اور پلیز اب کینٹین چلو مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔“ وہ ہادیہ کو کچھ کہنے کا موقع دے دیا جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹ کر بولی تھی جب کہ ہادیہ شخص سے دستبردار رہ گئی۔



وہ جہانگیر کی برتھ ڈے پارٹی سے گھر واپس آئی تو اس کے والد رضا احمد نے اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔

”شہزین تمہارے ماسٹرز کا یہ فائل اتر ہے بیٹا میں چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی کی دوں۔ تمہاری ماں تم خینوں کی ذمہ داری مجھ پر سونپ کر گئی تھی تمہارا بڑا بھائی ارغنی تو اسلام آباد میں سیٹل ہو گیا ہے جبکہ مرغنی نے لندن میں ہی شادی کر کے

نوافل حسن کے وہ الفاظ آج بھی آری کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے تھے وہ جس لڑکے سے دوستی کرتی تھی بے اختیار لاشعوری طور پر نوافل کی اس میں شبہ تلاش کرنے لگتی تھی مگر ہر بار اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا اور آج..... آج وہ ستم گر پورے طمطراق سے اس کے سامنے آ گیا تھا۔ وہ تو پہلے سے بھی زیادہ گریس فل اور ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔

”کیوں نوافل..... کیوں آگئے تم ایک بار پھر مجھے میری ہی نظروں سے گرانے کے لیے یا پھر مجھے کوئی نیاز ختم لگانے کے لیے۔“ بے اختیار خود سے بول کر وہ پوری شدت سے مدد دی۔



”میں نے پوری معلومات کر لی ہے سر نوافل لاہور کے رہنے والے ہیں دیے تو وہ کسی گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں مگر اب اپنی والدہ اور چھوٹی بہن کے ساتھ لاہور میں رہتے ہیں اور یہاں لاہور کی یونیورسٹی سے ٹرانسفر ہو کر آئے ہیں۔“

شہزین کیمپس کے لان میں بیٹھی نوٹ بک پر لیکچر اتار رہی تھی جب ہی ہادیہ دھپ سے اس کی قریب بیٹھتے ہوئے بولی مگر شہزین ہنوز اپنے کام میں مصروف رہی ہفتہ بھر غیر حاضر رہ کر اس کا کافی نقصان ہو گیا تھا جب ہی وہ ہادیہ سے مختلف لیکچرز لے کر اسے نقل کر رہی تھی حالانکہ ہادیہ نے اسے فوٹو اسٹیٹ کروانے کا مشورہ دیا تھا مگر بقول شہزین کے کہ اس طرح سارا لیکچر اس کی سمجھ میں آنے کے ساتھ ساتھ ذہن نشین بھی اچھی طرح سے ہو جاتا ہے۔

”ویسے یہ اپنی آفرین سر نوافل کے لیے آج کل ٹھنڈی آہیں بھرتی نظر آ رہی ہے اور وہ انکس ڈیپارٹمنٹ کی امبروہ تو نوافل سر کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ہر وقت ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں چک پھیریاں لگا رہی ہوتی ہے۔“ ہادیہ اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بولی تو شہزین اپنے مخصوص انداز میں کندھے کا کر بولی۔

”ان لڑکیوں کو تو بہانہ چاہیے اس طرح کی فضول ایکٹیوٹیز کا۔“

”خیر نوافل سر چیز ہی ایسی ہیں کہ ناچاہتے ہوئے بھی لڑکیاں ان کے کیے مرنے مارنے کو تیار ہو جائیں پتا ہے آفرین اور روبین کے درمیان تو شرط لگ گئی کہ کون نوافل سر کو اپنے دام الفت میں پھنساتا ہے۔“ ہادیہ کے جملوں نے ایک لمحہ شہزین کے اندر اچھل پھل سی مچا دی بہت سی تکلیف وہ

میں بولی۔

گھر سالیہ۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارا مستقبل بھی کسی ذمہ دار اور محفوظ ہاتھوں میں سوئپ دوں۔“ شہزین کی والدہ دس سال پہلے جگر کے عارضے میں مبتلا ہو کر داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ ماں کی تربیت کی کمی اور ان کی ممتا کی محرومی نے شہزین کی شخصیت میں کافی جھول پیدا کر دیے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک ماں اپنی اولاد کو زمانے کے چال چلن اور اونچ نیچ کی بابت جو تربیت دیتی ہے وہ ایک باپ دینے سے قاصر رہتا ہے خصوصاً بیٹیاں ماں سے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔ چچی عمر کی نادانیوں اور کم سن ذہن کی نا تحکیوں نے اس کے قدموں کو ڈگمگا سا دیا تھا صنف مخالف سے دوستی ان کے ساتھ گھومنے پھرنے وقت گزارنے کو وہ غلط نہیں سمجھتی تھی جب کہ رضا احمد نے بھی اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی وہ خود کو لبرل ماسنڈز کہلاتا پسند کرتے تھے اور اسی بدولت انہوں نے تینوں بچوں کو آزادی دے رکھی تھی پھر اس کی اسکولنگ بھی وہاں سے ہوئی تھی جہاں لڑکے لڑکی کی دوستی انتہائی عام بات تھی مگر پھر بھی شہزین نے کبھی بھی اپنی حدود کو اس کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اس نے کسی بھی لڑکے سے پیار و محبت کا کھیل نہیں کھیلا تھا سوائے نوفل حسن کے کسی سے بھی محبت و رومانوی باتیں نہیں کی تھیں اگر کوئی دوست دوستی کے رشتے سے نکل کر دوسرا رشتہ بنانے کی کوشش کرتا تو وہ اس سے فوراً معذرت کر کے سائیڈ پر ہو جاتی تھی یونیورسٹی میں جہانگیر اور شہزین کے متعلق جو اٹنی سیدھی خبریں تھیں وہ جہانگیر نے ہی پھیلائی ہوئی تھیں جب کہ شہزین کو لوگوں کی مطلق پروا نہیں تھی۔

”ڈیڈی میں فی الحال شادی کرنے کے موڈ میں نہیں۔“ شہزین کے منہ بنا کر بولنے پر رضا احمد بے اختیار ہنس دیے۔

”اچھا تو پھر ہماری پرنس کا موڈ کب بنے گا؟“ وہ اس کے بال بگاڑتے ہوئے بولے۔

”جب موڈ بن جائے گا تب میں آپ کو بتا دوں گی تب آپ اپنا موڈ مت بنا لیجیے گا۔“ شہزین مسکراتے ہوئے بولی۔

ایک دو دفعہ جب احمد رضا کے دوستوں نے انہیں شادی کا مشورہ دیا تھا تو شہزین بہت پریشان ہوئی تھی مگر انہوں نے اسے یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ کبھی بھی دوسری شادی نہیں کریں گے۔

”اوہ یونی گریل! ایسی کوئی بات نہیں ہے اوکے۔“

”مجھے معلوم ہے ڈیڈی!“ شہزین یقین آمیز لہجے

کلاس روم میں اس وقت بالکل خاموشی تھی صرف نوفل حسن کی دلکش آواز گونج رہی تھی وہ انتہائی انہماک سے لیکچر دینے میں مصروف تھا تمام اسٹوڈنٹس بہت غور سے اس کا لیکچر سن رہے تھے جبکہ شہزین کا ذہن بار بار بھٹک رہا تھا وہ ہر تھوڑی دیر بعد اپنے ذہن کو جھٹک کر نوفل حسن کے لیکچر کی جانب اپنا دھیان لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ معاذ ور دشور سے اس کے سیل فون کی بیل گونج اٹھی۔ نوفل حسن نے انتہائی ناگواری سے شہزین کی جانب دیکھا جو اس پل بدحواسی میں اپنا بیک الٹ پلٹ کر رہی تھی جب کہ پوری کلاس ہونٹوں میں دبی دبی ہنسی لیے اسے کافی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جب کہ پیچھے بیٹھے اسٹوڈنٹس بھی آگے بڑھی شہزین کو دیکھنے کے چکر میں پہلو بدل کر اُچک کر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے جونہی شہزین نے اپنے سیل فون کی آواز کا گلا گھونٹا نوفل حسن زور سے گر جا۔

”مس شہزین! آپ کو کلاس روم میں بیٹھنے کے میز نہیں آتے آپ نے اپنا سیل سالنٹ پر کیوں نہیں رکھا مجھے دیجیے فون۔“ نوفل کے کہنے پر شہزین خاموشی سے اٹھی اور ڈاس پر جا کر موبائل فون رکھ کر اپنی جگہ پر آ گئی اپنی توہین دہنک کے احساس سے اس کی آنکھوں میں پانی سا بھر آیا اس پل اس کا دل چاہا کہ سامنے رکھی مونی سی کتاب اس کے سر پر دے مارے اور اچھی طرح اس کی طبیعت صاف کر دے جیسے تیسے اس نے کلاس میں وقت گزارا اور نوفل کے جاتے ہی وہ انتہائی طیش کے عالم میں کلاس سے نکلی ہی تھی کہ اسی پل نوفل بھی پوری اسپید سے اندر داخل ہوا تصادم شدید تھا شہزین کا سر پوری قوت سے نوفل کے کشادہ سینے سے ٹکرایا بمشکل نوفل نے خود کو گرنے سے بچایا جب کہ اس کے وجود سے اٹھتی کلون اور پرفیوم کی خوش بو شہزین کے دماغ میں سا گئی نجانے کیوں وہ سرعت سے اپنا سر اس کی سینے سے اٹھا نہیں سکی۔ کسی نامانوس احساس نے اسے سن کر دیا۔ نوفل نے انتہائی جارحانہ انداز میں اس کے بازوؤں کو تھام کر خود سے الگ کیا تو یک لخت وہ ہوش میں آئی۔

”مس شہزین! آپ کو دکھائی کم دیتا ہے یا خود اپنی آنکھوں کا استعمال بہت کم کرتی ہیں آپ؟“ نوفل انتہائی ناگواری سے اسے ڈپٹ کر بولا۔ ایک لڑکے نے نوفل کے

ہاتھ سے مری کتاب اور حاضری رجسٹر اسے تھمایا تو وہ ”تھینک یو“ کہہ کر واپس ڈاس کی طرف آیا اور اپنے روم کی چابی جس کی وجہ سے وہ دوبارہ آیا تھا لے کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر چلا گیا جبکہ اس بار بھی شہزین پیرنچ کر خود بھی وہاں سے لنگی تو ہادیہ بھی اس کا سیل فون جو نفل نے ڈاس پر ہی چھوڑ دیا تھا اسے اٹھا کر شہزین کے پیچھے بھاگی تھی۔

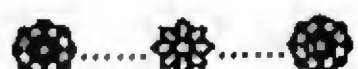


شہزین پر آج کل قنوطیت سوار تھی اس کا دل کسی بھی کام میں نہیں لگ رہا تھا ایک عجیب سی اداسی و پامیت اس کے رگ و پے میں سا گئی تھی۔ دو دن سے وہ کیمپس بھی نہیں جا رہی تھی ہادیہ کا بھی کئی بار فون آیا مگر مختصر بات کر کے وہ اسے بھی نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی کے چینل سرچ کر رہی تھی کہ اسی بل جہانگیر کی کال اس کے سیل پر آئی۔ پہلے تو شہزین نے سوچا کہ وہ کال نہ اٹینڈ کرے پھر اس خیال سے کہ جہانگیر فون کر کر کے اسے زچ کر دے گا یہ سوچ کر لیس کا بٹن دبا دیا۔

”شہزین کیا ہے یا تم تو مجھے بہت بور کر رہی ہو دو دن سے کیمپس نہیں آ رہیں نہ تمہارا کوئی میسج آتا ہے اور نہ کوئی فون کال..... کیا مسئلہ ہے ڈیر!“ جہانگیر کی جھنجھلائی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرانی تو وہ ہلکے ہلکے انداز میں بولی۔

”میں تھوڑی بزی تھی تم سناؤ اور کیا چل رہا ہے؟“ ”کچھ خاص تو نہیں مگر آج شام میں تمہیں پک کرنے آ رہا ہوں تیار رہنا اوکے۔“ وہ قطعیت بھرے لہجے میں بولا۔ ”نہیں جہانگیر! میرا کہیں بھی جانے کا موڈ نہیں ہے۔“ شہزین بے زاری سے گویا ہوئی مگر جہانگیر نے اس کی رتی برابر بھی پروا نہیں کی۔

”تمہارے موڈ کی ایسی کی تیسی میں تمہیں سات بجے پک کرنے آ رہا ہوں بائے۔“ جہانگیر اسے کچھ بھی بولنے کا موقع دیئے بنا فون بند کر گیا تو وہ محض بے بسی سے سیل فون کو دیکھتی رہ گئی۔



”تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی میں تمہیں کیا سمجھی تھی اور تم کیا نکلے۔“ ہٹو میرے راستے سے اور آئندہ اپنی منحوس صورت مجھے کبھی مت دکھانا۔“ شہزین غصے میں پھنکار تے ہوئے بولی وہ اپنے خیالوں میں گم جہانگیر کے ہمراہ



کافی دور نکل آئی تھی۔ مغرب کی اذان بھی ہو چکی تھی جس جگہ وہ کھڑے تھے وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

”تم تو ایسے مجھ پر بگڑ رہی ہو جیسے مجھ سے پہلے تمہیں کسی نے چھوایا نہیں ہے اوہ کم آن ہنی! یہ شرافت کا ڈرامہ بند کرو اور میرے سنگ اس وقت کو خوب صورت بنا دو۔“

”ٹٹ اپ..... تم نے مجھے سمجھا کیا ہے؟“

”کیا..... کیا سمجھوں تمہیں ہنی! تم جیسی لڑکیاں ہم جیسے لڑکوں کے دل بہلانے کا کھلونا ہوتی ہیں سمجھیں۔“ جہانگیر کے لفظوں نے اس کو چند لمبے لمبے لیے پتھر بنا دیا تھا پھر اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر وہ غصے و حقارت سے بل کھا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی تھی۔

”میرے قریب مت آنا ذلیل انسان ورنہ میں شور مچاؤں گی۔“ جہانگیر پر شہزین کی بات کا رتی برابر بھی اثر نہیں ہوا وہ مزید کوئی پیش قدمی کرتا کہ اسی دم ایک فیملی ہاں چلی آئی شہزین نے جیسے کب کی رکی سانس بحال کی پھر یک دم بے تحاشا سمندر اس کی آنکھوں میں آسایا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ چیخ کر روئے مگر اس نے بمشکل خود کو سنبھالا اور ٹیکسی لینے کے خیال سے وہاں سے ڈمگاتے قدموں سے چلی آئی۔ واقعی زمانہ سب سے بڑا استاد ہوتا ہے جہانگیر کے اس طرز عمل نے اسے بہت کچھ سکھا..... سمجھا دیا تھا۔



نفیل اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھا لیکچر کی تیاری کر رہا تھا مگر بار بار اس کی ذہنی رو بھٹک رہی تھی۔ وہ پوری توجہ اپنے لیکچر کی تیاری میں لگانے کے جتن کر رہا تھا مگر ہر بار نا کام ہو جاتا۔ آخر کار تھکنا ہار کر اس نے پین نوٹ بک پر ٹٹا اور اپنی پشت کرسی کی بیک سے لگالی۔ شہزین کا چہرہ ایک پل کے لیے بھی اس کے دھیان و گیان کے پردے سے نہیں ہٹا تھا اسے وہ دن آج بھی پوری جزئیات سمیت یاد تھا جب عاتکہ نے آ کر شہزین کی سچائی اسے بتائی تھی اپنی محبت کی بے قدری اور تذلیل سے زیادہ اسے اپنی مراد کی پرکھی چوٹ نے ہلہلا کر رکھ دیا تھا ان دونوں لڑکیوں کے سامنے اپنی ہتک و توہین کے خوف نے اسے وہ رویہ اپنانے پر مجبور کر دیا تھا جو اس کی سرشت میں شامل تھا۔ وہ صنف نازک کا بے حد احترام کرتا تھا کیوں کہ یہی صنف اس کی ماں اور بہن بھی تھی جب شہزین اس کی جانب بڑھی تو ابتداء میں اس نے کترانا چاہا مگر شہزین

کی معصومیت اور اداؤں کے آگے وہ سرنگوں ہو گیا مگر وہ یہ بات ہرگز نہیں جانتا تھا کہ بظاہر بھولے بھالے معصوم چہرے والی شہزین اندر سے کتنی چھل فریب رکھنے والی لڑکی ہے جو خود پسند اور مغرور ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے جذبات سے کھیلنے اور دل توڑنے کی بھی خصلت رکھتی ہے۔

”شہزین میں نے تو تم سے تمام تر سچائی اور دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ محبت کی تھی مگر تم نے.....“ خود سے بولتے بولتے ایک دم نفل نے ایک اذیت ناک انداز میں آہ بھری۔

”تم نے محض مجھے اپنے سامنے جھکانے نینا دکھانے کی خاطر محبت کرنے کا ٹانگ کیا حالانکہ میرا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا بے قصور بے خطا ہوتے ہوئے بھی تم نے مجھے وہ سزا دی ہے جو مجھے تاحیات جھلساتی رہے گی مجھے تڑپاتی رہے گی۔ تم اچھی نہیں ہو شہزین! بالکل اچھی نہیں ہو آئی ہیٹ یو جان نفل..... آئی ہیٹ یو..... کیسے نفرت کروں تم سے شہزین کیسے.....؟“ بے خودی کے عالم میں بولتے بولتے نفل نے اپنا سر ٹیبل پر ٹکا دیا۔

شہزین جیسے تیسے گھر پہنچی تھی آج جہانگیر نے اس کے ہندار پہ بڑی کاری ضرب لگائی تھی اسے نفل حسن کے ادا کیے گئے تمام الفاظ بڑی شدت سے یاد آئے تھے۔

”ت..... تم ٹھیک کہہ رہے تھے نفل! میری جیسی لڑکیاں شوٹیں ہی تو ہوتی ہیں جنہیں رک کر لوگ پسند کرتے ہیں سراسر اہتے ہیں ان سے دوستی تو کی جاسکتی ہے مگر اپنے گھر کی زینت نہیں بنایا جاسکتا۔ تم نے بھی تو میرے ساتھ ایسے ہی کیا ناں اور میں کتنی بے وقوف اور احمق تھی کہ خود کو سستا کھلونا بنا کر تم جیسے کمینوں کے سامنے پیش ہوتی رہی آئی ہیٹ یو نفل..... آئی جسٹ ہیٹ یو..... تم بہت بُرے ہو نفل بہت بُرے.....“ بولتے بولتے شہزین ہوش دُخرد سے بے گانہ ہو گئی۔

آج پورے پانچ دن ہو گئے تھے شہزین کلاس سے غیر حاضر تھی بے ارادی طور پر نفل حسن کی نگاہیں پھر دیتے ہوئے بار بار اسی بیچ کی جانب اٹھ رہی تھیں جو شہزین نے اپنے لیے مخصوص کر لی تھی جب کہ اس کی دوست ہادیہ بیچ کے دوسرے کونے پر بیٹھی پورے انہماک سے لیکچر کے پوائنٹس نوٹ لے رہی تھی۔

میں اتار رہی تھی ایک دم نفل کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا اس کا دل چاہا کہ وہ ہادیہ سے پوچھے کہ شہزین کیوں یونیورسٹی نہیں آ رہی کلاس سے باہر نکل کر بھی اس نے یونہی نگاہیں دوڑائیں کہ کہیں وہ دکھائی دے جائے مگر وہ اسے کہیں بھی نظر نہیں آئی۔

”مجھے تکلیف دینے کا کوئی موقع تم کیوں گنواؤ گی شہزین!“ وہ دل ہی دل میں بولا پھر مضحک قدموں سے اپنے روم کی جانب چلا آیا۔ وہ اپنی کرسی پر گاؤں اتار کر ابھی بیٹھا ہی تھا کہ آئین ایک ادا سے اجازت طلب کر کے اندر چلی آئی۔

”سر مجھے آج آپ کے لیکچر کے کچھ پوائنٹس سمجھ میں نہیں آئے۔“ بلیک ٹائٹ جینز پر ریڈ کرتی پہنے گلے میں اسکارف ڈالے وہ خوشبوؤں میں بسی نفل کے کہنے پر اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”جی بتائیے کیا سمجھ میں نہیں آیا آپ کو؟“ نفل کبھی سنجیدگی سے گویا ہوا تو آفرین اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بتانے لگی۔ نفل اسے سمجھانے میں مگن تھا جب ہی اچانک آفرین بولی۔

”سر آپ نے کبھی محبت کی ہے؟“ آفرین کی بات پر نفل نے انتہائی ناگواری سے اسے دیکھا۔ ”میرا مطلب کوئی آپ کو اچھا لگا بہت اچھا..... بہت اپنا اپنا سا جسے دیکھ کر آپ کو اس سے چاہت کا احساس ہوا ہو۔“

”کیا بکواس ہے مس آفرین! یہ کس قسم کی چیپ باتیں کر رہی ہیں آپ..... آپ ہوش میں تو ہیں؟“

”نہیں سر! میں سب بھلا چکی ہوں اپنے ہوش دحواس اپنا چین دسکون جب سے آپ کو دیکھا میری نیند.....“

”نٹ اب اینڈ گیٹ لاسٹ اور آئندہ میرے کمرے میں آئے۔ نے کی جرات مت کرنا۔“ نفل انتہائی طیش کے عالم میں اپنی مٹھیاں پھینچتے ہوئے کرسی سے کھڑا ہو کر بولا آفرین بھی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”سر میں آپ سے.....“

”آپ نے سنا نہیں آئی سیڈ گیٹ لاسٹ..... آپ خود جائیں گی یا پیون کو بلاؤں؟“ نفل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آفرین کا چہرہ پھٹروں سے سرخ کر دے جب کہ دروازے پر کھڑی ہادیہ ہکا بکا سی اندر کا منظر دیکھتی رہ گئی۔ نفل اپنی ڈائری ڈاؤں پر بھول آیا تھا ہادیہ کی نگاہ پڑی تو سوچا کہ ڈائری نفل کو

ان کے روم میں دے دی جائے وہ ان کے کمرے کی جانب آئی تو آفرین کی باتیں سن کر بے ساختہ وہیں جم گئی نوافل کا غصہ دیکھ کر ہادیہ بڑی طرح سہم گئی جب کہ آفرین بھی اندر ہی اندر بڑی طرح خائف ہو گئی اس سے پہلے کہ آفرین باہر آتی ہادیہ سرعت سے وہاں سے رنو چکر ہو گئی تھی۔



شہرین کا بخارا ترچکا تھا مگر نقاہت بے پناہ تھی اس رات جب ملازمہ شہرین کو رات کے کھانے پر بلانے کی غرض سے اس کے کمرے میں آئی تو قالین پر اسے بے سدھ پڑا دیکھ کر بے تحاشا گھبرا گئی اس نے بھاگ کر رضا احمد کو اطلاع دی۔ وہ تقریباً دوڑتے ہوئے اس کے کمرے میں پہنچے اور ملازمہ کی مدد سے بے ہوش شہرین کو بستر پر لٹایا اور فوراً ڈاکٹر کو فون کیا جس نے گھر پر ہی ٹریٹمنٹ دے دی تھی۔ شہرین کو دو دن سے ہلکی ہلکی حرارت تھی مگر وہ خود ہی کوئی دوا لے رہی تھی جب کہ جہانگیر کی اس حرکت نے اسے سخت ذہنی دھچکا پہنچایا تھا۔ نوافل کے یہاں آ جانے سے بھی وہ مسلسل ذہنی دباؤ کا شکار تھی ان سب عوامل کا نتیجہ اس کی بے ہوشی اور بخار کی صورت میں نکلا تھا۔ ہادیہ اس سے ملنے اس کے گھر آئی تو شہرین یونہی کم صم ہی بیٹھی رہی۔ کسی خوشی و دلولے کا اظہار نہیں کیا ہادیہ کو شہرین کی یہ کیفیت پریشان کر گئی۔

”شہرین میری جان! یہ تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے مجھے بتاؤ تمہیں کیا اسٹریس ہے انکل بتا رہے تھے کہ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ تم ذہنی دباؤ کا شکار ہو۔“ ہادیہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے انتہائی محبت سے اسے مخاطب کر کے بولی تو یک دم شپ ڈھیروں آنسو اس کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے۔ ہادیہ نے انہیں پونچھا نہیں بلکہ شہرین کا سراپے شانے سے ہولے سے نکال لیا اور پھر جیسے سیلاب کا بندھ ہی ٹوٹ گیا۔ شہرین زار و قطار ہلکے ہلکے کر رہی شہرین کو ہادیہ نے کھل کر رونے دیا تا کہ وہ اپنے اندر کی گھٹن جو نجانے کتنے دنوں سے اس کے اندر بھری اسے دیمک کی طرح کھوکھلا کر رہی تھی وہ آنسو کے سہارے باہر نکل آئے جب وہ بہت سارا روچکی خود ہی خاموش ہو گئی۔

”ہوں اب بتاؤ کیا بات ہے ایسا کون سا مسئلہ ہے جسے لے کر تم اتنی اپ سیٹ اور ڈسٹرب ہو۔“ ہادیہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی تو اسی ہل شہرین نے اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ

کر لیا اسے کسی رازدار اور مخلص انسان کی ضرورت تھی جس کے آگے وہ اپنے دل کا حال کھل کر بیان کر سکے۔

”میں تجس سے محبت کرتی ہوں اس کے ساتھ میں نے محبت کرنے کا ڈرامہ کیا اور اس نے بھی مجھ سے فریب کا کھیل کھیلا۔“ شہرین گردن جھکا کر کھوئے ہوئے لہجے میں بولی تو ہادیہ ناگہی والے انداز میں بولی۔

”کیا مطلب؟ جس سے تمہیں محبت ہے تم نے اس کے ساتھ محبت کا ڈرامہ کیا اور اس نے بھی تمہیں فریب دیا؟“ شہرین میری تو کچھ بھی پلے نہیں پڑا تم کھل کر بتاؤ۔“ شہرین نے ہادیہ کو لفظ بھر کر دیکھا پھر دھیسے لہجے میں گویا ہوئی۔

”میں چار سال پہلے اپنی کزن لیلیٰ کی شادی میں لاہور گئی تو وہاں میری ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی۔“ پھر وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی سب کچھ بتانے کے بعد وہ ایک تھکن زدہ سانس بھر کر خاموش ہوئی تو ہادیہ نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے استفسار کیا۔

”اس لڑکے کا نام کیا تھا؟“

”نوافل حسن۔“

”کیا.....؟“ شہرین کے منہ سے یہ نام سن کر اسے تو گویا ہزار دالت کا کرنٹ ہی لگ گیا وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اچھکی پھر انتہائی بے یقین نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی ہوئی بولی۔

”تمہارا مطلب ہے سر نوافل..... اپنے سر نوافل!“

”ہاں وہی..... وہ ہی نوافل ہے جس سے میری ملاقات لاہور میں ہوئی تھی اور محض عاتکہ کو نیچا دکھانے اور اپنی ناک اونچی رکھنے کی خاطر میں نے نوافل کی توجہ اور محبت حاصل کرنے کا چیلنج عاتکہ سے کیا تھا اور یہی ٹاسک میں نے اسے بھی دیا تھا مگر ہادیہ..... میں اتنی بڑی طرح ہاری ہوں کہ یہ شکست کا احساس مجھے دن و رات کچوکے لگاتا ہے۔ میرے اندر اضطراب دے قراری کا طوفان الما آتا ہے کیونکہ میں سچ میں نوافل سے محبت کرنے لگی تھی اور اب بھی اسے بہت شدتوں سے چاہتی ہوں۔ میں اس سے نفرت کرنا چاہتی ہوں اپنے دل کے نہاں خانوں سے اس کی شبیہ کو کھرچ کر پھینکنا چاہتی ہوں مگر میں ہر بار ہار جاتی ہوں شکست کھا جاتی ہوں اس کی محبت کے آگے۔“ آخر میں وہ بے بسی و لا جاری والے انداز میں بولی تو ہادیہ کچھ سوچ کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے

میں موجودگی کو صاف کیا کچھ ہی دیر میں ملازمہ کی معیت میں کسی خاتون کی آواز آئی۔

”اس وقت کون آ سکتا ہے؟“ شہزین فوراً آواز کو پہچان نہیں سکی وہ قدرے متعجب ہو کر خود سے بولی پھر جب تھوڑی ہی دیر میں لیلیٰ کو اپنے بیٹے کے ہمراہ سامنے پایا تو خوشی و حیرت سے اس کی چیخ ہی نکل گئی۔

”اومائی گاڈ..... لیلیٰ باجی آپ..... مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا، واٹ آ سر پرائز!“ یہ کہہ کر شہزین لیلیٰ سے انتہائی جوش و خوشی۔ لپٹ گئی تو لیلیٰ بھی ہنس کر گویا ہوئی۔

”اس میں نے سوچا کہ تمہیں آج سر پرائز دوں، بے وفا لڑکی! اگر تمہیں باجی کی اتنی یاد آتی تو مجھ سے ملنے لاہور آ جاتیں۔“ لیلیٰ کے شکوے بھرے انداز پر شہزین مسکرا کر رہ گئی پھر لیلیٰ نے بتایا کہ اس کے شوہر کی کراچی میں کوئی خاص میننگ بھی وہ دو دن کے لیے یہاں آ رہے تھے تو لیلیٰ نے بھی فوراً شہزین کے گھر جانے کا برد گرام بنا ڈالا تھا اس واقعہ کے بعد سے شہزین نے لاہور کا رخ بھی نہیں کیا تھا۔

دن کے کھانے سے فارغ ہو کر لیلیٰ اپنے بیٹے حمزہ کو سلا کر فارغ ہوئی تو دونوں آرام سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔ باتیں کرتے کرتے اچانک لیلیٰ کو کچھ یاد آیا تو اس نے فوراً شہزین سے استفسار کیا۔

”شہزین عاشر کا دوست نوافل یہاں ٹرانسفر ہو کر یونیورسٹی میں آیا ہے، تمہاری ملاقات ہوئی؟“ شہزین ہل بھر کو گڑبڑائی تھی مگر پھر سنبھل کر بے پروا انداز میں کندھے اچکا کر بولی۔

”جی لیلیٰ باجی وہ ہمارے ہی ڈیپارٹمنٹ میں ہیں۔“

”ہائے اللہ سچ یہ تو بہت اچھی بات ہے، بہت ناس اور اچھا لڑکا ہے نوافل! میں تو سوچ رہی تھی کہ اس کی شادی اپنی کزنز سے کراڑوں اور سچ پوچھو تو تم مجھے نوافل کے لیے پرفیکٹ دکھائی دیں مگر.....“ لیلیٰ کی بات پر شہزین کی دل کی دھڑکنیں بے ترتیب بنی ہو گئیں جب کہ ذہن ”مگر“ لفظ پر اٹک سا گیا۔

شہزین نے استفہامی نظروں سے لیلیٰ کو دیکھا تو لیلیٰ گویا ہوئی۔ ”مگر وہ کسی اور لڑکی میں انوالو ہے۔“

”کسی اور لڑکی میں انوالو ہے۔“ شہزین کے منہ سے بے ساختہ پھسلا۔

”ہاں عاشر بتا رہے تھے کہ ہماری شادی میں ہی اسے وہ لڑکی وہاں ملی تھی مگر غالباً وہ لڑکی نوافل میں انٹرنل نہیں تھی تو

گویا ہوئی۔“

”مگر شہزین مجھے نہیں لگتا کہ سرنوفل اس طرح کی نیچر کے مالک ہیں وہ تو بہت ڈیسنٹ اور باکردار انسان ہیں۔“ پھر اس نے آفرین والا تمام قصہ من و عن سنایا تو شہزین چپ سی ہو گئی جبکہ ہادیہ ایک بار پھر گہری سوچ میں چلی گئی پھر انتہائی گہرائی سے بولی۔

”سرنوفل! نے اب تک شادی نہیں کی ہو سکتا ہے کہ جس طرح محبت ہوتے ہوئے تم نے ان سے جھوٹ بولا ہو اسی طرح انہوں نے بھی تم سے جھوٹ کہہ دیا ہو۔“ ہادیہ کی بات پر شہزین نے تیزی سے سر اٹھا کر اسے انتہائی اچھے سے دیکھا پھر زور زور سے نفی میں سر ہلا کر وہ گویا ہوئی۔

”نہیں نہیں..... ایسا نہیں ہو سکتا ناممکن! یہ بالکل نہیں ہو سکتا۔“ شہزین کے انکار پر ہادیہ محض اسے دیکھتی رہ گئی۔



شہزین کا بخار اب اتر چکا تھا مگر وہ خود کو کافی کمزور فیل کر رہی تھی جس کی وجہ سے اس نے فی الحال کیمپس جانا شروع نہیں کیا تھا وہ سینک روٹ کے آرام دہ صوفے پر نیم دراز چینل سرچنگ میں مصروف تھی۔ شہزین اس وقت خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی تھی پایا بھی آفس میں تھے اور اپنی بھابی سے بھی اس کے دوستانہ روابط قائم نہیں ہو سکے تھے۔ وہ شادی ہو کر جب آئی تب ہی سے فریال (بھابی) نے شہزین سے بہت ریز رو دیہ رکھا تھا پھر شہزین بھی فریال کا روکھا پھیکا مزاج دیکھ کر اس کے قریب نہیں آئی تھی جب کہ دونوں بھابی بھی اپنی اپنی زندگی میں مصروف و مگن تھے۔ اس ہل اچانک شہزین کو اپنی ماں یاد آ گئی بے ساختہ اس کی خوب صورت آنکھوں سے شفاف پانی بہنے لگا وہ تقریباً تیرہ چودہ سال کی ہوئی تھی جب اس کی والدہ اس دنیا فانی سے کوچ کر گئی تھیں جب کہ چار سال ان کی اذیت ناک بیماری میں کٹے تھے ماں کی آغوش اس کی حدت اس کی پیار بھری سرزنش ان سب سے وہ بہت پہلے محروم ہو چکی تھی اگر آج وہ زندہ ہوتیں تو ان تینوں بہن بھائیوں میں بھی اتفاق و یگانگت ہوتی اور شاید..... شہزین بھی اتنی خود سر اور نادان نہ ہوتی۔

لامتناہی منتشر سوچوں میں گہری شہزین نجانے کتنے ہل پونہ بیٹھی رہی کہ یک دم دوڑ بیل کی آواز نے اسے حال کی دنیا میں لوٹا لایا۔ بے ساختہ اس نے اپنی ہتھیلی سے آنکھوں اور گالوں

سوچتی ہوں کہ وہ لڑکی کتنی بدنصیب ہوگی جس نے نونل جیسے ہیرے کو ٹھکرا دیا۔“ وہ ہونقوں کی طرح لیلیٰ کو دیکھے گئی جس کے موبائل پر اس پل عاشق کی کال آگئی تھی جو شہزین کو شکا کڈ کر کے خود عاشق سے باتوں میں مصروف تھی اس وقت شہزین کے اندر جیسے دھماکے سے ہورہے تھے۔

”یہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے نونل نے تو مجھ سے خود کہا تھا کہ وہ بھی میری طرح مجھ سے محبت کا ڈرامہ کر رہا تھا۔“ وہ انتہائی متوحش سی ہو کر خود سے بولی۔

”یا اللہ یہ کیا چکر ہے لیلیٰ باجی کیا کہہ رہی تھیں کیا یہ سب سچ ہے..... کیا ہادیہ کی بات ٹھیک تھی کیا واقعی نونل.....“ شہزین انتہائی الجھ کر خود سے سوال و جواب میں مصروف تھی جب ہی لیلیٰ فون بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

”عاشق بتا رہے تھے کہ ہماری کل شام کی فلائٹ ہے اب بتاؤ کیا پروگرام ہے۔“ لیلیٰ کی بات پر شہزین نے انتہائی دقتوں سے خود کو سنبھالا اور بمشکل سر جھٹک کر ان کی جانب دیکھ کر مسکرا کر بولی۔

”آپ بنائیں پروگرام اگر کہیں چلنے کا موڈ ہو تو بتائیں۔“ پھر کل شام تک وہ لیلیٰ کے ساتھ بے حد مصروف رہی۔ رات میں عاشق بھائی بھی آگئے تھے۔ شہزین کا وقت بہت اچھا گزرا جبکہ ذہن میں لیلیٰ کی بات کانٹے کی طرح چبھتی رہی۔ لیلیٰ اور عاشق کے جانے کے بعد جب اس نے انتہائی فرصت سے اس سچ پر سوچا تو یہ خیال ذہن میں ہوتا ہے ہی وہ مایوس سی ہوگئی۔

”ہو سکتا ہے کوئی اور بھی لڑکی ہو جو نونل کو شادی میں ملی ہو مگر مجھے کوئی لڑکی اس کے آس پاس دکھائی تو نہیں دی۔ اُف میرے خدا..... مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ وہ بے تحاشا تھک کر خود سے بولی اس کا ذہن واقعی کچھ سوچنے سمجھنے کو آمادہ نہیں تھا مگر وہ اپنے دل کو خوش فہمی میں بھی مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔



نونل حسن کے کہنے پر ہادیہ انتہائی مودبانہ انداز سے اس کے مقابل کی کرسی پر بیٹھی تو نونل حسن سہولت سے بولا۔

”فرمائیے مس ہادیہ! کیا پوچھنا ہے آپ کو؟“ نونل سمجھ رہا تھا کہ وہ لیکچر کی بابت کچھ معلوم کرنے آئی ہے کیوں کہ اکثر اسٹوڈنٹس بعد میں بھی اس سے آ کر پوچھ لیتے تھے۔ ہادیہ اپنی پہلی کی خاطر یہاں آ تو گئی تھی مگر اب اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے بات کرے نونل کی رعب دار پرسنٹی اسے اندر

سے خائف کیسے دے رہی تھی جب کہ اس کا غصہ بھی وہ اچھی طرح دیکھ چکی تھی۔

”سر! میں لیکچر کے متعلق نہیں بلکہ شہزین رضا کے بارے میں آپ سے بات کرنے آئی ہوں۔“ ہادیہ بمشکل تھوک نکلتے ہوئے قدرے جھجک کر بولی تو نونل نے انتہائی چونک کر اسے دیکھا۔

”شہزین کے متعلق..... میرا مطلب ہے شہزین رضا کے بارے میں مجھ سے آپ کو کیا بات کرنی ہے؟“ نونل کے متوجہ مگر نرم خولہ نے اس کا حوصلہ بڑھایا تو وہ قدرے ریلیکس ہوئی پھر سہولت سے بولی۔

”سر! میری شہزین سے دوستی زیادہ پرانی نہیں مگر میں نے اسے جتنا سمجھا جتنا جانا وہ مجھے خود سر ہونے کے ساتھ ساتھ کافی نادان اور معصوم لگی۔ مجھے اس کی شخصیت میں کچھ کمزوریاں بھی نظر آئیں مگر جب اسے قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کم عمری میں ماں کا سایہ اٹھ جانے بھائیوں کی بے توجہی اور باپ کی بے جا آزادی نے اس کی شخصیت کو گدلا سا کر دیا ہے۔ ایک لڑکی ہونے کے ناطے اس کے انداز و اطوار اور عادات میں جو خامیاں اور کمیاں ہیں وہ اپنی ماں اور اس کی تربیت کی محرومی کا نتیجہ ہیں۔ سر میں نے تو یہی اندازہ لگایا ورنہ وہ بہت اچھی اور معصوم لڑکی ہے۔“ ہادیہ کی باتوں کو نونل بہت غور سے سن رہا تھا وہ مزید گویا ہوئی۔ ”سر! اپنی حماقت اور اپنی کم عمری کی نادانی میں اس نے آج سے چار سال پہلے اپنی کزن کے اکسانے پر ایک لڑکے سے محبت کا کھیل کھیلا تھا۔“ اس بات پر نونل اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ ”یہ حقیقت تھی کہ وہ محض ایک چیلنج جیتنے کی غرض سے اس کی جانب بڑھی تھی مگر پھر.....“ وہ تھوڑا رکی تو نونل بُری طرح بے چینی میں مبتلا ہو گیا وہ بے ساختہ عجلت سے بولا۔

”اگر پھر کیا؟“

”بکر پھر اسے سچ سچ اس لڑکے سے محبت ہوگئی۔“ نونل حسن کو لگا کہ جو آگ پچھلے چار سالوں سے اس کی اطراف میں لگی ہوئی تھی وہ یک لخت چاند کی ٹھنڈی چاندنی میں بدل گئی ہو..... واقعی لفظوں میں بھی کتنی تاثر ہوتی ہے یہ الفاظ ہی ہوتے ہیں جو ہمیں پاتال میں دھکیل دیتے ہیں اور یہ لفظ ہی ہوتے ہیں جو اچانک ہمیں آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیتے ہیں۔ نونل کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا ہادیہ

ہوئی اور نوفل اپنے روم میں آیا تو تھوڑی ہی دیر میں وہ آندھی طوفان کی طرح اس کے کمرے میں پہنچی تھی۔

”آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں وہاں کلاس روم میں اگر آپ کی ڈانٹ پر خاموش رہی تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں آپ سے ڈر گئی یا پھر فضول سے رعب میں آ گئی سمجھے آپ۔“

شہزین کی لن ترانیوں کے جواب میں نوفل محض سینے پر ہاتھ باندھ کر بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھا اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی بہت اچھی باتیں کر رہی ہو۔ شہزین پل بھر کو شیشائی مگر پھر خود کو سنبھال کر دوبارہ اشارت ہوئی۔

”میں اچھی طرح جانتی ہوں آپ کا مقصد صرف مجھے نیچا دکھانا میری بے عزتی کرنا ہے مگر کان کھول کر سن لیں آپ۔“

اس مقصد میں آپ ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے۔“

”شہزین اتنی بدگمانیاں اچھی نہیں ہوتیں تم تو پہلے ہی جذباتی اور بے وقوف سی۔۔۔۔۔ خیر مس شہزین! میں آپ کا پیچھے ہوں اور آپ کی غیر ذمہ داریوں پر آپ کو سرزنش کرنے کا پورا استحقاق رکھتا ہوں اور اپنے پیشہ دارانہ معاملات سے جی معاملات کو دور رکھتا ہوں اب آپ جاسکتی ہیں۔“ نوفل جو پہلے اتنی حلاوت سے بولا تھا بعد میں انتہائی ردو انداز اپناتے ہوئے اسے جھل کر گھبراہٹ میں شہزین نے الجھ کر اس کی جانب دیکھا جو اپنی نیبل کی دراز کھول رہا تھا پھر انتہائی ناگواری سے پلٹ کر کمرے سے باہر کا رخ کیا اس کے جاتے ہی نوفل کم صم سا ہو گیا تھوڑی ہی دیر میں ہادیہ اجازت لے کر اندر آئی تو نوفل نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔



عید قرباں کی رونقیں عروج پر تھیں لوگوں کے گھر جانوروں کی آمد جاری تھی شہزین کو اب پہلی بار عید قرباں کا اصل مفہوم معلوم ہوا تھا۔ یہ عید کا دن منانے کی اپنے رب سے اس کی رضا اس کی مرضی پر سر تسلیم خم کرنے کے عہد کو تجدید کرنے کا تھا خدا پاک ذات کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کے عزم و وعدے کو تازہ کرنے کا دن تھا نا کہ صرف گوشت کے مزے مزے کے تنکے بنا کر پارٹیاں کرنے کا شہزین اپنے رب کے حضور اپنی سابقہ کوتاہیوں اور بے وقوفیوں پر معافی مانگ چکی تھی اور بے شک وہ غفور درجیم ہے جو بندے کے بڑے سے بڑے گناہ محض چند ندامت کے آنسو کے عوض معاف فرما دیتا ہے۔

کے لفظوں نے اسے ساتویں آسمان پر بٹھا دیا تھا وہ دم بخود سا ہادیہ کو دیکھتا رہا۔ ہادیہ اس کی کیفیت محسوس کر کے مسکراتے لگی تو نوفل خفیف سا ہو گیا۔

”جی سر! وہ پاگل لڑکی آپ سے بے حد محبت کرتی ہے دن درات آپ کی چاہت کی آگ میں جلتی رہتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد سے وہ صرف اور صرف آپ کی محبت میں روز جیتی ہے اور روز مرتی ہے مگر آپ سے کچھ بھی کہنے کی ہمت نہیں رکھتی کیوں کہ وہ سمجھتی ہے کہ آپ بھی اس کے ساتھ۔۔۔۔۔“

”وہ سب جھوٹ تھا مس ہادیہ! میرے ان لفظوں میں کوئی سچائی نہیں تھی اپنی بے عزتی کے خوف سے میں نے بھی ڈرامہ کیا تھا۔“ نوفل ہادیہ کی بات درمیان میں ہی اچک کر صفائی دینے کے انداز میں بولا تو ہادیہ بے اختیار ہنس دی۔

”مجھے معلوم تھا سر کہ آپ کی پیچھے ایسی بات ہو ہی نہیں سکتی۔“ ہادیہ کے یقین آمیز لہجے پر نوفل نے اسے ممنون نگاہوں سے دیکھا۔

”ہادیہ آپ جیسی دوست واقعی بہت بڑی نعمت ہے۔ شہزین بہت خوش نصیب ہے جسے آپ جیسی مخلص اور سمجھ دار دوست ملی ہے۔“ نوفل حسن تشکر آمیز لہجے میں بولا تو وہ محض مسکرا کر رہ گئی پھر معاً نوفل کو کوئی خیال آیا تو وہ ہادیہ سے گویا ہوا۔ ”آپ اسے کچھ نہیں بتائیے گا میں خود اس سے بات کر دوں گا۔“

”ٹھیک ہے سر جیسے آپ کی مرضی۔“ یہ کہہ کر ہادیہ وہاں سے اٹھ آئی جب کہ نوفل وہاں سرشار سا بیٹھا رہا۔



”مس شہزین! اگر آپ کو اتنی لمبی چھٹیاں کرنی تھیں تو کم از کم ایک درخواست ہی آپ یہاں پہنچا سکتی تھیں یہ کیا طریقہ ہوا کہ بنا کوئی اطلاع دیئے آپ دس دن گھر پر بیٹھ گئیں۔ پڑھائی کتاب لوگوں نے جیسے مذاق سمجھ رکھا ہے مجھے ایسے غیر ذمہ دار اور لاروا اسٹوڈنٹس بالکل پسند نہیں۔“ نوفل حسن شہزین پر پوری طرح گرج برس رہا تھا جب کہ تمام اسٹوڈنٹس مسخرانہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس تماشے کا لطف لے رہے تھے اور شہزین کا تو غصے سے بُرا حال تھا وہ بھی نوفل کو کوئی کرارا جواب دینے ہی والی تھی کہ ہادیہ نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے زور سے دبا کر چپ رہنے کا اشارہ کیا تو وہ ایک جلتی نگاہ نوفل پر ڈال کر خون کے ٹھونٹ بھر کر رہ گئی جب کلاس آف

موسم صبح سے خطرناک تیور دیکھا رہا تھا مگر وہ صرف نونل حسن کی ڈانٹ کے خیال سے یونیورسٹی آگئی تھی مگر یہاں آکر پتا چلا کہ چند ایک اسٹوڈنٹس کے علاوہ پوری کلاس غیر حاضر تھی ہادیہ بھی غائب تھی۔ وہ آکر شدید کوفت زدہ ہوئی نونل حسن نے بھی کم حاضری کی بناء پر کلاس نہیں لی۔ شہزین نے سوچا جب وہ آگئی ہے تو لائبریری میں جا کر کچھ نوٹس بنالے جائیں وہ اس جانب چل دی تقریباً دو گھنٹے بعد جب وہ وہاں سے نکلی تو بارش اپنے جو بن پر بھی وہ پانی سے بڑی مشکل سے بچتی بچاتی اپنی ڈیپارٹمنٹ میں پہنچی تو اس پل وہاں بالکل سناٹا تھا۔ شہزین کو تھوڑا خوف محسوس ہوا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی وہاں سے باہر نکلی اس کا رخ پارکنگ کی جانب تھا تا کہ وہ جلد سے جلد اپنی گاڑی میں بیٹھ سکے مگر اچانک ہی جہانگیر اپنے دو دوستوں کے ہمراہ اس کے راستے میں آگیا وہ جو تقریباً بھاگتے ہوئے راستہ عبور کر رہی تھی تیزی سے رکی تھی ورنہ جہانگیر سے زور سے ٹکرا جاتی۔

”یہ کیا بد تیزی ہے جہانگیر! چھوڑو میرا راستہ۔“ اس پل جہانگیر کی موجودگی شہزین کی ریڑھ کی ہڈی میں پھریری سی دوڑا گئی تھی۔

”جان من تمہارا راستہ روکنے کے لیے ہی تو ہم یہاں بیٹھے تھے۔“ یہ کہتے ہوئے جہانگیر اس کے قریب آیا تو انتہائی بدحواس ہو کر شہزین نے اپنا بیگ اس کو مارنے کی غرض سے اچھالا مگر جہانگیر نے اسے کیچ کر لیا شہزین اس لمحے بے تحاشہ گھبرائی گئی تمام چیزیں بیگ سے نکل کر زمین پر بکھر گئی تھیں وہ سرپٹ دوڑی اور پھر بھاگتی چلی گئی تیز بارش اور کہر کی وجہ سے کچھ بھی دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شہزین کا سر بڑی طرح سے چکرا گیا آنکھوں کے سامنے یکسر اندھیرا چھا گیا۔

”یادداشت شہزین! اس طرح اچانک کہاں سے ٹپک جاتی ہو اور اتنی بارش میں ریس لگانے کی کیا نیکی بنتی ہے۔“ نونل کی آواز اس کے آس پاس بکھری تو شہزین کو لگا جیسے وہ کسی مضبوط پناہ میں آگئی ہو وہ بے ساختہ نونل سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی نونل ایک دم گھبرا گیا۔

”کیا ہوا شہزین! آریو اوکے کیا ہوا ہے پلیز مجھے بتاؤ۔“ وہ انتہائی نرمی پیار و حلاوت سے پوچھ رہا تھا۔ شہزین اور شدت سے رونے لگی نونل نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں تو تھوڑی ہی دورانی سے ایک شیڈ نظر آ گیا۔

”آؤ اس طرف چلو میرے ساتھ۔“ وہ اسے زبردستی خود سے الگ کر کے تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں پہنچا تو دونوں نے شیڈ کے نیچے آکر بے پناہ عافیت محسوس کی شہزین کی آنکھیں اس پل سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ بلیک شلواری قمیص پر ریڈ اینڈ بلیک کنٹراسٹ کے دوپٹے میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی جو بالکل نیلے ہو چکے تھے۔

”اب بتاؤ کیا ہوا تھا؟“ وہ استفہامیہ انداز میں بولا تو شہزین ایک سسکی بھر کر گویا ہوئی۔

”وہ کمینہ جہانگیر میرے ساتھ.....“ وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی جب کہ یہ سن کر نونل کی کہنیاں جھنجھٹا اٹھیں۔

”اس کتے کی اتنی ہمت میں چھوڑوں گا نہیں اسے۔“ ”چھوڑیں نونل! میری ہی غلطی تھی جو اس جیسے شخص سے میں نے دوستی کی۔“ شہزین اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے ندامت و شرمندگی سے بولی تو نونل محض اسے دیکھتا رہ گیا پھر دونوں کے درمیان گھبراہٹ خا موٹی چھا گئی اچانک نونل کو کچھ یاد آیا تو انتہائی جڑ کر بولا۔

”تمہیں اتنے خراب موسم میں کیسپس آنے کی کیا ضرورت تھی! کبھی تو اپنی عقل کو استعمال کر لیا کرو۔“

”آپ کی وجہ سے..... صرف آپ کی وجہ سے میں اتنے خوفناک موسم میں آئی ورنہ آپ کو مجھے ذلیل کرنے کا موقع جو ہاتھ آ جاتا۔“ شہزین بھی بے پناہ تنگ کر بولی تو نونل نے چند ثانیے اسے بغور دیکھا پھر بے ساختہ مسکراتا چلا گیا۔

انتقال پر ملال

ہمیں نہایت دکھ اور افسوس ہے کہ

محترم حکیم محمد قمر ہاشمی (پاپا)

محمد حاشم تاج سرمد والے

بہ رضائے الہی انتقال فرما گئے ہیں۔

مرحوم ایک نہایت عاقل و شفیق اور ہمدرد انسان تھے

حکیم محمد قمر ہاشمی کی طب و طبابت میں کرائفہ خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کو ہیں کہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور

جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز کرے اور ان کے لواحقین کو

مہربانی عطا فرمائے۔ (آمین)

دعا گو:

ہمت داسوئی، فخر داسوئی، اعلیٰ داسوئی

مینکسل کمیونٹی کبشنز

کراچی، پاکستان۔

”میری شکل پہ کون سا ایسا لطیفہ پڑھ لیا جو اتنی ہنسی آ رہی ہے آپ کو ایک تو میرا بیگ وہیں گر گیا گاڑی کی چابیاں اور موبائل بھی اسی میں رہ گیا۔“ آخر میں وہ متفکرانہ انداز میں بولی تو نوفل ہنوز انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

”کیا مسئلہ ہے کیوں گھورے جارہے ہیں مجھے آپ؟“
”جتنہیں کیا مسئلہ ہے میری آنکھیں ہیں میں جیسے بھی چاہوں گھوروں۔“ نوفل ڈھٹائی سے بولا تو وہ محض اسے دیکھتی رہ گئی پھر غور کیا کہ بارش اب بالکل مدہم ہو چکی ہے اس نے اطمینان کا سانس لیا بواڑ ہو شل بالکل قریب ہی اسے نظر آیا تو شہزین آہستہ سے بولی۔

”آپ کی منزل آگئی ہے میں چلتی ہوں۔“
”میری منزل تو نہ جانے کہاں بھٹک گئی ہے کافی عرصے سے اس کی تلاش میں سرگرداں پھر رہا ہوں مگر وہ مجھے مل کر ہی نہیں دے رہی۔“ عقب سے نوفل کی کھوئی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو شہزین پتھر کی ہو گئی۔

”تم بہت بُری ہو شہزین..... بہت بُری!“ شہزین نے تڑپ کر نوفل کی جانب دیکھا اس پل وہ اسے بے پناہ کھرا بھرا لگا اس کا دل چاہا کہ دوڑ کر نوفل کے پاس جائے اور اس کے سینے سے لگ کر اپنی بے قرار یوں کا اقرار کرے مگر دوسرے ہی لمحے اسے نوفل کے سفاکانہ الفاظ یاد آ گئے۔

”آپ بھی بہت بُرے ہیں نوفل! بہت زیادہ بُرے۔“
بولتے بولتے اچانک وہ پھر رونے لگی تو نوفل اس کے پاس آیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے کندھے تھام کر بولا۔

”آئی ہیٹ یو شہزین..... آئی ہیٹ یو۔“

”آئی ہیٹ یو نو.....“ وہ تقریباً چلاتے ہوئے بولی تو بے اختیار نوفل نے اس کے ہونٹوں پر اپنی شہادت کی انگلی رکھ دی۔ اس کی آنکھوں سے بھی موٹی گرنے لگی۔

”ہر پل تمہاری یاد میں تڑپا ہوں ہمہ وقت سلگا ہوں..... ہجر کے کالے پانی کی سزا کیوں دی تم نے مجھے۔“

”تم نے بھی مجھے بہت رُلا لیا ہے نوفل! بہت ستایا ہے۔ میرا دل میرا چین و سکون سب کچھ مجھ سے چھین لیا۔“ دونوں اس پل دنیا و مافیہا سے بے خبر اقرار محبت کر رہے تھے۔

”آئی لو یو شہزین! بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔“ شہزین یہ جملہ سن کر اور بھی شدت سے رو دی چند لمحوں بعد شہزین فکر مندی سے گویا ہوئی۔

”ہمیں اس طرح کسی نے دیکھ نہ لیا ہو۔“ نوفل اس کی بات پر مسکرا کر بولا۔

”یہ جگہ عام دنوں میں بھی بہت سنسان رہتی ہے پھر ایسے موسم میں دور دور تک کوئی نہیں ہے تم فکر مت کرو۔“ نوفل کی بات پر اچانک اسے حجاب آ گیا۔

”مجھے جانا ہے کافی دیر ہو گئی ہے مجھے روڈ سے ٹیکسی بھی لینی ہوں۔“ شہزین نوفل کی جانب دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے پولی۔

”جب مجھ سے محبت ہو ہی گئی تھی تو مجھے بتایا کیوں نہیں تھا۔“

”آپ نے بھی تو مجھے لاعلم رکھا۔“

”اپنی سبکی کے خیال سے جمبوٹ بول گیا تھا مگر اب میں اپنے روٹھے صنم کو منالوں گا۔“ وہ یقین آمیز لہجے میں بولا۔
”آئی ایم سوری نوفل!“

”آئی ایم سوری ٹو شہزین!“ معاشرین کو کوئی خیال آیا تو اس نے انتہائی اچنبھے سے دیکھا۔

”یہ سب آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“ شہزین کے ہونٹ چہرے کو دیکھ کر نوفل ہنس کر بولا۔

”ہا دیہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا اس کے جملوں نے مجھے گویا میری زندگی لوٹا دی تھی شہزین!“

”نوفل کوتاہی میری تھی مجھے سزا تو ملنی چاہیے تھی ناں۔“ وہ سر جھکاتے ہوئے بولی تو نوفل اس کے قریب آتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر ایک جذب کے عالم میں گویا ہوا۔

”بیتی باتیں بھول جاؤ آؤ ہم دونوں مل کر اپنی منزل کی

طرف بڑھتے ہیں۔“ شہزین اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے، دئے اثبات میں سر ہلا کر نوفل کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی جب کہ بارش کے بعد شفاف نیلگوں آسمان انہیں دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دیا۔ بارش کے پانی نے تمام بدگمانیوں اور خفگی کو دھو ڈالا تھا۔



اور فکرت باقی ہے

سیدہ ضویاریہ

READING
Section

لفظوں سے ان کو پیار ہے مفہوم سے مجھے
وہ گل کہیں جسے میں تیرا نقش پا کہوں
اب جستجو ہے تیری جفا کے جواز کی
جی چاہتا ہے تجھ کو وفا آشنا کہوں

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

سے اس مخلصی سی گڑیا کو نظر بھر کر دیکھا تھا۔
”ایرج.....“ محبت بھری سرگوشی پر بھی اس نے آنکھیں
نہیں کھولی تھیں۔
”یار آنکھیں تو کھولو..... تمہاری ساری سچ تو میں نے
دیکھ لی ہے مجھے کون دیکھے گا بھلا.....“ شاہزل کی شرارت آمیز
جھنجھلاہٹ پر اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا
اور نگاہیں جیسے اس پر ٹک سی گئیں۔

”بہت پیارا لگ رہا ہوں ناں.....“ اس نے مخمور سے لہجے
میں کہا تو وہ اس میں سمٹ گئی۔ محبت میں بکھرنے اور سمٹنے کی
بھی عجیب سی داستان ہوتی ہے۔ لمحوں کی آنکھ پھولی میں رات
کب بیت گئی خبر ہی نہ ہوئی۔

ولیمہ فائو اشار ہوٹل میں تھا۔ مہمانوں کی تعداد کم ہی تھی
کیونکہ شاہزل اس شہر میں نو وارد تھا اور بہت شارٹ نوٹس پر
ہونے والی اس شادی میں دوسرے شہروں اور ملک سے باہر مقیم
اس کے قریبی عزیز شرکت نہیں کر پائے تھے۔ اس کی طرف
سے صرف اس کے والدین اور دو تین دوستوں نے شرکت کی
تھی۔ بلکہ ایرج کی فیملی بھی مختصر سی تھی۔ امی بابا اور نیرج اس کی
چھوٹی بہن۔ ایک پھوپھا اور ان کی فیملی..... مختصر سے مہمانوں کی
موجودگی میں ولیمہ کی تقریب شاندار اور باوقار طریقے سے
انجام پائی۔ ایرج کی آنکھوں میں چمکتے جگنو اور دکتے رنگ میں
کھلی محبت کی گلابیاں بہت حد تک امی بابا اور اس کی فیملی کو
مطمئن کر گئیں۔ گولڈن بھاری کام کے گاؤن میں نفیس سے
زیورات نے اس کی سجاوٹ کو چار چاند لگا دیے تھے۔ تقریب
کے اختتام پر زبردست سے فوٹو سیشن کے بعد نیرج نے
شاہزل کو جا پکڑا۔

کمرہ پھولوں کا گلستان لگ رہا تھا..... دوپٹے کی اوٹ
سے جہاں تک اس کی نگاہ جاسکی اسے گلاب اور موتیا کی بے
تجاشا لڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اتنا مہکتا ہوا استقبال.....
مسکراہٹ نے اس کے تراشیدہ لبوں کو چھولیا۔ آنکھیں حیا
سے جھٹ گئیں۔ ذرا سا سیدھی ہونٹیں تو کان کے جھمکوں نے
گالوں کو چوم لیا۔ چوڑیاں اور نگین جیسے کلاسیوں سے اٹھکیلیاں
کرنے لگے۔ شرمیلیں مسکراہٹ تھی کہہ لوں سے جدا ہی نہ ہو رہی
تھی۔ زندگی نے آج ایک نیا موڑ لیا تھا۔

اتنی چاہ اتنی محبت سے کوئی کسی کو اپنے دامن میں سیٹے تو خود
پر ناز سا ہونے لگتا ہے۔ دل کے آنگن میں وفا کی پھواری
برسنے لگتی ہے۔ سوچیں جیسے ایک ہی دھارے پر بہنے لگتی ہیں۔
ارتکا ز ایک نقطے پر سمٹ آتا ہے۔ بابل کے آنگن کے پرندوں
کی چہچہائیں پھولوں کی خوش بو جھولوں کے ہنڈولے سب
کچھ کہیں بہت دور رہ گیا تھا۔ محبتوں کی ان چھپر چھاؤں کو چھوڑ
دینے پر بہنے والے آنسو بھی سوکھ گئے تھے۔ کیسی جادوئی ڈور تھی
جس سے بندھ کر وہ یہاں آ پہنچی تھی۔ جہاں خوابوں کا ایک
انوکھا جہاں تھا۔ وہ تھی اس کا من میت تھا..... بہار کا موسم تھا اور
ہنسی کی پھوار.....!

کھٹکا سا ہوا اور وہ قدرے سیدھی ہونٹیں۔ سپنوں کے بوجھ
تلی دبی لرزتی پلکوں کو ذرا سا اوپر اٹھایا۔ اس کا زندگی کا سا بھی
اس سے چند قدم کے فاصلے پر آن ٹھہرا تھا۔ چند لمحے خاموشی
سے سرک گئے۔ پھر وہ اس کے قریب ہو بیٹھا..... دو مضبوط
ہاتھوں نے اس کے گول مٹھلیں ہاتھوں کو تھاما اور بے انتہا خوب
صورت نگن اس کی کھائی کی زینت بن گئے۔ اس کے دل کی
حالت غیر ہونے لگی۔ شرم جھجکا نے والے لمحوں کا محبت آمیز
خوف اسے خود میں سمٹنے پر مجبور کر گیا۔ شاہزل نے بہت دلچسپی

”شازی بھیا! اب ہمیں روانہ کرنے کی تیاری کیجیے، ہم اپنی پیاری سی آپنی کو واپس لے جانے آئے ہیں۔“

”بھئی یہ تو سراسر ظلم ہے مجھ غریب پر۔ اکیس سال آپ کی آپنی آپ کے گھر میں رہی کیا میں نے کوئی اعتراض کیا اور ایک ہی دن کے بعد آپ ہمارے گھر کی ساری رونق سمیٹ کر لے جانا چاہتی ہیں۔“ شاہزل نے شرارت سے ہونٹ کا کنارہ انٹوں میں دبا کر اپنے پہلو میں بٹھی ایرج کی طرف نگاہ بھر کر دیکھا۔

”اوفوہ بھیا جی! ایک ہی دن کی تو بات ہے، ہم کون سا ان کو ہمیشہ کے لیے لے جا رہے ہیں۔“

”نصف بہتر جی! آپ ہی کچھ دیکھیے ناں۔“ شاہزل نے اسے مخاطب کیا جو اس کی باتوں سے کچھ شرمائی، ہچکچائی، خود سے ابھرتی ہوئی سی دل میں اتر جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

”میں..... میں..... کیا کہوں.....؟“

”یعنی اپنی فیملی کو دیکھ کر آپ بھی بدل گئیں..... اب کچھ نہیں کیا جاسکتا بھئی نیرج جی..... ہماری نصف بہتر نے بھی ہری جھنڈی دکھادی ہے۔ ہمارا سب سے مضبوط ووٹ آپ کی طرف ہے تو آپ جیسی ہم ہارے۔“ شاہزل نے بڑے دربا سے انداز میں ہتھیار ڈالے تھے۔

”چلیں آپنی جی.....“ نیرج نے کسی قدر کھوئی ہوئی ایرج کا بازو تھام کر گویا اس کی محویت توڑی۔ شاہزل اور اس کے ممی پاپا انہیں سی آف کرنے پارنگ الاٹ تک آئے اور بہت محبت سے انہیں رخصت کیا تھا۔



رات گیارہ بجے کے قریب امی سب کاموں سے فارغ ہو کر اس کے پاس آ بیٹھیں۔ جب سے اسے لے کر آئے تھے اس کی دوستوں اور پھوپھیوں نے اسے گھیرا ہوا تھا۔ پھر کچھ دیر اپنے کمرے کی مانوس فضا میں جانے پر جیسے وہ سب کچھ بھول بھال کر اپنے بستر پر جالیٹی اور لمحوں میں گہری نیند میں چلی گئی۔ رات کے آٹھ بجے نیرج نے اس کے کمرے میں جھانکا تو اسے یوں بے سدھ سوتا یا کر جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ بعد خود ہی اس کی آنکھ کھلی تو جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر بال سمیٹ کر سب کے درمیان آ بیٹھی۔ گیارہ بجے جا کر کہیں امی کو اس سے بات کرنے کا موقع ملا۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی جب امی اس کے پاس آ بیٹھیں۔

”کیسی ہے میری بیٹی۔“ بہت دھیرے سے اس کی پیشانی پر آئے بالوں کی لٹ کو محبت سے سمیٹتے ہوئے انہوں نے اس سے سوال کیا۔

”بالکل ٹھیک ای! آپ..... آپ کیسی ہیں؟“ وہ ماں کے سوال میں چھپی فکر مندی کا تکلف جان گئی تھی خود بھی کچھ جھجک رہی تھی۔ ایک ہی رات میں کتنا نامانوس اور پرایا بنا دیا تھا چند بولوں نے اسے۔

”شاہزل کیسا ہے؟ اس کے گھر والے.....؟ میرا مطلب ہے وہ.....“ امی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”سب بہت اچھے ہیں امی، بہت خیال رکھنے والے.....“ شاہزل بھی اور ان کے ممی پاپا بھی۔

”شکر اس پاک پروردگار کا.....“ امی نے اطمینان بھری سانس لی۔

”امی آپ سے ایک بات کہنی تھی۔“ وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

”کہو امی کی جان..... ایک کیا سو باتیں کہو میرا بچہ.....“

”وہ شاہزل کہہ رہے تھے کہ انہوں نے پہلے سے ہی سیٹیں ریزرو کروائی ہوئی ہیں، برسوں ناردرن ایریا کے لیے ہم دونوں نے لکنا ہے اور کل شام کی فلائٹ سے ممی پاپا عمرہ کی ادائیگی کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ اس لیے کل دن میں ہی مجھے واپس جانا ہوگا۔“ اسے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کچھ دقت ہوئی تھی۔ شاید یہ احساس کہ ای کیا سوچیں گی۔ مگر امی کے لبوں پر پھیلتی مسکراہٹ اسے مطمئن کر گئی۔

”تو ٹھیک ہے میرا بچہ..... کل صبح فون کر کے شاہزل اور اس کے ممی پاپا کو بج پر انوائٹ کر لو میں نے تو ڈنر کا سوچ رکھا تھا۔ تمہارے پروگرام کے پیش نظر تبدیلی کی جاسکتی ہے اور یوں بھی میری پیاری سی بیٹی تو اب اسی گھر کی بیٹی ہے نا۔ بہت اچھا ہے جس طرح وہ سب چاہیں اسی طرح کرو۔ اسی رنگ میں ڈھل۔ او۔ یہی تمہاری کامیابی ہوگی اور یہی میری تربیت۔“ انہوں نے پیار سے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا تو اس کی پلکیں بھیگ سی گئیں۔ کیا خوب صورت اور مان بھرنا رشتہ ہے یہ بدل کا ہر بوجھ بانٹ لینے والا ہر درد اپنی متا میں سمو لینے والی یہ ماں دنیا کی سب سے اہم ہستی..... جس کا صحیح معنوں میں اور اک اس وقت ہوتا ہے جب ماں کے گھر سے رخصت ہو کر بیٹی ایک نئے گھر نئے ماحول میں جاتی ہے۔ جہاں پیار بھی ہوتا ہے

عزت بھی ملکیت کا احساس بھی اور ذمہ داریاں بھی..... نہیں ہوتی تو ماں کی ممتا نہیں ہوتی..... اس ممتا کی چھاؤں میں گزارے گئے بے فکری کے دن نہیں ہوتے۔ ایک امتحان گاہ ہوتی ہے جہاں اس کے پل پل کا حساب لیا جاتا ہے۔ اس کی انہی کا اس کے رونے کا اس کے چلنے پھرنے سونے جاگنے کا اور اس امتحان گاہ سے گزرتا ہر لڑکی کا مقدر ہے۔ اب یہ اس کا نصیب کہ اسے پیار عزت ملکیت و محبت کا احساس ملتا ہے یا ٹھوکریں اسے جھرجھری سی آگئی۔

”رب تعالیٰ! مجھے امتحانوں سے محفوظ رکھنا اس نئے سفر کو میرے لیے آسان بنانا۔“ وہ امی کی بہت لاڈلی تھی۔ آج تک کبھی انہوں نے اسے ڈانٹا تک نہ تھا۔ پڑھائی میں بہت اچھی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ گھر کے سب کاموں کی بھی بے حد شوقین تھی نہ صرف اچھا کھانا پکا لیتی تھی بلکہ گھر کی سینٹنگ پینٹنگ ٹیلنگ اور ایسے ہی کئی شاد کورسز بھی کر رکھے تھے اور اس کی امی کہا کرتی تھیں۔

”یہ نیرج کو تو خدا عطا کرے سب کچھ بنا کر دینا پڑے گا پھر بھی جانے کیا حال کرے گی اور یہ میری امیرج تو لکھی ہے کہ مانو جھونپڑی میں بھی چلی جائے تو سویرا کر دے۔“ ایک ماں کی ساری محبت ان الفاظ میں سمٹ آتی تھی۔

اور اب رب پاک نے اس کے لیے شاہزل جیسے پیارے بندے کو چنا تھا۔ امی پاپا جیسے مہربان ساس سسر کی موجودگی نے اسے بہت تقویت دی تھی۔ صرف ایک دن ہی ان کے درمیان گزار کر اسے یوں لگا تھا جیسے وہ کافی عرصے سے ان کے ہمراہی میں رہتی آئی ہو۔ ایک پل کو کسی نے اسے اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ان محبتوں کے امر ہو جانے کی دعا مانگتی تیند کی مہربان واوی میں کھو گئی۔

..... ❁ ❁ ❁

اگلا دن خاصا ہنگامہ ہے جلو میں لیے طلوع ہوا تھا۔ صبح ہی صبح اس نے اپنے شریکیں لہجے میں شاہزل اور امی پاپا کو لہجے کے لیے انویٹ کیا تھا جسے انہوں نے خوش دلی سے قبول کر لیا تھا۔ دس بجے تک کچن میں امی کا ہاتھ بٹانے کے بعد ان کے زبردستی بھیجے پردہ تیار ہونے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ گہرے پر پل رنگ کے انگر کے میں لگا میک اپ اور بھاری زیورات کے ہمراہ وہ آج بھی پہلے دن کی دھن ہی دکھائی دے رہی تھی۔ بارہ بجے کے قریب شاہزل اور امی پاپا آ گئے۔ کھانا بے حد خوش گوار

ماحول میں کھایا گیا۔ تمام وقت اپنے صبح چہرے پر چمکتی دو بے باک آنکھیں اسے خود میں سمٹنے پر مجبور کرتی رہیں۔

”یہ شاہزل بھی..... بس حد کرتے ہیں۔“ ولی کی بے چین دھڑکنوں کو سنجاتی وہ اس کے تصور سے شکوہ کناں تھی۔ اندر کہیں چاہے جانے کے احساس نے ڈھیروں گلاب کھلا دیئے تھے یہ احساس ہی کتنا جاں فزا تھا کہ جس ہستی کی خاطر وہ سب تیاگ کر اس نئے سفر پر نکلی ہے اس ہستی کی بھرپور محبت اور ساتھ کا غرور بھی اسے حاصل ہے۔ وہ خوب صورت ہے۔ یہ ایک حقیقت سہی مگر اس حقیقت کا اصل رنگ تو تب ہی دکھائی دے گا نا جب اس کے من میت کی آنکھیں اسے سراہیں گی اور یہ نعرے نصیب ہو گیا وہ کیوں نہ کھلکھلاتی.....! اس کی آنکھیں کیوں نہ دکتی دکھائی دیتیں چہرہ کیوں نہ روشن ہوتا وہ جیسے ہوا پہ قدم دھرتی کسی تتلی کی مانند ادھر سے ادھر ڈھلتی پھری۔ اس کے وجود کی قوس قزح نے امی کے دل کو دھڑکا دیا۔ انہوں نے چپکے ہی چپکے ہزاروں دعائیں مانگ ڈالیں۔ شاہزل اور اس کے ممی پاپا کے ساتھ جاتے سمایک پل کو پللیں گیلی ہوئیں مگر دوسرے ہی پل کسی کی محبت کے احساس کی شدت نے ہر درد کو خود میں سمیٹ لیا۔ وہ بہت ہلکی پھلکی سی شاہزل کے ہمراہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اتر پورٹ کی طرف رواں دواں تھی جہاں سے آج شاہزل کے والدین عمرہ کے فرض کی ادائیگی کے لیے جا رہے تھے۔

ممی پاپا کو رخصت کر کے وہ جب گھر لوٹے تو دس بج رہے تھے۔ مارے تھکن کے برا حال تھا، پچھلے ڈیڑھ ماہ سے بے انتہا کام اور مصروفیات نے جیسے ہڈیوں کے اندر تھکن اتار دی تھی۔ پور پور بوجھل تھا۔ چینیج کر کے جب وہ بیڈ روم میں آئی تو شاہزل بازو آنکھوں پر دھرے لیٹا ہوا تھا۔ یقیناً وہ بھی بے حد تھکا ہوا تھا۔ اس نے بہت دیر سے زیورات بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے اور جانے کو پلٹی ہی تھی کہ ہاتھ شاہزل کی مضبوط گرفت میں آ گیا۔

”آہم..... کیا ہو رہا تھا چپکے چپکے۔“ شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے اسے اپنی جانب کھینچا تو وہ اس پر گری گئی۔ اس شرارت پر نگاہیں جھک گئیں۔

”وہ..... میں بھی آپ..... سو گئے۔“

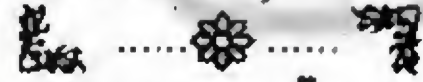
”کمال ہے بیگم صاحبہ! کل شام سے آپ کی واپسی کی گھڑیاں گن رہے ہیں اور آپ نے ہمیں سوتا بنا دیا۔“ محبت کا حصار اس کے گرد تنگ ہونے لگا۔ وہ محبوب سی ہونے لگی۔ روم

روم محبت کے احساس سے لبریز ان لمحوں کے امر ہو جانے کے لیے دعا گو ہو گیا۔

”آپ کو پتہ ہے کل ہم بنی مون کے لیے روانہ ہو رہے ہیں اور جتنا بے کوئی تیاری بھی نہیں کی ابھی تک۔“ اس کے ہنسنے والوں کو سنوارتے ہوئے اس نے جیسے ایرج کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔

”صبح اٹھ کر کمرلوں کی جناب.....“

اور پھر محبت کے خوب صورت پل پر فسون اور جادوئی رات کے سائے میں گزرنے لگے۔ ہر دھڑکھ کھیں بہت دور جا سویا۔ احساس رہا تو اتنا کہ اسے محبت کے دیوتا نے اپنے نرم پروں میں سمیٹ کر اس کے وجود و روح کی جھلک کو دور کر دیا۔ شاہزل نے گہری نگاہوں سے اس کی نیند سے بوجھل لرزئی پلکوں کو دیکھا تھا۔ ہونٹ بچھنچھنے لگی تھیں اور چہرے پر عجیب سا تناؤ آ گیا تھا۔ اس کا سراپے بازو پر سے تکیے پر جھٹک کر کے اس نے اس کی طرف سے منہ دھری طرف پھیر لیا تھا۔



ہر رات کی ایک سحر ہوتی ہے جو رات کے اندھیرے کو دور کر کے ہر سمت روشنی پھیلا دیتی ہے۔ ہر سمت زندگی جاگ اٹھتی ہے۔ آرام کے بعد جاگ جانے والے پھر سے کاروبار حیات میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس محبت بھری رات کی بھی سحر ہو گئی تھی۔ صبح صبح ہی اپنے نرم بالوں کا جوڑا سا بنائے وہ بہت پھرتی سے پکینگ میں مصروف تھی۔ شاہزل کے جاگنے سے پہلے ہی اس نے گھر کے سب ہی کام نمٹا لیے تھے۔ جانے ان کی واپسی کب ہونی تھی اور گھر میں کوئی بھی نہیں تھا اس لیے بہت سی چیزیں اور سامان سمیٹنے والا تھا۔ فریج میں موجود تقریباً سب ہی چیزیں سولے اپنے ناشتے کے اس نے برتن دھونے والی ماسی کو دے دیں اور جب وہ ناشتہ تیار کر چکی تو شاہزل بھی اٹھ گیا۔

”ارے بیگم! آپ نے سب کام اکیلے ہی نمٹا لیے۔“ شاہزل کی نگاہوں میں ستائش اور تعریف تھی۔

”آپ نے رات ہی تو کہا تھا کہ بارہ بجے کی فلائٹ سے روانگی ہے۔ اسی لیے میں نے جلدی جلدی.....“ وہ کچھ جھینپ کرتا نہ لگی۔

”نصف بہتر سخت دوڑ جاری ہے پیٹ میں چوہوں کی..... بس جلدی سے کچھ کھانے کو دے دیجیے۔“ وہ وہیں کچن میں ہی اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا۔

”یہیں.....؟“ اس نے کچھ حیران ہو کر پوچھا۔

”جی بالکل یہیں.....“ لو تکلفات ایٹ آل.....“ کچن

کاؤنٹر پر رکھی آلیٹ کی پلیٹ اٹھا کر کانٹے سے اسے رگیدتے ہوئے شاہزل مصروف انداز میں بولا۔ ناشتے کے بعد شاہزل تیاری میں مصروف ہو گیا اور ایرج نے فون پر امی بابا سے اور ایرج سے کچھ دیر بات کی۔ انہیں اپنی روانگی کا بتا کر وہ بھی تیار ہونے لگی۔ عام روٹین میں گاڑی شاہزل خود رانہ کرتا تھا لیکن ابھی ڈرائیور ان کے ساتھ تھا کیونکہ انہیں ایر پورٹ پر ڈراپ کر کے گاڑی واپس لانی تھی۔

”نصف بہتر..... اسلام آباد جانے والی فلائٹس خراب موسم کی وجہ سے ملتوی ہو گئی ہیں..... میں نے کراچی کے دو ٹکٹ لے لیے ہیں۔ دو چار دن رک کر وہاں سے اسلام آباد کی سیٹیں لے لیں گے کیا خیال ہے۔“ شاہزل نے اسے مخاطب کیا۔

”تو کوئی بات نہیں۔ گھر واپس چلے چلتے ہیں ناں۔“ ایرج نے آسان حل نکالا۔

”ارے نہیں..... اب جب کل کھڑے ہوئے ہیں تو بس پھر کھوتے پھرتے ٹائم گزاریں گے کیوں گھر بیٹھ کر اتنا خوب صورت وقت ضائع کریں۔“ شاہزل شرارتی ہولہ ہتے مسکراتے تھوڑی ہی دیر میں وہ کراچی ایر پورٹ پر اتار رہے تھے۔ شاہزل کے ساتھ گزرا مختصر سفر بے حد خوب صورت اور یادگار تھا۔ ایر پورٹ سے کیب لے کر وہ ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے کراچی کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جب ایچانک گاڑی ایک بلند و بالا عمارت کے قریب آن رکی۔ اس نے کچھ حیرت سے شاہزل کی طرف دیکھا تو کوئی رہائشی بلڈنگ دکھائی دے رہی تھی۔ ہوٹل تو نہیں تھا۔ شاہزل نے اس کی سوالیہ نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرنے کے باوجود یوں ظاہر کیا جیسے اسے کچھ محسوس ہی نہیں ہوا۔ اس نے بھی سواہل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اپنا سفری بیگ سنبھالے وہ شاہزل کے ہمراہ گاڑی سے نکل آئی اور اس کی معیت میں اس عمارت کے اندر داخل ہو گئی۔ لفٹ کے ذریعے وہ شاید پانچویں یا چھٹی منزل تک آئے تھے۔ طویل کوریڈور تارک اور سنسان پڑا تھا۔ عمارت کو دیکھ کر لگتا تھا کہ یہ ابھی نئی تعمیر کی گئی ہو۔ زیادہ تر فلیٹ شاید خالی پڑے تھے۔ شاہزل اس سے کچھ قدم آگے چل رہا تھا۔ عجیب ناقابل فہم سا رویہ تھا اس کا۔ ایرج کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کچھ آگے چل کر وہ ایک فلیٹ کے قریب رکا اور جیب سے چابی نکال کر تالا کھولا۔

”ممبر نصف بہتر..... تھوڑا حوصلہ..... آہستہ آہستہ ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔ پہلے جو کہا ہے وہ سچ ہے۔“ یونہی صوفے پر نیم وراز خاصے سرو لہجے میں کہا تو وہ خاموشی سے کچن کی طرف چلی آئی۔ کچن کو دیکھ کر تو گویا اس پر منوں برف گر گئی، مختصر سا کچن جس میں ایک طرف شیلف اور کیبنٹ بنے ہوئے تھے اور ایک سائیڈ پر سنک لگا ہوا تھا جو شاید کبھی اسٹیل کا تھا مگر اب اپنی رنگت اور چمک کھو چکا تھا۔ گندا سا کالا چولہا جس پر گرنے والی چائے کی پتی اب تک لگی ہوئی تھی۔ کیبنٹ میں مصالحوں کے ڈبوں کے بجائے پیکنس جن میں ہر مصالحہ چینی پتی، تھوڑی تھوڑی مقدار میں رکھی ہوئی تھی اور نیڈو کا ایک آدھا استعمال شدہ پیکٹ رکھا تھا۔ برتنوں کے نام پر دو چار گلاس، کپ، کچھ پلیٹیں اور دو ویگیاں۔ یہ کچن کا کل ساز و سامان تھا۔ اسے اپنے جہیز کی کراکری اور شاندار کچن ہوم اپلائمنٹز یاد آ گئے۔ اس کی امی نے دنیا جہان کی ہر چیز اسے جہیز میں دی تھی۔ ایک ہینڈ سم ریم اس کے نام پر فکس ڈے پازٹ ہونے کے باوجود بہت خوب صورت زیورات بنوائے تھے۔ دو ہی تو بیٹیاں تھیں، ایک اچھی گورنمنٹ پ ل پر ہونے کی وجہ سے بابا نے نہ صرف گھر میں انہیں ہر سہولت مہیا کی تھی بلکہ انہیں تعلیم دلانی تھی بلکہ ان کے اچھے مستقبل کے لیے

”بت توجہ اور دھیان سے سننا نصف بہتر“ کیونکہ مجھے بے حد کوفت ہوتی ہے جب مجھے کوئی بات دوسری مرتبہ سمجھانی پڑے اور عورتوں کی ایک خاصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ بار بار کہی جانے والی بات کو بھی پس پشت ڈال کر اپنی مرضی کیے جاتی ہیں نتیجتاً بہت تکلیف اٹھاتی ہیں۔ میرا خیال ہے تم ایسا نہیں کرو گی۔“ سرد

لہجہ کی انی ایرج کے دماغ میں جیسے چبھ گئی۔ اس نے بے حد حیران ہو کر شاہزل کے بے تاثر چہرے کی سمت دیکھا کیا یہ دونوں پہلے والا شخص ہی ہے جو محبتوں کے جذبات سے لبریز تھا اور جس کے لہجے سے پھول چھڑتے تھے۔ جو اسے کانچ کا پیکر سمجھ کر سینت سینت کر چھوٹا تھا۔ اور سونے کو بانہوں کا تکیہ دیتا تھا کہ سر ہانہ بھی سخت ہے تمہاری نیند میں خلل نہ ہو۔

آج..... آج وہ یکسر بے نیاز اور بے مہربان بیٹھا تھا۔
”جج..... جی.....“ اس نے تھوک نکل کر خشک لکڑی جیسے حلق کوڑ کرنا چاہا۔

”کچھ چیزیں میں تم پر واضح کر دوں..... میں کوئی بزنس مین نہیں ہوں..... ایک ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہوں۔ ہینڈ ٹو ماؤتھ کھاتا ہوں سو بہت سی فرمائشیں کرنے سے ذرا احتراز ہی برتنا۔ گھریا جا سیداد کے نام پر بیورو کمروں کا فلیٹ ہے اور اسی میں ہی میں نے اپنی زندگی کا بیشتر وقت گزارا۔ اپنی ماں کے مرجانے کے بعد میں نے اس فلیٹ میں کوئی نیا سامان یا فرنیچر خرید کر نہیں رکھا۔ کچھ ناگزیر چیزیں خرید لاؤں گا زیادہ کی امید مت رکھنا۔“ شاہزل کے ہونٹ ہلکتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے مگر آواز..... آواز اس کے وجود میں برپا زلزلوں کے جھٹکوں میں کہیں دب گئی تھی۔ ”ماں کے مرجانے کے بعد“ شاہزل کیا کہہ رہا تھا۔ اللہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ وہ جیسے چکرا کر رہ گئی تھی کمرے کی ہر چیز اسے اپنے ارد گرد گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔ شاہزل نے بہت توجہ سے اس کی حالت کو ملاحظہ کیا۔

”تم شاید می پاپا کے بارے میں سوچ رہی ہوگی..... تو نصف بہتر جس طرح اس سچ پر بہت سے آ رشتہ اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور پھر اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں کیونکہ ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا بالکل اسی طرح می پاپا بھی کچھ مدت کے لیے اپنا کردار ادا کرنے آئے تھے اور اب اپنے گھروں کو لوٹ چکے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کوئی مجھ جیسے چھڑے چھانٹ کو کیسے اپنی پیاری بیٹی دے سکتا تھا۔ مجبوری تھی۔ نصف بہتر مجھے تمہیں پانے کے لیے ایسا کرنا پڑا۔“

”آپ..... آپ یہ سب کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہی..... پلیز شاہزل کہہ دیجیے ناں یہ سب مذاق ہے۔ آپ یہ سب مجھے تنگ کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں ناں۔“ ایرج کی آواز مدے گھبراہٹ خوف اور دکھ کے کپکپا رہی تھی۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا اس کے ساتھ زندگی کیونکر اتنا بھیا تک مذاق

کر سکتی تھی۔ آج تک وہ بہت پیاری بیٹی رہی تھی کسی جگہ اس نے اپنے کردار میں کمی نہیں آنے دی تھی۔ کبھی کوئی ایسا غلط قدم نہیں اٹھایا تھا جس پر اسے یا اس کے والدین کو شرمندہ ہونا پڑا ہو۔ پھر اس کے ساتھ یہ سب کیسے ہو سکتا ہے۔ کیسے اس کے جہاندیدہ ای بابا اتنا بڑا دھوکا کھا سکتے ہیں..... کس طرح؟ سوال نہیں تھے..... ناگ تھے جو رہ رہ کر اس کے ذہن کو ڈس رہے تھے۔ مگر بظاہر وہ کسی جھیل کی طرح بالکل ساکت سی بیٹھی تھی۔

”مجھے مذاق کرنے کی عادت ہے نہ پسند کرتا ہوں اور اب سے تم بھی اسی ماحول کو اپنانے کی کوشش کرو۔“

”یہاں..... یہاں پر تو کچھ بھی نہیں ہے..... اگر یہیں رہنا ہے تو وہاں سے جہیز کا سامان منگوا لیجیے پھر یہاں سیٹنگ کر لیں گے۔“ دل پر جبر کر کے اس نے لہجہ کو قدرے ہٹا کر بنانے کی کوشش کی۔
”ہوں..... دیکھتے ہیں.....“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ”میرا خیال ہے تم بھی تھک چکی ہوگی سو جانا چاہیے۔“ وہ کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ تو ناچار وہ بھی اس کے پیچھے چل آئی۔ بیڈ روم بھی کسی صورت کچن سے مختلف نہ تھا۔ پرانا سا بیڈ جس پر پرانی سی بیڈ شیٹ بچھی ہوئی تھی۔ دو کرسیاں اور ایک کپڑوں کی الماری اس کمرے کی کل متاع بھی تھی۔ شاہزل تو بڑی سہولت سے پسر کر سو گیا تھا مگر اس کی تمام رات کروٹیں بدلتے گزر گئی۔ ایک پل کو نیند آنکھوں میں نہیں آئی تھی۔ بار بار آنسو پلکوں کی منڈیوں کو توڑ کر بہاؤ کی ضد کرتے اور وہ آنکھیں میچ میچ کر نہیں اندر گرا لیتی۔ وہ حوصلے والی تھی جو ابھی تک جی رہی تھی ورنہ چند گھنٹوں کے اندر ہی جس طرح اس کے خوابوں کا محل زمین یوں ہوا تھا اور جس طرح اس کی زندگی کا ساکھی اچانک اجنبی بن گیا تھا۔ وہ تو چھا جوں چھا ج بھی روتی تو کم تھا۔

کل تک ای بابا کے چھپر چھاؤں سے وجود نے زندگی کی ہر تمازت کو اس سے یکسر دور رکھا تھا۔ کبھی کسی دکھ والیت کو اس تک پہنچنے نہ دیا تھا اور آج ان سے کوسوں دور وہ درد سے بے حال تھی لیکن وہ سب اس کی حالت سے بے خبر تھے۔ ان کی معلومات کے مطابق تو وہ اس وقت ناردرن ایریا میں اپنے محبت کرنے والے زندگی کے ساکھی کے ساتھ اپنی شادی شدہ زندگی کے ابتدائی دنوں سے محبت کشید کر رہی تھی وہ کیا جانتے کہ زندگی اس کے لیے ایک بھیا تک خواب بن گئی ہے ایک ایسا نائنٹ میسر جس کے اختتام کی امید بھی نہیں۔

اس زندگی کی تو بنیاد ہی دھوکے سے رکھی گئی تھی..... ایک بھی سچ نہیں تھا جو اس کے ڈولتے دل کو تسلی دے پاتا۔ بزنس میں شان دار بنگلہ طرح دارمی اور نفیس سے پایا..... شان دار ویسے کی تقریب اور بیش قیمت شادی کے ملبوسات..... سب ہی کچھ جھوٹا تھا۔ وہ کیا کرے..... کہاں جائے کسی سے کہے کہہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے..... کس کو دل سے لٹ جانے کی خبر دے..... اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔



نجر کی اذان کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وضو کر کے نماز ادا کرتے ہوئے بے آواز آنسو اس کے گالوں کو بھگوتے رہے۔ بہت دیر تک اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتے کرتے اسے جیسے صبر سا آ گیا۔ جائے نماز تہہ کر کے اس نے ایک نظر سوئے ہوئے شاہزل کو دیکھا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ وہ جان گئی تھی کہ اس شخص زدہ ماحول میں رہنا خالق حقیقی نے اس کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ اس کی آزمائش کا وقت آ گیا ہے اس کی ای کہا کرتی تھیں۔

”ایرج جھونپڑی میں بھی سویرا کر سکتی ہے۔“ جانے کون سا وقت تھا قبولیت کا..... کہ ان کے منہ سے نکلے الفاظ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں شرف قبولیت پا گئے تھے۔ اسے سویرا کرنے کے لیے جھونپڑی وے وی گئی تھی۔ سب خواب ساری آرزوئیں حیات کے سب رنگ اس سے دور کر دیئے گئے تھے اور امتحان اس کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔ اس نے ایک طویل سانس لے کر خود کو اس امتحان کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا۔ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ کر اس نے بہت تفصیلی نگاہ سے گھر کا جائزہ لیا اور ناگزیر ضروری اشیاء کی لسٹ ذہن میں بنالی۔

”ٹھیک ہے جب یہاں رہنا ہے..... تو اسی کو بہتر بنانے کی کوشش کروں گی۔“ وہ کسی سپاہی کی طرح کمر کس کر میدان میں اتری تھی۔ دوسرا کمرہ مکمل کاٹھ کہاڑ سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو ابکائی سی آنے لگی۔ دیواریں چالوں سے بھری ہوئی کچرا دودھ کے خالی ڈبے سبزیوں کے چمکے گتوں کے کارٹن پورا کمرہ الم غلم اشیاء سے بھرا پڑا تھا۔ پورا ایک گھنٹہ لگا لے دیواریں کی جھاڑ پونچھ کرتے اور چیزوں کو ٹھکانے لگاتے۔ کمرہ تو ٹھیک ہو گیا مگر وہ خود بھوت دکھائی دے رہی تھی۔ تمام کچرا ڈبے بڑے دو کارٹن میں ڈال کر اس نے گھر

کے دروازے سے باہر رکھا دروازہ بند کر کے پلٹی تو سامنے شاہزل کو کھڑے پایا۔

”کیا کر رہی تھی باہر.....“ عجیب کرخت سے انداز میں اس نے پوچھا۔

”کک..... کچھ نہیں..... وہ کمرہ صاف کیا تھا..... تو کچرا باہر رکھ رہی تھی۔“ اس نے گھبرا کر وضاحت دی۔

”خیال رہے دوبارہ ایسی حرکت مت کرنا۔ مجھے دروازے کھڑکیوں سے جھانکنے والی عورتوں سے سخت نفرت ہے۔ میں بازار جا رہا ہوں ضروری چیزوں کی لسٹ بنا دو۔ لیتا آؤں گا۔“ کہتے ہوئے وہ باتھ روم میں گھس گیا۔

صرف تین دن کے اندر کتنے روپ دکھا دیئے اس شخص نے اسے..... کہاں حیران ہوتی اور کہاں پریشان..... اس کی عقل چکرا کر رہ گئی تھی۔ ہر بار اس کی کوئی نہ کوئی بات اسے اذیت کے ایک نئے معانی سے روشناس کر رہی تھی۔ دل پر بھاری بوجھ لیے وہ کمرے میں آ گئی۔ ضروری سامان کی لسٹ بناتے ہوئے اس نے بہت خیال رکھا تھا کہ کچھ بھی فالتو نہ لکھے..... کہ پھر ایک ہزار ایک باتیں سننی پڑیں گی۔

بھیکے بالوں میں ہاتھ پھیرتا..... وہ اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

”بنالی ہے لسٹ۔“

”ہاں جی.....“ اس نے کاغذ شاہزل کو تھمایا۔

”یہ کیا ہے.....؟“ اس نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

”یہ سب بے حد ضروری اشیاء ہیں۔ اس لیے لکھی ہیں.....“ ایرج نے وضاحت کی۔

”اوکے.....“ اسے جیسے اس پر ترس آ گیا۔ خاموشی سے

بیردنی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے سامنے ہک پر

لگا تالا اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہوا پھر تالا

لگانے کی آواز آئی اور وہ جیسے کسی پاتال میں جا گری۔

”شاہزل یہ سب کیوں کر رہا ہے..... کس لیے..... کیا وہ

شکی آدمی ہے۔ اسے اپنی بیوی اپنی زندگی کی سادگی پر بھروسہ

نہیں..... یہ رشتہ تو اعتبار اور اعتماد کا متقاضی ہے۔ اعتبار نہیں

یقین نہیں تو پھر رشتہ کیسا..... اس نے کہیں پڑھا تھا۔ ”انسان

دوسروں کو اپنے آئینے میں دیکھتا ہے۔“ اور آج یہ بات سچ

ثابت ہو گئی تھی۔ اس نے خود دھوکا دیا تھا اس کے دل میں چور تھا

اور یہی چور اس کے اندر شک کے بیج بوتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ

ایرج بھی اسی کی طرح کہیں دھوکے باز نہ ہو۔

اس کے ہونٹوں پر زخمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”غلط اندازہ ہے تمہارا شاہزل حسن..... ایرج علی اتنی بھی کمزور نہیں.....“

باتھ روم اور بیڈ روم کی چالست زار درست کرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں کڑھ بھی رہی تھی اور خود کھامی بھی کیے جا رہی تھی۔ آخر میں کچن کی باری آئی۔ سارے کپینٹس خالی کر کے اس نے کچن کے فیلنس اور فرش کو خوب رگڑ رگڑ کر دھویا تھا چوہے کو اچھی طرح دھو کر چکا لیا تھا۔ کمر جیسے تختہ ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر بیڈ پر سیدھی لیٹی اور پتہ نہیں ساری رات کی طویل بے آرائی اور بے خوابی تھی یا صبح سے اب تک کی جانے والی مشقت کی تھکاوٹ تھی کہ وہ لیٹتے ہی بے سدھ سو گئی۔ بہت دیر بعد کمرے میں ہونے والی کھٹ پٹ سے اس کی آنکھ کھلی۔ شاہزل آچکا تھا۔ سامنے ہی اس کی لسٹ کے مطابق لائے گئے سامان کا ڈھیر رکھا تھا۔ کچھ انجانی سی خوشی سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ کچھ برتن تھے باتھ روم کی بالٹی، ٹب دونوں کمروں کے پرندے ایک نئی بیڈ شیٹ اور مبل مصالحوں کے ڈبے اور راشن کے دو بڑے شاپر ایک شاپر سے چکن اور کچھ سبزیاں بھی جھانکتی دکھائی دے رہی تھیں۔

”اٹھ گئی ہو تو ذرا جلدی سے کھانے کو کچھ پکا لو۔ صبح کے دو سلاٹس پر اتنی دیر سے خوار ہوتا رہا ہوں۔“ شاہزل بیڈ پر پاؤں پسارتے ہوئے بہت عام سے انداز میں گویا ہوا تو وہ جلدی سے دوپٹہ سمیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”پتہ نہیں کیسے آنکھ لگ گئی۔ بہر حال میں جلدی سے یہ سب سمیٹتی ہوں اور کھانا پکاتی ہوں۔“ وہ جانے لگی۔

”آئندہ سے کوڑا کرکٹ ایک شاپر میں ڈال کر دروازے کے پاس رکھ دیا کرنا۔ صبح جاتے ہوئے میں باہر ڈسٹ بن میں ڈال جایا کروں گا۔“ وہ جیسے اسے ایک بار پھر یاد دہانی کر رہا تھا کہ اس کی حد دروازے سے اس طرف تک ہے۔

”جی بہتر.....“ اس نے سر جھکائے جھکائے کہا اور خاموشی سے سامان سمیٹنے لگی۔ ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھنے کے بعد جب اس نے تفصیلی نگاہ سے جائزہ لیا تو گھر کل کے مقابلے میں آج خاصا بدلا ہوا بہتر اور پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ کچن میں آ کر تمام راشن ڈبوں میں رکھے تو کچن بھی خاصا ڈھنگ کا دکھائی دینے لگا۔ اس نے جلدی جلدی چکن پلاؤ تیار کیا اور ریاستہ بنا کر جب کھانا اس کے سامنے سرو کیا تو اس کی

نگاہوں میں مخصوص نرمی کا تاثر ابھر کر معدوم ہو گیا۔

”تمہارا دل پتھر ہے شاہزل حسن..... اس سے کوئی توقع نہیں رکھوں گی ہاں مگر میرا یقین کر لو یہ پتھر ایک دن ضرور پگھلے گا..... بس دعا ہے کہ وہ دن اتنی دیر سے نہ آئے کہ جب امیدیں ختم ہو چکی ہوں۔ توقعات گرد آلود ہو چکی ہوں اور دلوں پر کائی جم چکی ہو۔“

دو ماہ گزر گئے ان دو ماہ میں شاہزل ایک بار بھی اسے کہیں نہیں لے کر گیا۔ انہی دنوں ایک اور قیامت اس پر ٹوٹی تھی۔ اس کا تمام جہیز کا سامان بک چکا تھا اور رقم شاہزل کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو چکی تھی۔ سیل فون شاہزل نے الماری میں رکھ کر لاک لگا دیا تھا۔ صرف پندرہ دن بعد ایک بار ای بابا سے اس کی بات کروائی تھی اس نے..... اور اس میں بھی ساتھ ہی بیٹھا رہا تھا۔ دل کی تو کوئی بات کبھی نہیں کر پائی تھی وہاں کھوکھلی ہنسی کے دوران اپنے فرضی ہنسی منوں ٹرپ کی داستان ضرور سنائی تھی سب کو کہ بہت خوش ہے وہ..... شاہزل کی ہمراہی میں زندگی کے تمام خوب صورت رنگوں سے متعارف ہو رہی تھی وہ..... اور ایسی ہی کچھ باتیں کر کے اس نے کال اینڈ کر دی تھی۔ شاہزل ایک بے انتہا خود غرض اور مادیت پرست انسان تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بد نصیبی سے ایسی جگہ پھنس گئی ہے جہاں سے نکلنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ غربت میں اپنی زندگی گزارنے والے شاہزل کے لیے وہ سونے کی چڑیا ثابت ہوئی تھی۔ لاکھوں کا جہیز اور زیورات کس بے دردی سے اس نے فروخت کر دیئے تھے۔ اس کی اجازت یا مرضی تک معلوم کرنے کی زحمت نہ کی تھی۔ شاید ایرج سے شادی کے پیچھے واحد مقصد بھی یہی تھا۔ اب یہ ایرج کی بد قسمتی تھی کہ اس کی نظر انتخاب اس پر پڑھری تھی۔ اس نے جان بوجھ کر اپنے لیے ایک ایسی لڑکی کا انتخاب کیا تھا جو مالی لحاظ سے تو مستحکم تھی مگر عدم تحفظ کا شکار بھی تھی۔ بھائی اس کا نہیں تھا والد بزرگ آدمی تھے۔ کون اس کی خبر گیری کر سکتا تھا اور اب اسے ہر طرح کی سن مانی کرنے سے روکنے والا کوئی بھی نہیں تھا اور یہ فلیٹ..... کہنے کو گھر..... گھر جو سکون اور آرام کی آماجگاہ ہوا کرتا ہے۔ اس کے لیے کسی ٹھٹھن زدہ زمانے سے کم نہیں تھا۔ اس گھر کے دلوں کمروں میں کھڑکیاں تو تھیں مگر پوری طرح سیل تھیں۔ کھڑکیوں کے پٹ بند کر کے ان پر لوہے کی چوڑی پتیاں اس طرح فٹ کر دی گئی تھیں کہ کھڑکیوں کے پٹ نہیں کھلتے تھے۔ صرف بیڈ روم کی ایک

دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ شاہزل نے اسی پر بس نہیں کیا تھا۔ میز پر رکھا الٹس ٹرے پیپر ویٹ جانے کیا کیا کچھ اٹھا اٹھا کر اس کی جانب پٹختا رہا۔ مغلظات کا ایک طوفان تھا جو اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔ کافی دیر بکتا جھکتا اسے ٹھوکر مارتا وہ باہر نکل گیا۔ اور ایرج..... وہ بے جان بھر بھری دیوار کی مانند وہیں ڈھیر ہو گئی تھی۔

”اختیار کس طرح ایک انسان کے اندر فرعنیت پیدا کر دیتا ہے۔ کیسے وہ بھول جاتا ہے وہ خدا نہیں ایک انسان ہے..... رب تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق جسے اس نے احسن تقویم تو کیا ہے مگر جس کی حیثیت ایک چیونٹی اور سینکے والے کچھوے سے زیادہ نہیں..... اس کی طاقت کے سامنے وہ بھی اتنا ہی بے بس ہے جتنی ایک عورت..... ایک کمزور عورت جس پر مرد کو ہر رشتے میں بالادست بنایا گیا ہے اس لیے نہیں کہ وہ اس کی حقیر کرے..... اس لیے کہ وہ اس کمزور مخلوق کا آسرا بن جائے چمپر چھایا بن کر اس کے سر پر سائبان کی طرح تن جائے احساس تحفظ دے اس کے درد بانٹے اسے تنہائی کا احساس نہ ہونے دے اسے تنہائی کے درد سے بجائے..... پل پل اس کی خبر گیری اور حفاظت کرے۔ کسی خزانے کی طرح سینت سینت کر رکھے..... مگر کیا ہوتا ہے یہ بالادستی کسی سریے کی طرح اس کی گردن میں فٹ ہو جاتی ہے وہ اس قدر تن جاتا ہے کہ نظر جھکا کر دیکھ نہیں پاتا کہ آخر کوئی ایسا بھی ہے جو اس کی توجہ کا طالب ہے کوئی ہے جسے اس کے دو محبت بھرے بولوں کی حاجت ہے۔ اسی خدائی دعوے میں وہ بنت حوا کی توہین پر توہین کیے جاتا ہے۔

آج ایرج کے صبر کی طنائیں چھوٹ گئی تھیں۔ روتے روتے وہ جیسے حواس بھی کھونے لگی تھی۔ ماتھے پر چمچا ہٹ محسوس ہوئی ہاتھ لگا کر دیکھا تو خون بہہ رہا تھا۔ شاید کوئی چیز زیادہ وزنی تھی جس سے ماتھے پر گہری چوٹ آ گئی۔ کئی ساعتوں تک اسی حالت میں رہنے کے باوجود وہ بہت ہمت کر کے انہی درد سے چور چور وجود اور جلتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہاتھ روم جانے کے لیے مڑی تو نگاہ سیدھا کھڑکی کے پٹ پر جا پڑی۔ پٹ کھلا ہوا تھا۔ شاہزل اسے بند کرنا بھول گیا تھا۔ زندان میں روزن کھل گیا تھا۔ وہ بے تابی سے آگے بڑھی۔ مگر وہ جگہ اتنی تنگ تھی کہ وہ اس سے باہر بالکونی میں نہیں جا سکتی تھی۔ پانچویں منزل سے نیچے کا منظر واضح نظر آ رہا تھا۔ کچھ نیچے نیچے کرکٹ کھیل رہے تھے اس نے آواز دی۔

کھڑکی کا پٹ کھلتا تھا جسے شاہزل باہر جانے سے پہلے لاک کرنا نہیں بھولتا تھا۔ پورے فلیٹ میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں تھی جو تنہائی میں اس کا دل بہلا سکتی۔ شاہزل صبح آٹھ بجے کا گیا رات گیارہ بجے واپس لوٹا تھا۔ جانے سے پہلے صرف سبزی وغیرہ خرید کر دے جاتا تھا۔ ایک دو گھنٹے کے اندر وہ گھر کا سارا کام ختم کر کے پھر سارا دن خاموش دیواروں کو دیکھتی رہتی۔ کبھی کبھی جب بہت دل بھر جاتا تو خوب دل کھول کر اونچا اونچا روتی تھی..... مگر ان کوئی دیواروں کے سوا کوئی نہیں تھا جو اس کی فریاد سننا کوئی نہیں تھا جو سلی کے دو بول بولتا۔ آنسو بہانے کی درد بھلانے کو اپنا کندھا پیش کرتا۔ خود ہی روتی اور جب رو رو کر آنسو سوکھ جاتے تو خاموش ہو بیٹھتی۔ دن بدن اس کی ذہنی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی۔

ان حالات میں مزید ابتری اس وقت ہوئی جب شاہزل نے چھوٹی چھوٹی بات پر مار پیٹ شروع کر دی۔ یقیناً اب ایرج کا وجود اس کے لیے کچھ خاص اہم نہیں رہا تھا۔ اس سے جس قدر حظ اٹھا سکتا تھا..... وہ اٹھا چکا تھا۔ مالی اعتبار سے بھی وہ اسے جس قدر فائدہ پہنچا سکتی تھی وہ..... وہ فائدہ پا چکا تھا۔ سو اب معمولی معمولی بات پر مارنا پیٹنا اور کالم گلوچ کرنا اس نے معمول بنالیا تھا۔ ایرج جیسی تعلیم یافتہ لڑکی جو صابر اور قانع بھی تھی..... صبر و ضبط کھونے لگی تھی۔ نماز پڑھتے پڑھتے کتنی ہی باز بھول جاتی کہ کہاں تھی۔ کیا پڑھ رہی تھی۔

اب تک اپنی اتنی بے قدیری اور بے وقعتی نے اس کے حواسوں پر کاری ضرب لگائی تھی۔ شادی کو تیسرا مہینہ شروع ہو گیا۔ اس نے ای بابا ایرج کی آواز تک نہیں سنی تھی۔ دروکی شدت سے اندر ہی اندر دل جل کر راکھ ہو جاتا تھا..... مگر کوئی سبیل نہ تھی اپنے پیاروں تک پہنچنے کی اپنی آہ کو ان تک پہنچانے کی..... شہر کا شہر ہی جیسے دشمن تھا۔ گتنا پھوٹ پھوٹ کر روتی تھی وہ مگر..... کوئی نہ تھا جو اس کی مدد کو آتا۔ یوں جیسے یہاں سب مردے بستے تھے بے حس بے حیات بے جان لاشے.....

اس دن تو حد ہی ہو گئی..... شاہزل کو چائے پکڑاتے ہوئے تھوڑی سی چائے چھلک کر اس کے ہاتھ پر کیا گر گئی ایک قیامت ہی آ گئی۔ اس نے وہی کپ اس کے چہرے کی جانب اچھال دیا۔ گرم گرم چائے ایرج کے چہرے کے کافی حصے کو جھلسا گیا تھا۔ اس کے حلق سے دل خراش چیخ بلند ہوئی اور وہ

”دیکھو..... میری بات سنو.....“ مگر اس کی زخمی آواز ان کی سماعتوں تک نہیں پہنچ پائی۔

”میری مدد کرو..... اللہ کے لیے۔“ اس نے جلدی سے ایک کاغذ پر لکھا اور ٹوٹے ہوئے ایش ٹرے کے ایک ٹکڑے کے ساتھ اسے باندھ کر پوری طاقت سے باہر کی طرف اچھال دیا۔ وہ ٹکڑا ایک بچے کے پاؤں کے پاس جا گرا۔ اس نے اسے اٹھاتے ہوئے اوپر کی طرف نظر اٹھائی تو ایرج نے بے قرار سے ہاتھ ہلایا۔ بچے نے کاغذ کھول کر پڑھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی دکھایا۔ اس کے بعد وہ سب وہاں سے چلے گئے۔

ایرج کا دل جیسے حلق میں دھڑکنے لگا۔ جلدی جلدی اپنے بال سمیٹ کر اس نے دوپٹہ اچھی طرح اپنے گرد سمیٹا، کان باہر سے آنے والی آہٹوں پر لگا دیئے۔ عین ممکن تھا کہ کوئی اس کی مدد کو آ جاتا، چند رہ منٹ گزر گئے اور پھر بیرونی دروازے پر کھٹ پٹ کی آواز آئی۔

”شاہزل تو نہیں آ گیا.....“ اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔

”اے خدائے بزرگ و برتر..... میری مدد فرما..... اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مجھ پر کرم کر دے۔ تو جانتا ہے میں نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی، صبر اور برداشت جس حد تک ممکن تھی کیا..... مگر تیرے پیارے ہی تو کہتے ہیں کہ خاموشی سے ظلم سہنے والا بھی ظالم کا ساتھ دینے والا ہوتا ہے۔ خدایا میں تھک گئی ہوں..... بہت کمزور اور ناتواں ہوں، ایسا نہ ہو تیری بھیجی آزمائش پر کھری نہ اتر سکوں، میرے مالک مجھے اپنی نظر کرم سے سرخرو کر دے مجھے اس عقوبت خالی سے نجات دے دے میرے اللہ۔“ اس کا روالا روالا دعا گو تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔

زردار کھٹکا ہوا اور بیرونی دروازہ ایک دھماکے سے پوری طرح کھل گیا۔ دروازے پر کھڑے چند نفوس نے اس کی ساری توجہ اپنی جانب مبذول کرائی تھی۔ تین بچوں کے ہمراہ ایک خاتون اور دو آدمی کھڑے تھے۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آپ..... آپ پلیز اندر آ جائیں۔“ اس کی آواز ایک انجانے خوف سے کانپ رہی تھی۔

”میرا خیال ہے ہمیں یہاں بلانے کی بجائے اگر آپ ہم پر بھروسہ کریں تو مہربانی کر کے ہمارے ساتھ چلیں۔“ خاتون نے بہت شائستہ لہجے میں کہا تو اسے بھی وقت کی نزاکت کا

احساس ہو گیا۔ یقینی سی بات تھی کسی پل بھی شاہزل کی آمد متوقع تھی اور اگر ان لوگوں کی موجودگی کے دوران ہی وہ آ بھی جاتا تو لازمی سی بات تھی کہ ان سب کو ذلیل کر کے گھر سے نکال دینے کے بعد اس نے ایرج کی بھی کھال اتار دینی تھی کہ آخر کس طرح اس نے ان اجنبی لوگوں کو اپروچ کیا تھا۔ وہ جلدی سے بیڈروم کی طرف بھاگی الماری سے چادر نکال کر خود کو بہت اچھی طرح لپیٹا سفری بیگ میں دو چار کپڑے اور ضروری اشیاء رکھیں، کچھ پیسے جو شاہزل کے علم میں لائے بغیر اس نے سنبھال رکھے تھے وہ لیے اور تیزی سے باہر آ گئی۔ ان سب کے ساتھ جاتے ہوئے فلیٹ کے دروازے کو بند کرنا وہ نہیں بھولی تھی۔ محض تین مہینے کے اس عرصے میں اس پر کیا کیا نہ بتی تھی۔ اب تک اسے یقین نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ اس کے چنگل سے آزاد ہو گئی ہے۔ وہ خاتون سیکنڈ فلوئر پر رہتی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے گھر پہنچ کر جیسے اس نے سکھ کا سانس لیا۔

”مجھے رضوان نے یہ کاغذ لا کر دیا تھا جس پر آپ نے مدد کی درخواست کی ہے۔ آج کل زمانہ بہت خراب ہو گیا ہے رضوان کے چاچو اور پاپا نے تو سختی سے منع کیا کہ کوئی ضرورت نہیں اس کاغذ پر دھیان دینے کی۔ اللہ جانے کیا معاملہ ہو لیکن میرے دل نے گوارا نہیں کیا کہ یوں ان الفاظ کو نظر انداز کر دیتی اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے بتائیں کہ آخر کیا مسئلہ ہے۔“ وہ خاتون اسے قریب ہی بھی اسے مخاطب کر رہی تھیں اور وہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ انہوں نے اس کا کندھا ہلایا۔

”آپ کہاں سے آئی ہیں..... والدین کہاں رہتے ہیں آپ کے؟“ انہوں نے پھر اس سے پوچھا تو ایرج نے مختصر الفاظ میں سب کہہ سنایا۔ سرعت سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ خاتون بہت تاسف سے اس کی روداد سن رہی تھیں۔

”اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ لوگوں کو بالکل ہی اللہ بھول گیا ہے کسی کی بہن بیٹی کی زندگی سے کھیلنا..... چند پیسوں اور آسائشات کے لیے کسی کی پوری زندگی کو تباہ کر دینا ایک مذاق بن گیا لوگوں کے لیے۔ دیکھو تم میری بہن کی طرح ہو تمہیں اس جنگلی سے بچانا ایک مسلمان اور ایک عورت ہونے کے ناطے میرا فرض ہے تم صرف یہ بتاؤ کہ اب تم نے کیا سوچا ہے۔ ہم ہر ممکن تمہارا ساتھ دینے کی کوشش کریں گے۔“ ایرج کو اس خاتون کے الفاظ نے انجانا حوصلہ دیا تھا۔

”میں اپنے ای بابا کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ آپ پلیز

مجھے لاہور بھجوادیں کسی بھی طرح.....“ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”ٹھیک ہے..... لیکن کیا ایسا ممکن ہے کہ تم ایک دو دن یہاں..... میرا مطلب ہے میرے گھر پر رہو..... وہ تمہیں گھر میں نہ پا کر یقیناً بسوں کے اڈے یا پھر ریلوے اسٹیشن کی طرف بھاگے گا۔ عین ممکن ہے تمہارا تعاقب بھی کرے..... تم دونوں یہاں رہو جب وہ ہر طرف سے مکمل مایوس ہو جائے گا تو ہم تمہیں یہاں سے گاڑی میں سوار کرا دیں گے..... اگر چاہو تو تم اپنے والدین کو فون پر اطلاع دے دو..... بلکہ مناسب ہے کہ ان کو بتا دو وہ سب سے پہلے تمہارے والدین کو ہی پریشان کرنے کی کوشش کرے گا تمہاری خاموشی یقینی طور پر شکوک و شبہات پیدا کرے گی۔“ وہ خاتون بالکل درست کہہ رہی تھیں۔ شاہزل سے کچھ بعید نہیں تھا کہ خود کو بری الذمہ قرار دینے کے لیے وہ اس پر کسی طرح کا الزام لگانے اور کچھ اچھالنے سے بھی گریز نہ کرتا..... ان تین ماہ میں وہ بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی اسے۔

”میں ذرا کچن دیکھ لوں..... یہ فون سیٹ رکھا ہے تم اطمینان سے اپنے ای ابو سے بات کر لو..... اور ڈرو مت یہاں تمہارا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“ وہ اس کا ہاتھ پھٹکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اس نے سنا تھا جب اندھیرا بڑھ جائے تو سمجھو کہ سحر قریب ہے۔ رب پاک کسی پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ خاتون اور ان کے گھر والے اس کے لیے رحمت کے فرشتے ثابت ہو رہے تھے ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ اس کی تکلیف کے خاتمے کا بھی وقت اور دن مقرر تھا۔ سو شاہزل کھڑکی کا پٹ بند کرنا بھول گیا تھا۔ اس کا لکھا ہوا نوٹ ایک بچے کے ہاتھ سے ذمہ دار لوگوں تک پہنچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عقوبت گاہ سے اس کے لپکنے کا انتظام کر دیا تھا۔ اس نے ریسور اٹھایا اور گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ نیل جا رہی تھی اور نیل کے ساتھ اس کا دل بے چین ہوا جاتا۔ چوٹی نیل پر کال ریسو ہو گئی تھی۔ دوسری طرف ای تھیں۔

”ای.....“ اس کے لبوں سے سسکتا ہوا یہ لفظ دوسری طرف موجودہاں کے کلیجے پر کسی انی کی طرح لگا تھا۔

”ایرج..... ایرج میری بچی..... تو کہاں ہے چندا..... کیوں خاموش ہے..... بول نا میری بچی.....“ ای بھی سسک

پڑی تھیں۔

”ای..... ای..... کچھ نہیں کہہ سکتی..... بس میں آپ کے پاس آ رہی ہوں ای..... میں آ جاؤں ناں آپ کے پاس.....“ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”ہاں میرا بچہ..... مت پوچھ..... بس آ جا میری جان..... ہر گز رنے والا لمحہ اب بہت سخت ہے..... بہت دن سے میرا دل بہت بے چین تھا کسی انہونی کے ہونے کا خیال سے اور ہر بار جھٹک دیتی تھی۔“

”ای..... ای..... امی ہمارے ساتھ بہت بڑا دھوکا ہوا ای..... شاہزل وہ نہیں تھا جو نظر آتا تھا ای..... اس نے سارا سامان سب زیور بیچ دیا۔ اس نے جو کچھ بتایا سب جھوٹ تھا..... یہاں تک کہ اس کے ماں باپ بھی..... اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں ناں باپ مر چکے ہیں۔“ وہ ہلکے ہلکے کہتا رہی تھی۔

”تمہارے بابا کچھ دن پہلے گئے تھے تمہارے گھر تالا لگا ہوا تھا۔ تمہارا اور شاہزل کا نمبر بھی بند تھا..... کسی سے کیا پوچھتے کس طرح رابطہ کرتے..... بس دل پہ پتھر رکھے دن سے رات کیے جا رہے تھے میری بچی..... تم آ جاؤ..... ابھی کہاں ہو..... کہاں سے فون کر رہی ہو.....“ ای بے تابی سے بولیں تو اس نے مختصر الفاظ میں آج کا سارا واقعہ کہہ سنایا۔ ای دل پر ہاتھ رکھے اپنے وجود کے سب سے پیارے ٹکڑے کے بکھر جانے کی داستان سنتی رہیں۔ ایرج کے خاموش ہونے پر ریسور سے ممتا کی سسکیاں ابھریں۔

”بس میرا بچہ..... تم آ جاؤ۔“

مزید کچھ باتیں کرنے کے بعد ایرج نے جب فون بند کیا تو بہت حد تک دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا..... وہ خاتون جن کا نام شاہین تھا۔ وہ اسے گیسٹ روم میں لے آئیں۔

”تم کچھ دیر آرام کر لو رضوان کے پاپا کے آ جانے پر اس مسئلے کا حل نکالتے ہیں۔“ اسے چھوڑ کر وہ باہر چلی گئیں۔

”بہت نہیں..... یہ لوگ کیسے ہیں..... کون ہیں؟ آسمان سے گرا بھجود میں الکا کے مصداق میں کہیں کسی اور مصیبت میں نہ پھنس جاؤں۔“ اس کی نگاہوں کے سامنے کئی اخباری تراشے اور ٹی وی چینلوں کے پروگرام گھومنے لگے آج کل کسی پر بھروسہ کرنا کہاں تک ٹھیک رہا تھا..... جب گھر سے ہی بے اعتباری ملے..... بھروسہ توڑنے والے اپنے قریبی ہی ہوں تو پھر کسی پر بھی یقین کرنا ممکن نہیں رہتا..... وہ بھی بے چین دل کے اندر

بے تحاشا بے اعتباری چھپائے بظاہر خاموش بیٹھی آنے والے وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ شام کے سائے پھیلنے لگے۔

”پتہ نہیں شاہزل آگیا ہوگا یا نہیں۔“ سوچ کے سانپ نے جیسے اس کے ذہن کو ڈسا۔ ”مجھے نہ پا کر کیا کرے گا وہ۔“ جانتی تھی غصے سے اس کا تنفس جلنے لگے گا۔ خوب توڑ پھوڑ کرے گا زخمی ناگ کی طرح پھنکارے گا۔ شاید اس عمارت کے دیگر رہائشیوں سے اس کی بابت سوال جواب بھی کرے۔ ابھی تک اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ باہر ہونے والی چہل پہل سے اندازہ ہو رہا تھا کہ گھر کے مکین آچکے ہیں۔ بچوں کی ہنسی اور بھاگ دوڑ کی آوازوں کے ساتھ مردانہ آوازوں کی آمیزش۔ بخوبی اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ تبھی شاہین نے دروازے سے اندر جھانکا۔

”ایرج..... مناسب خیال کرو تو باہر آ جاؤ۔ رضوان کے پاپا آگئے ہیں۔ وہ کچھ بات کرنا چاہتے ہیں تم سے۔“ اس نے چادر کو اٹھپی طرح اپنے گرد لپیٹا اور خاموشی سے باہر آگئی۔ سامنے لاؤنج میں صوفے پر دو مرد حضرات براجمان تھے جن میں بڑی عمر والے غالباً رضوان کے پاپا تھے اور ان سے قدرے کم عمر والے یقیناً چاچو ہوں گے۔ وہ شاہین کے ہمراہ دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

”دیکھتے بہن..... دن کے وقت آپ کی ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ آپ سے کوئی سوال جواب کیے جاتے سو ہم لوگ اپنے اپنے کاموں پر روانہ ہو گئے۔ ہمیں یقین ہے کہ اب تک گھر کے ماحول اور شاہین کے ساتھ کچھ دقت گزارنے کے بعد آپ مکمل نہ سہی تو کچھ حد تک مطمئن ضرور ہو گئی ہوں گی اب براہ کرم آپ ہمیں تفصیل سے بتائیے کہ یہ سارا قصہ کیا ہے تاکہ ہم آپ کی مدد کر پائیں۔“ شاہین ہی کی طرح ان کے شوہر نامدار (جن کا نام بعد میں پتہ چلا کہ فرقان تھا) بھی خاصے مہذب اور سلجھے ہوئے تھے ان کے ہات کرنے کے انداز سے حوصلہ پا کر آہستہ آہستہ ایرج نے اپنی شادی سے لے کر اب تک کی تمام کہانی سنائی دی۔

”آپ کے امی بابا نے اس شخص کی چھان بین کیوں نہیں کروائی۔“

”میرا بھائی نہیں ہے۔ بابا ہارٹ پیسٹ ہیں۔ بہت زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کر سکتے..... بس ان لوگوں کی زبان پر یقین کر لیا سب نے..... جن دو افراد کو شاہزل اپنے والدین کے طود پر

ساتھ لائے تھے وہ اتنے پڑھے لکھے مہذب اور سلجھے ہوئے تھے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ سب جو کچھ کہہ رہے ہیں جھوٹ ہے۔“

”بہن جی..... آج کل کی دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں رہا..... کسی وقت بھی کچھ بھی ممکن ہے چلیں بہر حال ان سب باتوں سے قطع نظر آپ کیا چاہتی ہیں کیا اس بندے کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی جائے۔ چار آٹھ لٹر پڑوائے جائیں۔ سب کچھ جو ہڑپ کر چکا ہے اس سے وہ بھی تو نکلوانا ہے۔“

”نہیں بھائی..... مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ میں اسے تکلیف نہیں دینا چاہتی وہ بے ضمیر ہے میں نہیں بس مجھے اپنے مئی بابا کے گھر جانا ہے۔“

”دیکھیے ایرج بہن..... اگر آپ اسے اس کے کیے کی سزا نہیں دلوائیں گی تو یقینی اس کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اس طرح کے مرد ایک آدھ کیس کے بعد رکتے نہیں ہیں۔ مفت کا مال بنورنے کے لیے شکار پھانتے رہتے ہیں۔ آپ جیسی کوئی اور بہن پھر اس کے چنگل میں پھنس سکتی ہے۔“

”آپ کی سب باتیں درست ہیں فرقان..... مگر میرا خیال ہے ایرج فی الحال ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ ضروری اس کی سیکورٹی ہے۔ اس کا اپنے والدین کے گھر پہنچ جانا سب سے اہم ہے۔ باقی کے معاملات کو بعد میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔“ شاہین نے پہلی بار ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔ ایرج نے ممنون نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”ٹھیک ہے جس طرح آپ لوگ کہیں..... ایرج بہن آپ نے اپنے گھر والوں کو مطلع تو کر دیا ہے ناں۔“ فرقان صاحب اس کی طرف پلٹے۔

”جی.....“

”یہ بہت اچھا کیا آپ نے..... اب کم از کم ان مسٹر کی ادھر وال نہیں گلے گی۔“

”آپ اس گھر کو اپنا گھر سمجھ کر دو دن یہیں قیام کیجئے حالات سازگار ہوتے ہی ہم آپ کو آپ کے گھر پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔“ فرقان صاحب نے نہایت تسلی آمیز الفاظ میں کہا۔ ”اور علی تم ذرا اوپر کے فلیٹ کا دھیان رکھنا ایک دو بار ذرا جا کر دیکھ لینا سن کن لینا بہت ضروری ہے۔“ آخری بات انہوں نے اپنے بھائی سے کی اور بیڈروم کی طرف پڑھ گئے۔

اگلے دو دنوں میں وہ اسی گھر میں پناہ گزیر رہی تھی۔ شاہزل

رات گئے گھر واپس آیا تھا۔ یقیناً اس کے اندر کے بزدل انسان نے اسے بہت اچھی طرح سمجھا دیا ہوگا کہ اس کے ہاتھ میں آجانے والا بے بس شکار نکل بھاگا ہے۔ اندر ہی اندر بہت زیادہ تلملانے کے باوجود اس نے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی کہ شور اور واؤ ویلا اس کے اپنے جرم پر سے پردہ اٹھا دے گا۔ گمنام ہو جانے میں ہی بہتری تھی۔ دو دن مزید گزارنے کے بعد جب شاہزل کی واپسی کی امید نہیں رہی تو فرقان صاحب اور علی حیدر نے اسے بذریعہ بس لاہور روانہ کر دیا۔ اسے ایک عربی برقع مہیا کیا گیا تھا اور شاہین کے پرانے کپڑے اور جوتے دے دیئے گئے تھے۔ کپڑوں کا بیگ بھی احتیاطاً تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اس حالت میں شاہزل اسے مرکز بھی نہ پہچان سکتا تھا۔ زندگی میں اس نے ایسے کسمپرسی کے دن نہیں دیکھے تھے صرف خدائے بزرگ و برتر کی ذات تھی جس کے آسرے پر وہ اتنے بڑے کراسس سے نکلی تھی۔ ان تین ماہ کی شدید اذیت کے نشان اس کے وجود پر تھے۔ فرقان صاحب اور شاہین نے حقیقی معنوں میں یہ ثابت کیا تھا کہ بے شک آج انسان کی خود غرضی کی وجہ سے انسانیت شرمسار اور سرنگوں ہے مگر اب بھی کہیں کہیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر چلنے والے انسانیت بچانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ ہیں کچھ انسان جو واقعی انسان کہلانے کے حق دار ہیں انہوں نے جتنے دن اسے اپنے پاس رکھا ایک بل کو احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اجنبی یا حالات کی ماری ہوئی ہے۔ مجبور اور بے کس ہے اور جب اسے رخصت کرنے آئے تھے تو فرقان صاحب نے لاہور کا ٹکٹ خرید کر دینے کے بعد بہت چپکے سے دو ہزار اس کے ہاتھ پر رکھ دیے تھے۔ ایرج کے بے حد ممنون و مشکور انداز پر انہوں نے صرف اتنا کہا تھا۔

”میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ ایک بھائی ہونے کا فرض ادا کیا ہے۔ شاید اسی کے بدلے رب پاک میری بہنوں کو سکھ عطا کر دے۔ رب پاک مجھے معاف فرما دے۔۔۔۔۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔“ اسے پانی کی بوتل اور کھانے پینے کی کچھ اشیاء دے کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر تیزی سے گاڑی سے اتر گئے تھے۔ ایرج کی آنکھیں دھندلائی ہوئی تھیں پھر بھی اسے ان کی آنکھوں میں پھیلتی نمی نظر آگئی تھی۔ تمام راستہ وہ بہت کشتی ہوئی اپنی سیٹ پر بیٹھی رہی تھی۔ حتی الامکان اس نے کوشش کی تھی کہ نقاب نہ اٹھائے۔ ساتھ بیٹھی خاتون سے بھی

اس نے احتیاطاً بات چیت نہیں کی تھی۔ اس خاتون کے دو چار سوالات کے بس ہوں ہاں میں جواب دے کر اس نے اپنی ساری توجہ کھڑکی سے باہر مرکوز کر دی تھی جس پر سا بھی خاتون بھی خاصی بد مزہ ہو کر دوسری طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

سولہ سے اٹھارہ گھنٹوں کے اس تھکا دینے والے سفر نے صرف اس کے قویٰ ہی مضحمل نہیں کیے تھے بلکہ روحانی طور پر بھی وہ بے حد دکھ اور کرب سے گزرتی رہی تھی۔ گاڑی جانے پہچانے راستوں پر آئی تو جیسے اس میں بھی زندگی کی ایک لہری دوڑ گئی۔ وہ سیدھی ہوئی تھی۔ تین ماہ پہلے اس شہر کی فضا میں وہ کسی تنگی کی مانند آزار اور بے فکر اڑتی پھرتی تھی۔ آزادی کے سانس لیتی تھی۔ فضا میں اس کی ہنسی کے جلت رنگ بجتے تھے اس کے آچل کے رنگ بکھرتے تھے۔ پھر وہ لمحہ سیاہ آ گیا کہ اس کے حقوق شاہزل کے نام لکھے گئے۔ نوشتہ تقدیر نے اس کے مقدر پر اذیت کی مہر ثبت کی اور وہ بھی جیسے مشیت ایزدی کا حکم سمجھ کر بانٹی چلی گئی۔ کسی جگہ گردن اٹھا کر انکار یا بغاوت کی جرات نہیں دکھائی۔ مگر اس کی دکھائی گئی عاجزی کو سامنے والے نے اس کی غلامانہ ذہنیت سمجھ کر اس پر حکومت شروع کر دی۔۔۔۔۔ صرف حکومت پر ہی کیا موقوف اس نے تو اس کا بے جا استحصال ہی شروع کر دیا تھا۔ اس پر زندگی ہی تنگ کر کے رکھ دی تھی۔ راوی کے پل سے گزرتے ہی شاہدرہ ٹاؤن کے جانے پہچانے منظر نے اس میں زندگی بھروی۔

”بھہ۔۔۔۔۔ بھائی یہاں آگے ہی روک دس ذرا۔۔۔۔۔ میں نے اترنا ہے۔“ پورے سفر کے دوران وہ پہلی بار بولی تھی۔ کنڈیکٹر نے بھی کچھ حیران ہو کر دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتا کندھے اچکا کر آگے بڑھ گیا۔ اسٹاپ آ گیا تھا۔

”ترو باجی۔۔۔۔۔ آپ کا اسٹاپ آ گیا۔“ اس کا دل دھڑکا پرس اور برقع سنبھال کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے سیٹوں کے درمیان سے گزرتی بس سے اتر گئی۔ دن کے دس گیارہ بجے کا وقت تھا۔ اسٹاپ پر کچھ خاص رش نہیں تھا۔ کنڈیکٹر اسے اس کا بیگ تھما کر بس کو چلنے کا اشارہ کر چکا تھا۔ اس نے بھی لرزتے قدموں سے اپنے میکے کی مہربان راہوں پر چلنا شروع کر دیا۔ جوں جوں گھر قریب آ رہا تھا۔ دل کی دھڑکن کی رفتار غیر معمولی ہوتی جا رہی تھی۔ قدموں میں لرزش واضح تھی۔۔۔۔۔ کن ارماتوں سے اسے رخصت کیا گیا تھا اور کن اذیتوں کے کانٹوں پر چل کر آج وہ واپس آئی تھی۔ بڑے بزرگوں کا قول ہے ناں

کہ ماں باپ بیٹی کو تخت تو دے سکتے ہیں مگر بخت نہیں۔۔۔۔۔ وہ سچ ہی تو تھا۔ تخت تو دیا تھا اس کے ماں باپ نے۔۔۔۔۔ مگر وہ تخت اس کے لیے نہیں تھا۔۔۔۔۔ چار دن کی بادشاہی کا ہر دراصل غلامی کے طوق کو خوش نما شکل دے کر بنایا گیا تھا۔ اس کی راجدھانی بک گئی تھی۔ اس کے ماں باپ کے ارمانوں کو کوڑیوں کے مول بیچ دیا گیا تھا۔ اس کے قدم رک گئے۔ سامنے ہی مانوس نیلے رنگ کا گیٹ اودھ کھلا دکھائی دے رہا تھا۔ چند لمحوں میں ہی بچپن سے لے کر رخصتی تک کے منظر سب ہی ایک لمحے میں نظروں میں گھوم گیا تھا۔ اس نے گیٹ کے اندر پاؤں رکھا پرس اور بیگ کا وزن جیسے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں کہاں وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔ وہ دیر دیر سے چلتی لاؤنج کے دروازے پر آن رکی۔ سب سے پہلی نظر نیرج کی پڑی تھی اس پر۔

”ای۔۔۔۔۔!“ اس کے حلق سے کراہ کی صورت نکلا اور اگلے ہی پل وہ بھاگ کر ایرج کو اپنی مانیوں میں سیٹے رو رہی تھی۔ نیرج کی پلکیں بھی تیزی سے جھپکنے لگیں۔

”آئی۔۔۔۔۔ آئی۔۔۔۔۔ یہ کیا حالت ہو گئی آپ کی۔۔۔۔۔“ نیرج بلک بلک کر رو رہی تھی۔ ای بھی آگئیں اور بابا بھی۔۔۔۔۔ اسے گلے لگا کر جی بھر کر روئے تھے۔ وہ دنوں بھی۔۔۔۔۔ اپنی بیٹی کی بربادی پر یہ آنسو نہیں تھے ان کے کلیجے کا خون تھا جو آنکھوں سے رواں تھا۔ ان دو بیٹیوں کے لیے کیا کیا نہ سوچا تھا انہوں نے۔۔۔۔۔ کیسے کیسے خواب نہ بنے تھے۔ بیٹیاں سمجھ کر نہیں بیٹے سمجھ کر نہیں اعلیٰ تعلیم و تربیت سے نوازا تھا اور آج ان کے کلیجے کے ایک پھول کو نوچ کھسوٹ کر پتی پتی بکھیر دیا گیا تھا۔ اسے تمام کر صوفے تک لا کر بٹھانے کے بعد وہ تینوں اس کے گرد یوں بیٹھ گئے تھے کہ ایک پل کی دیر ہونے پر کہیں وہ آنکھوں سے اوٹھل ہی نہ ہو جائے۔

”میری بچی۔۔۔۔۔ کیا ظالم کیسا شقی تھا۔۔۔۔۔ کیا حال کر دیا اس نے میری پھول سی بچی کا۔۔۔۔۔“ ای اسی طرح روئے جا رہی تھیں۔

”نیک بخت۔۔۔۔۔ حوصلہ کرو۔۔۔۔۔ خدا کا شکر ادا کرو۔ ہماری بچی ہم تک پہنچ گئی کوئی ناقابل تلافی نقصان نہیں ہوا۔۔۔۔۔ رب تعالیٰ نے ہماری بچی کو اس ظالم کے چنگل سے بچالیا۔“ بابا اس کے سر اپنے شانے سے لگا کر گلوگیر آواز میں بولے تو اس کی روح کراہ اُٹھی۔

”بابا۔۔۔۔۔ میرے بھولے بابا۔۔۔۔۔ اور ناقابل تلافی نقصان کیا ہوتا ہے بھلا۔۔۔۔۔ آپ کی بیٹی زندہ ہے نہیں بس زندہ دکھائی دیتی ہے۔۔۔۔۔ اس کی تو روح تک مردہ ہو گئی۔ اس بے حسی بے وحشی نے اسے جتے جی زندہ دیر گور کر دیا بابا آپ کی وہ ذہین بیٹی۔۔۔۔۔ جو کبھی آپ کا خنجر ہوا کرتی تھی مگر گئی بابا۔۔۔۔۔ اس کی روح نے اس کا جنازہ بڑھ دیا بابا۔“ اس کے ہونٹ آپس میں یوں پیوست تھے جیسے کبھی گھلیں گے۔ آنکھیں آبلوں کی طرح پھوٹ پڑی تھیں۔ درد سے ٹوٹا وجود سنبھالنا دیر ہو گیا تھا۔

”پپ۔۔۔۔۔ پانی۔۔۔۔۔“ بہت دقت سے یہ ایک لفظ اس کی زبان سے ادا ہوا۔ نیرج جلدی سے بھاگ کر اس کے لیے پانی لے آئی۔۔۔۔۔ دو گھونٹ بمشکل پانی پیتے ہی اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ حکم اس طرح اعصاب پر طاری ہوئی کہ اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے یا شاید ایک طویل اعصابی دباؤ اور روحانی لغت سہنے کے بعد اپنیوں کے درمیان پہنچ جانے کے احساس نے اسے بے سدھ کر دیا تھا۔ بابا کے شانے پر سے اس کا سر ڈھلک گیا تھا۔

”میری بچی۔۔۔۔۔“ ای کے آنسو تھمنے میں ہی نہیں آ رہے تھے۔

”بس چپ ہو جاؤ۔۔۔۔۔ اس کے سامنے اس طرح رونا بند کر دو۔ میں کہہ رہا ہوں تم دنوں سے جب یہ جاگے تو اسے گھر کے ماحول میں کسی تکلیف دہ بات کا احساس نہ ہونے پائے۔۔۔۔۔ بہت دکھ سہہ چکی ہے میری بیٹی۔۔۔۔۔ بہت بہادر ہے اور جتنی جلد ہم اسے۔۔۔۔۔ اس بوجھ سے آزاد کرالیں اتنا اچھا ہے۔ سمجھ رہی ہونا میری بات۔“ بابا رسان سے سمجھا رہے تھے۔ ای نے اثبات میں سر ہلایا۔

”نیرج اپنی آپا کا اب تمہیں پہلے سے زیادہ خیال رکھنا ہوگا۔ ایک چھوٹی بہن کی طرح نہیں ایک اچھی دوست کی طرح۔ اس کا ہر درد ہاشما ہوگا۔ میرا خیال ہے تھوڑے کو بہت جانو۔۔۔۔۔“ بابا نے کہتے ہوئے ایرج کو سنبھالا اور نیرج اور امی کی مدد سے اس کے کمرے میں لا کر بیڈ پر لٹا دیا۔ برقع اتار کر ایک طرف دکھا اور اسے کمرے میں لوڑھا کر وہ تینوں باہر آ گئے۔

جانتے تھے بہت لمبی مسافت طے کر کے آئی تھی ان کی بیٹی۔ ایک بے فیض ہم راہی کا ساتھ ملا تھا اسے۔۔۔۔۔ جس نے صرف اسے سچ راہ پر اکیلا ہی نہیں کیا تھا بلکہ راہزن کی طرح اس کا زور راہ بھی لوٹ کر لے گیا تھا۔ خالی ہاتھ خالی دامن کر دیا تھا

اس نے ایرج کو..... دن بھر بے سدھ رہی تھی وہ..... شام ڈھلے کہیں جا کر اس کی آنکھ کھلی۔

”آہ.....“ کروٹ بدلنے کی کوشش میں وہ محض کراہ کر رہ گئی تھی۔ اپنے کمرے کی مانوس فضا نے اسے جلد ہی حواسوں کی دنیا میں لا پھینکا۔ قدرے طمانیت محسوس کرتی وہ اٹھ بیٹھی۔ بکھرے بالوں کو سمیٹ کر بے ترتیب سا جوڑا گوندھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے آپ پر نگاہ ڈالی۔ شاہین کا دیا ہوا سوٹ ابھی تک اس کے تن پر تھا۔ اس نے اپنی دائرہ روب کھول کر ایک سوٹ نکالا اور باتھ روم میں گھس گئی۔ نیم گرم پانی کی بہتی پھوار میں اس کے وجود کی تھکن بھی جیسے بہتی چلی گئی۔ نہا کر اس نے کافی اچھا محسوس کیا۔ کپے بالوں کو کھینچ کر کے کلپ کیا اور دپٹہ اچھی طرح پلیٹ کر باہر نکلی تو سامنے ہی کچن میں امی اور نیرج کام میں مصروف دکھائی دیں۔ وہ انہی کی طرف آ گئی۔ انہی کی نظر اس پر پڑی۔

”جاگ گئی میری گڑیا۔“ امی لپک کر اس کے قریب آئیں اسے گلے سے لگایا۔

”آپی..... سارا دن آپ نے کچھ نہیں کھایا..... بابا بازار سے آپ کا فورٹ پزا اور چکن سینڈوچ لائے تھے۔ میں نے اودن میں رکھ دیئے تھے۔ گرم کروں۔“ نیرج نے بے حد محبت سے اس کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

”نیری..... ایک کپ چائے پلا دو..... بس چائے پینے کو جی چاہ رہا ہے۔“ ایرج نے کہا تو نیرج نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چائے کا برتن برز پر رکھ دیا۔ چائے بنا کر ایک کپ اسے تھماتے ہوئے نیرج نے ساتھ ہی پلیٹ میں سینڈوچ بھی رکھ دیئے۔

”آپی..... خالی چائے نہ پیئیں ساتھ کچھ کھالیں۔“ ”ٹھیک ہے۔“ ایرج نے مزید کچھ بھی کہنا بہتر نہیں سمجھا چائے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے نوالے لیتے اس نے ایک سینڈوچ کھا ہی لیا۔

”امی کیا پکا رہی ہیں۔“ ”مٹر پلاؤ اور فرانی قیمہ..... جمہیں بہت پسند ہے نا..... تمہارے بابا اسٹوشلی کہہ کر گئے ہیں کہ میری بیٹی کی پسند کا کھانا پکاتا.....“ امی کے لہجے میں ممتا بھری مٹھاس تھی۔

”بابا کی وہی روٹین ہے..... کچھ بھی تو نہیں بدلا یہاں.....“ ایرج بے خیالی میں کہہ گئی..... ”کچھ بدلا ہے تو وہ

میں ہوں..... میں وہ نہیں رہی میری پیاری ماں..... تمہارے آپٹل سے دور کیا گئی زخم زخم ہو گئی میں.....“ اس کا دل تڑپا مگر یہ الفاظ اس نے اپنے اندر ہی گھوٹ لیے ایک پھیلکی سی مسکراہٹ لبوں پر رنگ گئی۔ تین ماہ میں وہ تو بھول ہی گئی تھی کہ اس کی بھی کوئی پسندنا پسند تھی۔ اکثر تو دن کا کھانا گھر میں ہوتا ہی نہیں تھا۔ شاہزل اتنی ہی سبزی دے کر جاتا جس سے ایک وقت کا کھانا یک پاتا اگر وہ دن کو کھا لیتی تو رات کے لیے کم بچتا سو وہ اکثر دن کو چائے پی کر گزارہ کر لیتی رات کو دیر گئے جب شاہزل آتا آتے ہوئے روٹی لے کر آتا اس وقت تک بھوک کے مارے آنتوں میں بل پڑ رہے ہوتے ۲۲ گھنٹوں میں صرف دو بار کھانا نصیب ہوتا اور کبھی کبھی وہ بھی پسند کا نہ ہوتا پھر بھی اللہ کا شکر ادا کر کے، وہ روکھا سوکھا کھا لیتی۔ اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے..... یہ محبتیں تو خواب ہی ہوتی تھیں جیسے..... کہنے کو تین ماہ تھے مگر ایک ایک پل سال کے برابر تھا۔ اس کے وجود روح پر ان تین ماہ نے اذیت کے ان مٹ نقوش چھوڑے تھے جو جانے کب معدوم ہونے تھے یا پھر ہونے بھی تھے کہ نہیں..... مزید گہرے ہو کر آبلے بن جانے تھے۔

”ایرج..... میری بچی..... کچھ بھی مت سوچو..... بس اب تم ہمارے درمیان ہو..... اپنے رشتوں کے درمیان..... کسی کی مجال نہیں جو ہماری بیٹی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔“ امی اس کے چہرے کو اپنے مہربان ہاتھوں میں تھام کر بولیں تو اس نے ماں کے سینے میں منہ چھپالیا۔



کہا جاتا ہے وقت ہر زخم کا علاج ہے بہترین مرہم ہے تو یہ کچھ غلط بھی نہیں۔ اسے امی بابا کے ہاں آئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا۔ ایک دوبار شاہین اور فرقان صاحب نے فون کر کے اس کی خیریت دریافت کی تھی اور ساتھ ہی بتایا بھی تھا کہ شاہزل واپس آ گیا تھا۔ منہ اندھیرے گھر سے جانا اور رات گئے لوٹنا اس کا معمول تھا۔ بلڈنگ کے کسی رہائشی سے اس کی سلام دعا نہ تھی۔ جیسے ہی بابا کو پتہ چلا انہوں نے فوری طور پر طلاق کا نوٹس اسے بھیج دیا۔ نوٹس بھیجنے کے پانچویں دن گھر پر اس کی کال آ گئی۔ خوش قسمتی سے بابا گھر پر تھے اور فون انہوں نے ہی اٹھایا تھا۔ اس کی آواز سن کر خوش غیظ سے بابا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

”تم نے جو کچھ کیا..... اس کے بعد یہاں فون کرنے کی جرات کا مطلب جانتے ہو۔“ انہوں نے ایک ایک لفظ

کو چبا کر ادا کیا۔
 ”میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ یہ فضول کے ہتھکنڈے استعمال کرنا چھوڑ دیں۔ ایرج میری بیوی ہے اور میں اسے طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔“ دوسری طرف سے انتہائی سروانداز کے جواب پر بابا کا صبر جواب دے گیا۔
 ”ایرج کا نام دوبارہ اپنی گندی زبان پر مت لانا..... منصور علی بوڑھا ضرور ہے مگر بے غیرت نہیں۔ تم جیسے بزدل بہت دیکھے ہیں عورت پر ظلم کر کے مردانگی دکھانے والے کمینے..... تم سے جو بن پڑے کر گزرو..... اور اپنی بچی کو بچانے کے لیے مجھ سے چوہو سکے گا میں کروں گا..... اور دوبارہ یہاں فون کرنے کی جرات نہ کرنا..... یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔“ بابا نے ریسور کریڈل پر شیخ دیا..... قریب صوفے پر بیٹھی ایرج کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ خوف جیسے ریڑھ کی ہڈی میں سنسنا گیا۔ بابا نے اس کی طرف دیکھا تو گھبرا کر جلدی سے آگے بڑھے۔
 ”ایرج..... ایرج بیٹا..... تم ٹھیک ہونا۔“ بابا نے اس کے کندھے کو چھوتے ہوئے پوچھا۔
 ”بابا..... وہ..... وہ مجھے نہیں چھوڑے گا بابا..... وہ بہت ضدی ہے۔“

”ایرج بیٹا..... مت ڈرو تم نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔ جو یوں خوف زدہ ہو۔ جو کچھ کیا اسی نے کیا ہے زیادتیاں اسی کی طرف سے ہوئی ہیں میرا بچہ تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں..... اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ شامل حال ہوگی۔ اس کے تو بڑے بھی گھٹنے ٹیکیں گے میری بیٹی دیکھنا جیت حق کی ہوگی۔“ بابا اس کے سر کو دھیرے دھیرے تھپک رہے تھے۔ ان کے لہجے کی نرمی اور محبت کسی مرہم کی طرح اس کے زخمی ذہن کو سکون دے رہی تھی۔ اس نے بابا کے کندھے سے سر لگا دیا۔

”بابا..... کہتے ہیں انسان خود اپنے نوے فیصد پریشانیوں کا موجب ہوتا ہے۔ انسان اپنی مشکلات میں خود اضافہ کرتا ہے۔ لیکن بابا میں نے تو ہر ممکن سمجھوتے کی کوشش کی پھر شاہزل ہر آنے والے دن پہلے سے زیادہ برا کیوں ہوتا چلا گیا۔ اس نے جس طرح چاہا میں اسی طرح رہی اس نے جو کھلایا میں نے خاموشی سے کھایا تین ماہ میں ایک بار بھی وہ نہ مجھے کہیں لے کر گیا نہ ہی میری ضرورت کی کوئی چیز مجھے لاکر دی میں نے اس سے مانگا بھی نہیں کہ مجھے کچھ

چاہیے۔ پھر بھی اس کا رویہ میرے ساتھ برے سے برا ہوتا چلا گیا۔“ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی معصومیت اور درد کا امتزاج ہلکورے لے رہا تھا۔
 ”میں جانتا ہوں بابا کی جان کہ میری شہزادی بہت صبر اور حوصلے والی ہے۔ تم نے ہر ممکن نبھانے کی کوشش کی ہوگی۔ مگر شاید قسمت میں یہ امتحان لکھا ہوگا ناں..... یہ تو جانتی ہوں میری بچی کہ رب تعالیٰ آزمائشوں میں صرف اپنے پیاروں کو ہی مبتلا کیا کرتا ہے..... اور پھر صبر کا بے حد اجر بھی عطا کرتا ہے۔ یوں ہی سمجھو کہ یہ امتحان اللہ تعالیٰ کی منظوری ہے کہ اس نے تمہیں صابر لوگوں کے گروہ میں شامل کرنے کو چنا اور میں امید کرتا ہوں کہ تم اس امتحان اس آزمائش پر کمری اتری ہوگی۔“ بابا اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولے تو جیسے اس کے دل کو بھی صبر آیا۔ آنکھوں کے غم کو شوں کو آٹھل سے صاف کر بی مسکرانے کی کوشش کرتی وہ بابا کو قابل فخر بیٹی لگی تھی۔
 ”کیا میں یہ امید کر سکتا ہوں کہ میری بیٹی اب کبھی روئے گی نہیں۔ جو کچھ بھی ہوا اسے ایک بھیا نک خواب سمجھ کر بھلا کر جینے کی بھرپور کوشش کرے گی۔“

”ان شاء اللہ.....“
 ”کیا باتیں ہو رہی ہیں باپ بیٹی میں چپکے چپکے امی نے انہیں لاؤنج میں محو گفتگو پایا تو ادھر ہی چلی آئیں۔“
 ”کیوں بھی آپ کو کیوں بتا میں..... یہ ہم باپ بیٹی کی بات ہے۔“

”وس از قاول منصور صاحب.....“ امی نے مصنوعی ناراضگی سے گھورا۔

”اوہو ایرج بیٹا..... دیکھ لو تمہاری امی جیلس ہو گئیں۔“
 ”چچ..... سارا دن گھر پر آپ ہی تو ہوتی ہیں جنابہ عالیہ..... چار لمحے ہم نے اپنی بیٹی سے کیا بات کی آپ جیلس ہو گئیں۔“ بابا شرارت سے مسکراتے ہوئے بولے۔
 ”ارے نہیں نہیں بھئی ہم جیلس نہیں ہوتے..... خوب باتیں کریں..... ہاں مجھے یہ بتادیں چائے کس نے پینی ہے تاکہ میں بنا لوں۔“

”امی..... آپ بیٹھے چائے میں بناتی ہوں۔“ ایرج نے فوراً کہا اور ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ امی نے بابا کی طرف دیکھا تو انہوں نے انہیں کچھ بھی کہنے سے منع کرنے کا اشارہ کیا۔ امی مطمئن ہو کر بیٹھ گئیں۔ ایرج کچن کی طرف چلی آئی۔ امی بابا

بہت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اسے زندگی کی طرف لانے کے لیے یہ بہت ضروری تھا کہ اسے مصروف رکھا جائے اور وہ دیکھ رہے تھے ہستہ ہستہ اس کی خود اعتمادی بحال ہو رہی تھی۔ وہ جو ہلکے سے کھٹکے پر بھی چونک جاتی تھی دروازے کی ہر دستک اور فون کی ہر بیل پر دہشت سے جس کی محسوس آنکھیں پھٹ پڑتی تھیں آہستہ آہستہ نارل ہونے لگی تھی۔ زندگی کی بھرپور رعنائیاں نہ سہی مگر زندگی محسوس ہونے لگ گئی تھی اس میں..... مگر گھر سے باہر نکلتے ہوئے اب بھی اس کے پاؤں لرزتے تھے..... اسے محسوس ہوتا تھا جیسے ہی قدم باہر نکالے گی کسی موڑ کسی راستے پر شاہزل منتظر کھڑا ہوگا اسے اذیت کے جہنم میں دھکیلنے کے لیے۔

.....

بابا شاہزل کی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوئے تھے۔ وہ بہت اچھی طرح جانتے تھے شاہزل جیسے اخلاق سے گرے لوگ اعدہ سے بہت بزدل ہوتے ہیں۔ وقفے وقفے سے طلاق کے تین نوٹس مل جانے کے بعد وہ عدالت میں پیش ہوا تھا اور روایتی اوجھے، تھکنڈوں پر اتر آیا تھا۔ ایرج کے شخصی خا کے کے جس حد تک برنجے اڑا سکتا تھا اس نے اڑائے اس کے کردار پر جتنا کچڑا چھال سکتا تھا اس نے اچھالا اور جب بابا کے ہار کئے گئے قابل وکیل کے سامنے اس کی کوئی دلیل نہ چلی تو اس نے اس شرط پر خلع دینے کا عندیہ دیا کہ وہ ایرج کو ویا جانے والا جیمز بورڈیورات کچھ بھی نہیں دے گا۔

بابا بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ سب کچھ پہلے ہی ہڑپ کر چکا ہے اور چیزوں سے زیورات سے کہیں زیادہ اہم ان کی بیٹی کی زندگی تھی۔ ان سے کوئی سب کچھ لے لیتا اور بدلے میں ایرج کا سکھ اور خوشی دے دیتا تو یقیناً انہیں فیصلہ کرنے میں ایک ہل بھی نہ لگتا اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا انہوں نے شاہزل کی یہ شرط مان کر اپنی بیٹی کے آزاوی کے پروانے پر دستخط کر دیا لیے تھے اس دن گھر آ کر ہالوٹ سے گئے تھے پورا ایک سال یہ کیس عدالت میں چلتا رہا تھا اور اس سارے عرصے میں کسی مقام پر بھی انہوں نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ لیکن آج جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے تو گھر آ کر بہت روئے تھے ایک خیال بار بار انہیں اذیت دیے جا رہا تھا۔

کتنے بد قسمت باب تھے وہ لوگ اپنی بیٹیوں کی آبادی ان کے سکھ کے لیے اس طرح سمجھتے ہیں..... اور انہیں اپنی بیٹی کو

ایک شتی القلب سے بچانے کے لیے تھکنا پڑا اس ساری تھکاوٹ کے بعد ان کی بیٹی کے حصے میں کیا آیا..... شوہر کا نام تک نہ رہا اس کے پاس..... وہ آباد نہیں رہی گی..... جتنے پیار لاڈ اہمانوں اور دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کیا تھا وہ سب ہی جانے کہاں کھو گئے تھے۔ وہ دعائیں وہ سب اہمان ملیا میٹ ہو گئے تھے۔ ہاں بس ایک اطمینان تھا کہ بے شک وہ اپنی بیٹی کے لیے خوشیاں نہ خرید پائے مگر کم از کم اسے لذتوں اور مصائب سے ضرور بچا لیا تھا..... رب تعالیٰ نے اس معاملے میں ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ وہ تو اپنے گھر میں مطمئن بیٹھے تھے کہ ان کی بیٹی کو چاؤ سے بیاہ کر لے جانے والا اس کے نازاٹھا رہا ہوگا..... خدا نے بروقت مدد کی اور ایرج وہاں سے بچر وعافیت ان کے پاس پہنچ گئی تھی اور ان پر تب واضح ہوا تھا کہ ایرج نے ان سے دور یہ تمام عرصہ شوہر سے ناز برداری کرا کے نہیں ایک عتوت خانے میں رات سے دن دن سے رات کرتے گزرا تھا۔ ایک ایک ہل اپنا آپ مٹایا تھا۔ اور بدلے میں طعنے تشیع اور تشدد سہا تھا۔ یہ بھی کرم خداوندی تھا کہ فرقان صاحب اور شاہین جیسے نیک لوگ اس کے ہمسایہ میں تھے جنہوں نے بنا کسی غرض یا لالچ کے اس کا ساتھ دیا تھا۔ ورنہ تو وہ کبھی جان ہی نہ پاتے کہ ایرج کہاں اور کس حال میں ہے۔ وہ جتنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے کم تھا..... مگر پھر بھی دل کے کسی گوشے میں بہت درد تھا اس کی بے آبادی کا درد تھا اپنی ذہین تعلیم یافتہ قابل فخر بیٹی کی بے قدری کا..... اور یہ درد رات کی تنہائیوں میں امی اور بابا دونوں کو ہی بے تاب کر دیتا تھا۔ ان کی شفیق آنکھوں کو پر سنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

.....

نیرج کو کچھ لوگ دیکھنے کے لیے آ رہے تھے۔ ہزار دوسوئے امی بابا کے دل کو دھلائے جا رہے تھے۔

”منصور صاحب! میرا دل اعدہ سے لرز رہا ہے۔ یہ بیٹیاں بھی کیسا امتحان ہوتی ہیں۔ کلیجے کا خون پلا کر انہیں بڑا کریں اور پھر کسی اجنبی کے حوالے کر دیں۔ آگے ان کی قسمت کہ جس کے ساتھ ان کا مقدر جڑا ہے جس ہے یا احساس کرنے والا ہے قدر ہے یا قدر کرنے والا۔“

”کوہونیک بخت یہ فرض ہے اور ضروری نہیں کہ ہر ایک کا نصیب ایک جیسا ہو آنے دو آنے والوں کو..... اچھی طرح دیکھیں بھائیں گے تبھی ہاں کریں گے۔ ان شاء اللہ آپ خود کو

بے جا بلکان نہ کریں۔ مجھے اللہ کی پاک ذات پر بے حد یقین ہے وہی کرم کرنے والا ہے۔ بابا نے ای کو تو تسلی دے دی تھی لیکن اندر ہی اندر خود بھی خاصے خائف تھے۔ ابھی بہت عرصہ تو نہیں گزرا تھا ایرج والے واقعے کو۔ وہ کس طرح سب کچھ فراموش کر دیتے۔ شام کو مہمان آگئے۔ دیکھنے میں خاصے سلجھے ہوئے اور تعلیم یافتہ دکھائی دے رہے تھے مگر وہ پہلے بھی ایک بار دھوکا کھا چکے تھے۔ شاہزل اور اس کے والدین بھی کچھ کم دکھائی نہ دیتے تھے مگر حقیقت میں کیا تھے.....؟ کتنا بڑا گھاؤ لگا گئے تھے وہ ان کے کلیجے پر..... یہ زخم بھرتے بھرتے تو شاید عمر ہی گزر جاتی۔ آنے والوں کی اچھی طرح خاطر مدارات کے بعد ان سے کچھ مہلت مانگی گئی تھی۔ رضا (نیرج کا متوقع شریک زندگی) ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی پوسٹ پر کام کر رہا تھا۔ اسی کمپنی کی طرف سے اسے بنگلہ اور گاڑی بھی میسر تھی۔ بڑے دو بھائیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں اور وہ دونوں بھی فیملی سمیت ملک سے باہر سٹل تھے۔ ایک چھوٹی بہن بھی جو ایم اے پر پولیس کی اسٹوڈنٹ تھی۔ خاصی نٹ کھٹ کیوٹ سی اس نے یونیورسٹی میں نیرج کو دیکھا تھا وہ اس سے ایک سال سنیر تھی۔ اور آج یہاں پہنچ ہی گئی تھی۔ بابا خود کمپنی جا کر انکو آڑی کر کے آئے تھے۔ رضا کے بارے میں ملنے والی تمام معلومات ٹھیک ثابت ہونے پر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور ہاں کہہ دی۔



”آپی..... آپی آپ انی سے کہیں ناں میں نے شادی نہیں کرنی، پلیز۔“ نیرج اس کا ہاتھ تھامے بچی انداز میں کہہ رہی تھی۔ ایرج بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے ساتھ ہونے والے سانحے نے اس کے خاندان کو خائف کر دیا ہے۔ اس نے بہت پیار سے اپنی بہن کے چہرے کو ہاتھوں کے پالے میں بھرا۔

”کیوں امدیشے پالتی ہو نیری سب کے لیے سب کچھ ہمیشہ ایک ساتھ نہیں ہوا کرتا۔ جو ہوا وہ ایسے ہی ہونا لکھا تھا۔ اپنی زندگی کو کسی اور کے معاملات سے خائف ہو کر محروم کر دینا انصاف تو نہیں، تم انکار کر کے ای بابا کی پریشانی مت بڑھاؤ اور نہ ہی خود دل میں کوئی دوسرہ رکھو۔ رب پاک سب کچھ اچھا کرنے والا ہے۔“ ایرج کی دی ہوئی تسلی نے نیرج کو خاموش کر دیا اس کے بعد اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ رضا کے گھر

والوں کا اصرار تھا کہ منگی کی بجائے نکاح کیا جائے اور چھ ماہ بعد عید الاُنی پر رخصتی کی تاریخ مقرر کی جائے۔ ای بابا نے بتا دیا کسی رد و قدح کے ان کی بات مان لی اور ایک ہفتے کے اندر نیرج منصور سے نیرج رضا بن گئی بعد کے آنے والے لہذوں میں رضا اور اس کے خاندان کے اچھے رویے نے رہے سہے خدشات بھی معدوم کر دیئے۔ ای بابا اللہ کا شکر ادا کرتے نہ ٹھکتے۔ گھر میں ہنسی اور رونگی ہوئی خوشیوں نے پھر سے ڈیرے ڈال لیے۔ ایرج نے بھی اپنے آپ کو کمپوز کر لیا تھا۔ ہر گزرتے دن نے اسے نئی جہت اور ہمت عطا کی تھی۔ گھاؤ جتنا بھی گہرا کیوں نا ہو بھر ہی جاتا ہے مگر زخم کا نشان جاتے جاتے بہت وقت لے لیتا ہے۔ وقت نے اس کے زخم کو بھی مند مل کر دیا تھا مگر کبھی کبھی ایک ٹیس سی اسے بے حال کر دیتی تھی۔ چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ اپنے بوڑھے ماں باپ کی سہلی اور نیرج کی شادی کی تیاری میں ان کی دست دہست بنتی ہوئی تھی۔

انہی دنوں اس نے بابا کو اپنی جاب کے لیے راضی کر لیا تھا۔ وہ ہائی کوالیفائیڈ تھی۔ اپنی تعلیم کو اپنے مصرف میں لانا چاہتی تھی اور بابا بھی بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کا مصروف ہو جانا ہی اس کی پریشانیوں سے بچانے کا واحد حل ہے۔ اور گرد کے ماحول کی تبدیلی کا انسانی ذہن اور سوچوں پر بہت اثر ہوتا ہے اور جو کچھ ہو چکا تھا اس کے بعد بابا اس کی کسی بھی خواہش کو ٹالنے یا رد کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتے تھے۔ اب بھی انہوں نے اس کی آرزو کو ہی مقدم جانا تھا اور خوش ولی سے اجازت دے دی تھی۔ اپنی کیونٹی کے ایک مستحکم اور بڑے اسکول کے لیے اس نے پرنسپل شپ کے لیے اپلائی کیا اور خوش قسمتی سے انٹرویو کے بعد اس کی سلیکشن بھی ہو گئی۔ ایک طویل عرصے بعد سب نے اسے خوش ولی سے مسکراتے دیکھا تھا۔

بہت عرصے بعد اس کی آنکھوں نے اس کے ہونٹوں کا ساتھ دیا تھا۔ بابا نے اس کی اس کامیابی کو تسلیم کر کے لیے سب کو فائینا شاہر ہونٹ میں شاندار ساؤنڈز کر لیا۔ دو تین دن کے اندر ہی اس نے اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیا۔ چلنا ہوا اسکول تھا بچوں کی خاصی تعداد تھی۔ جدید ترین سہولیات سے مزین اس ادارے میں ایک اتھارٹی کی حیثیت نے اس کے اندر کی ازلی خود اعتمادی کو دوبارہ سے جگا دیا تھا۔ کوئی کمی بھی تو نہیں تھی اس میں۔ اخلاق و کردار، صورت، تعلیم، تربیت، خاندان

ہر حوالے سے بے مثال تھی وہ۔ اپنے مقدر سے سمجھوتا کر لینے کے بعد اسے جینے کا گریہ بھی آ گیا تھا۔

.....

”ای..... ای۔“ اس کے حلق سے دل دہلا دینے والے انداز میں پکار نکلی تھی۔ ای تڑپ کر اس کی طرف بھاگی آئیں۔ وہ لاؤنج میں فون اسٹنڈ کے قریب کھڑی تھی۔ جھر جھر بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اس نے ریسپور کرپڈل پر دھرا تھا۔

”کیا ہوا..... کیا ہوا ایرج؟“ کسی انہونی کے احساس نے ناں کے کلیجے کو دہلا دیا تھا۔

”ای..... ای رضا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے..... وہ آئی سی یو میں ہے.....“ مشکل سے اس کے لبوں سے نکلا اور ای تو دل پر ہاتھ رکھو ہیں فرش پر بیٹھتی چلی گئیں۔

”یا اللہ..... یہ کیا ہو گیا، پاک پروردگار..... معاف کرو..... بخش دے ہماری تقصیروں کو میرے مالک..... اب اور کوئی آزمائش نہیں، ہم گناہ گاروں میں اور کسی امتحان کو سہنے کی سکت نہیں اے رب کریم۔“ ای کے ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست تھے اور آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔ نیرج گھر پہنچ گئی تھی۔ لائبریری تک گئی تھی اور بابا مارکیٹ گئے ہوئے تھے۔ ای ایرج کو ساتھ لیے ہسپتال تک آئیں یوں جیسے کوئی پل صراط تھا جس پر چل کر آئی ہوں۔ آبلہ پانی کا سفر تو جیسے ختم ہونے میں ہی بنا رہا تھا۔ دل بے طرح خدشات کی زد میں تھا۔ رضا کی ساری فیملی ہسپتال میں موجود تھی۔ کچھ دیر بعد بابا بھی نیرج کو ہمراہ لیے افتاں و خیزاں آ گئے تھے۔ حادثہ بہت بھیانک تھا۔ رضا کی کار کا سامنے کا سارا حصہ بالکل تباہ ہو گیا تھا۔ دنڈ اسکرین کے ٹوٹے ہوئے چھوٹے بڑے شیشوں نے اسے بری طرح زخمی کر دیا تھا۔ ٹانگیں اسٹیرنگ وہیل کے نیچے دب جانے کی وجہ سے کئی جگہ سے فریکچر ہوئی تھیں۔ اسے وینٹی لیٹر پر رکھا گیا تھا ایک طویل آپریشن کیا جا رہا تھا۔ خون کے بہت زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے ہرگز رتا پل اسے زندگی سے دور کیے دے رہا تھا۔ فجر کی اذان کے بعد جب شاہ خاور کی شعاعوں نے دھرتی پر نئی صبح کا آغاز کیا تو ساتھ ہی رضا کی زندگی کا چرخہ بجھ گیا۔

رات بھر موت اور زندگی کے درمیان کشمکش میں موت بازی لے گئی۔ ایک بار پھر منصور علی اور ان کی اولاد کے حصے میں اندھیرے درد اور امتحان آیا تھا۔ ہسپتال سے گھر تک کا فاصلہ

حشر کے دن کی طرح طویل اور صبر آزما ہو گیا تھا۔ نیرج جسے ابھی چند ہی دن ہوئے تھے اپنی پلکوں پر خوابوں کو ٹانگتے، ان خوابوں کو ہم جولی بنا کر ان کے ساتھ ہستے کھلکھلاتے..... کتنی بے رحمی اسے موت نے اس کی آنکھوں کے ان خوابوں کو نوج لیا تھا۔ اس موت کا بھی کوئی مذہب نہیں، بے درد ہے ظالم ہے حق غضب کرنے والی سب کچھ پھین کر اپنے دامن میں بھرنے والی اور کیسا پیٹ ہے اس کا جو بھرتا بھی نہیں دینا تو اسے بھی آیا ہی نہیں بس لینا جانتی ہے، نوچنا اور کھسونا جانتی ہے، نیرج کی پلکیں خشک تھیں کسی صحرا کی طرح اور دل..... دل کا عالم تو دل والا ہی جان سکتا ہے۔ جس تن لاگے سوتن جانے، اذیت کا ایک بہت بڑا سیلابی ریلہ تھا جو ان سب کو اپنے بہاد میں جانے کہاں لیے جا رہا تھا۔ لگتا تھا کہیں جہنم کا در کھلا تھا۔ آگ کی لپٹیں سی آرہی تھیں اور انہی لپٹوں میں ان دلوں بہنوں کے نصیب چل گئے تھے۔

.....

گھر پر ایک یاسیت اور خاموشی کا دور دورہ تھا۔ بابا اس شدید صدمے سے بیمار ہو گئے تھے۔ امی چپ چاپ گھر کے گنے چنے کام نمٹا کر مصلّا سنبھال کر بیٹھ جاتی، ان کے اوراد و وظائف طویل سے طویل تر ہوتے جا رہے تھے نیرج کے ایگزٹام قریب تھے وہ کتابیں لیے پڑھتے کمرے میں کھسی رہتی، ایک بار بھی وہ کھل کر نہیں روتی تھی مگر بابا کی بولتی مینا کی آواز اب شاذ ہی سنائی دیتی تھی۔ زندگی چلتی کا نام گاڑی کے مصداق چل رہی تھی۔ ایرج نے بہت احسن طریقے سے اسکول کا نظم و نسق سنبھال لیا تھا۔ ایک وہی تھی جس نے اس امتحان میں ای بابا اور نیرج کو سنبھالا ہوا تھا۔ بہت صابر تھی وہ..... اور بہت سنجھاؤ آ گیا تھا اس کی طبیعت میں وقت کے ساتھ ساتھ۔

کچھ وقت مزید سر کرنے بعد پھر سے جینے کی امنگ دلوں میں ابھری۔ ای بابا اب دلوں بیٹیوں کے لیے جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کے دکھان کی تنہائیوں کا علاج یہی تھا کہ ان کے گھر بسا دیئے جاتے۔ امی نے محلے کی رقیبا نئی سے بھی کہلوادیا کہ اچھے لڑکے ہوں شریف ہوں حلال کمانے والے۔ بس بہت زیادہ ڈیما نڈ نہیں رکھی گئی تھی۔ کوئی جرم کوئی غلطی نہ کرنے کے باوجود ان کی ایک بیٹی طلاق یافتہ اور ایک رخصتی سے پہلے بیوہ ہو گئی تھی۔ لسی لڑکیوں کے لیے اچھے رشتے ملنا آج کے دور میں کہاں آسمان رہا ہے۔ لوگ پہلے سے

داغ لڑکی کو ڈھونڈتے ہیں۔ اچھا خاندان اور خوب سارے جہیز کی آس لگا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ ایسے میں ان کی بچیوں کے لیے اچھے رشتوں کا ملنا مشکل کیا ناممکن ہی تھا۔ رقیہ نئی توای کو خاصا دہلا کر گئی تھیں بقول ان کے۔

”ارے بہن میں تو خدا لگتی کہوں گی تمہاری بیٹیاں خوب صورت تعلیم یافتہ ہیں ہر خوبی ہے مگر یہ جو داغ لگائے بیٹھی ہیں یہ داغ ساری خوبیوں پر بھاری ہے تم ہی جانو آج کل لوگوں کے دماغ کتنے اونچے ہو گئے ہیں۔ اب کوئی کنوارا تو ملنے سے رہا۔ ہاں البتہ رنڈوے یا دوسری شادی والوں کا رشتہ مل سکتا ہے۔“ اس طرح کی باتوں نے امی کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آسمان سے دو پیارے پیارے شہزادے بلوا کر اپنی بچیوں کے گھر بسا دیتیں۔ منصور علی بھی ایک پل صراط پر کھڑے تھے۔ اکلوتی بہن کا بڑا بیٹا نیرج کا ہم عمر تھا۔ دل میں گئی بارگمان گزرا۔ بہن سے کیا ہچکچاتا باہر دایلوں کو دیکھ لیا، کم سے کم ایک بیٹی تو خاندان میں بیاہ دوں کچھ تسلی تو رہے گی..... کسی طرف سے تو ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آئے گا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان سے بات کرتے پھپھو مٹھائی کا ڈبہ ہاتھ میں لیے گھر چلی آئی تھیں۔

”سوری بھائی جان..... بس شہریار کے ابو نے اتنی عجلت میں یہ رشتہ طے کیا کہ آپ کو خبر نہ کر سکی۔ ان کے دوست کی بیٹی ہے عزیزہ۔“ پھپھو اپنی دھن میں کہے جا رہی تھیں اور بابا کے ذہن میں جیسے جھکڑ چلنے لگے۔ شاید ان پر ایسا وقت آ گیا تھا جب سایا بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اندھیرے بہت بڑھ گئے تھے ان کے کہ آنکھوں کو کوئی بھی منظر واضح دکھائی دینا بند ہو گیا تھا۔ لگتا تھا دنیا میں ان کے حصے کی خوشیاں بس اتنی سی ہی تھیں۔



ایرج کے اسٹاف میں خاصی طرح وار اور ماڈرن لڑکیاں تھیں۔ رانیہ بھی اپر کلاس سے تعلق رکھتی تھی۔ جو محض شواف اور اپنے شوق کی تکمیل کے لیے ٹیچنگ کر رہی تھی۔ خوب صورت خوش مزاج تھی دوستی کا ٹھنڈے کافن بھی جانتی تھی بہت جلد اس نے اپنی باتوں سے ایرج کے دل میں جگہ بنالی تھی۔ ان میں ایک باس اور ماتحت کے رشتے کے ساتھ ساتھ کچھ کچھ دوستی کا رشتہ بھی پہنچتا جا رہا تھا۔ وہ اکثر اپنے فری پرڈ میں ایرج کے پاس آفس میں آ جاتی اس سے گپ شپ کے دوران اس کے فیشنل کام میں اس کی ہیلپ بھی کر دیتی۔ وہ اکاؤنٹس کا کام

بہت اچھی طرح سمجھتی تھی اس لیے اکثر سیلری اسٹیٹ منٹس منتقلی رپورٹس بنانے جیسے کام نمٹا دیتی۔ باتوں باتوں میں ایسے ایسے چٹکے چھوڑتی اور ماحول زعفران زار کر دیتی۔ آہستہ آہستہ ایرج اس پر بھروسہ کرنے لگی۔ رانیہ اکثر اپنے فنانسی کے قصے بھی سنایا کرتی اور ایرج کو بھی ہلکا ہلکا کریدنی رہتی اور پھر ایک دن اس نے ایرج سے تمام معاملہ اگلو الیا۔

”کتنا برا کیا اس شخص نے..... تم تو اتنی پیاری ہو کہ کوئی بھی تمہیں پا کر خود اپنے نصیب پر فخر کرے..... بے قدرا تھا قدر ہی نہ کر سکا میری اتنی پیاری سی دوست کی۔“

”اب تو خاصا وقت گزر گیا..... بہت دکھ ہوتا تھا پہلے..... مگر اب سب ٹھیک ہے۔ وقت وقت کی بات ہے رانیہ..... جو ہوا میرے اللہ کو یہی منظور تھا۔ اور وہ جس حال میں رکھے اسی میں خوش رہنا چاہیے۔“

”اب آگے کیا سوچا ہے۔“ رانیہ اس کے سامنے بیٹھی بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”کچھ نہیں۔“

”کیا مطلب کچھ نہیں..... زندگی گزارنے کے لیے کچھ تو سوچا ہو گا نا۔“ رانیہ نے الجھن آمیز انداز میں پوچھا۔

”جو کچھ ہوا..... نہ میں نے ایسا سوچا تھا نہ چاہا تھا مگر پھر بھی ہو گیا ناں..... ہمارا نصیب ہماری سوچ کے تابع تو نہیں ہے ہم اپنے نصیب کے غلام ہیں کٹھ پتلیوں کی طرح تاج تو سکتے ہیں مگر ہماری ڈوریں تو کسی اور کے ہاتھ میں ہیں ناں سو اس پہ سوچنا محض وقت کا ضیاع ہے۔“

”میرا خیال تھا ایرج تم بہت سلجھاؤ رکھتی ہو معاملات کی نزاکت کو سمجھتی ہو ایک سچ تجربے کی نذر اپنی پوری زندگی کر دینا کہاں کا انصاف ہے بتاؤ..... یہ تو ایسا ہی ہے جیسے شاہنزل سے جان بچا کر نکل آنے کے باوجود تم اسی کی قید میں اسی کے عقوبت خانے میں جی رہی ہو۔ خدا کے لیے ایرج زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اسے اتنا نہ ڈر اور خوف کی نذر مت کرو میں مانتی ہوں اذیت کا ایک طویل دور گزارا ہے تم نے..... لیکن وہ گزر چکا ہے اس وقت کوری کال مت کرو..... جو شاہنزل نے کیا بہت غلط تھا مگر جیسے ہی وہ گیا اس کی یادوں کو بھی اسی کے ساتھ روانہ کر دو ایرج..... نئے سرے سے زندگی کی شروعات کرو..... چلو..... دوسروں کے کیے کی سزا خود کو مت دو پلیز۔“ رانیہ کا لہجہ دکھ سے بھر گیا۔

”تو مجھے کیا کرنا چاہیے مہارانی صاحبہ“ ایرج نے مسکرا کر اپنی جذباتی دوست کو دیکھا۔
 ”کسی بھی پیارے سے اچھے سے انسان کا ہاتھ تھام لو۔ جو تمہیں اذیتوں سے دور لے جائے ایک بار پھر سے تمہارے اندر زندگی کی حرارت پیدا کرے تمہیں ہر وہ سکھ دے جو تم ڈیزرو کرتی ہو۔“ رانیہ نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تو ایرج مسکرا دی۔

”اور وہ پیارا سا اچھا سا انسان ملے گا کہاں.....؟ جس میں اتنی ساری خوبیاں یکجا ہوں۔ میرا خیال تو یہی ہے کہ ایسے اچھے انسانوں کی مقدار خاصی کم ہوتی جا رہی ہے۔“ آخر میں اس کا لہجہ شرارتی ہو گیا۔
 ”ملے گا..... کہیں نہ کہیں سے ایک دم ایک دم اچانک سے تمہارے سامنے آ کھڑا ہوگا۔ دیکھنا تب تم خود بھی اس سے اپنا واس نہ چھڑا سکو گی۔“

”ادکے..... اوکے میرا خیال ہے خاصا وقت ہو گیا ادھر ادھر کی باتوں میں۔ کام یہ دھیان دیا جائے۔“ ایرج کے اس طرح موضوع سمیٹنے پر رانی کو بہت کوفت ہوئی۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ گاہے بگاہے اسے احساس دلانی رہتی تھی کہ ایک تنہا عورت کی زندگی عزت کی زندگی نہیں ہوتی لوگوں کے لیے وہ ایک دلچسپ بھڑکیلا اور خاصا گرم گرم موضوع ہوتی ہے بہت آسانی سے اس پہ انگلی اٹھائی جاسکتی ہے۔ کچھڑا اچھا لالہ جاسکتا ہے اور اس کا جینا حرام کیا جاسکتا ہے۔ ایرج بھی دھیان کبھی بدھیانی میں اس سے باتیں کیے جاتی اب وہ اس کو کیا بتاتی کہ دل کا ایک خانہ اس خوب صورت تعلق کے لیے ہوتا ہے اور وہ خانہ ایک ہی بار آباد ہوتا ہے آباد ہو کر اجڑ جائے تو پھر اس کا بسا ممکن نہیں ہوتا پھر صرف سمجھوتے ہوا کرتے ہیں اور سمجھوتے کر کے جینے سے لاکھ درجے بہتر ہے کہ تنہا ہی زندگی گزار لی جائے۔

لیکن رانیہ مایوس نہیں تھی۔ اس نے ہالا ہی ہالا امی بابا سے بات کی ان کا عندیہ معلوم کیا ان کا کہنا تھا کہ پہلے بھی ان کا فیصلہ ایرج کے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوا تھا اب کی بار وہ اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالیں گے اس بار فیصلے کا سارا اختیار وہ ایرج کو سونپ چکے ہیں۔

رانیہ کی ہمت کی داد دینی پڑی کہ وہ اکیلی ہی دو دو محاذوں پر لڑتی رہی امی بابا دل سے چاہتے تھے ایرج کو ایک بار پھر شادی

کے بندھن میں باندھنے کو..... اس کا آباد گھر دیکھنے کی آرزو ان کے دل میں بھی چل رہی تھی..... مگر ایرج کے لیے یہ سب کچھ محض دو سال کے مختصر عرصے کے بعد پھر سے آنا کچھ قابل قبول نہیں تھا..... رانیہ کا بھائی پچھلے پانچ سال سے ملک سے باہر تھا خاصی ماڈرن فلیٹ تھی کھاتے پیتے لوگ تھے لڑکے کی تصویر اور ٹیلی کو دیکھنے کے بعد سب ہی نے ایرج کو منانے کی کوشش شروع کر دی۔

”آپی..... آپ مجھے سمجھا رہی تھیں ناں کہ کسی ایک سال سے ڈر کر ہم پوری زندگی یونہی نہیں گزار سکتے..... تمام لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے اور نہ ہی سب کو ایک نظر سے دیکھ سکتے ہیں تو آپ بھی زندگی پر بھروسہ کیجیے یقینی طور پر امی بابا آپ کے لیے بہت اچھا سوچیں گے۔ ہم بھی تو رانیہ کو جانتی ہیں وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور آپ بھی اسے اور اس کی فیملی کو جانتی ہیں۔ میرا خیال ہے آپ اس بارے میں ضرور سوچیں۔“ نیرج اس کا ہاتھ تھپک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے چلی گئی۔

ایرج کی بر سوچ نگاہوں نے اس کا تعاقب کیا۔ وہ ایک حقیقت پسند لڑکی تھی بہت اچھی طرح تمام معاملات کو سمجھنے والی بابا کی بیماری ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کی بڑھتی عمر امی کی بے چینی اور بے قراری ان کے طویل سجدے سب ہی کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ ان کی سچی اور پر امید نظریں اس سے مخفی نہیں تھیں۔

”میرے پیارے بابا میری پیاری امی میں سب جانتی ہوں آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں ہر ماں باپ کی طرح آپ بھی اپنی بیٹیوں کے مستقبل کے بارے میں پریشان ہیں بے چین ہیں میرے بس میں یہ تو نہیں کہ آپ کی تمام پریشانیاں خود میں جذب کر لوں آپ کے دل کا ہر درد سمیٹ لوں مگر یہ تو میرے بس میں ہے ناں کہ آپ کی آرزو کو رو نہ کروں..... سو میں ایسا ہی کروں گی بابا امی۔“

فیصلہ ہو گیا تھا اس نے نیرج کو گاہ کر دیا کہ امی بابا جہاں چاہیں اس کی زندگی کا فیصلہ کر دیں ایک بار پھر سعادت مند بنی کی طرح اس نے والدین کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ ایک بار پھر وہ ان کا فخر بنی تھی۔ امی بابا نے کافی سوچ بچار کے بعد سکندر علی کے لیے ہاں کر دی تھی۔ اس بار ان سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں تھا۔

سکندر علی ایموڈ سے گریجویشن ڈگری ہولڈر تھا اس نے

انگلینڈ جا کر پڑھائی کے بعد نوے فی صد پاکستانیوں کی طرح وہاں کی سوسائٹی سے متاثر ہو کر وہیں رہ جانے کا فیصلہ کیا۔ اپنی کلاس فیلو جینی کے ساتھ شادی کر کے وہیں کے ماحول میں رنگ گیا۔ صرف چند ماہ ہی کی شادی شدہ زندگی نے اس پر واضح کر دیا کہ یہ زندگی صبر آزما بھی تھی اور کسی حد تک ناقابل برداشت بھی..... سو کچھ ماہ قبل وہ جینی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اس بے باک ماحول پر تین حرف بھیج کر پاکستان واپس آ گیا تھا۔ دو شکستہ لوگ..... حوادث زمانہ کے ہاتھوں مجبور اور محبت کی تلاش میں ناکام ہو جانے والی دو ہستیاں وقت شاید اس بار ان دونوں کی ہی محرمیاں ختم کرنا چاہتا تھا دونوں کے گھر ٹوٹ چکے تھے دونوں ہی اس درد سے آشنا تھے کہ جب زندگی کا سا بھی سمجھنے والا احساس کرنے والا نہ ہو تو دلوں پر کیا گزرا کرتی ہے ایرج کے دل میں اگر کچھ خدشے تھے بھی تو سکندر علی کا ماضی سامنے آنے کے بعد کم ہو گئے۔ بہت خاموشی کے ساتھ اسے سکندر علی سے منسوب کر دیا گیا اور یہ بھی خدا کا احسان ہوا کہ ادھر ایرج کی دعائے خیر ہوئی اور ادھر محلے کی ہی ایک اچھی فیملی سے نیرج کا رشتہ بھی آ گیا۔ بابا کے بہت پرانے دوست ریٹائرڈ کرنل امتیاز علی ایک طویل عرصہ کراچی میں رہنے کے بعد کچھ ماہ پہلے یہاں اپنے گھر شفٹ ہوئے تھے..... بابا بے اکثر ملتے رہتے تھے نیرج اور رضا کے نکاح میں شریک ہوئے تھے اور رضا کی موت پر کافی ملول رہے تھے۔ ہر پل بابا کی ہمت بندھانے والے کرنل صاحب نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے حیدر کے لیے نیرج کا رشتہ مانگ لیا۔ بابا کی آنکھیں خدائے واحد کی اس مہربانی پر اشک بار تھیں امی شکرانے کے سجدے کرتی نہ مھکتی تھیں۔ آخر کار بارگاہ ایزدی میں ان کی تمام دعائیں شرف قبولیت پا گئی تھیں۔ یا ہی رضا مندی سے ایک ہی دن دونوں بہنوں کے نکاح اور رخصتی کی تقریب رکھی گئی۔ باوقار سی تقریب میں بہت سادگی کے ساتھ ایرج اور نیرج اپنے بابا کی پر شفقت آغوش اور ممتا کی مہربان چھاؤں چھوڑ کر اپنی اپنی جنت کی طرف چلی تھیں۔ دل میں خدشات کا ایک جہاں آباد تھا اور آنکھیں نئی رفاقت کے خوابوں سے جگمگا رہی تھیں۔ سرخرو ہو کر امی بابا کے سینوں پہ دھرا بوجھ جیسے سرک گیا تھا۔ ان کے دل دعا گو تھے آنکھیں آنسوؤں سے لبریز اور ہونٹوں پر خاموش دعائیں تھیں رب کے حضور التجائیں تھیں۔

لمحے سرکتے گئے ان کے آنگن کی تتلیاں مہکتی مسکراتی ان کے گرد ڈلتی پھریں تو جیسے ماں باپ کے سہمے ہوئے دلوں میں بھی اطمینان جاگزیں ہو گیا۔ امتحان ختم ہو گئے..... آزمائشیں اپنے انجام کو پہنچ گئیں۔ دامن خوشیوں کے لیے زرخیر ہو گئے آنچلوں میں دھنک کے رنگ سمٹنے لگے۔ چہروں پر محبتوں کے غرور نے عجیب سا حسن بخشا امی بلائیں لیتے نہ مھکتیں بابا دل ہی دل میں سرور ہو کر ان خوشیوں کے دانگی ہونے کی دعائیں مانگتے..... ان کا تو جینا ہنسنا بولنا یہی بیٹیاں تھیں..... حیدر کی پوسٹنگ کوئٹہ ہو گئی تو نیرج بھی اس کے ساتھ ہی کوئٹہ چلی گئی۔ کرنل صاحب اور ان کی بیگم بے حد شفیق اور خلیق تھے انہوں نے کسی پل نیرج کو یہ احساس نہیں دلایا کہ وہ اس کے ساس سرہیں ہمیشہ ایک ماں باپ کی طرح اس کا خیال رکھا اور ان دونوں وہ دوجی سے بھی تو وہ اور بھی زیادہ فکرمند تھے۔ اسے تنہا بھیجنے پر لیکن حیدر نے ہر طرح ان کی تسلی کر دئی تھی کہ وہ بے حد بے حساب اس کا خیال رکھے گا ابھی بھی جب جہاز نے ٹیک آف کیا تو حیدر نے ارد گرد کا خیال کیے بنا اس کے دونوں کانوں پر ہاتھ دھر دیئے اور اسے خود سے قریب کر لیا کہ کہیں ٹیک آف کے وقت آنے والی ساؤنڈز سے نیرج گھبرانہ جائے اور نیرج گھبرا تو گئی تھی جہاز کے ٹیک آف کرنے پر نہیں بلکہ مسٹر حیدر کی بے باکی پر۔

”کیا کر رہے ہیں حیدر میں نیچی نہیں ہوں.....“ اس نے چاروں طرف دیکھا ارد گرد والوں کی شوخ اور کچھ کہتی نظروں سے وہ خاصی جربز ہو کر بولی تھی۔

”مسز..... آپ نیچی نہیں ہیں مگر جناب آپ کی گھبراہٹ کا کسی اور پر بہت برا اثر پڑتا ہے ہمارے دل سے پوچھیے۔“ وہ تھوڑا اس کی طرف مھکتے ہوئے بولا۔

”بس کر جائیں حیدر کیوں مرے ہوئے سارے عاشقوں کا آج ہی ایصال ثواب پہنچانے کے درپے ہیں۔“

”میری پیاری کیوٹ بیوی سی بیوی جالو..... بیویاں تو عاشقی کے ایسے سر عام مظاہروں پر خاصا غرور سے گردن تان کے کھڑی ہوتی ہیں اور ایک آپ ہیں۔“ وہ مصنوعی خفگی سے منہ لٹکا کر بیٹھ گیا تو نیرج کی ہنسی نکل گئی۔

”دیکھیے خدا معلوم اس ٹائپ کی بیویوں کو عاشقی کے ایسے مظاہروں پر فخر کی کون سی بات لگتی ہے بہر حال جناب ہمارا دل قدردان ہے آپ کی محبت کا اور میرا خیال ہے کہ محبت احساس

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

کا دوسرا نام ہے ہمارے اس رشتے میں اعتبار بھروسہ وفا اور احساس ہے تو اس سے زیادہ خوب صورت اور کوئی رشتہ نہیں اور اس کو شفاف کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ آپ کو میری اور مجھے آپ کی کیڑ ہے یہی سب سے خوب صورت بات ہے۔“ نیرج نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بہت نرم سے لہجے میں کہا تو حیدر مسکرا دیا۔

”مسز کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ نصیب بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں، دو لوگ جو ایک دوسرے کے لیے بنے ہوئے ہیں انہیں ایک دوسرے سے ملانے کے لیے کیسے کیسے حالات بن جاتے ہیں میں کہیں اور تم کہیں اور کس طرح خدا نے ہمیں ملا دیا۔“

”سچ کہہ رہی ہو..... یہ سب نہ ہوتا تو خدا کی بنائی قسمت پر کون یقین کرتا اور میں اس رب کا شکر گزار ہوں کہ اس نے میری تقدیر کا فیصلہ اتنا پیارا لکھا۔“ حیدر کی جگمگاتی آنکھوں میں نیرج کا عکس ہلکوارے لے رہا تھا اور نیرج کے لیے یہ دنیا کا سب سے خوب صورت منظر تھا ہر رات کی ایک صبح ہوتی ہے ہر ڈھلتی شام کے بعد سحر کا آناٹا ہوتا ہے اور ہر اندھیرے کا انجام اجالے پر ہونا قانون قدرت ہے۔ خزانیں ہمیشہ نہیں رہتیں بہاروں کے آتے ہی اپنا دامن سمیٹ لیا کرتی ہیں روتی ہوئی آنکھوں میں سکون اور خواب بھی آ بسا کرتے ہیں اور وہ بھی ہوتی ہنسی بھی مان جایا کرتی ہے درد کے کارواں دلوں پر سے اپنا بڑا ڈاٹھا لیا کرتے ہیں اور دلوں کی سرزمینوں پر سکھوں کی پرکھا بھی برسا کرتی ہے حیدر کی محبت نیرج کے صحرائے زندگی میں نخلستان کی طرح بھی کسی مہربان ابر کی طرح برس کر اس نے دل کی پیاسی دھرتی کو جل کھل کر دیا تھا اور وہ جو درد و روح کو مالا مال کر دیا تھا۔ کوئی کی سرد زمیں پر اترتے وقت اپنے اس پیارے سے جیون ساتھی کا ہاتھ تھام کر چلتی نیرج کی چال میں طمانیت اور استحقاق بھرا مان تھا۔

شروع کے دن تو دھوئوں کا ایک طویل سلسلے میں بیت گئے۔ آہستہ آہستہ زندگی روٹیں پڑتی گئی ایرج سکندر علی کے مزاج کو ٹھیک سے سمجھ بھی نہیں پائی تھی بہت عجیب سا سرد مزاج سا شخص تھا وہ۔ چھین اسموکر زیادہ تر چپ رہنے والا یا پھر بیڈروم سے ملحقہ سائیڈ روم میں بہت سا وقت تنہا گزارنے والا۔ ایرج نے چند ہفتوں میں بارہا اسے سائیڈ روم میں کئی کئی گھنٹے

گزارتے پایا تھا۔ معلوم نہیں وہ وہاں کیا کرتا تھا مگر ایرج کو کسی کی ذات کے بارے میں بہت زیادہ تجسس ہونے کی عادت نہیں تھی نہ ہی کسی کی ذاتیات میں دخل دینا پسند تھا پھر خواہ وہ زندگی کا ساتھی ہی کیوں نہ ہو رانیہ کوئی کورس کرنے انگلینڈ چلی گئی۔ تو دن مزید بوریات سے گزرنے لگے۔ اس کے سانس سرخاھے ریزہ اور اپنی دھن میں مگن قسم کے لوگ تھے سارا دن وہ بس بولانی بولانی پھرتی۔ اسے شوق کے سبب کچن میں ٹھکتی تو کئی قسم کی ڈشز پر طبع آزمائی کر ڈالتی مگر یہاں کا عجیب ہی رواج تھا نہ کسی کو بہو کے کام کا ج سے کوئی غرض تھی اور نہ ہی سراسنے کی عادت تھی۔ شام کا وقت وہ لان میں پودوں کو پانی دیتے گھاس پر ٹھپتے گزار دیتی شروع میں رانیہ نے اسے خوب کپہنی دی تھی لیکن پھر آہستہ آہستہ بھی اپنی سوسٹل ایکٹوئیز میں بڑی رہتی چلی گئی۔ ایرج کے لیے اس ماحول میں وقت گزارنا کبھی بھی مشکل ہو جایا کرتا مگر وہ پھر بھی شاکر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بے حد صبر دیا تھا اور پھر یہ تو کچھ بھی نہیں تھا کیا تھا اگر اس کی زندگی کا ساتھی اس کی طرف سے کچھ بے نیاز اور سرد مہر تھا اس کے نام کی عزت تو حاصل تھی یاں اسے معاشرے میں ایک اچھا مقام تھا سماجی حیثیت اعلیٰ تھی۔ وہیل ایجوکیٹڈ ویل ممبر ڈ تھا وہ بس اسی میں خوش تھی۔

”ایرج میں ایک ماہ کے لیے سنگاپور جا رہا ہوں..... تم اگر اپنے گھر جانا چاہو تو چلی جانا.....“ سکندر علی کی آواز پر اس کے الماری میں کپڑوں کو ترتیب دیتے ہاتھ تھم گئے اس نے پلٹ کر دیکھا وہ سائیڈ روم کے دروازے میں کھڑا تھا اور اس کی غیر معمولی سرخ ہوتی ہوئی آنکھوں کا عجیب سا تاثر ایرج کو اندر سے دہلا گیا تھا۔

”جی بہتر۔“ اس نے خاموشی سے الماری کے پٹ بند کیے پلٹی تو وہ اسی طرح خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بیڈ پر آ بیٹھی۔

”میری پیکنگ کر دینا۔“ وہ کہہ کر اندر چلا گیا تو وہ بھی کبل اوڑھ کر نیم دراز ہو گئی۔

کہیں خلا تھا جو اندر ہی اندر بڑھتا جا رہا تھا۔ خاموشیاں اگر محبت کے اسرار میں لپٹی ہوں تو بہت معنی خیز ہوتی ہیں بہت پیاری محسوس ہوتی ہیں لیکن اگر یہی خاموشیاں سرد مہری کا غلاف اوڑھ لیں تو ان کی چھین بول کے کانٹوں سے زیادہ تیز

اور زہریلی ہوتی ہے۔ ٹوٹی تو وہ بھی تھی مگر اس نے اپنے ٹوٹنے کا ماتم نہیں کیا تھا پھر سے خود کو جوڑ کر نیا سفر شروع کر دیا تھا۔ مگر سکندر علی نے ٹوٹ جانے کے بعد خود کو بکھیر دیا تھا اور کسی کو اجازت دینے کو تیار بھی نہ تھا کہ اسے سمیٹ لے وہ پورے خلوص اور بے لوث محبت کے ساتھ اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی۔ اپنے سب درد اور اذیتیں وہیں باپ کے گھر کی دلیلیز پر چھوڑ کر آئی تھی اور یہاں آنے کے بعد بھی اپنے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اس نے اس آنگن سے اپنا ہر احساس جوڑا تھا۔ مگر سکندر علی آج بھی اس سے میلوں دوری کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اپنے اور اس کے درمیان اجنبیت کی اس دیوار کو اس نے جان بوجھ کر حائل کر رکھا تھا۔

جس قدر وہ خاموش تھا اسی قدر خاموشی سے وہ سنگاپور چلا گیا۔ وہ بھی چند دن امی بابا کے پاس رہنے آگئی۔ خود پر ہلکی کا خول چڑھائے خوب ان سے کہیں ہالکیں اور رات کی تنہائی میں اپنے پیارے سے کمرے کی آغوش میں جی کھول کر روتی بھی ایک ماہ گزر گیا پتہ بھی نہ چلا سکندر علی کے آنے سے ایک دن پہلے وہ اپنے سسرال واپس آگئی صاف ستھرا آراستہ و ہیراستہ گمرہ جس حالات میں چھوڑ کر گئی تھی اسی طرح تھا کیا تھا جو اس گھر میں نہیں تھا ہر وہ سہولت جس کے ایک لڑکی خواب دیکھتی ہے اور جس گھر کے تصور سے ہی ایک لڑکی کو سکون اور طمانیت ملتی ہے بالکل ویسا گھر تھا یہ محل نما گھر کے وسیع و عریض سہولیات سے مزین کمرے ہر اس بزرگ ان اٹالین باتھ رومز اسٹائلش کچن سب کچھ تھا..... نہیں تھا تو اطمینان قلب نہیں تھا محبت و یگانگت اور رشتوں کی باہمی ہم آہنگی نہیں تھی یہاں رہنے والے انسان کم ریوٹ زیادہ دکھائی دیتے تھے جو بس اپنے اپنے حصے کا کام کیے جا رہے تھے جن کا آپس میں ورد کا دل کا کوئی تعلق محسوس نہ ہوتا تھا۔ سکندر علی کی واپسی کے بعد بھی وہی روٹین و سلسلے تھے رانیہ کورس مکمل کرنے کے باوجود انگلینڈ میں ہی تھی اور واپسی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

ایرج کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ اگر سکندر علی کو بیوی کی ضرورت نہیں تھی تو اس نے شادی جیسا فضول قدم اٹھایا ہی کیوں نہ ہی اس کے والدین اس حوالے سے کچھ خاص حساس تھی اسے اس سب کے پیچھے محض رانیہ کی ضد محسوس ہوئی جس طرح وہ ایرج اور اس کے امی بابا کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی تھی اسی طرح اس نے سکندر اور اپنے والدین کا پیچھا ہی لے لیا ہوگا

اور آخر کار ان سب کو اس کے سامنے ہار مانی ہی پڑی ہوگی۔ جس کے نتیجے میں ایرج پر احسان بھی ہو گیا تھا اور گھر کو ایک کل وقتی چوکیدار بھی نصیب ہو گیا تھا۔ سرائے کی طرح استعمال ہونے والے اس گھر میں وہ مستقل رہائش پذیر بھی اور اس اونچے قلعے کو گھر بنانے کی کوششوں میں مصروف رہتی تھی۔

اس دن سکندر علی گھر نہیں تھا وہ بیڈروم کی صفائی کروا رہی تھی۔ پھر جانے کا جی میں آئی کہ سائیڈروم میں جا سکی یہ ایک درمیان سائز کا کمرہ تھا جس میں ایک کاؤچ و خوب صودت سی بٹش کریساں اور دیوار گیر الماری تھیں۔ دو خوب صورت سے بلور کے جام نہایت سلیقے سے گلاس ٹیبل پر بھرے تھے ایک طرف منقش تپائی پر شطرنج کی بساط بھی ہوئی تھی اس مختصر سے کمرے میں سکندر علی کی دلچسپیاں تھیں وہ یہاں کئی کئی گھنٹے تنہا بیٹھ کر شراب سے دل بہلاتا تھا اکیلا بیٹھا شطرنج کھیلتا تھا۔ کتنا تنہا تھا وہ روکی ایک شدید لہر نے اس کے دل کو بے چین کر کے رکھ دیا کس طرح وہ اپنے اندر کے دکھ میں کھوئی رہی اپنے زندگی کے ساتھی کی نظر اندازی کا ماتم کرتی رہی اور خود اس نے کیا کیا تھا اس نے بھی تو سکندر کو نظر انداز ہی کیا تھا۔ وہ اس کا شوہر تھا پوری دنیا کے سامنے ایجاب و قبول کے رسوم ادا کر کے اسے اپنے گھر لایا تھا۔ اس نے اس کی طرف پیش قدمی نہیں کی تھی تو ایرج نے بھی کب فاصلے گھٹانے کی کوشش کی تھی۔ بھلا اس طرح یہ فاصلے مٹ سکتے تھے۔ یہ خلیج کسی نہ کسی کو تو پاٹنی تھی۔ وہ ہا ہرنگی سائیڈروم کا دروازہ بند کیا۔ شام کے پھلتے سائے کے ساتھ ہی سکندر علی گھر آیا تھا۔

”ایرج..... ایک کپ چائے چاہیے“ بیڈروم کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے صوفے پر بیٹھی ایرج کو مخاطب کیا تو وہ کچھ حیران سی ہوئی کیونکہ اس نے آج تک بھی اس طرح کی فرمائش کی ہی نہیں تھی۔ وہ سب کے ساتھ ٹیبل پر کھانا نہیں کھایا کرتا تھا جب بھوک لگتی تھی خود ہی کچن میں جا کر جو ملتا کھالی لیتا زیادہ تر اس کی خوراک میں جو مز شامل تھے وہ کھانا بہت کم کھاتا تھا۔ سگریٹ بہت زیادہ چیتا تھا شاید اس لیے بھوک کم لگتی تھی۔ وہ جاچکا تھا۔ ایرج اٹھ کر کچن میں آئی اور جلدی سے اچھی سی چائے بنا کر کپ اٹھائے بیڈروم میں آگئی۔ لگتا تھا آج سکندر علی اسے حیران کر دینے کا ارادہ کر کے آیا تھا وہ سائیڈروم میں نہیں بلکہ بیڈ پر نیم وراز تھا آنکھیں بند اور ایک بازو پیشانی پر دھرا تھا۔

”چائے.....“ ایرج نے دھیرے سے کہا تو اس نے بازو ہٹا کر اسے دیکھا اور سیدھا ہو بیٹھا۔

”شکریہ.....“ اس کے ہاتھ سے کپ لیا۔
”ساتھ کچھ لینا پسند کریں گے آئی مین کچھ اسٹیکس۔“ ایرج کی آواز میں ہلکی سی لہریں تھیں۔

”نہیں..... بس صرف چائے۔“ گرم چائے کا سپ لے کر اس نے جواب دیا۔ وہ خاموشی سے اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔ چائے پی کر کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ پھر پہلے ہی کی طرح آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گیا۔ ایرج کو لگا اس کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ خاموشی سے انہی اور اس کے سر ہانے کے قریب بیٹھ گئی۔ اپنے مومی ہاتھ سے اس نے اس کا بازو پیشانی پر سے ہٹایا سکندر نے چونک کر آنکھیں کھولیں مگر ایرج نے کوئی بھی گھبراہٹ ظاہر کیے بنا اس کی پیشانی پر آئے بال پیچھے کئے اور آہستہ سے اس کا سر دبانے لگی۔ چند لمحے سکندر علی نے اس کو دیکھا اور پھر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

ایرج کو شدت سے احساس ہوا اس شخص کے اندر ایک بہت بڑا مہیب سناٹا والا خلا ہے..... اسے ایک ساتھی کی ضرورت تھی..... اور آج ایرج کی پیش قدمی نے اجنبیت کی اس دیوار سے ایک اینٹ گرائی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ ایرج نے اس کے روزمرہ کاموں میں ہلکی پھلکی غیر محسوس مداخلت شروع کر دی۔ اس کے کہے بنا اس کے کپڑے پر پیس کر کے ہنگ کر دینا شوز پالش کر دینا اس کے آتے ہی زبردستی چائے کا کپ لے کر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آفس سے واپسی پر سیدھا سائیڈ روم کی بجائے چائے پینے کے لیے بیڈروم میں ہی رک جاتا وہ پندرہ منٹ کے بعد پھر اٹھ کر چلا جاتا اور اس دن ایرج نے اس کی موجودگی میں سائیڈ روم میں جانے کی ہمت کر لی رات وہ سب تک سب کاموں سے فراغت پا کر جب وہ بیڈروم میں آئی تو سائیڈ روم کا دروازہ اوکھلا دیکھ کر وہ اسی طرف آ گئی۔ وہ کاؤچ پر نیم دماڑ تھا جام ہاتھ میں تھا جس میں کڑوا سا لہو تھا آنکھیں نیم دائیں اسے اندھا دیکھ کر وہ حیزی سے اٹھ بیٹھا غیر محسوس انداز میں اس نے جام کو جلدی سے نیچے کارپٹ پر رکھ دیا۔

”تم..... کیا بات ہے کیا کہنا ہے۔“ ایرج کی آمد اس کے لیے غیر متوقع تھی۔ اس کے اس رد عمل نے ایرج کو بھی پل بھر کو گڑبڑا دیا۔

”وہ..... میں.....“ اس سے کوئی بات نہ بن پڑی۔ کھڑی بس ہاتھوں کی انگلیاں چٹائی نے لگی۔ سر جھکا ہوا تھا اندر کہیں یہ احساس بھی تھا کہ سکندر علی کہیں اسے عام عورتوں کی طرح متجسس اور ٹوہ میں رہنے والی ایک سطحی بیوی نہ سمجھے سکندر نے بہت غور سے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔

”ایرج..... یہاں آ کر بیٹھو.....“ بہت نرم لہجے میں کی گئی بات پر ایرج نے سر اٹھا کے دیکھا اس کا صرف لہجہ ہی نہیں چہرے کا تاثر بھی بہت ملاحظہ لیے ہوئے تھا۔ ایرج ہمت کر کے اس کے قریب کاؤچ پر آ بیٹھی۔

”یقیناً تم جان گئی ہو گی آئی ایم ڈرنگ اور نوے فیصد لڑکیوں کی طرح تمہیں بھی سگریٹ اور اس سے نفرت ہو گی۔ یہی وجہ تھی کہ تم سے شادی کے بعد میں نے یہ سب یہاں ایک طرف سمیٹ دیا۔ بیڈروم کی فضا میں یقیناً تمہیں بود رکھنے والی کوئی چیز پسند نہیں ہو گی..... یہ میرا لائف اسٹائل ہے اور میں اس میں کسی کی مداخلت کو پسند نہیں کرتا تمہیں تمہاری مرضی سے جینے کا مکمل حق اور اختیار ہے اور میں تم سے یہی امید کرتا ہوں کہ یہ حق تم مجھے بھی دو گی۔“ وہ بات کر رہا تھا ایرج ایک ٹک اس کا چہرہ دیکھے جا رہی تھی۔ کس قدر مضبوط خول کے اندر اس نے اپنے آپ کو بند کر لیا تھا کسی کو اجازت ہی نہیں دینا چاہتا تھا کہ کوئی اس خول کو توڑ کر اسے زندگی کی نیرنگی کی جھلک دکھائے۔

”ایسے کیوں دیکھ رہی ہو میں نے کچھ پوچھا ہے۔“ سکندر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں نہی کے ساتھ ہی عجیب سا سوز بھی درآ رہا تھا۔

”بالکل آپ مجھ سے یہ امید کر سکتے ہیں آپ کو اپنی مرضی سے جینے کا حق حاصل ہے اور میری طرف سے بھی کسی حوالے سے کوئی مداخلت نہیں ہو گی۔“ کہتے کہتے حلق میں جیسے آنسوؤں کا ایک گولا سا لکا اس نے ہونٹ بھیج لیے کتنا مشکل ہوتا ہے خود سے جڑے لوگوں کی توقعات کو پورا کرنا۔ اپنی آنکھوں کے سامنے انہیں بکھرتے دیکھنا اور بے بسی سے کچھ نہ کر پانا۔ وہ اس کا اپنا تھا اس کا شریک زندگی جس کے نام سے چڑ جانے کے بعد معاشرے میں سر اٹھا کر جینے کے قابل ہوئی تھی وہ اس کے اوپر اٹھنے والی انگلیاں رک گئی تھیں..... محبت نہ سہی مگر عزت کی زندگی پالینا بھی کسی عورت کے لیے بہت معنی رکھتا ہے..... عورت کا تو خمیر ہی قربانی کے مادے سے اٹھا ہے۔ تھوڑے پر قناعت کرنے والی اپنا آپ بچھا کر دینے والی

یہ عورت نہ ہوتی تو جانے رب کی اس کائنات کا توازن کہاں جاتا ہر رشتے میں مرد کی ہمت اور ڈھارس..... دو پیار کے بولوں کی بھوک لیے اپنا تن من وارنے کو بے چین ہائے ری عورت.....!

ایرج کے لیے مزید وہاں رکنا مشکل ہو گیا وہ واپس بیڈروم میں آگئی چادر اوڑھ کر لیٹتے ہی جیسے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا گرم گرم سیال اس کی خوب صورت آنکھوں سے بہہ بہہ کر تکیے کو بھگونے لگا۔ جانے کتنی دیر گزر گئی۔

”ایرج.....“ ہلکی سی شناسا آواز کمرے کی خاموش فضا میں گونجی تو اس نے پلٹ کر دیکھا سائیڈ روم کے دروازے کے پیچوں بیچ سکندر علی ایستادہ تھے گہری سرخی مائل آنکھیں اس پر جمی تھیں جانے کب سے وہ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اپنی طرف متوجہ پا کر وہ وہاں سے ہٹ کر بیڈ کے قریب آ کھڑا ہوا۔

”تم روئی کیوں ایرج.....؟“ وہ پوچھ رہا تھا اور ایرج کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔

”پلیز ایرج..... میری کس بات پر تمہیں اتنی تکلیف ہوئی..... مجھے بتاؤ تاکہ میں آئندہ اس بات کا خیال رکھوں۔ میں تمہیں دکھ دینا نہیں چاہتا۔“ اس کے قریب بیٹھ کر وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا اس پل ایرج کو سب کچھ بھول گیا اپنا آپ بھی اور یہ فاصلے بھی..... وہ ایک دم سکندر علی کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سکندر ہکا بکا بس اس کے گرد بانہوں کا حصار کیے خاموش بیٹھا رہا..... وہ اس کے دل پر دھرے بوجھ کے ہلکا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر تک رونے کے بعد ایرج کے آنسوؤں کی شدت میں بتدریج کمی آنے لگی اور ساتھ ہی اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو وہ کچھ ہچکچا کر پیچھے ہوئی۔ سکندر کے لیوں پر غیر محسوس مسکراہٹ رینگ گئی۔

”آئی تھنک آج آپ پورے سال کے آنسو بہا چکیں۔ یہ نہیں یہ تم لڑکیاں اس قدر رو کیسے لیتی ہو ڈراما سی بات ہوئی نہیں اور آنسو تو جیسے پلکوں پر دھرے ہوتے ہیں۔ مجھے غریب کو تو ابھی تک یہ نہیں پتہ چلا کہ آخر میں نے ایسا کیا کہا جس پر آنسوؤں کی ندیاں بہا لی گئی ہیں۔“ یہ پہلی طویل بات تھی جو سکندر نے کی تھی۔ ورنہ تو ایک جملے سے زیادہ وہ بات کرتا ہی نہیں تھا۔ ایرج نے قدرے حلقی سے اس کی طرف دیکھا۔

”لگتا ہے تم مجھے میری مرضی سے جینے کا حق نہیں دینا

چاہتی..... یقیناً تمہیں سگریٹ اور ڈرنک سے چڑ ہوگی تم چاہوگی میں سب چھوڑ کر اچھا بچہ بن جاؤں ہیں ناں؟“ وہ تائیدی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”جی نہیں..... ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں آپ پر کوئی پابندی نہیں لگانا چاہتی بس اتنا چاہتی ہوں کہ مجھ پر آپ کو اتنا یقین تو ہونا چاہیے کہ آپ جو چاہتے ہیں وہ میرے سامنے ہی کریں۔ مجھے آپ کے کسی بھی فعل میں مداخلت کرنا خود بھی اچھا نہیں لگے گا۔ تم سے کم اتنا بھروسہ تو ہمارے اس رشتے کی بنیاد میں ہونا چاہیے۔“

”بالکل یہ رشتہ بھروسے پر ہی چلتا ہے۔ میرا خیال تھا رانیہ نے تمہیں بتا دیا ہوگا مگر پھر جب میں نے تمہیں جج کیا تو اندازہ ہوا کہ تم لاعلم ہو میں نے سوچا میرا ایسا کوئی بھی عمل جس سے تم لاعلم ہو تمہارے سامنے کرنا تمہارے لیے شاک ہوگا۔ اس لیے اپنی محفل سمیٹ لی۔“

”میں اجنبی یا غریب نہیں..... آپ مجھ سے سب کہہ سکتے ہیں.....“ ایرج کی بھیگی بھیگی خوب صورت آنکھوں میں اپنائیت کا اتنا گہرا اثر تھا کہ سکندر علی جیسے ہار سا گیا..... تھک گیا تھا وہ تنہائی سے..... اکیلے پن کی اذیت سے یہ اجنبیت کا خول اندر ہی اندر اس کے وجود کو توڑنے لگا تھا۔

”میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ کیا کہوں.....“ اس نے اپنا چہرہ بہت عزیز تھا۔ کیسے اپنا دامن پھیلاتا کس طرح کہتا کہ بچپن سے تنہائی تنہائی اور بس تنہائی ہی اس کی ساکھی تھی ہر رشتے میں یہی تنہائی اس کی رفیق رہی تھی۔ وہ پل جب بچہ ماں کی آغوش میں ہر خوف و اذیت سے بے خبر سمٹ کر سوتا ہے وہ پل اس نے کھلونوں سے بھرے کمرے میں تنہا کاٹ میں اپنی بانہوں میں سمٹ کر گزارا تھا۔ ہر بار لڑکھڑا کر گرتے وقت اس کی بے چین آنکھوں نے ممتا بھرے ہاتھوں کی امید پر ادھر سے ادھر سفر کیا تھا لیکن ہر بار اسے خود اٹھنا پڑا تھا۔ ماما کو اپنی سوسل ایکٹیویٹری میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا تھا کہ باہر کی دنیا کو سنوارتے سنوارتے انہوں نے سکندر کو کس کھائی میں دھکیل دیا تھا ایک ایسے اندھیرے کنویں میں جہاں امید کی روشنی نہیں تھی جہاں جینے کی امنگ نہیں تھی جہاں اسے اپنے ہی وجود کا احساس نہیں تھا اس نے ہوش سنبھالتے ہی خود کو دنیا کے بلے گلے میں گم کر دینا چاہا لیکن اندر کے خلا اور سکوت پر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ آج بھی ویسا ہی تھا۔ یہ خلا یہ سکوت جینی کے آنے سے

ٹوٹ گیا۔ جینی ایک مشرقی مرد کی وجاہت اور شخصیت سے متاثر ہوئی تھی اس کے اصولوں سے سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں تھی۔ بہت مختصر عرصے میں ہی وہ اوب گئی تھی۔ اسے سکندر ایک دقیا نوی سخت گیر انسان دکھائی دینے لگا۔ آہستہ آہستہ مزاج بگڑنے لگا تھا اس کا..... محبت کی صورت بگڑ جائے تو یہ زندگی کی سب سے بڑی اذیت بن جاتی ہے اور سکندر نے جینی کو چھوڑ کر زندگی کی اس سب سے بڑی اذیت سے چھٹکارا پایا اور پاکستان واپس آ گیا..... مگر روگ تو کہیں اندر تھا جس کی دوا کہیں نہیں تھی خلا تو بھی بھرنے والا نہیں تھا..... وہ آخر کرتا بھی تو کیا..... پھر سے مصنوعی سہاروں پہ تکیہ کرنے لگا۔

ایرج نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اعتراف کرتے سکندر کو دیکھا اور بے چینی سے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

”میں آپ کے ساتھ ہوں..... آپ جو چاہیں جس طرح چاہیں کریں..... کسی جگہ کسی مقام پر کبھی آپ کو یہ احساس نہیں ہوگا کہ میں آپ کے ساتھ نہیں ہوں۔“ حساسی ایرج کا دل اس طرح اس کے درد میں ڈوبا کہ اسے یوں لگا وہ تو جنم جنم سے سکندر کو جانتی ہے محبت پانے کے لیے زندگیاں بھی کم پڑ جاتی ہیں اور کبھی کبھی اور اک کا ایک لمحہ محبت جیسی دولت دامن میں ڈال کر چلا جاتا ہے۔ اور اور اک کا وہ لمحہ شاید ان دونوں پر مہربان ہو گیا تھا۔ سکندر نے نظر بھر کر اپنی زندگی کی سانس کی دیکھا جس کے چہرے پر ایک الوہی روپ تھا آنکھوں میں خلوص کی چمک اور مسکراہٹ میں سچائی تھی۔ آنکھوں کی نمی اور چہرے کی مسکراہٹ نے عجیب دھوپ چھاؤں کا سا منظر بنا دیا تھا۔

”میں نہیں جانتا محبت کیا ہے میں نہیں جانتا اندر کے خلا کو کیسے پر کیا جاتا ہے۔ مجھے یہ بھی نہیں پتہ کہ رشتے کسی بھی انسان کے اندر کس طرح جذب ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے ارد گرد اجنبیت کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھا نہ محسوس کیا..... ہاں مگر کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے ناں کہ دل خود بخود اعتبار کرنے کو چاہتا ہے مجھے لگتا ہے میں تم پر اعتبار کرنے لگا ہوں۔“ اس کی آنکھیں ابھی ابھی جھکی ہوئی تھیں مگر ہونٹوں پر بہت خوب صورت مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ایرج کو یقین ہی نہیں ہو پا رہا تھا کہ یہ ہی سکندر ہے۔

”میں یہ وعدہ تو نہیں کرتا کہ دنیا کا سب سے اچھا شریک زندگی بنوں گا ہاں اتنا یقین ضرور دلاتا ہوں کہ میں خود کو اچھا

بنانے کی کوشش ضرور کروں گا۔ میں خود کو بدلنے کی کوشش کروں گا ایرج۔“ اس کی نظریں اپنے مضبوط ہاتھوں پر جمی ہوئی تھیں جو اس وقت بھی ایرج کے موی ہاتھوں میں مقید تھے۔

”مجھے انسانوں پر بھروسہ کرنا نہیں آتا کیونکہ میرے قریبی میرے بہت پیارے رشتوں نے ہی مجھے نہیں سکھایا تھا کہ سب کے درمیان رہتے ہوئے ہمیں سب کے ساتھ تعلق کو نبھانا پڑتا ہے اور تعلق نبھانے کے لیے اعتبار کرنا بہت ضروری ہوا کرتا ہے۔ رانیہ لڑکی ہے اس کے مزاج میں لچک ہے ماحول کے حساب سے خود کو ڈھالنے کی صلاحیت بھی ہے لیکن میں تو مرد ہوں جس کے پاس ایک ہزار ایک ترغیبات ہیں بگڑنے کے ہزار ہا موقع اور بہانے ہیں۔ ایسے میں تنہائی نے میرے اندر بچے گاڑ کر مجھ سے بہت کچھ غلط کروایا ہے ایرج..... مگر اب..... اب تم آگئی ہوناں..... تم اس موذی تنہائی کو میری روح سے نکالنے میں میری مدد کرو گی نا.....“ وہ کسی معصوم سے بچے کی طرح اس کے چہرے پر اپنے سوال کا جواب کھوج رہا تھا۔ ایک آس اور امید اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ ہر بگاڑ کو سدھار کا موقع دیا جانا چاہیے ہر منفی کو مثبت میں بدلنے کی کوشش ہونی چاہیے کہ یہ تو قانون قدرت ہے کہ وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا ہر رات کے بعد سویرا لازمی ہے اور ہر زوال کے بعد عروج کا آنا بھی یقینی ہے۔ ایرج جانتی تھی اس کے ہمراہ اس کے ماں باپ کی دعائیں بھی تھیں اور رب پاک کی طرف سے عطا کردہ ہر وقار و عظمت کی صلاحیت بھی..... بہت سے معاملات میں زبان ساتھ چھوڑ دیتی ہے یا پھر انسان اپنا موقف ٹھیک طور پر بیان نہیں کر پاتا ایرج کا دل بھی اس وقت بہت بے چین تھا بہت کچھ تھا جو وہ کہنا چاہتی تھی لیکن زبان جیسے گنگ تھی۔ جب الفاظ نے اس کا ساتھ نہیں دیا تو اس نے خاموشی سے اپنا سر سکندر کے کندھے سے ٹکا دیا اور سکندر کو اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا..... اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے ایک بھر پور طمانیت بھری سانس اس کے عنابی لبوں سے خارج ہوئی..... بہت سا بوجھ کندھے سے سر کا اور جو ہاتی تھا اسے دھوتے ہوئے اب سکندر نے نہ تھکنا اور نہ ہی ہارنا تھا کیونکہ اسے اپنی شریک زندگی کا ساتھ مل گیا تھا۔ تنہائی کی طویل شب ڈھل چکی تھی اور وصل کا سویرا ان دونوں کا منتظر تھا۔





شعبہ کی کتابیں
نازیہ کنول نازی

READING
Section

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

حکم تیرا ہے تو تحلیل کے دیتے ہیں
زندگی ہجر میں تحلیل کے دیتے ہیں
تو وصل کی خواہش پر بگڑتا کیوں ہے
راہ ہی ہے چلو تبدیل کے دیتے ہیں

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

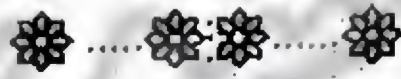
صمد حسن کرئل صاحب کے اصرار پر مریرہ کو گاؤں لے جاتا ہے لیکن خود بزنس کے سلسلے میں واپس شہر چلے آتے ہیں۔ مریرہ گاؤں آ کر بہت خوش ہوتی ہے وہ کیوں کہ کافی عرصے بعد گاؤں آتی ہے بریرہ اور مریرہ کی بچپن کی بہت سی یادیں حویلی اور گاؤں سے وابستہ ہیں۔ مریرہ عمر (بچپن کے دوست) ساتھ مل کر پرانی باتیں یاد کر رہی ہے۔ عمر کی مریرہ سے بچپن کی محبت ہے جس سے مریرہ بے خبر ہوتی ہے۔ عائلہ فطرت سے پیار کرنے والی بہت حساس طبیعت کی مالک ہوتی ہے عائلہ موسم کی خوب صورتی دیکھتے ہوئے کرئل صاحب سے پرانی باتیں چھیڑ بٹھی ہے جس پر کرئل صاحب جربز ہوتے صمد اور مریرہ کے بارے میں عائلہ کو مختصر بتا کر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ کرئل صاحب اور صمد حسن دونوں گھرانوں کی زندگیوں میں مریرہ رحمان ایک اہم باب ہے جب بھی کھلتا ہے دونوں کی زندگیوں میں بے چینی لگتا ہے۔ عرفون کال پر مریرہ سے بات کر کے اس کے اندر کے سنائے کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن مریرہ مختصر بات کر کے ریسپورڈ رکھ دیتی ہے۔ عمر مریرہ کو اس کے بیٹے کا بتاتا ہے۔ عائلہ آفس سے نکلی تو تھکن سے برا حال ہوتا ہے اور زواہر دو تین دن سے آفس نہیں آ رہا ہے اگر عائلہ چاہتی تو آفس چھوڑ کر گھر بیٹھ سکتی تھی لیکن صمد حسن کی محبت اور مان کی وجہ سے وہ ایسا چاہتے ہوئے بھی نہیں کر سکی۔ سدید آئی ایس آئی جوان کرنا چاہتا ہے اس حوالے سے وہ کرئل صاحب سے بات کرتا ہے تو وہ سدید سے پہلے شادی کے لیے کہتے ہیں اور ساتھ ہی عائلہ کو پراپوز کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ سدید عائلہ سے محبت کرتا ہے اور اس بات سے کرئل صاحب بخوبی واقف ہوتے ہیں لیکن سدید کی طرح کرئل صاحب بھی عائلہ کے دل تک رسائی حاصل نہیں کر پاتے ہیں۔ وقار حسن کی پارٹی میں درکنون کا صیام کا ہاتھ تھا منا اور پارٹی کے درمیان مسلسل اسے دیکھنا صیام کو بے چین کر دیتا ہے۔ زواہر پر ہیان کو شاپنگ پر لے کر آتا ہے جہاں پر ہیان کی ملاقات عائلہ سے ہو جاتی ہے زواہر عائلہ کو دیکھ کر کڑوا گھونٹ بھر کر رہ جاتا ہے پر ہیان عائلہ کو بھی اپنے ساتھ شاپنگ میں شامل کرتی ہے جس پر عائلہ معذرت کرنی اپنی خریداری میں مصروف ہو جاتی ہے لیکن پر ہیان زبردستی اسے اپنی پسند سے شاپنگ کراتی ہے۔ ازار سکندر درکنون پر دل و جان سے فدا ہے اور صیام اس کی نظروں کا مفہوم جانتا ہے صیام درکنون کو ازار سکندر سے محتاط رہنے کو کہتا ہے جس پر درکنون حیران ہوتی ہے۔ پر ہیان اپنی شادی کی شاپنگ کر۔ نے کے بعد بہت خوش تھی لیکن یہ خوشی اس وقت ختم ہو گئی جب ساویر کال پر پر ہیان سے شادی سے انکار کر دیتا ہے پر ہیان کا وجود بزلوں کی زد میں آ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



اداسی کچھ تو بولوناں
بھلا تم آج کیوں دل میں
بناد سبک بنا آہٹ سائی ہو

اداسی چار سو تم ہو
 نجانے پھر بھی کیوں کم ہو
 بھلا ڈھونڈوں کہاں تم کو
 کسی اک سمت میں ہوتی تو تم کو ڈھونڈ ہی لیتی
 تمہارے کان میں چپکے سے بس اتنا ہی کہہ دیتی
 اداسی تم چلی جاؤ ابھی شام باقی ہے
 اندھیرا شام کا چھا جائے تو
 میری پلکوں پہ سارے درد رکھ جانا
 اداسی تم کہاں ہو میں کہاں ڈھونڈوں تمہیں بولو؟
 مجھے لگتا ہے کہ تم دل کے
 پدے لے لے موسموں کے بیچ ٹھہری ہو
 سبھی تو اتنی گہری ہو.....!!

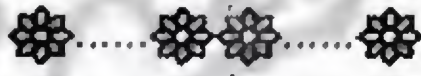


سیل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرا وہ ساکت و جامد سیپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی۔
 ”یہ کیا کہا تھا ساویز نے اس سے کہ وہ اس سے شادی نہیں کر سکتا مگر کیوں؟ ایسا کیا تصور سرزد ہو گیا کہ وہ شادی سے فقط چند
 دن قبل اس کو اپنے زائے ہی الگ کر رہا تھا وہ ساویز جسے اس سے بات کیے بغیر نیند ہی نہیں آتی تھی جو یونیورسٹی پیریڈ میں
 پروانوں کی طرح اس کے گرد منڈلایا کرتا تھا۔ جسے کسی بھی پل سوائے پرہیزان کے اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا..... وہی تھا جس
 نے اپنے گھر والوں کے ساتھ لڑ کر پرہیزان سے منگنی کا بندھن قائم کیا تھا۔
 زندگی میں کئی بار وہ لڑنے تھے کئی دن ایک دوسرے سے ناراض بھی رہے تھے..... مگر تب بھی اس نے کبھی اپنا راستہ الگ
 کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا..... تو پھر اب کیا ہو گیا تھا؟
 بہت سوچنے سے بھی اسے اپنا کوئی قصور، کوئی خطا یاد نہیں آ رہی تھی تو پھر وہ ایک دم سے اسے چھوڑنے کا فیصلہ کیسے کر سکتا تھا۔
 ماؤف ذہن کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اس نے اسے کال بیک کی مگر اس بار ساویز نے اس کی کال پک نہیں کی۔
 اس کی شرٹ جل گئی تھی مگر اسے پروا نہیں تھی۔ جلتے ہوئے دل کی تکلیف قیمتی شرٹ کے جلنے سے کہیں زیادہ تھی۔ بار بار وہ
 اسے کال کر رہی تھی مگر وہ پک نہیں کر رہا تھا بھی مجبور ہو کر وہ اسی حلے میں گاڑی لے کر اس کے گھر کے لیے روانہ ہو گئی۔
 ”اگر وہ اس کے ساتھ مذاق کر رہا تھا تو بے حد بھونڈا مذاق تھا۔“ سارہ بیگم صمد صاحبہ اور زاویار میں سے کوئی بھی گھر پر نہیں
 تھا وہ بدروئی سے آنسو بہاتی تیز ڈرائیو کرتی رہی۔
 ساویز کے گھر پہنچ کر اسے پتا چلا کہ وہ گھر پر نہیں تھا۔ دریا سے روتے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔
 وہ گاڑی سے باہر نہیں نکلی تھی۔ دریا کو اس کے ہارن پر گھر سے باہر آنا پڑا تھا۔
 ”کیا ہوا پری، تم رو کیوں رہی ہو سب ٹھیک تو ہے نا؟“
 ”پتا نہیں ساویز کہاں ہے؟“
 ”وہ تو گھر پر نہیں ہے کیوں کیا ہوا؟“
 ”کچھ نہیں، مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے پلیز تم اسے کال کر کے گھر بلاؤ۔“
 ”اوکے مگر تم اندر تو آؤ۔“
 ”نہیں مجھے اندر نہیں آنا، پلیز پہلے تم اسے یہاں بلاؤ۔“
 ”پری بات کیا ہے یار، تم مجھے پریشان کر رہی ہو؟“

”پریشان ساويز کر رہا ہے دريودہ مجھ سے رشتہ ختم کرنا چاہتا ہے مگر میں اسے ایسا نہیں کرنے دوں گی۔“
 ”واٹ..... کیا یہ تم سے کہا اس نے؟“

”ہاں۔“
 ”مگر وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ تو تم سے بے حد پیار کرتا ہے پری۔“
 ”یہی میں بھی جانتا چاہتی ہوں کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟“ وہ ابھی بھی رورہی تھی۔
 ”دریہ اس پر سے نظریں ہٹا کر ساويز کو کال ملانے لگی مگر اس کا نمبر اب یاد آف مل رہا تھا۔“
 ”اس کا نمبر بند جا رہا ہے پری مگر تم ٹینشن مت لو، میں اس سے بات کروں گی بلکہ ماما اور پاپا بھی اس کی کلاس لیں گے وہ اتنا بڑا فیصلہ یوں اکیلے نہیں کر سکتا۔“ کھڑکی پر جھکی وہ اسے تسلی دے رہی تھی۔
 ”پرہیان نے آنسو پونچھ کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی ریورس کر لی۔“

”پری اندر آؤ پلیز۔“
 ”نہیں ابھی نہیں آ سکتی، پلیز تم اس سے رابطہ کر کے مجھے کال ضرور کرنا۔“
 ”اوکے۔“ ”دریہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پرہیان نے گاڑی آگے بڑھادی۔“



ساويز جس وقت گھر واپس لوٹا شب کے تقریباً ساڑھے بارہ ہو رہے تھے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت سب اس کے انتظار میں متفکر بیٹھے ہوں گے ورنہ شاید وہ صبح ہی گھر واپس آتا۔
 ”دریہ اور مسز آفندی لاؤنج میں بیٹھی اسی کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ گاڑی کیراج میں پارک کرنے کے بعد جیسے ہی لاؤنج میں آیا مسز آفندی اور دریہ کو وہاں بیٹھ دیکھ کر ٹھٹکا۔“
 ”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام کہاں تھے اب تک؟“ مسز آفندی کا موڈ غصیلا تھا۔ ساويز نے نظر انداز کرتے ہوئے فریج سے پانی کی بوتل نکالی۔

”ایک دوست کے ساتھ تھا، کچھ ضروری کام کے سلسلے میں۔“
 ”کیسا ضروری کام؟“

”بتا دوں گا جب ہو جائے گا۔“

”ساويز تم بہت غلط کر رہے ہو، مجھے بتاؤ کن ضروری کاموں کے چکر میں پڑے ہوئے ہو تم۔“

”باہر جا رہا ہوں اسی سلسلے میں ویزہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”واٹ..... مگر تمہیں بیٹھے بٹھائے باہر جانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی وہ بھی اس وقت جب تمہاری شادی میں بمشکل چند دن رہیں گے ہیں..... مگر کیوں؟“

”صبح بتاؤں گا، ابھی بہت تھا ہوا ہوں پلیز سونے دیں۔“ بیزار کن لہجے میں کہتا وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ مسز آفندی اور دریہ اس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

اگلے روز ناشتے کی میز پر وہ معمول کی مانند موجود تھا۔ احمد آفندی صاحب اور مسز آفندی دونوں اسی کا انتظار کر رہے تھے جبکہ دریہ اپنی نشست پر خاموش بیٹھی تھی۔

”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام آؤ بیٹھو۔“ احمد آفندی صاحب نے جواب دیا وہ چپ چاپ بیٹھ گیا۔ تبھی احمد صاحب بولے۔
 ”کیا تمہارے اور پرہیان بیٹی کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے۔“
 ”نہیں۔“

انمول

زندگی میں دو باتیں تکلیف دیتی ہیں ایک جس کی خواہش ہو اس کا نہ ملنا اور دوسری جس کی خواہش نہ ہو اس کا

مل جانا۔

کسی کی حوصلہ شکنی نہ کرو کیا پتا وہ اپنی آخری امید لے کر آیا ہو۔

انسان دکھ نہیں دیتا انسان سے وابستہ امیدیں دکھ دیتی ہیں۔

اگر آپ سب کچھ کھو چکے ہو تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو سب کچھ کھو دیتا ہے اس کے پاس پانے

کے لیے پوری دنیا ہوتی ہے۔

فیاض اسحاق مہیانہ..... سلا نوالی

”نہیں تو پھر رشتہ کیوں ختم کر رہے ہو اس سے؟ تمہیں پتا ہے صمد حسن صاحب کا کتنا نام ہے اس شہر میں شہر کے چند معززین میں شمار ہوتا ہے ان کا اور تم انہی کی بیٹی کے ساتھ شادی سے انکار کر رہے ہو، پاگل تو نہیں ہو گئے ہو تم؟“ احمد صاحب غصہ ہوئے۔ ساویر نے بے نیازی سے بریڈ پر جیم لگانا شروع کر دیا۔

”پرہیان صمد حسن صاحب کی بیٹی نہیں ہے پاپا۔“

”وہاٹ..... یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟“

”بکواس نہیں کر رہا پاپا سچ کہہ رہا ہوں، صمد حسن صاحب کی صرف ایک ہی بیٹی ہے، درکنون صمد پرہیان ان کی بیٹی نہیں ہے یہ سارہ آنٹی کی بیٹی ہے وہ بھی ناجائز۔“

”کیا.....؟“

”جی پاپا، یہی سچ ہے۔“

”تم سے کس نے کہا یہ سب؟“

”صمد انکل کی سگی بیٹی درکنون میری دوست ہے اسے نہیں پتا کہ میری انکل صمد انکل کی ہی لے پالک بیٹی سے ہوئی ہے ابھی چند روز قبل یونہی باتوں باتوں میں، میں نے اس سے اس کے پاپا کا پوچھا تو اس نے صمد انکل کی تصویر دکھا دی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اس کے پاپا نے اس کی وفا شعار ماں کو ایک ایسی عورت کے لیے چھوڑ دیا جو شادی سے پہلے ہی ماں بن گئی تھی اور اب وہ اسی عورت اور اس کی بیٹی کے ساتھ رہتے ہیں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے پاپا کہ یہ سچ جاننے کے بعد میں کتنا ٹوٹا تھا، کیسے کیسے خواب نہیں سجا لیے تھے میں نے اپنی آنکھوں میں پرہیان کے لیے مگر ایک پل میں ہی سارے خواب ٹوٹ گئے۔“ وہ بہت دکھی لگ رہا تھا۔

احمد صاحب اور مسز آفندی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہیں؟ در یہ خود ساکت و جامد بیٹھی تھی۔

پرہیان نے زندگی کا اتنا بڑا سچ اس سے کیسے چھپایا؟ کچھ لکھوں کی خاموشی کے بعد مسز آفندی بولیں۔

”ہو سکتا ہے وہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہو۔“

”وہ ایسی لڑکی نہیں ہے ماما، میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں اسے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر..... اب صمد صاحب سے کیا کہیں گے۔“

”اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں خود پرہیان سے کل صاف لفظوں میں ساری بات کلیئر کروں گا۔“

”کل کیوں آج ہی کیوں نہیں؟“

”آج تھوڑا مصروف ہوں اس لیے۔“

”مصروفیت کو سائیڈ پر رکھو، وہ لڑکی بہت پریشان ہے کم از کم اسے پتا تو چلے کہ اسے کیوں ریجیکٹ کیا جا رہا ہے؟“ مسز آفندی کے لہجے میں غصہ اور طال تھا۔ ساویر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

آنجل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 211

READING
Section

پر بیان بخار میں مبتلا تھی مگر ساویز کی صرف ایک فون کال پر وہ اس کے بتائے گئے ریسٹوران میں فوراً پہنچی تھی۔
ساویز نے دیکھا صرف ایک ہی روز میں وہ کسی مرجھائے ہوئے پھول کی مانند کملا کر رہ گئی تھی۔ وہ اسے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا
مگر مجبور تھا۔ وہ سامنے آ کر بیٹھی تو اس نے بے ساختہ نگاہیں چرا لی تھیں۔
”کیسی ہو؟“

”ٹھیک ہوں۔“ اس کا لہجہ بھی بھرا ہوا تھا۔ ساویز کو دل پتھر کرنا پڑا۔
”ایم سوری میں تمہیں دکھی کرنا نہیں چاہتا مگر یہ بھی سچ ہے پری کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔“ پہلے اس نے تابوت میں
دفن کیا اور اب باہر نکالنے کی بجائے آخری کیل ٹھونک رہا تھا۔ وہ حق چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔
”کیوں، میں نے کیا کیا ہے ایسا؟“

”تم نے نہیں کیا مگر تمہاری ممانے ضرور کیا ہے۔“
”کیا کیا ہے میری ممانے؟“ وہ رو ہانسی ہوئی۔ ساویز نے نظریں پھیر لیں۔

”یہ تم انکی سے پوچھو تو زیادہ بہتر ہے۔“
”ان سے کیوں پوچھوں تم رشتہ ختم کر رہے ہو تم سے کیوں نہ پوچھوں۔“ وہ چلائی۔
ریستوران میں ارد گرد بیٹھے لوگ بے ساختہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ ساویز نے حد درجہ خفت محسوس کی۔

”آہستہ بولو، یہ ریسٹوران ہے تمہارا گھر نہیں۔“
”تم جسے مسمار کر رہے ہو وہ بھی میرا دل ہے کوئی مکان نہیں ہے۔“ وہ اب رو رہی تھی۔ ساویز نے لب بھینچ لیے۔
”تم مجھے پبلک پلس پر تماشہ بنا رہی ہو پری۔“
”اور تم..... تم میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟“
”میں کچھ نہیں کر رہا تمہارے ساتھ۔“

”کچھ نہیں کر رہے تو مجھے بتاؤ میں لوگوں کو کیا بتاؤں گی کہ شادی سے فقط چند روز قبل میرے ہونے والے شوہر نے
مجھے کیوں چھوڑ دیا۔“
”ہماری منگنی ہوئی تھی نکاح نہیں ہوا تھا، جو لوگوں کو بتانہ سکو، منگنیاں ٹوٹی رہتی ہیں۔“
”اور اعتبار؟“

”میں نے تمہارا اعتبار نہیں توڑا اعتبار تم نے میرا توڑا ہے۔“
”کیسے، کیا کیا ہے میں نے؟“

”تم نے مجھ سے سچ چھپایا ہے تم جانتی تھیں کہ تم صمید انکل کی سگی بیٹی نہیں ہو، پھر بھی تم نے خود کو ہمیشہ ان کی سگی بیٹی ظاہر کیا۔
حالانکہ حقیقت میں تمہارا کوئی وجود ہی نہیں نہ کوئی پہچان ہے۔“ بڑی سفاکی سے وہ اسے آئینہ دکھا رہا تھا۔
پر بیان کو لگا جیسے اس کا وجود ایک دم سے بلاسٹ ہو گیا ہو۔ یہ کیا کہہ رہا تھا وہ؟ اس کی آنکھیں جیسے ساکت رہ گئی تھیں۔
”ک..... کیا مطلب؟“

”مطلب تمہیں سارا آئی بتائیں گی میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ جب صمید انکل نے تمہاری ممانے کے ساتھ شادی کی اس
وقت وہ امید سے تھیں۔ صمید انکل کے ساتھ شادی کے ٹھیک چھ ماہ بعد تم نے ان کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ یہ صمید انکل کی عظمت
تھی کہ انہوں نے نہ صرف سارہ آنٹی کو اپنا نام دیا بلکہ تمہیں بھی بچی باپ کی محسوس نہیں ہونے دی، اس روز جب مجھے یہ پتا چلا
کہ تم پر بیان صمید نہیں پر بیان عذیر ہو تو میں سمجھا شاید سارہ آنٹی نے صمید انکل سے پہلے بھی کسی کے ساتھ شادی کی تھی مگر مجھے
یہ جان کر بہت تکلیف ہوئی کہ سارہ آنٹی کی پہلی شادی صمید انکل کے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ میں کوئی بہت اعلیٰ ظرف انسان نہیں
ہوں پری ایک معمولی سا روایتی مرد ہوں تم سے لاکھ محبت سہی مگر آنکھوں دیکھی بھی نہیں نکل سکتا، تم سمجھ سکتی ہو میری مجبوری۔“

کوئی کس حد تک سفاک ہو سکتا ہے وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی ساویز نے لفظوں کے تیر پھینکنے بند نہیں کیے۔
 ”میں اپنی اولاد کے لیے کوئی رسک نہیں لینا چاہتا، میں نہیں چاہتا کہ تم سے شادی کے بعد میں ساری زندگی لوگوں سے نظریں جھکا کر ملتا رہوں، میرے بچے جب اپنی ماں کی حقیقت سے آشنا ہوں تو انہیں کوئے کھدروں میں منہ چھپا کر روتا بڑے تم چاہے مجھے جتنا بھی خود غرض کہو مگر میں واقعی ایک ایسی لڑکی کو اپنا ہم سفر بنانا پسند کروں گا جو عزت دار، شریف گھرانے سے تعلق رکھنے والی ایک معزز لڑکی ہو ان فیکٹ مجھ میں ساری عمر سر جھکا کر زندگی گزارنے کا حوصلہ نہیں۔“ وہ شخص صرف خود غرض نہیں بے رحم بھی تھا۔

پرہیزان کو لگا جیسے پہلی بار اس کے وجود سے ناقابل برواشت بد بو آ رہی ہو۔ اتنی زیادہ کہ اسے لگا جیسے ارد گرد بیٹھے لوگ اٹھ کر اسے پھرمارنا شروع ہو جائیں گے؟
 بھلا ابھی ابھی ساویز نے جو برسائے تھے کیا وہ پتھر نہیں تھے؟ بے حد نوکیلے اور بھاری پتھر..... وہ انھی اور بے ساختہ لڑکھڑا کر رہ گئی تھی۔

اس نے زندگی میں دانستہ کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ کبھی بھول کر کسی کی دل آزاری بھی نہیں کی تھی۔ پھر بھی اس کے وجود کو کانٹوں پر کھینٹا گیا تھا..... کیوں؟ اس کا کیا قصور تھا؟ وہ تو قدرت کی جائز پیداوار تھی۔
 اس کا جنم بھی لاکھوں جائز بچوں کی طرح ہوا تھا ساری زندگی اس نے اپنے کردار کو بے حد شفاف رکھا تھا پھر بھی وہ گناہ کا رٹھرائی گئی تھی؟ بغیر کوئی خطا کیے اگر وہ گناہ گار تھی تو پھر اس کا خدا کون تھا جو اسے معاف کر کے اس کی پیشانی پر جمی سیاہی صاف کر دیتا۔

اس کی دنیا کون سی دنیا تھی جہاں وہ ایک معزز ہستی کے طور پر پہچانی جاتی؟ یہ کیسے اندھیرے تھے وہ جن میں اب تک جی رہی تھی۔
 ذہن تو ماؤف ہوا ہی تھا قدم بھی جیسے بے جان ہو گئے تھے اس وقت وہ ریستوران میں اپنا سب کچھ گنوا کر وہاں سے کیسے نکلی تھی صرف اس کا خدا اور اس کا دل ہی جان سکتا تھا۔ ہر طرف آوازوں کا شور تھا اور وہ اکیلی پیدل چلی جا رہی تھی۔



”زاویار.....!“ وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا جب صمد حسن صاحب کی پکار نے اس کے تیزی سے بڑھتے قدم روک لیے۔
 ”جی پاپا۔“
 ”صبح ایک کام کہا تھا تم سے ابھی تک ہوا کہ نہیں؟“ وہ لاؤنج میں کھڑے تھے۔ سارہ بیگم بھی وہیں موجود تھیں۔ وہ پلٹ کر نیچے آ آیا۔

”جی پاپا ابھی وہیں سے فارغ ہو کر آ رہا ہوں صبح آفس سے سیدھا گاؤں کی طرف نکل گیا تھا پوری حویلی کی صفائی کراوی ہے۔ سارے انتظامات بھی دیکھا یا ہوں پری بھی کیا یاد کرے گی کتنے ڈیسٹ بھائی سے پالا پڑا ہے اس کا۔“
 ”ہوں اس میں تو کوئی شک نہیں، بھائی تو واقعی بہت پیارا دیا ہے اللہ نے اسے۔“ سارہ بیگم مسکرائی تھیں۔ وہ کن اکھیوں سے زاویار کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں تو صمد صاحب بھی مسکرا دیے۔
 ”بھائی کی بہن بھی بہت پیاری ہے۔ جن دنوں تم ایروڈ ہوتے ہو، پاگل بنی رہتی ہے تمہارے لیے۔“
 ”آہم..... مگر وہ ہے کہاں..... صبح سے دکھائی نہیں دی۔“

”اپنے کمرے میں ہے شاید سو رہی ہے، میں نے دو تین بار آواز دی ہے مگر اس نے رسپانس نہیں دیا شاید گہری نیند سو رہی ہے۔“

”واؤ یعنی یہاں میں اس کی خوشیوں کے لیے منہ لگا رہا ہوں اور وہ شہزادی صاحبہ مزے سے گہری نیند سو رہی ہیں ابھی خبر لیتا ہوں اس کی۔“ سارہ بیگم کی اطلاع پر دل جلے سے لہجے میں کہتا وہ پھر سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ بھی صمد صاحب نے سارہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

غزل

آ نکھوں	میں	بے	خواب	سی	لڑکی
نیندوں	میں	اترے	عذاب	سی	لڑکی
چاند	کے	اس	پار	سنگین	میں
رہتی	ہے	وہ	ماہتاب	سی	لڑکی
باتوں	ہی	میں	کبھی	ہنسنا	رونا
بڑی	عجیب	وہ	بند	کتاب	لڑکی
دل	میں	ہے	دھڑکن	کی	طرح
خاموش	خاموش	حاضر	جواب	سی	لڑکی
دنیا	کی	بھول	بھلیوں	میں	کھیں
وہ	اپنے	آپ	میں	لڑکی	لڑکی
کانٹوں	بھری	اس	دنیا	فانی	میں
بہت	یاد	آتی	ہے	وہ	میں
			مجھے	گلاب	سی

عترہ یونس انا..... حافظ آباد

”میں جانتا ہوں سارہ کہ پری یہ حقیقت جاننے کے بعد کہ وہ میری سگی بیٹی نہیں ہے، بہت چپ چپ سی او اس رہنے لگی ہے مگر میرا خدا جانتا ہے، میں نے کبھی ایک لمحے کے لیے یہ تصور نہیں کیا کہ وہ میری سگی بیٹی نہیں۔ میں نے ہمیشہ اس کی معصوم صورت میں درمکنوں کا چہرہ دیکھا ہے۔ زندگی میں جب جب اس نے مجھے پایا کہا ہے میرے کانوں میں اس کی آواز، درمکنوں کی آواز کی پرچھائی بن کر امرت کی صورت اتری ہے۔ پیدائش کے بعد جب اس کا ننھا سا وجود میرے ہاتھوں میں تھمایا گیا تو میرے اندر سکون کی گہری لہر اتر گئی تھی۔ اس وقت سے لے کر آج تک میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ میری سگی بیٹی نہیں۔“

”میں سمجھتی ہوں صمید! بے شک درمکنوں اور پرہیان دنیا کی سب سے خوش نصیب بیٹیاں ہیں آج کل کے دور کی کہ جنہیں آپ جیسا محبت کرنے والا آئیڈیل باپ ملا۔“ سارہ بیگم کی پلکیں نم تھیں۔ صمید صاحب وہیں لاؤنج میں صوفے پر ٹک گئے۔

”کیا واقعی وہ درمکنوں کے آئیڈیل باپ تھے؟“ کبھی کبھی انسان کو بے چین کرنے کے لیے صرف ایک لمحہ ہی بہت ہوتا ہے۔ پاس کھڑی سارہ بیگم ان کے اضطراب سے بے خبر آنے والے دنوں کا سوچ کر خوش ہو رہی تھیں۔ انہیں لگا جیسے انہیں اپنی تمام تر ریاضتوں کا صلہ مل گیا ہو۔ وہ سفر جو بہت سال پہلے انہوں نے آبلہ پا، صمید حسن صاحب کے ساتھ شروع کیا تھا اس سفر کی تمام تر اذیتوں کو مرہم مل گیا ہو۔



صیام کو درکشاپ میں ملازمت مل گئی تھی۔ وہ ماہر موٹر مکینک تھا ہر قسم کے انجن کی خرابی چیک کر کے چند گھنٹوں میں دور کر دیتا مگر اس نے اس کام کو بطور فیشن نہیں اپنایا تھا۔ وہ پڑھا لکھا، مخلص تھا اس کے پاس تعلیمی ڈگریاں تھیں اسی لیے اسے یہ کام اپنے شایان شان نہیں لگتا تھا مگر حالات کی ستم ظریفی کہ اب اسے پارٹ ٹائم جاب میں یہی کام کرنا پڑ رہا تھا۔

صبح سے شام پانچ بجے تک اس کی آفس میں ڈیوٹی ہوتی اور پانچ سے سات بجے تک وہ درکشاپ پر کام کرتا اور پھر سات بجے کے بعد ٹھکن سے ٹڈ حال گھر کی راہ لیتا۔ مسلسل محنت اور ناسازگار حالات کی وجہ سے اس کی صحت بھی متاثر ہو رہی تھی۔ اس روز اس نے دفتر میں حتان سے قرض کے لیے بات کی تھی جب وہ بولا۔

”ابھی قرض ملنا مشکل ہے صیام، کیونکہ کمپنی ابھی کچھ نئے پروجیکٹس شروع کر رہی ہے پھر ابھی پچھلے مہینے میں نے ڈیڑھ

لاکھ کا قرض لیا ہے ایسے میں پھر سے میڈم سے قرض کی بات کرنا وہ بھی اس وقت جبکہ تیری جاب کو ابھی زیادہ ٹائم نہیں ہوا بہت مشکل ہے۔“

”میں ان ساری باتوں سے واقف ہوں مگر میرے حالات میرے بس میں نہیں ہیں یار۔“
 ”وہ تو ٹھیک ہے میں سمجھتا ہوں مگر اس جاب کی بھی کچھ مجبوریات ہیں یار، بہتر ہوگا اگر تم اپنے طور پر میڈم سے قرض کی بات کر لو۔“

”مجھ میں اتنی ہمت ہوتی تو تجھ سے کیوں کہتا۔“

”پھر اب کیا ہو سکتا ہے۔“

”پتا نہیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں؟“

”تم پریشان مت ہو اللہ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکالے گا۔“

”ہوں۔“ اثبات میں سر ہلا کر وہ حنان کے پاس سے اٹھ آیا تھا۔

اس روز درمکنون آفس آئی تو اس کے گلے میں دوپٹا تھا جو اس نے سینے پر پھیلایا ہوا تھا۔ صیام کو بے پناہ خوشی ہوئی۔ وہ اسے دن بھر کے پروگرامز سے آگاہ کر رہا تھا جب وہ بولی۔

”شام والا سائٹ وزٹ کینسل کر دیں کیونکہ شام میں مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے میری بہت کلوڈ فرینڈ کی سال گرہ ہے۔“
 ”جی ٹھیک ہے۔“

”اور آپ کے گھر میں سب ٹھیک ہیں۔“

”جی الحمد للہ۔“

”چلیں ٹھیک ہے حنان صاحب کو بھیجیں اندر پلیز۔“ اس کا لہجہ ہمیشہ بہت نارمل سا ہوتا تھا اس کے باوجود وہ اسے چاہنے سے باز نہ رہ سکا۔

درمکنون اس روز مکمل بلیک سوٹ میں ملبوس بے حد پیاری لگ رہی تھی صیام ضبط کی ہزار کوششوں کے باوجود اپنی نظروں کو بار بار اس کی طرف اٹھنے سے نہ روک پارہا تھا۔ شام میں جب وہ آفس سے نکل رہا تھا درمکنون نے اسے بلا لیا۔

”مسٹر صیام، پلیز گاڑی نکالیں، مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے۔ بہت لیٹ ہو گئی ہوں۔“ وہ اسے کہتا چاہتا تھا کہ آفس ٹائم ختم ہو گیا ہے اسے اب پارٹ ٹائم جاب کے لیے ورکشاپ پر جانا ہے مگر نہ کہہ سکا۔

جس وقت وہ گاڑی نکال رہا تھا ہلکی ہلکی بوند باندی ہو رہی تھی۔ درمکنون موبائل فون پر کسی سے بات کرتی گاڑی میں بیٹھی۔ صیام جس وقت گاڑی اشارت کر رہا تھا اس نے اسے کہتے ہوئے سنا تھا۔

”اوہ میری پیاری ماں آپ بالکل بھی پریشان مت ہوں، میں شاپنگ میں زیادہ وقت نہیں لگاؤں گی جلدی گھر بھیج دوں گی اسے مجھے بھی پتا ہے کہ موسم کے تیور ٹھیک نہیں، اتنی ظالم لباس نہیں ہوں میں جتنی آپ مجھے سمجھتی ہیں۔“ شاید وہ اسی کے بارے میں بات کر رہی تھی۔

صیام چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا۔ مارکیٹ پہنچنے تک ہلکی بوند باندی تیز بارش میں بدل گئی تھی۔ صیام کو درکشاپ کے مالک کی فکر لگی رہی پتا نہیں وہ کتنا ناراض ہو رہا ہوگا۔ درمکنون جیسے ہی گاڑی سے نکل گئی کسی سے ٹکرائی۔

”سوری۔“ پلٹ کر سوری کرتے ہوئے اس نے جیسے ہی مقابل کو دیکھا تو خوش ہو گئی۔

”ارے سادیز تم یہاں وہ بھی اتنی بارش میں؟“ مقابل کھڑے نوجوان کے لیے اس کی اتنی خوشی صیام کی سمجھ سے باہر تھی جبکہ نوجوان مسکرا رہا تھا۔

”ہوں، تم نے سنا نہیں بارش میں کیڑے کھڑے زیادہ نکلتے ہیں۔“ درمکنون مکمل کر رہی۔

صیام کا خون جل کر ساکھ ہو گیا۔ مگر وہ پروا کیے بغیر اس کی طرف تھکی تھی۔

”موسم خراب ہے آپ پلیز گھر چلے جائیں میرا فرینڈ مل گیا ہے میں اس کے ساتھ گھر چلی جاؤں گی۔“ وہ بے

آنجل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 216

READING
Section

جو اچھا لگتا ہے اسے غور سے مت دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کوئی برائی نکل آئے۔
جو بُرا لگتا ہے اسے غور سے دیکھو ممکن ہے کوئی اچھائی نظر آ جائے۔

ایمنہ رؤف..... جہلم

اکثر لوگ اس لیے اکیلے ہوتے ہیں کیونکہ وہ صرف سچ بولتے ہیں اور کوئی سچ سننا پسند نہیں کرتا۔

مصباح مسکان رؤف..... جہلم

نیازی سے بولی۔

میام اپنے اندر کی ہلچل پر قابو پاتے اس کے حکم پر چپ چاپ گاڑی سے باہر نکل آیا۔ مارکیٹ سے ٹیکسی لے کر جس وقت وہ درکشاپ پہنچا اور کشاپ بند ہو چکی تھی۔ اس کی بائیک آفس میں گھڑی تھی۔ درکشاپ سے آفس پہنچنے میں مزید پانچ سو روپے ٹیکسی کے کرائے کی مد میں خرچ ہو گئے۔

اس روز دفتر سے گھر پہنچنے تک وہ بہت بری طرح بھیگ چکا تھا اتنا کہ اگلے دن تیز بخار نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ بخارا تھا کہ اس سے آنکھیں بھی نہیں کھولی جا رہی تھیں۔

درمکنون اگلے روز آفس آئی تو میام کی غیر حاضری کی درخواست منسوخ ارہی تھی۔ وہ جی بھر کر اپ سیٹ ہوئی۔ آج ہی اسے وہ تمام اہم امور نمٹانے تھے جو کل شاپنگ کی وجہ سے اذو دور رہ گئے مگر..... آج ہی میام نے چھٹی کر لی تھی۔ حنان البتہ اپنی سیٹ پر موجود تھا۔ درمکنون نے اسے طلب کر لیا۔

”جی میڈم۔“

”مسٹر حنان، مسٹر میام کفون کریں مجھے آج بہت اہم وزٹ پر جانا ہے۔“ قدرے معذرت انداز میں اس نے حکم دیا تھا۔ حنان کی نظریں کی بورڈ پر تیزی سے حرکت کرتیں اس کی مخروطی موی اگلیوں پر جم گئیں۔

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میڈم کل بارش میں بہت زیادہ بھیگنے کی وجہ سے اسے بہت تیز بخار ہے میں نے صبح کال کی تھی ان کے گھر وہ بے ہوش پڑا ہے۔“

”مگر اسے بارش میں اتنا بھیگنے کی کیا ضرورت تھی؟“ ذرا کی ذرا اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

حنان نے جلدی سے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

”میری اس کی ماں جی سے بات ہوئی تھی وہ بتا رہی تھیں کہ وہ آفس سے بہت لیٹ گھر پہنچا تھا شاید اسی لیے بارش میں بھیگتا رہا۔“

”مگر میں نے تو اسے بہت جلدی بھیج دیا تھا خیر آپ جاسکتے ہیں۔“

”جی میم۔“ اثبات میں سر ہلا کر وہ پلٹا تھا کہ پھر رک گیا۔

”ایکسکوز می میم مجھے میام کے بارے میں آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔“

”جی کہیں۔“ پھر ذرا نظریں اٹھا کر اس نے حنان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ قدرے نرم ہو گیا۔

”وہ بات دراصل یہ ہے کہ میام کے حالات کچھ ٹھیک نہیں ہیں مطلب گھر کے حالات اس کے والد صاحب بستر پر پڑے ہیں ان کی آنکھ کا آپریشن ہونا ہے اور کڈنی کا بھی اوپر سے چھوٹی بہن کے سسرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں مگر گھر کی یہ حالت ہے کہ ایک ٹائم کھانا پکنا ہے دوسرے ٹائم کا پتا نہیں ہوتا۔ ایسے میں وہ چاہ رہا ہے کہ اگر کمپنی کی طرف سے اسے کچھ قرض مل جائے تو اس کے مسائل تھوڑے کم ہو سکتے ہیں۔“

”ایم سوری مسٹر حنان کمپنی اس وقت کسی بھی ورکر کو قرض دینے کی پوزیشن میں نہیں۔“

”مگر وہ بہت زیادہ کی ڈیما انڈ نہیں کر رہا میم۔“ درمکنون کے صفا چٹ جواب پر حنان نے ہلکا سا احتجاج کیا تھا

217 اُنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء

READING
Section

جب وہ خفگی سے بولی۔

”پیسوں کی ضرورت انہیں ہے اور وکیل بن کر آپ میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں کیا ان کے منہ میں زبان نہیں ہے، دوسری بات، ممانے جتنا لٹانا تھا لٹا دیا، میں اس کمپنی میں ترقی کیلئے آئی ہوں ایسے ہر روز ہر ورکر کی ضرورتوں پر کان دھرتی رہی تو ہو گیا بزنس اب آپ جائیں پلیز مجھے بہت کام ہے۔“ تلخ لہجے میں بات مکمل کرتے ہی اس کی انگلیاں پھر حرکت میں آ گئی تھیں۔

حنان بے حد شکستہ دلی کے ساتھ اس کے آفس سے باہر آیا تھا۔ اسی شام ساویز کے ساتھ اس کا ڈنر تھا وہ ملک سے باہر جا رہا تھا تبھی درمکنون نے اسے ڈنر کی پیش کش کی جسے اس نے خندہ پیشانی سے قبول بھی کر لی تھی۔ ساویز وائٹ کاشن کے کرتا شلوار میں ملبوس جبکہ درمکنون نے مکمل بلیک شلوار قمیص زیب تن کر رکھی تھی۔ ہلکے میک اپ کے باوجود اس کا حسن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ساویز جب اس کے سامنے آ کر بیٹھا تھا تو چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا تھا۔ ڈنر آؤٹ کر کے بعد درمکنون نے اس سے پوچھا تھا۔

”تمہاری تو شادی ہونے والی تھی ساویز پھر یہ اچانک سے در بدری کا بھوت کیوں سوار ہو گیا تمہارے سر پر۔“

”بس یار میں اس سے شادی نہیں کر رہا۔“

”مگر کیوں تمہاری تو محبت کی شادی ہو رہی تھی۔“

”ہو رہی تھی نا پر اب نہیں ہو رہی۔“

”وہی تو میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ اب کیوں نہیں ہو رہی؟“

”تم پوچھ کر کیا کرو گی؟“

”تمہیں سمجھاؤں گی اگر تم غلط ہوئے تو۔“

”میں غلط نہیں ہوں۔“

”ٹھیک ہے تو پھر مجھے ساری بات بتاؤ آخر چند دنوں میں ایسا کیا ہوا ہے جو تم شادی کے ساتھ ساتھ اپنی محبت سے بھی منکر ہو گئے ہو۔“ وہ جاننے کے لیے بضد تھی۔ ساویز نے نظریں اس کے خوب صورت چہرے سے ہٹالیں۔

”وہ میرے قابل نہیں ہے، ان فیکٹ میری بیوی بننے کے قابل نہیں ہے وہ۔“

”مگر کیوں؟“

”کیونکہ..... کیونکہ وہ ایک ایسی ماں کی بیٹی ہے جو شادی سے پہلے ہی ماں بن گئی تھی۔“

”وہاٹ.....؟“

”ہوں..... وہ اسی عورت کی بیٹی ہے جس نے مریرہ آنٹی سے ان کا محبوب شوہر اور تم سے تمہارا محبوب باپ چھین لیا تھا۔“

ساویز کے الفاظ نہیں سمجھنے کوئی ہم تھا جو اس کی سماعتوں پر گرا تھا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟“

”سچ کہہ رہا ہوں اس نے آج تک کبھی مجھے اپنی حقیقت نہیں بتائی اس روز میں تمہارے پرانے گھر گیا تھا تم سے ملنے مگر وہاں پہنچ کر خیر ہوئی کہ تم لوگ اپنا گھر بدل کر چکے ہو پانچ سال ویار غیر میں گزارنے کے سبب مجھے پتا ہی نہیں چل سکا کہ چھپے کیا کیا تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ یونیورسٹی میں بھی تم مجھ سے ایک کلاس آگے تھیں اسی لیے کبھی کل کر تمہاری زندگی ربات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ مگر اس روز تمہارے گھر تمہارے پایا کی تصویر مریرہ آنٹی کے ساتھ دیکھ کر میری آنکھیں حیران رہ گئی تھیں۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تم صمد انکل کی حقیقی بیٹی ہو سکتی ہو میں تو پری کو ہی ان کی حقیقی بیٹی سمجھتا تھا اور اسی لیے میں نے اسے ایک لائف پارٹنر کی حیثیت سے پسند کیا تھا مگر بعد میں بغیر کچھ جانے جب تم نے مجھے اپنی زندگی کی کہانی سنائی اور انکل آنٹی کی دوری کی اصل وجہ بھی میرے سامنے لائیں تب میرے حیرتوں تلے سے زمین لگی تھی بھلا میں سوچ بھی کیسے سکتا تھا کہ جس لڑکی کو اس کی عزت بچانے کے لئے مجبوراً صمد انکل نے اپنا نام دیا وہ لڑکی کوئی اور نہیں پر بیان کی سکی ماں سارہ آنٹی ہوں گی۔ میں بہت رویا تھا اس

□ جب انسان کو اس بات کا احساس ہو کہ وہ اب اپنے فرائض بخوبی اور احسن طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتا تو وہ اس کام کو چھوڑ دے۔

□ جہاں عزت نفس اور احترام آدمیت کو مجرد کیا جائے وہاں سے خاموشی سے چلے جانا چاہیے۔

□ جب لوگ ہم سے نکمڑ کر اور ہمیں چھوڑ کر خوش رہ سکتے ہیں تو ہمیں بھی ان کے بغیر خوش رہنا

سیکھ لینا چاہیے۔

□ کسی کے سامنے اپنے درد کو آشکار مت کرو کہ وہ کبھی بھی آپ کو اس بات کا طعنہ دے سکتا ہے۔

□ زندگی میں کبھی اس شخص کو صفائی مت دو جو آپ پر بھروسے کا دعویٰ کرتا ہے۔

□ زندگی سے روٹھے ہوئے کسی شخص کو زندگی بخشنا اور اسے خوشیاں دے کر تم اپنی آخرت بنا سکتے ہو۔

ہالہ سلیم..... کراچی

رات، اپنے ساتھ ہوئے تقدیر کے عجیب مذاق پر بہت محالے شکوے بھی کیے پوری رات دماغ اور دل کی جنگ میں الجھتا رہا اور بلا آخر دماغ جیت گیا۔ میں ایک ایسی لڑکی کو کسی طور اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکتا جس کا حوالہ ہی میرے لیے بے حد شرمندگی کا باعث ہو، محبت اپنی جگہ مگر میں اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوں کہ اتنی بڑی بات نظر انداز کر دوں۔ میں اس مشرقی معاشرے کا عزت دار، معزز شہری ہوں دریں، ایک داغ دار لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر کے بھلا میں اپنی پوری زندگی داغ دار کیسے کر سکتا ہوں۔ وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ درمکنون گم صدم اسے دیکھتی رہی۔ تبھی وہ پھر بولا تھا۔

”وہ میرے قابل نہیں ہے دریں، اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں، کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟“ اب کے وہ چونکی تھی۔

”دہاٹ م..... میں کیسے کر سکتی ہوں تم سے۔“

”کیوں، تم کیوں شادی نہیں کر سکتیں مجھ سے، مجھ میں کس چیز کی کمی ہے۔“

”بات کمی کی نہیں ہے ساویز، بات دل کی ہے میں نے تمہارے لیے کبھی کچھ خاص محسوس نہیں کیا اپنے دل میں۔“

”جانتا ہوں مگر یہ سب اس لیے تھا کیونکہ اس وقت میں کسی اور سے منسوب تھا۔ اب ایسی کوئی بات نہیں ہے لہذا تم ٹھنڈے

دل و دماغ سے میرے بارے میں سوچ سکتی ہو، جتنا تم کہو گی انتظار کر لوں گا۔“

”ٹھیک ہے مگر ابھی میں گھر جانا چاہوں گی میرے سر میں اچانک سے بہت شدید درد شروع ہو گیا ہے۔“

”اوکے، چلو میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔“

”نہیں تم کھانا کھاؤ پلیز، میں تھوڑی دیر سڑکیں ناپتی ہوئی گھر جاؤں گی۔“

”ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔“ وہ اس کے مزاج سے واقف تھا تبھی اس نے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

درمکنون الجھے دل و دماغ کے ساتھ وہاں سے اٹھا آئی۔

مریہ بیگم ہات بہت دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی تھیں۔ وہ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے گھر آئی تو محسن سے بے حال تھی تبھی

مریہ بیگم نے اس کی کلاس لینے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ بنا کھانا کھائے وہ اپنے کمرے میں آ کر فوراً بستر میں دبک گئی تھی۔

اس وقت خنکی موسم میں تھیں اس کے وجود میں اتاری ہوئی تھی۔ وہ عورت جس نے اس کی ماں کی زندگی اجاڑ کر رکھ دی تھی اس

کی بیٹی آج بھی کتنی شان کے ساتھ اسی کے سکے باپ کی لخت جگر بن کر عیش کر رہی تھی۔ جو حق اس کا تھا وہ حق وہ استعمال کر رہی

تھی۔ جائز اولاد ہو کر بھی اس کے حصے میں صرف محرومیاں آتی تھیں جبکہ وہاں اور باپ کے ساتھ ساتھ اسی کے بھائی کے پیار کی

بھی زعمہ مثال بنی ہوئی تھی۔

کیوں؟ اس نے اپنے اندر ٹٹول کر دیکھا وہاں ساویز سمیت کسی مرد کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس نے یونیورسٹی میں ساویز

کے ساتھ ایک سال گزار کر بھی کبھی دل میں اس کے لیے کوئی خاص جذبہ محسوس نہیں کیا تھا۔
 زاویار جیسے لڑکیوں سے الگ رہتا تھا بالکل ویسے ہی وہ مردوں سے شدید الگ رہتا تھا۔ پچیس سال اپنی ماں کی آنکھوں میں درد کی
 پر چھائیں دیکھنے کے بعد اس کے دل میں کسی مرد کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔
 مگر..... وہ پھر بھی سادیز کے لیے سوچ رہی تھی۔ کوئی جذبہ کوئی دلچسپی نہ ہونے کے باوجود وہ اس کے پر پوزل پر
 غور کر رہی تھی۔

پچیس سال پہلے جس عورت نے اس کی بے مثال ماں سے ان کا محبوب شوہر چھینا تھا آج اسی عورت کی بیٹی سے وہ اس کا
 ہونے والا محبوب شوہر چھین کر اپنے اندر سلگتی آگ کو بجھانے کا سوچ رہی تھی۔ بے شک اسی میں اس کی جیت تھی۔



پانیوں پہ مت لکھو
 پانیوں پر لکھنے کی عادتیں نہیں اچھی
 ان پہ جو بھی لکھو گے
 وصل ہو کہ فرقت ہو
 درد ہو کہ لذت ہو
 دائمی نہیں ہوتا
 پانیوں کی تحریریں بے ثبات ہوتی ہیں
 خوش گمان کرنی ہیں
 بے نشان کرتی ہیں

رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تھی جب زاویار گھر واپس آیا۔ لان کی لائٹ جل رہی تھی۔ وہ گاڑی پارک کرنے کے بعد باہر
 نکلا تو نظر سیدھی، لان کی سیڑھیوں پر کھنٹوں پہ سر ٹکائے بیٹھی پرہیان پر جا پڑی۔ وہ چونک اٹھا۔
 بھلا رات کے تین بجے وہ وہاں بیٹھی کیا کر رہی تھی جبکہ اس نے آج تک اسے کبھی تہجد پڑھتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کی
 سمت بڑھا اور پھر چپکے سے اس کے پہلو میں جا بیٹھا۔
 ”السلام علیکم! یہ دن بھر سونا اور رات میں آخری پہر تک جاگ کر تارے گننا کب سے شروع کر دیا میری مانو بیٹی نے۔“ وہ تھکا
 ہوا تھا مگر اس نے اپنی تھکن اس پر ظاہر نہیں کی تھی۔ پرہیان نے اس کے قریب بیٹھنے پر اپنے آنسو اندر تار لیے۔
 ”نیند نہیں آ رہی مگر بھائی، اسی لیے یہاں آ کر بیٹھ گئی۔“
 ”آہم..... اب نیند بھلا آ بھی کیسے سکتی ہے شادی میں صرف ایک ہفتہ جو رہ گیا ہے۔“
 ”ایسی بات نہیں ہے۔“

”پھر کیسی بات ہے تاؤ مجھے یہ تمہاری آنکھیں کیوں سوچی ہوئی ہیں کیا تم روتی رہی ہو پری؟“

”جھوٹ مت بولو مجھے تاؤ شاید اس کی بات ہے۔“ وہ ہنسنے لگا۔

پرہیان کے ضبط کی طنائیں ٹوٹ گئیں۔ آنسوؤں کا جھوٹا فانی اس نے اب تک روک رکھا تھا وہ ایک دم سے ابل پڑا۔
 زاویار کے کندھے سے ٹپک لگاتے ہوئے وہ بلک بلک کر روئی گئی۔ وہ پریشان ہو گیا۔

”پری، کیا ہوا، کسی نے کچھ کہا ہے سب ٹھیک تو ہے؟“ پرہیان میں اس کی جان بھی اور اس وقت اس کے آنسوؤں نے اس کی
 جان پر پناہ کر رکھی تھی۔ مگر وہ پروا کیے بغیر دل کھول کر روئی رہی یوں جیسے وہ مہربان کندھا پھر ملے گا ہی نہیں۔ زاویار چند لمحوں تک
 اس کی سسکیاں سنتا رہا پھر اس نے نرمی سے اس کا سر پکڑ کر اسے خود سے الگ کیا۔
 ”مجھے تاؤ کیا ہوا ہے؟“ وہ اب سنجیدہ تھا۔

غزل

زمانہ دوست ہو جائے تو بہت محتاط ہو جانا
 کہ اس کے رنگ بدلنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
 کوئی جو خواب دیکھو تو اسے فوراً بھلا دینا
 کہ نیندیں ٹوٹ جانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
 کسی کو دکھ کبھی دینا تو اتنا سوچ کر دینا
 کسی کی آہ لگنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
 بہت ہی معتبر ہیں جن کو محبت راس آ جائے
 کسی کو راہ بدلنے میں ذرا سی بدلنے لگتی ہے
 لیلیٰ رب نواز لیلیٰ..... و دھیوالی بھکر

برہیان نے نظریں پھیر لیں، اس کی آنکھیں جیسے جل رہی تھیں۔ عجیب بات تھی کہ وہ اس کو نہ اصل حقیقت بتا سکتی تھی نہ کچھ چھپا سکتی تھی بھی خود پر ضبط کرتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے شکستہ لہجے میں بولی۔

”میں ساویز آفندی کے ساتھ شادی نہیں کر رہی بھائی۔“

”دھاٹ..... مگر کیوں تم تو اسے پسند کرتی ہو۔“

”ہوں مگر وہ مجھے پسند نہیں کرتا بھائی، اس نے آج تک مجھے دھوکے میں رکھا، جھوٹ کہا مجھ سے کہ وہ مجھ سے پیار کرتا ہے حقیقت میں اسے میری ذات سے کوئی پیار نہیں تھا وہ جسٹ اس لیے مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں ایک رئیس باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اس کی نظر میں مگر جب اسے لگا کہ میں پایا سے کچھ نہیں لوں گی اس نے خود اپنے منہ سے مجھے ساری سچائی بتا دی۔ وہ بہت لاپچی شخص ثابت ہوا بھائی مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیوں اتنے سالوں تک اس کے اندر کی بات نہیں جان پائی کیوں کھلوانا ہی رہی میں اس کے ہاتھوں میں کیوں یہ سمجھتی رہی کہ پیار ہی اس دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہے جبکہ حقیقت میں پیار جیسی بے مول اور سستی چیز دوسری کوئی نہیں۔“

”ایسا نہیں ہے تم نے کیوں کہا اس سے کہ تم پایا سے کچھ نہیں لو گی؟“

”بس یونہی اس کی محبت کی حقیقت جاننا چاہتی تھی اور اسی حقیقت نے مجھے منہ کے بل گرا دیا۔“

”نہیں، تمہیں رد کرنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں ابھی اپنے کمرے میں جا کر تھوڑا فریش ہو کر بات کرتا ہوں اس سے۔“

”اس سے کیا ہوگا؟“

”میں نہیں جانتا مگر میں اس رشتے کو ایسے ٹوٹنے نہیں دوں گا۔“

”رشتہ ٹوٹ چکا ہے بھائی، میرے لیے اب دنیا میں ساویز آفندی نام کا کوئی شخص وعدہ نہیں اب اس شخص سے شادی میرے لیے موت کا دوسرا نام ہے۔“

”تم پاگل ہو گئی ہو پری؟“

”ہاں۔“

”مگر میں تمہیں پاگل نہیں بننے دوں گا میں اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دوں گا اگر اس کی وجہ سے دوبارہ ایک آنسو بھی آیا تمہاری آنکھوں میں۔“

”اب اس کی بھی ضرورت نہیں ہے بھائی، میں نے اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا ہے۔“

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 221

READING
Section

”مگر میں اسے نہیں چھوڑوں گا تم کمرے میں جاؤ ابھی میں اسے کال کرتا ہوں شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں وہ بھی اس وقت جب سارے رشتہ داروں میں شادی کے کارڈز بٹ چکے ہیں۔“ وہ برہم تھا پر ہیان بائیں ہاتھ کی پٹیلی سے اپنی نم آنکھوں کو رگڑتی رہی۔

زاویار نے فریش ہونے کے بعد ساویز کا نمبر ملایا تو وہ بند جا رہا تھا اس کے گھر کال کرنے پر پتا چلا کہ وہ تو ملک ہی چھوڑ گیا ہے تبھی وہ پتھر ہو گیا تھا۔ بھلا دنیا میں یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی شخص اس کی اکلوتی لاڈلی بہن اور صمد حسن جیسے کامیاب ایڈیل انسان کی پیاری بیٹی کو یوں آسانی سے رد کر کے چلا جائے۔ انہونی سی انہونی تھی۔

اگلے روز صبح ناشتے کی میز پر سارہ بیگم اور صمد صاحب کو بھی اس انہونی کی خبر ہو گئی تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے تھے۔ بھلا ساویز ان کی بیٹی کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا تھا جبکہ ساویز کے باپ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں بزنس کی دنیا میں متعارف کرانے والے خود صمد حسن تھے اور یہ سب انہوں نے صرف اور صرف اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لیے کیا تھا جو ساویز کو یونیورسٹی لائف سے ہی پسند کر رہی تھی وہ سمجھتے تھے کہ پر ہیان کو دنیا کی ہر خوشی دے کر وہ درگنوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا کفارہ کر لیں گے مگر ایسا نہیں ہو سکا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے تھے۔

پر ہیان تیز بخار میں پھنک رہی تھی اور وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کر فوراً ساویز کے گھر کی طرف نکل آئے تھے۔ بھلا ایک دم سے ایسی کیا بات ہو گئی تھی جو شادی سے محض ایک ہفتہ قبل ساویز نے رشتہ ہی ختم کر دیا تھا۔ پورے مدتے یہ سوال ان کے ذہن میں گونجتا رہا تھا۔ ایسے میں کب گاڑی ساویز کے گھر کے سامنے رکی انہیں مطلق خبر نہ ہو سکی۔ ڈرائیور نے ہی انہیں مطلع کیا تھا۔

”آفندی صاحب کا گھر آ گیا ہے صاحب۔“ وہ چونکے اور پھر فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی بے نکل آئے۔ احمد آفندی صاحب طبیعت کی ناسازی کے باعث پچھلے تین چار روز سے گھر پر ہی آرام کر رہے تھے تبھی ان کا استقبال خود آفندی صاحب نے کیا تھا۔ مسز سعدیہ آفندی بھی گھر پر ہی تھیں۔ صمد صاحب ڈرائنگ روم کے بجائے وہیں لاؤنج میں ٹپک گئے۔

”آپ لوگ یقیناً حیران ہو رہے ہوں گے کہ میں بنا اطلاع کیسے یوں صبح ہی صبح کیسے نازل ہو گیا۔ مگر بات ہی کچھ ایسی تھی کہ میں خود کو روک نہیں پایا۔“ انہوں نے تمہید باندھی تبھی مسز آفندی بول اٹھیں۔

”جی نہیں، آپ کا اپنا گھر ہے آپ جب جس وقت چاہیں یہاں آ سکتے ہیں ان شاء اللہ ہمارے گھر کے دروازے آپ کو ہمیشہ کھلے ملیں گے۔“

”میں جانتا ہوں شاید اسی لیے میں نے اپنی لاڈلی بیٹی کا رشتہ اس گھر سے جوڑا تھا مگر ابھی جو بات میں سن کر آیا ہوں میرا دل اسے کسی طور تسلیم نہیں کر رہا۔“

”دل تو ہمارا بھی تسلیم نہیں کر رہا تھا جب ہم نے ساویز کے منہ سے انکار سنا تھا مگر اس نے جواز ہی اتنا مضبوط پیش کیا ہم چاہتے ہوئے بھی اس کے فیصلے کی مخالفت نہ کر سکے۔“ اس بار پھر مسز آفندی نے جواب دیا تھا۔ صمد صاحب کی حیرانی مزید بڑھ گئی۔

”کیسا جواز؟“

”ہم ہیان کرکٹ آپ کی بے عزتی نہیں کرنا چاہتے مگر چپ رہ کر آپ کی نظروں میں اپنا مقام بھی نہیں گرا سکتے اس لیے میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے معذرت کرنا چاہتا تھا۔“

”کیسی بے عزتی، آپ پلیز مکمل کر بتائیں کیا معاملہ ہے۔“ احمد صاحب کے لب کھولنے پر وہ مزید بے چین ہوئے تبھی انہوں نے بتایا۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ پر ہیان بہت اچھی بچی ہے مگر ہم اس رشتے سے اس لیے بے حد خوش تھے کیونکہ یہ ہمارے بیٹے کی خوشی تھی اس نے زندگی میں پہلی بار کچھ مانگا تھا اسی لیے ہم سوالی بن کر آپ کے گھر آ گئے مگر اس وقت ہم قطعاً یہ نہیں جانتے تھے کہ پر ہیان آپ کی سگی بیٹی نہیں، بلکہ کسی اور کا گناہ ہے ساویز کو جانے کیسے یہ ساری کہانی پتا چل گئی کہ آپ نے اپنی بیوی اور

سکی بیٹی کے حقوق سے منہ موڑ کر ایک داغ دار عورت کو اپنا نام دیا اور معاشرے میں عزت دلوائی، مگر حقیقتاً وہ عزت کے لائق نہیں تھی۔ اسی لیے ساویز نے اس رشتے سے انکار کر دیا ہے معاف کیجیے گا مصمد صاحب، ہم خود بھی ایسی لڑکی کو اپنے گھر کی زینت نہیں بنا سکتے جس کا وجود ایک سوالیہ نشان ہو۔“

”بس..... اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کروں گا۔“ احمد آفندی صاحب کی بات درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے مصمد صاحب بوڑھے شیر کی مانند دھاڑے تھے۔

”میری بیٹی کا وجود گناہ نہیں ہے، نہ ہی کوئی سوالیہ نشان ہے، اس کی ماں ایک پاک باز عورت تھی اور ہے، میری زوجیت میں آنے سے پہلے ان کا نکاح ہو چکا تھا مگر یہ ان کی بد نصیبی تھی کہ وہ اپنی منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی غلطی کا شکار ہو کر بے نام و نشان رہ گئیں۔ ان کے سابق شوہر نے ان کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف ان کی پاکیزگی کو چیلنج کیا بلکہ بعد میں ایک چھوٹی سی بے بنیاد بات کا ایسا ثوبنا کر انہیں خود سے الگ کر دیا بھی مجبوراً مجھے اپنا نام دینا پڑا انہیں، مگر یہ بات کسی طور پر درست نہیں کہ میں نے اپنی سگی بیٹی یا اس کی ماں کے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی وہ خود مجھے چھوڑ کر گئی تھی۔“ وہ بتانا نہیں چاہتے تھے مگر جذبات میں آ کر بتا گئے تھے۔ احمد آفندی صاحب اور مسز آفندی کا منہ دیکھنے والا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“
 ”وہی جو سچ ہے مگر اب مجھے کسی قیمت پر آپ لوگوں کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رکھنا میری بیٹی اتنی بے مول نہیں ہے کہ کوئی بھی اس کے وجود پر انگلیاں اٹھاتا پھرے اور میں چپ چاپ برداشت کرتا رہوں۔“ سخت غصے سے کہتے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس سے پہلے کہ آفندی صاحب یا ان کی بیگم ان سے کچھ کہہ پاتے وہ واپس پلٹ گئے تھے۔



زاویار گھر پر نہیں تھا۔ سارہ بیگم بھیگی پلکوں کے ساتھ لاؤنج سے اٹھ کر پرہیان کے کمرے میں چلی آئیں جو تکیوں کے سہارے بیڈ پر بیٹھی ہٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر ان کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا تھا۔
 ”پری۔“ تڑپ کر اسے پکارتے ہوئے وہ اس کی طرف بڑھی تھیں۔ پرہیان نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔
 ”پری.....!“ وہ اب قریب آ کر بیٹھی تھی بھی پرہیان نے آنکھیں کھول دیں۔

”کون پری ماما، ساری زندگی آپ مجھے پری پری کہہ کر دھوکہ دیتی رہیں اور میں، میں نے آپ کے لفظوں کے فریب میں آ کر واقعی خود کو ایک پری سمجھنا شروع کر دیا ایک ایسی پری جو محبت کے جادو کی چھڑی گھما کر کچھ بھی حاصل کر سکتی ہے مگر حقیقت یہ نہیں تھی حقیقت وہ تھی جو دنیا نے مجھے بتائی نہیں، بلکہ کسی تمانچے کی صورت میرے منہ پر ماری اور میں تڑپ کر رہ گئی۔“
 ”کیسی حقیقت۔“ سارہ بیگم کی آنکھیں نم تھیں مگر پرہیان نے ان کی آنکھوں میں دیکھنے کی بجائے بے زاری سے منہ پھیر لیا۔

”خدا کا واسطہ ہے ماما میرے سامنے ایسی اداکاری مت کیا کریں جیسے آپ کو کسی حقیقت سے آشنائی ہی نہیں، آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں کس حقیقت کی بات کر رہی ہوں، سالوں پہلے آپ نے دو محبت کرنے والے لڑکوں کے درمیان دھاڑ پیدا کی ان کی زندگیوں میں دیر گھولا ایک عورت ہوتے ہوئے بھی اپنے ہی جیسی ایک عورت کا گھر پر ہاؤ کیا نہ صرف گھر پر ہاؤ کیا بلکہ اس کے معصوم بچوں کو بھی تقسیم کر دیا ایک باپ کی محبت سے محروم ہوا تو دوسرا ماں کی کیوں صرف اپنا گناہ چھپانے کے لیے اپنی ناجائز اولاد کو ایک جائز نامہ دینے کے لیے۔“

”پرہیان۔“ اب تک خاموش بیٹھی سارہ بیگم چانگ دھاڑی مگر پرہیان نے پروا نہیں کی اس کی آنکھوں سے بہت روانی کے ساتھ آنسو بہہ رہے تھے۔

”دھاڑیں مت کیونکہ آپ کے دھاڑنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی آپ کا کردار بدل نہیں جائے گا۔ آپ نے وہ کیا ہے ماما کہ مجھے آج آپ کو اپنی ماں کہتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔ ساری عمر اپنا گناہ چھپا کر جو اپنی سگی اولاد سے جھوٹ بولتی رہی وہ میری ماں ہے جس کا کردار میرے لیے کسی گالی سے کم نہیں، وہ میری ماں ہے آج جس کے حوالے نے مجھ سے میری پانچ

سالہ محبت کو چھین کر مجھے اندھیروں کے سپرد کر دیا ہے وہ میری ماں ہے نفرت محسوس ہو رہی ہے مجھے آج آپ سے، خود اپنے آپ سے بار بار باتھ لے کر بھی میں اپنے وجود سے اتنی بے بسی سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پا رہی یہ کس عذاب میں ڈال دیا آپ نے ماما کہ نہ جی پار ہی ہوں نہ مر رہی ہوں۔ ”وہ بہت اذیت میں تھی۔ سارہ بیگم کی آنکھوں سے کئی آنسو ایک ساتھ ٹوٹ کر گر پڑے۔“ حقیقت وہ نہیں ہے جو تم جانتی ہو۔“

”مما پلیز، بس کریں اب، مت بولیں کوئی اور جھوٹ مجھ سے سارے پردے اٹھ گئے ہیں اب اور کب تک مجھے بچی سمجھ کر بہلاتی رہیں گی آپ، میں جان گئی ہوں کہ کسوں آپ اور پاپا ایک ہی بیڈروم میں نہیں رہتے، میں سب جان گئی ہوں ماما آپ کچھ بھی کہیں، جتنی قسمیں بھی کھائیں میں زندگی بھر بھی آپ کی کسی بات کا اعتبار نہیں کر سکوں گی۔ نفرت محسوس ہو رہی ہے مجھے آپ سمیت ان تمام عورتوں سے جو صرف اپنی خوشی اور خواہش پر محض چند لمحوں کی راحت کے لیے ننھے ننھے معصوم پھولوں کو، دنیا کے اس بازار میں نمائش بنا کر رکھ دیتی ہیں بھی ان کا دل یہ سوچ کر نہیں پھٹتا کہ ان کے چند لمحوں کی لغزش ان کے وجود سے جہنم لینے والے بچے کے لئے ساری عمر کا عذاب بن جائے گی۔ حالانکہ بچوں کا تو کوئی قصور نہیں ہوتا، وہ تو قدرت کے جائز طریقوں پر ہی دنیا میں آنکھ کھولتے ہیں، مگر پھر بھی ساری عمر کی سنگ باری ان کا مقدر بن جاتی ہے، پاپا تو اعلیٰ ظرف ہیں مگر زواریا بھائی..... کیا میری حقیقت جاننے کے بعد وہ مجھ سے پیار کریں گے۔ کبھی نہیں، جو بھائی آج مجھ پر جان چھڑکتا ہے کل وہی میری اصلیت جاننے کے بعد مجھ پر تھوکتھو کرے گا۔ کتنی عزت کرتا ہے وہ آپ کی مگر کل جب اسے پتا چلے گا کہ آپ اس کی سگی ماں نہیں ہیں بلکہ ان کی سگی ماں سے ان کا حق چھین کر انہیں زمانے میں در بدر کرنے والی ہیں تب سوچیں وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا آپ نے کسی کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا ماما، کسی کے ساتھ بھی نہیں.....!“ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر روتے ہوئے اس نے اپنے اندر کی ساری بھڑاس نکالی تھی جبکہ اس کے مقابلے میں سارہ بیگم کے آنسو جیسے برف ہو گئے تھے۔

اس درجہ بدگمان ہوئی بیٹی کے سامنے بھلا ماضی کی کتاب گرد آلود اوراق پلٹنے کا فائدہ بھی کیا تھا؟ وہ چاہتے ہوئے بھی اس وقت اپنی صفائی پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھیں۔

زواریا جو ابھی کچھ منٹ پہلے ہی گھر واپس لوٹا تھا اور اپنے ساتھ پرہیان کے بھی انگلیٹڈ کے سفر کے کاغذات مکمل کروا کر لایا تھا اس کے کمرے کی دہلیز پر ہی ساکت ہو گیا۔ یہ کیسی حقیقت تھی جس کا انکشاف پرہیان صمد کر رہی تھی؟ یہ کیسا سچ تھا جس نے اس کی شخصیت کی بنیادوں کو ہی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس نے تو آج تک یہی جانتا تھا کہ دنیا میں اس کی ایک مہریان ماں اور ایک بہت پیاری سی بہن ہے جو کہ سارہ بیگم اور پرہیان کی شکل میں اس کے سامنے تھیں مگر پرہیان یہ کیوں کہہ رہی تھی کہ وہ سچ نہیں تھا۔ سچ وہ تھا جسے جاننے کے بعد وہ سارہ بیگم اور پرہیان کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتا ایسا کون سا سچ تھا؟ اگر تھا تو اب تک وہ اس سے بے خبر کیوں تھا؟ صمد حسن کے علاوہ دوسرا کون تھا جو گزرے ہوئے ماضی کے گرد آلود اوراق پلٹ کر اسے اصل حقیقت بتا سکتا تھا؟ کیونکہ وہ جانتا تھا صمد حسن صاحب اسے کبھی وہ سچ نہیں بتائیں گے جو اس کے لیے جاننا اب بے حد ضروری ہو گیا تھا تبھی۔ پھر ہوئے اعصاب کے ساتھ وہ پلٹا اور تیز تیز قدم اٹھاتا گھر سے باہر نکل گیا تھا۔



اس روز سنڈے تھا۔ عائلہ نے کچن کے چند ضروری کاموں سے فراغت کے بعد مشین لگالی۔ کرنل صاحب کی طبیعت اب پہلے سے کافی بہتر تھی تبھی صمد اپنے کسی ضروری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر چلا گیا تھا۔ اس روز کافی دنوں کے بعد تھوڑی سی دھوپ نکلی تھی اور عائلہ نے اسی دھوپ کا فائدہ اٹھایا مگر وہ ابھی آدھے کپڑے بھی نہیں دھوپائی تھی کیا چانک پھر آسمان پر گنے پادلوں کا راج ہو گیا تھا۔ سردی کی شدت میں بھی قدرے اضافہ ہوا تھا۔ تبھی اس کے ہاتھ مزید پھرتی سے چلتے ہوئے کپڑوں کے ساتھ دیگر کام بھی پنٹانے لگے تھے کرنل صاحب اس کی پھرتیاں دیکھ رہے تھے جانے کیوں تبھی اسے دیکھتے ہوئے انہیں مریرہ رحمان بہت شدت سے یاد آتی تھی۔ روزمرہ زندگی کے بہت سے معاملات میں عائلہ ہو بہو مریرہ کی کاپی تھی اس کی شخصیت میں بہت کچھ مریرہ سے ملتا جلتا تھا اس کی گھٹگو کا اعزاز، اس کی

سوچ، اس کے گھریلو کام نپٹانے کے طریقے اس کی چال سب میں مریرہ کا عکس تھا۔ انہیں لگتا تھا جیسے عالم کی صورت میں وہ اس گھر میں واپس لوٹ آئی ہو، بارش اچانک شروع ہو گئی تھی۔

چند روز قبل سدید قیمتی کبوتروں کا جوڑا لایا تھا وہ بھی اس وقت محن میں رکھے چھوٹے سے بخرے میں بھیکتے ہوئے پھڑ پھڑا رہے تھے مگر عالم کو فی الوقت ان پر توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی۔ پور پور بارش میں بھیک، بنا اپنے حلیے پر توجہ کیے وہ پھرتی سے اپنے کام نپٹانے میں مصروف تھی جب اچانک بیرونی گیٹ پر ہونے والی دستک نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ وہ چونکہ گیٹ کے قریب تھی بھی کرٹل صاحب کو اٹھنے کی زحمت دیے بغیر اس نے فوراً آگے بڑھ کر خود ہی گیٹ کھول دیا۔ وہ جانتی تھی اس وقت سوائے سدید کے گیٹ پر اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا مگر اس کا قیاس غلط ثابت ہوا تھا۔

گیٹ پر اس وقت سدید علوی کی بجائے زاویار حسن کھڑا تھا لائٹ گرے ڈریس پینٹ پر بلیک چیک وار شرٹ زیب تن کیے وہ خود بھی محض چند لمحوں میں ہی عالم کی طرح بارش میں بھیک گیا تھا۔ وہ جہاں کی تہاں کھڑی اسے دیکھتی رہی تھی۔ بھلا وہ شخص جس کی گردن میں سر یافت تھا وہ اس کے گھر کی دہلیز پر کھڑا کیا کر رہا تھا؟ عالم نے دیکھا اس کی آنکھیں صاف دھول اڑانی محسوس ہو رہی تھیں۔

”کرٹل صاحب ہیں گھر پر؟“ بناد عا سلام کے قدرے خشک لہجے میں اس کے حلیے پر توجہ دیے بغیر وہ پوچھ رہا تھا۔ عالم نے فوری خود کو سنبھال لیا۔

”جی..... جی ہاں۔“

”مجھے ان سے ضروری کام ہے، کیا ابھی ملاقات ہو سکتی ہے۔“

”شیور۔“ وہ اس مغرور شخص کا اپنے گھر کی دہلیز تک چلتا نا ہی، غصہ نہیں کر پار ہی تھی کہ کجا کہ اس کا کرٹل صاحب سے ضروری کام۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

تاہم اس نے خود کو گیٹ کے دائیں طرف سے سمٹتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔ باہر اس وقت جتنی بھی تیز بارش برس رہی تھی زاویار حسن کے اندر برستی بارش سے زیادہ تیز نہیں ہو سکتی تھی۔



”السلام علیکم۔“ عالم کی حیرانی کو قطعی کوئی اہمیت دیے وہ کرٹل صاحب کے قریب آیا جو برآمدے میں بیٹھے باہر محن میں ہونے والی بارش کا جائزہ لے رہے تھے۔ زاویار کے سلام پر انہوں نے قدرے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا جب عالم فوراً قریب چلی آئی۔

”یہ زاویار ہے بابا، صمد النکل کے بیٹے، برسوں بیرون ملک میں زندگی گزارنے کے بعد ابھی چند ہی روز پہلے پاکستان آئے ہیں مریرہ آنٹی سے ملنا ان کے بیٹے کا نام تو سنا ہوگا آپ نے۔“ عالم کے تفصیلی تعارف پر آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے زاویار کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما تھا۔

”وعلیکم اسلام آؤ بیٹھو، کیسے آنا ہوا؟“

”کچھ ضروری کام تھا آپ سے۔“ کرٹل صاحب کے مقابل کین کی کرسی سنبھالتے ہوئے اس نے قدرے خشک لہجے میں کہا۔ کرٹل صاحب نے آنکھ کے اشارے سے عالم کو وہاں سے رخصتی کا پیغام دے دیا۔

”ہوں کہو۔“ عالم کے جانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

زاویار کا دماغ اس حد تک الجھا ہوا تھا کہ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ وہ جو پوچھنا چاہتا ہے اس کی تمہید کیسے باندھے؟ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بلا آخر اس نے لب ہلائے تھے۔

”میں آپ کو اس موسم میں تکلیف دینے کے لیے معذرت چاہتا ہوں مگر حقیقت میں اس وقت میں اتنا پریشان ہوں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آپ کے سوا اور کس کے پاس جاؤں اصل میں، میں نے ہمیشہ اپنے پاپا کے لبوں پر آپ کا ہی ذکر سنا ہے آپ کے احسانوں کی وجہ سے وہ عالم کے ساتھ بھی بالکل حقیقی بیٹیوں کا سا برتاؤ کرتے ہیں، میں جانا چاہتا ہوں کہ آپ ان کی

زندگی کے بارے میں کتنا جانتے ہیں۔“

”یہ سوال تو تم اپنے باپ سے بھی کر سکتے تھے برخوردار۔“

”نہیں، ان سے اگر کر سکتا تو اتنے خراب موسم میں یہاں آنے کی خواری کبھی نہ اٹھاتا۔“ وہ واقعی پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

کرنل صاحب نے اپنا وجود کرسی پر ڈھیلا چھوڑ دیا۔

”کیا جاننا چاہتے ہو صمد حسن کی زندگی کے بارے میں۔“

”سب کچھ، وہ ابتدا سے کیسے انسان ہیں آپ کے ساتھ ان کا کیا تعلق ہے۔ انہوں نے کتنی شادیاں کیں اور ان کے کتنے بچے ہیں سب؟“ وہ بے چین تھا یوں جیسے اسے ہر حقیقت سے۔ بے خبر رکھا گیا ہو۔ کبھی وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

”جتنا میں جانتا ہوں صمد شروع سے ایک نیک شریف فرماں بردار اور ایمان دار شخص ہے اس نے زندگی میں کبھی کسی

معاملے میں بددیانتی نہیں کی وہ بہت کم عمر تھا جب اس کے ماں باپ کی رحلت کے بعد میں اسے یہاں اپنے گھر لایا تھا اپنا بیٹا بنا

کر کیونکہ میرا اپنا سا بچہ بیٹا علی کا باپ یہاں سے کوسوں دور دیار غیر کی خاک چھان رہا تھا صمد کی نیکی اور شرافت نے مجھے اتنا متاثر

کیا کہ میں نے اپنی حقیقی بیٹی مریرہ رحمان کی شادی اس کے ساتھ کر دی اسی کے بطن سے تم نے اور درمکنوں نے جنم لیا تھا مگر اس

وقت وہ دونوں یہاں نہیں رہتے تھے صمد نے نیا نیا کاروبار شروع کیا تھا اور وہ مریرہ کو تمہاری پیدائش سے پہلے ہی یہاں سے لے

کر چلا گیا۔“

”پھر۔“ اس کی بے چینی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ کرنل صاحب نے چند لمحوں کے توقف کے بعد دوبارہ بولنا شروع کیا۔

”پھر پتا ہی نہیں چلا کہ ان دنوں کے درمیان غلط فہمیوں نے جنم لیتا شروع کر دیا وہ جو سانس بھی ایک دوسرے کو دیکھ کر

لیتے تھے دریا کے دو کناروں کی طرح ایک دوسرے سے الگ ہو گئے میں ان دنوں اپنے بیٹے سکندر کے پاس تھا پاکستان واپسی پر

مجھے پتا چلا تھا کہ صمد نے دوسری شادی کر لی اور مریرہ اسے چھوڑ کر جانے دنیا کی بھیڑ میں کہاں گم ہو گئی اور تم بہت چھوٹے تھے

ان دنوں وہ تمہیں ساتھ لے کر جانا چاہتی تھی مگر صمد نے تمہیں اس کے ساتھ نہیں جانے دیا وہ تمہاری وجہ سے اسے روکنا چاہتا تھا

مگر وہ نہیں رکی، اس نے پلٹ کر کسی رشتے کی طرف نہیں دیکھا نہ میری طرف نہ تمہارے باپ کی طرف۔“

”اس کا مطلب میں مریرہ رحمان کا بیٹا ہوں سارہ صمد حسن کا نہیں۔“ اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ کرنل صاحب

نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”ہوں تمہارے باپ کی دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔“

”تھینک یو، میں چلتا ہوں اب۔“ فوراً ہی اس نے اٹھنے کے لیے پرتولے تھے جب کرنل صاحب بولے۔

”نہیں تم اس گھر میں پہلی بار آئے ہو چائے پیے بغیر میں تمہیں جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔“

”ایم سوری کرنل صاحب میں اس وقت بہت ڈسٹرب ہوں آپ کی چائے ادھار رہی مجھ پر، ابھی میرا جانا بہت ضروری ہے

پلیز۔“ مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھا تا وہ واقعی بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ کرنل صاحب نے زیادہ اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

راویار عائلہ کے گھر سے نکلا تو اس کی آنکھوں سے جیسے لہو ٹپک رہا تھا وہ دن اس نے جیسے پورا کیا تھا صرف وہی جانتا تھا اگلے

روز کی پہلی فلائٹ کے ساتھ اس نے پاکستان چھوڑ دیا۔ بنا کسی کو بتائے بنا کسی کو مطلع کیے۔ اپنا سیل بھی اس نے آف کر دیا تھا۔

صمد صاحب ایک اذیت سے لکھے نہیں تھے کہ دوسری گلے آ پڑی تھی۔ بار بار زاویار کے سیل پر کال کرنے کے بعد مایوس ہو

کر انہوں نے عائلہ کو کال ملائی تھی جو گھر سے آفس کیلئے نکل چکی تھی۔

”السلام علیکم۔“ تیسری بیل پر ان کی کال پک ہوئی تھی۔

”وعلیکم السلام کیسی ہو بیٹا؟“

”میں فائن اکل، آپ سنائیں۔“

”میں بھی ٹھیک ہوں اصل میں پچھلے دنوں بہت زیادہ مصروفیت کی وجہ سے مجھے گھر چکر لگانے کی فرصت ہی نہیں مل سکی۔

زاویار ٹھیک ہے نا اب تمہارے ساتھ۔“

”جی انکل اس روز کے بعد دوبارہ انہوں نے مجھے پریشان نہیں کیا وہ بے کل وہ خود کافی پریشان دکھائی دے رہے تھے۔“

”کل کب؟“

”کل جب وہ بارش میں پہلی بار ہمارے گھر آئے تھے بابا سے ملنے۔“

”بابا سے ملنے۔“

”جی انکل انہیں بابا سے کوئی بہت ضروری بات کرنی تھی وہ بہت ڈسٹرب لگ رہے تھے۔ واپسی پر میں نے دیکھا ان کی آنکھوں سے جیسے لہو ٹپک رہا تھا۔“

”وہاٹ؟“

”جی انکل جو میں نے محسوس کیا وہ یہی ہے وہ شاید کسی بات پر بہت دل برداشتہ تھے۔“

”کرنل صاحب سے کیا بات ہوئی اس کی؟“

”پتا نہیں، بابا نے مجھے وہاں ٹھہرنے نہیں دیا تھا۔“

”او کے اس وقت وہ کہاں ہوں گے؟“

”اپنے کسی ریٹائرڈ دوست کی طرف نکلے ہیں سیل بھی گھر پر ہی چھوڑ گئے۔“

”ٹھیک ہے میں شام میں چکر لگاؤں گا۔“

”شیور۔“

”اپنا خیال رکھنا خدا حافظ۔“

”خدا حافظ۔“ زاویار کی طرح عائکہ کو وہ بھی کافی پریشان لگ رہے تھے مگر وہ چاہتے ہوئے بھی ان سے ان کی پریشانی کا سبب نہیں پوچھ سکی تھی۔

زاویار اس روز آفس نہیں آیا تھا عائکہ کو بے حد مایوسی ہوئی جانے کیوں وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی شاید صمد انکل کی وجہ سے یا شاید ان کی پریشانی کی وجہ سے۔ کچھ بھی تھا وہ کم از کم صمد حسن کو زندگی میں کبھی بھی پریشان نہیں دیکھنا چاہتی تھی اگر انہوں نے شام میں گھر چکر لگانے کا عندیہ نہ دیا ہوتا تو اب تک وہ ان کے گھر پہنچ چکی تھی۔ صمد حسن کی ذات کے ساتھ اس کی عقیدت کچھ اسی قسم کی تھی۔

اس روز پہلی بار وہ پورے دن آفس میں خود کو زاویار حسن کا انتظار کرنے اور اپنی سیٹ سے اٹھنے تک اس کے بارے میں سوچنے سے باز نہیں رکھ سکی تھی۔



شام ڈھل چکی تھی۔ صمد گھر واپس آیا تو بے حد تھکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ عائکہ کچن میں تھی اور کرنل صاحب صمد حسن صاحب کے ساتھ باہر لان میں نشست سنبھالے بیٹھے تھے وہ کچھ دیر ان کے پاس رک کر کچن میں چلا آیا تھا۔

”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام آگئی گھر کی یاد؟“

”ہوں۔“

”بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو، پیدل چل کر آئے ہو کیا؟“

”ہوں یہی سمجھ لو۔“ دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے اس نے سب سے ٹیک لگائی تھی۔ عائکہ نے چائے کپوں میں انڈلی۔

”چائے پیو گے؟“

”ہوں، مگر پہلے ہاتھ لوں گا، بہت تھکن محسوس ہو رہی ہے۔“

”ٹھیک ہے تم پہلے ہاتھ لے لو میں تب تک روٹی ڈال لیتی ہوں پھر مل کر زکرتے ہیں۔“

READING
Section

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 228

”ٹھیک ہے تم کھانا لگاؤ میں آتا ہوں ابھی فریش ہو کر۔“ تھکے تھکے سے لہجے میں کہتا وہ انہی قدموں پر واپس پلٹ گیا تھا۔
عائکہ چائے کے ساتھ شامی کباب اور چکن رول لے کر باہر لان میں چلی آئی کرنل صاحب اور صمد حسن نے جو بھی اسے
آتے دیکھا فوراً چپ سا دھلی وہ سمجھ گئی کہ وہ دونوں اس کے سامنے کوئی بات نہیں کرنا چاہتے تھے بھی چائے سرد کر کے وہاں بیٹھنے کی
 بجائے فوراً واپس پلٹ آئی تھی۔ صمد حسن اب کرنل صاحب سے کہہ رہے تھے۔
”آپ جانتے ہیں میں پہلے بھی غلط نہیں تھا پھر بھی وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی اب وہی کہانی اس کا بیٹا و ہرار ہا ہے۔“
”اس کا قصور نہیں ہے تم نے ایک بار پھر غلطی کی ہے صمد، اتنے سال اسے حقیقت سے بے خبر رکھ کر یہی غلطی تم نے مریرہ
کے معاملے میں کی تھی۔“

”میں مجبور تھا انکل، تب بھی مجھے یہی خوف تھا کہ سچ جاننے کے بعد وہ مجھے چھوڑ کر نہ چلی جائے اور اس نے یہی کیا۔ زاویار
کے معاملے میں بھی میں اسی خوف کا شکار تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی حقیقی ماں کے بارے میں جانے اور پھر اس کی تلاش میں
نکل کھڑا ہو، میں مریرہ رحمان کی واحد نشانی کو کسی طور خود سے دور ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔“
”غلط سوچ تھی تمہاری تم جانتے ہو سچ کبھی چھپتا نہیں ہے۔“

”جی میں جانتا ہوں اور میں نے سوچ رکھا تھا جیسے ہی پری کی شاوی ہو جائے گی میں اسے خود سب سچ بتا دوں گا۔ وہ مجھے
تھوڑی مہلت تو دیتا۔“

”اب کیا کیا جاسکتا ہے جو سچ تم نے برسوں اس سے چھپایا وہ اسے پتا لگ گیا کسی بھی ذریعے سے مجھ سے تو وہ صرف
تصدیق کے لیے پوچھنے آیا تھا اور میں نے تصدیق کر دی۔“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں، میں زندگی میں ہمیشہ جس چیز کو کھونے سے ڈرتا ہوں وہی چیز مجھ سے کھو جاتی ہے جس
نقصان سے بچ کر چلنا چاہتا ہوں وہی نقصان ہو جاتا ہے۔“ صمد صاحب کا لہجہ بے حد آرزو محسوس ہوتا تھا۔ عائکہ ملول سی
کچن میں چلی آئی۔

تو یہ وحشی صمد حسن اور زاویار صمد حسن کے پریشان ہونے کی؟ باہر لان میں کرنل صاحب اب صمد صاحب کو تسلی دے
رہے تھے وہ کچن میں کھڑی کتنی ہی دیر تک ان کی آزمائشیں ختم ہونے کی دعا کرتی رہی۔



بارشوں کے موسم میں وہ جواپنے کمرے کی
کھڑکیوں کو بند کر کے
بادلوں کے جانے کا انتظار کرتے ہیں
وہ بھی اک زمانے میں
بارشوں کی بوندوں سے کھیلتے رہے ہوں گے
چودھویں کی راتوں میں جلد سونے والوں کی
چاندنی سے ماضی میں دوستی رہی ہوگی
حسن و عشق کی باتیں آج واسطے جن کے
کچھ وقعت نہیں رکھتیں
بھولے بسرے کھوں میں
ٹوٹ کر کسی کو وہ چاہتے رہے ہوں گے
وہ جوائے غم یہ بھی آنکھ نم نہیں کرتے
کل کسی کی خاطر وہ خوب روچکے ہوں گے
ورفا سنا ہو کر اشک کھوچکے ہوں گے۔

”کل زاویا آ یا تھا ہمارے گھر۔“ سدید شاور لے کر آیا تو عائکہ نے کچن میں ٹیبل پر کھانا سیٹ کرتے ہوئے اسے بتایا کرل صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لہذا وہ صمد حسن صاحب کے رخصت ہوتے ہی اپنے کمرے میں سونے چلے گئے تھے۔ سدید ایک دم سے چونکا۔

”وہاٹ؟“

”ہوں بہت پریشان دکھائی دے رہا تھا کہہ رہا تھا بابا سے ضروری کام ہے۔“

”پھر؟“

”پھر کیا بابا گھر پر تھے وہ کافی دیر ان کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا مجھے بابا نے پاس بیٹھنے نہیں دیا۔“

”اچھا کیا تمہارا پاس بیٹھنا بنتا بھی نہیں تھا۔“ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ عائکہ خاموشی سے اسے کھانا ڈال کر دیتی رہی۔

”ویسے بابا سے بھلا کیا ضروری کام ہو سکتا ہے اسے؟“ پہلا نوالہ توڑتے ہوئے اس نے پوچھا تھا جب وہ بولی۔

”میں جانتی ہوں۔“

”کیا؟“

”کل تک نہیں جانتی تھی مگر آج صمد انکل کی باتوں سے پتا چلا کہ انہوں نے اب تک زاویا سے یہ بات چھپا رکھی تھی کہ وہ مر رہے پھوپکا بیٹا ہے پتا نہیں کہاں سے اسے اس بات کا پتا لگ گیا، ابھی وہ بابا سے تصدیق کرنے آیا تھا اور بابا نے اسے سب سچ بتا دیا۔ یقین کر سدید، جب وہ واپس جا رہا تھا اس کی آنکھیں جیسے لہو ٹپک رہی تھیں۔“

”ہوں، انسان جب اس طرح کے حادثات سے گزرتا ہے تو یونہی ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے اندر۔“

”شاید تم صحیح کہہ رہے ہو، اسی لیے وہ آج آفس بھی نہیں آیا۔“

”تم نے ویسٹ کیا تھا؟“

”ہاں۔“ قطعی بے خبری میں وہ کہہ گئی تھی۔

سدید نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔

”کیا تمہیں اب اس سے ہمدردی ہو رہی ہے؟“

”نہیں۔“ فوراً سے پیشتر وہ سنبھلی تھی سدید خاموش ہو گیا۔

”تم جانتے ہو میرا دل بہت چھوٹا ہے میں کسی کو بھی دکھی نہیں دیکھ سکتی اسوشلی ماں کے لیے کیونکہ میں جانتی ہوں بہت چھوٹی سی عمر میں ماں کو کھونے کا درد کیا ہوتا ہے؟“

”مجھ سے بہتر نہیں جان سکتیں تمہیں پتا ہے جس روز میں اسکول جاتے ہوئے ماموں کے گھر سے بھاگا تھا تب میرے ذہن میں ایک ہی پلان تھا نہر میں کود کر مر جانے کا تا کہ میری ماما کو خبر ملتی تو وہ مجھے کھودینے پر یوتیں ان دنوں میرا ایک دوست نہر میں ڈوب کر مر گیا تھا۔ میں نے اس کی ماں کو دیکھا تھا وہ بہت اذیت میں تھیں۔ بہت رو رہی تھیں میں چاہتا تھا میری ماں بھی روئے یونہی روئے اگر اس روز میرا کرل صاحب کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ نہ ہوتا اور وہ مجھے اپنے ساتھ یہاں گھر نہ لاتے تو جانے میں کب کا کچھ نہ کچھ کر کے مر چکا ہوتا۔“

”جانتی ہوں یہاں آنے کے بعد بھی بابا کے لاکھ سمجھانے کے باوجود تم خود کشی کے مختلف طریقوں پر سوچتے رہتے تھے۔ وہ تو شکر ہے ہماری آپس میں دوستی ہو گئی اور ہم دونوں ہی کسی حد تک اپنا اپنا غم بھول گئے ورنہ پتا نہیں اب تک کیا ہو گیا ہوتا۔“

”ہوں ٹھیک کہا تم نے۔“ اس کی بھوک ختم ہو چکی تھی وہ اب چائے پی رہا تھا عائکہ سامنے بیٹھی میز کی سطح کھرچتی رہی۔

”میری چھٹی ختم ہو گئی ہے اگلے تین روز کے بعد مجھے جاب پر واپس جانا ہے۔“ کچھ ہی لمحوں کے بعد اس نے موضوع بدلاتھا عائکہ نے فوراً اسے دیکھا۔

”اتنی جلدی؟“

”ہوں، اوپر سے کال آگئی ہے بابا چاہتے ہیں کہ جانے سے پہلے میں تمہیں اپنے نام کی رنگ پہنا کر جاؤں۔“
 ”اور تم کیا چاہتے ہو؟“
 ”وہی جو تم چاہو گی۔“

”آہم..... پھر میں تو چاہتی ہوں کہ تم نکاح کر کے جاؤ۔“
 ”رہی۔“ وہ حیران ہوا تھا عائکہ نے مسکرا کر شرارت سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
 ”ہوں رہی۔“

”پھر میں رخصتی بھی ساتھ کراؤں گا۔“ وہ اس کی شرارت سمجھ گیا تھا عائکہ کھل کر ہنس دی۔
 ”تم سے یہی امید ہے مجھے۔“

”ہونی بھی چاہیے تم جانتی ہو میری زندگی میں تمہاری کیا اہمیت ہے بہر حال یہ رنگ دیکھو کیسی ہے بہت تھکا ہوا آج اس مشن پر مگر کوئی دل کو چھو ہی نہیں رہی تھی۔“ اس کا موڈ تبدیل ہو چکا تھا عائکہ نے سکون کا سانس لیا۔
 سید پید کے ہاتھ میں گولڈ کی نفیس سی رنگ تھی جس کے درمیان میں دو دل بنے ہوئے تھے اور ان دلوں کے اندر بہت چھوٹے چھوٹے سیدکتے ہیرے جڑے تھے۔ عائکہ سید کی پسند پر عیش عرش کرا تھی۔
 ”واؤ، یہ تو بہت خوب صورت ہے۔“

”ہوں مگر تمہارے ہاتھوں سے زیادہ نہیں۔“ وہ بہت پر شوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عائکہ کا دل بہت تیزی سے دھڑک اٹھا۔

اس وقت سید پید کی آنکھوں میں اس کے لیے اتنے خوب صورت رنگ چھلک رہے تھے کہ وہ ایک سرسری سی نظر سے زیادہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی۔

وقت کروٹ لے رہا تھا کردار بدل رہے تھے۔ محبت پھر ورد کا چولا پہن کر اس گھر کی دہلیز پر آ بیٹھی تھی کہ جہاں کسی انہی درو دیوار نے صمد حسن اور مریرہ رحمان کے درمیان خوب صورت جذبات کو پروان چڑھتے دیکھا تھا۔



شام ڈھل چکی تھی۔ سامنے لگے سکھ چین کے پیڑ پر موجود پرندوں نے سورج کی مدہم ہوتی کرنوں کے ساتھ ہی اپنے اپنے گھونسلوں میں واپسی کا سفر شروع کر دیا تھا۔

مریرہ نماز سے فارغ ہوئی تو لاؤنچ میں ٹیبل پر دھرے سیل نے اچانک زور و شور سے بجنا شروع کر دیا اسے پہلا گمان یہی گزرا کہ درکنوں کی کال ہوگی مگر اسکرین پر عمر کا لنگ جگمگا رہا تھا وہ جانتی تھی کہ یہ وقت عمر کی بے حد معروفت کا تھا اس کے باوجود اس نے کال کی بھی تو یقیناً کوئی بہت ضروری بات تھی۔ ابھی اس نے فوراً سے پیسٹر کال پک کی تھی۔

”ہیلو۔“

”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام۔“

”کیسی ہو۔“

”ویسی ہی جیسی بیس پچیس سال پہلے تھی۔“

”جانتا ہوں تم بھی بدل نہیں سکتیں۔“

”تم کیوں چاہتے ہو کہ میں بدل جاؤں۔“

”بس یونہی بھی دل میں خواہش اٹھتی ہے کہ تمہیں ہنستا مسکراتا آباد دیکھوں۔“

”یہ خواہش تو سالوں سے میرے اندر بھی تمہارے لیے سرخ رہی ہے۔ مگر تم نے ابھی میری خواہش پر کان نہیں دھرے۔“

”اسی بات نہیں ہے مریرہ۔“

”پھر کیسی بات ہے، کیا مجھے تمہاری زندگی کے بارے میں سوچنے کا کوئی حق نہیں۔“

”ایسا کیوں کہہ رہی ہو کیا میں نے کبھی ایسا کہا؟“

”نہیں مگر تم نے میری خواہش کو تکمیل بھی نہیں بخشی۔“

”تمہاری اور میری خواہش میں بہت فرق ہے مریرہ۔“

”ایسا صرف تم سوچتے ہو مگر نہ حقیقت میں تم بھی جانتے ہو کہ ایسا نہیں ہے بہر حال کیسے یا کیا اس وقت۔“

”تم جانتی ہو تمہیں یاد کرنے کے لیے وقت کا حساب کتاب نہیں رکھتا۔“

”ہوں جانتی ہوں مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ وقت تمہارے لیے بے حد مصروفیت کا وقت ہوتا ہے غالباً اس وقت تمہارے

ہوٹل پر کسٹمرز کا زیادہ رش ہوتا ہے۔“

”کوئی بات نہیں، میں نے تم پر کبھی مصروفیت کو اہمیت نہیں دی۔“

”جانتی ہوں مگر یہ بھی سچ ہے کہ تم نے ہمیشہ بہت ضروری بات کے علاوہ کبھی کمپ شپ کے لیے فون نہیں کیا۔“

”ہوں یہ تو ہے، کیا کروں تم سے اور تمہارے غصے سے ڈر جو لگتا ہے۔“

”بس رہنے دو اب بتاؤ پلیز کیا بات ہے؟“

”تم بور ہو رہی ہو؟“

”نہیں۔“

”بور ہو بھی رہی ہو تو مجھے فرق نہیں پڑتا کیونکہ تم بہت اچھی طرح سے جانتی ہو کہ میرا تم پر کتنا حق ہے بہر حال میں جانتا ہوں تم

سے سبکدوشی برداشت نہیں ہوتا پیٹ کی اور صبر کی بہت ہلکی ہوتی ہے۔“

”آج کے لیے اتنی تعریف کافی ہے۔“ عمر کے الفاظ نے اسے چڑایا تھا وہ کھل کر ہنس دیا۔

”او کے اچھا غور سے سنو قمر بھائی کی بیٹی شہر پاکستان آرہی ہے اسے حویلی اور گاؤں کے بارے میں جاننے کا بہت شوق ہے

دیے تو بھابی نے اسے ساری کہانی سنار بھی ہے مگر وہ پھر بھی حویلی جانا چاہتی ہے میں نے اپنے طور پر اسے سمجھانے اور وہاں

جانے سے باز رکھنے کے لیے بہت کوشش کی ہے مگر وہ کچھ بھی سمجھنے اور ماننے کو تیار نہیں اسے حویلی کے اندر دفن کروا بہت بے

چین رکھتے ہیں۔ تبھی اس کے جنون کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے حویلی اور قمر کے کمرے کی چابی دے دی ہے۔ اس کا کہنا ہے

کہ وہاں حویلی سے قریب ہی اس کی کوئی دوست ہادیہ اور اس کی چھٹی قیام پزیر ہے۔ وہ وہاں انہی کے گھر رہ لے گی۔ بھابی اسے

اس کے لیے اجازت نہیں دے رہی تھیں مگر میری سفارش پر وہ مان گئی ہیں شاید وہ خود بھی شہزاد کے ساتھ ہی پاکستان آئیں تمہیں

یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ تم خود بھی آج کل پاکستان میں ہو، ان کا بہتر خیال رکھ سکتی ہو۔“

”ہوں تم فکر نہ کرو، وہ جیسے ہی پاکستان پہنچیں گی میں انہیں جوائن کر لوں گی۔“

”شکریہ، گڈ گرل۔“

”گڈ گرل، اب عمر رسیدہ خاتون میں ڈھل چکی ہے جناب۔“

”ڈھل گئی ہوگی مگر میرے تصور کی دنیا میں تم ہمیشہ الٹا ہی رہو گی۔“ وہ سنجیدہ ہوا تھا۔ مریرہ نے سر آہ بھرتے ہوئے چپکے

سے کال کاٹ دی۔

پرانے دھڑوں کو کریدنے اور کرید کرید کر ہوا دینے کا اب کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔



وسیع حویلی کا بڑا کشادہ سا گیٹ کھلا تھا۔ اس نے حسرت زوہ سی ایک نظر سامنے شان سے سر اٹھائے کھڑی پرانی عمارت پر

ڈالی اور قدم آگے بڑھا دیے۔

زرد خشک پتوں سے اٹا حویلی کا بڑا سا محن اپنی بربادی کا ماتم مناتا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ محن کے پتوں بچ کھڑا برگد کا

بوڑھا درخت اب جیسے سالوں کی دیرانی سے ہر اسان ہو کر ٹوٹا شروع ہو گیا تھا۔

تنزیلہ ریاض کانیا ناول

عہدِ الست

800 روپے

سمیرا حمید کانیا ناول

یام

1000 روپے

عنیزہ سید کانیا ناول

شام شہر یاراں

قیمت 800 روپے

سحر ساجد کانیا ناول

غریقِ رحمت

قیمت 500 روپے

اپنے ہا کر یا قریبی بکسٹال سے طلب فرمائیں

دعا بک کارنر

امین پور بازار، فیصل آباد

۱۱

علی میاں پبلیکیشنز

ناشر

۲۰- عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور-7247414

READING
Section

اس کی آنکھوں سے کئی آنسو ایک ساتھ ٹپک پڑے۔ یہ اس کی بزرگوں کی جاگیر تھی۔ وہ جاگیر..... جس نے اس خاندان کے بہت سے قیمتی افراد کو موت کی گہری نیند سلا دیا تھا۔ کتنی مشکل سے اس نے ”عمر عباس“ سے اس حویلی میں قیام کی اجازت طلب کی تھی۔ صرف چند روزہ قیام..... اس سے زیادہ شاید وہ حویلی کسی کو اس بھی نہیں آتی تھی۔

سارا محن خشک پتوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ برگد کے ہیڑ کے تنے کے ساتھ ٹیک لگاتی، بنا اپنے شفاف کپڑوں کی پروا کیے وہیں نیچے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ کبھی وہاں اس محن میں کتنی رونق ہوتی ہوگی۔

پچیس تیس افراد پر مشتمل اس حویلی کے مکین وہاں کتنے خوش باش رہتے ہوں گے۔ کیا کیا نہیں ہوتا ہوگا ان کے درمیان..... شادی بیاہ..... تہوار..... رسم و رواج..... آتے جاتے موسموں کی خوب صورت بہاریں.....

کیا انہوں نے کبھی سوچا ہوگا کہ ایک دن یہاں شیانہ یوں بکھر جائے گا۔ پرانی یادگار بن جائے گا۔ شاید نہیں..... انہیں تو اس کا گماں بھی نہیں ہوگا۔

عمر عباس ان سے بڑے خضر عباس..... پھر اس کے بابا قمر عباس..... کتنے مضبوط ستون ہوں گے وہ اس حویلی کے مکر وقت کی آندھی نے بہت بے دردی سے ان مضبوط ستونوں کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ ایسا طوفان آیا تھا اس حویلی کے مکینوں کی زندگی میں کہ سب کچھ بکھر کر رہ گیا تھا کچھ بھی سلامت نہیں بچا تھا۔

اظہار عباس صاحب اور زلیخا بی بی کے کردار محبت سے گندھے تھے۔

تقسیم ہند سے پہلے زلیخا بی بی جو اپنے والد کی اکلوتی اولاد اور صاحب جائیداد تھیں اظہار صاحب کی پسند پر حویلی کی چھوٹی بہو بن کر وہاں آ گئی تھیں۔ اس وقت حویلی میں اظہار صاحب کے بڑے بھائی وقار عباس اور چھوٹی بہن زبیدہ بی بی بھی قیام پذیر تھے وقار عباس کو خدا نے بیٹی جیسی رحمت سے محروم رکھا تھا وہ صرف چار بیٹوں کے باپ تھے اور بیٹی کے لیے زلیخا بی بی کے ساتھ شادی کے خواب دیکھ رہے تھے مگر زلیخا بی بی کے والد نے وقار عباس کی بجائے اظہار عباس کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا تھا جس کا وقار عباس کو بے حد ملال تھا۔ انہوں نے اس بات کو اتنا مسئلہ بنا کر زلیخا بی بی کے والد کے ساتھ ساتھ اپنے چھوٹے بھائی اظہار کے لیے بھی دل میں کینہ اور بغض پالنا شروع کر دیا۔

اظہار صاحب کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹوں خضر عباس، نظر عباس، عمر عباس اور قمر عباس کے ساتھ ساتھ ایک عید بیٹی شگفتہ سے بھی نوازا تھا۔ خضر عباس اور نظر عباس کی شادی خاندان میں ہی ہوئی تھی دونوں کے ایک ایک بیٹا اور ایک ایک بیٹی تھی۔

عمر مریرہ رحمان میں انٹر سٹڈ تھا مریرہ کی شادی سے پہلے ہی وہ اپنی تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا گیا تھا اور پھر مریرہ کی شادی کے بعد ہی اس کی گاؤں واپسی ہوئی تھی۔ خضر عباس اور نظر عباس دونوں اظہار صاحب کے ساتھ کھیتی باڑی میں دلچسپی رکھتے تھے دونوں بے حد سادہ اور مزاج کے شریف تھے۔

عمر تھوڑا جذباتی اور غصے والا تھا جبکہ قمر بے حد شوخ اور اپنے سارے رشتوں سے ٹوٹ کر محبت کرنے والا انسان تھا۔ اس کی نسبت بچپن سے ہی اس کی اکلوتی پھوپو زبیدہ کی بیٹی نورین کے ساتھ ملے تھی۔ نورین، زبیدہ بی بی کی اکلوتی بیٹی تھی اور اس کا مزاج بے حد گرم اور غصیلا تھا تاہم وہ بچپن سے ہی قمر پر فدا تھی اسی لیے زبیدہ بی بی نے خود اپنے بھائی کے سامنے جھولی پھیلا کر قمر کو ان سے مانگ لیا۔ قمر کی مٹکئی کے بعد اظہار صاحب نے عمر کی بات بھی ملے کر دی۔

وہ ابھی بڑھاپا تھا جب انہوں نے انجمن اس سے اس کی مرضی پوچھے اس کی بات خضر عباس کی چھوٹی سالی شاہدہ عرف شاہد کے ساتھ ملے کر دینی نورین کی طرح وہ بھی عمر پر جان دیتی تھی اور عمر اس کی اس دیوانگی پر چڑتا تھا۔

شگفتہ کی شادی اظہار صاحب نے وقار عباس کے سب سے چھوٹے بیٹے ریاض کے ساتھ ملے کر دی تھی ریاض شگفتہ کی بجائے نورین پر عاشق تھا جو اس کی اکلوتی پھوپو کی اکلوتی بیٹی اور کئی مربعوں کی اکیلی وارث تھی۔ مگر زبیدہ بی بی نے اسے اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے پسند نہیں کیا اور اسے اسی بات کا رنج تھا یہی وجہ تھی کہ قمر کی مٹکئی کے بعد وقار صاحب نے اپنی زمینیں اظہار صاحب کے حصے کی زمینوں سے الگ کر لی تھیں۔

جن دنوں اظہار صاحب کے والد بیمار تھے وقار صاحب کی بیوی نے ان کی بہت خدمت کی تھی تبھی وہ ان سے بہت خوش تھے

مگر اپنی جائیداد کی تقسیم میں انہوں نے اپنی کسی اولاد کے ساتھ زیادتی نہیں کی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ ان کی زندگی میں حویلی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ وقار صاحب چاہتے تھے کہ چونکہ ان کی بیوی نے ان کے والد کے آخری دنوں میں ان کی بہت خدمت کی تھی اسی لیے اس حویلی پر صرف ان کا حق تھا مگر اظہار صاحب کی رائے تھی کہ اگر ان کے والد نے اپنی زندگی میں اس حویلی کا فیصلہ صرف وقار صاحب کے حق میں نہیں کیا تو وہ قانونی طور پر اپنے والد کی اس جاگیر میں برابر کے حصے دار ہیں۔ زبیدہ بی بی بھی انہیں کے موقف کی حامی تھیں یوں ان دونوں بھائیوں کے درمیان ایک اور دیوار کھڑی ہو گئی۔

اپنی نفرت اور حسد میں وقار صاحب ہمیشہ اپنے بھائی کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے کئی بار جب ان کی فصل اچھی نہیں ہوتی تھی تو وہ اپنے بیٹوں کو کہہ کر اظہار صاحب کی تیار کھڑی فصل میں آگ لگوا دیتے اور اگلی صبح ہمدرد بن کر افسوس کرنے چلے جاتے۔ اظہار صاحب کے بیٹوں کو اپنے تایا کی ساری مکروہ حرکتوں کا علم تھا مگر وہ صرف جھگڑے سے بچنے کیلئے خاموش رہتے تھے۔ وقار صاحب کے چاروں بیٹے جتنے غصیلے اور جھگڑالو تھے اظہار صاحب کے چاروں بیٹے اتنے ہی شریف اور صلح جوتھے۔

زمینوں کی تقسیم کے بعد وقار صاحب نے رہائش بھی نئی حویلی میں رکھ لی تھی۔ مگر اپنے بھائی کی بربادی اور انہیں دھول چٹانے کی خواہش تھی ان کے دل سے ختم نہیں ہو سکی تھی اور بلا خزان کی اس خواہش نے سب کچھ راگھ کر دیا تھا۔ پرانی حویلی اجڑ گئی تھی۔ وہاں حویلی کے مکین ماضی کا حصہ بن گئے تھے۔ شہر زاد کی آنکھوں سے خاموش آنسو لکھتے تو پھر بہتے چلے گئے تبھی ہادیہ (جو اس کی عزیز از جان دوست تھی) نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔

”بس گرو شہر و گزرے ہوئے لکھوں پر رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔“

”جانتی ہوں مگر یہ میرے بس میں نہیں ہے۔“ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے آنسو گڑتے ہوئے وہ کھڑی ہو گئی۔

”یہ پیڑ دیکھو ہادیہ یہ دادی نے خود اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا بہت پیار تھا دادی کو اس پیڑ سے..... ان کا کہنا اور ماننا تھا کہ یہ درخت اور اس پر بیٹھنے والے پرندے اس گھر میں خیر و برکت کا باعث ہیں وہ اپنا زیادہ تر وقت اسی پیڑ کے نیچے قرآن پاک پڑھنے یا حویلی کے صحن میں پھدکتے پرندوں کو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈالنے میں صرف کیا کرتی تھیں۔ گاؤں کی خواتین بھی یہیں اسی پیڑ کے نیچے ان کے پاس بیٹھ کر اپنے اپنے دکھ اور مسائل ان کے ساتھ شیئر کیا کرتی تھیں۔“ شہر زاد کی بھیلی آنکھوں کے آنسو کسی جگہ کی مانند ہی دکھائی دے رہے تھے۔ ہادیہ نے آگے بڑھ کر کافی سارے خشک پتے مٹھی میں سمیٹ لیے۔

”شام سر پڑ رہی ہے شہر، بہتر ہوگا اگر ہم مغرب سے پہلے پہلے حویلی کی صفائی کر لیں تمام کمرے تو لاکڈ ہیں۔ صرف قمر انکل کے کمرے کا دروازہ ان لاک ہے وہ بھی شاید عمر انکل کے استعمال میں رہا ہوگا بہر حال جب تک نئی نانو کے پاس بیٹھی ہیں ہم جلدی جلدی سارے پتے اور گرد سمیٹ لیتے ہیں۔“

”ہاں۔“ ہادیہ کی ہدایت پر شہر زاد فوراً نوشت کرتی آگے بڑھتی تھی۔

یہ نئی محبت تھی جو ایک مدت کے بعد اسے دیار غیر سے پہنچ کر اس حویلی میں کھینٹ لائی تھی۔ کون جانتا تھا کہ آزاد فضاؤں میں پرورش پانے والی وہ لڑکی یوں سالوں بعد اپنی ماں کے ساتھ انہی فضاؤں میں بسنے کے لیے آ جائے گی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ضد ف اصف

ہمیں ناز ہے اپنی کمراہیوں پر
ندامت نہیں شرمساری نہیں ہے
سوچتے ہیں وہی بولتے ہیں ہے
ہم قسم کسی راز داری نہیں ہے

”بابی جی! یہ تو میں نعمانہ بھابی کے لیے لائی ہوں۔“ دعا نے حیران ہو کر اکلوتی نیند کو گھورا، جو چار جٹ کے ملائم سوٹ کو ہاتھوں میں دبوج کر بیٹھ گئیں۔

”ہاں..... ہاں جانتی ہوں، لیکن زویا بھی زاہد کی اکلوتی بھانجی ہے، اسے یہ سوٹ پسند آگیا، اسی لیے میں نے مانگ لیا۔“ انہوں بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر حق سے جتایا۔

”مگر..... وہ.....“ دعا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس ہٹ دھرمی کو کیا نام دے۔

”اے بی! تمہارا دل تو بڑا چھوٹا نکلا۔ کوئی ہیرے کا سیٹ

”اچھا تمہاری مرضی ایسا کرو تم یہ دونوں سوٹ ہی رکھ لو۔“
زینت نے غصے میں دعا کے لائے ہوئے تحائف واپس
کر دیئے، ان کی انا کو شدید ضرب پہنچی جب زویا نے ماں سے
آنکھوں میں آنسو بھر کر بتایا کہ ”دبی والی مائی نے اسے سوٹ
دینے سے انکار کر دیا۔“

زینت دیسے بھی میکے میں آ کر بڑی زور درنج ہو جاتیں،
بات بہ بات ان کا منہ پھول جاتا، نند کے غصہ دکھانے پر ماہا کا
چہرہ فق ہو گیا، وہ منمننا کر بہن کی صفائی دینے لگی مگر دعا کے
ہاتھ پر ایک ٹمکن بھی نہ ابھری۔ وہ بے فکری سے کپڑے سمیٹنے
لگی، زینت تن فن کرتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

”اف! تم نے یہ کیا غضب کر دیا، دیکھا نہیں باجی کا موڈ
کتنا آف ہو گیا۔“ ماہا کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، بہن پر
برس پڑی۔

”کیا ہے باجی بھی ہماری طرح کی انسان ہیں۔ آپ
سب تو ان سے یوں ڈرتی ہیں، جیسے وہ کوئی آسمانی مخلوق ہو؟“
دعا نے ناک چڑھا کر بڑی بہن کا مذاق اڑایا۔

”عقل کی کوری باجی کمرہ بند کر کے تمہاری شکایتوں کا
پلندہ لے کر ماں کے پاس بیٹھی ہوں گی۔“ ماہا نے بہن کو غصے
میں ایک ہاتھ جڑا۔ بڑھاپا اور بیماریوں کی وجہ سے ان کی
سیاس رشیدہ بانو عملی طور پر گھر کے معاملات سے دور ہو چکی
تھیں، اسی لیے بیٹی اپنے مفادات کے حصول کے لیے جہاں
پھنسنے لگتی۔ وہاں ماں کا نام دھڑلے سے استعمال کر لیتی۔

”س میں نیا کیا ہے؟ اپنی ماں کے پاس ہی بیٹھی ہوں گی
نا، تو بیٹھنے دیں۔ نئی بات تو جب ہوتی کہ وہ جا کر اتنی محبت سے
اپنی ساس کے ساتھ بیٹھتی، ان کی خدمت کرتیں۔“ دعا نے
کلینرنگ کریم تھیلی پر نکالی اور دھیرے دھیرے چہرے کا
مساج کرنے لگی۔

وہ جب سے دبی سے وطن آئی تھی، اس کی جلد بہت خشک
رہنے لگی تھی۔ اس وقت تو اس کے لیے دنیا کا سب سے اہم
کام یہ ہی تھا۔ ماہا سر پر ہاتھ رکھ کر بہن کی بے فکری کو حسرت
سے تنگنے لگی۔

ماہا کے دیور اور بہنوی زاہد کے مقابلے میں، اس کا شوہر
شاہد بہت سخت گیر شوہر ثابت ہوا۔ وہ صرف اپنی باجی کے کہنے
پر چلتا۔ دبی میں بھی، اس کی ہر بات زینت سے شروع ہو کر

”اچھی سینہ زوری ہے۔“ نند کی ہٹ دھرمی پر دعا کا غصہ
عود آیا، وہ جو اس معاملے میں شش و پنج کا شکار ہو رہی تھی،
ذہن فوراً صاف ہو گیا۔ فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگائی اور انکار
میں سر ہلاتے ہوئے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔

”بہیں..... نہیں..... میں بالکل یہ نا انصافی نہیں
کر سکتی، اس دفعہ ہم کسی بچے کے لیے کپڑے نہیں لائے، تو
زویا کو بھی باقی بچوں کی طرح صرف ٹانی چاکلیٹس ہی دی
جائیں گی۔“ دعا نے فوراً انکار کیا۔ ماہا نے اس انکار پر ایک
دم گھبرا کر نند کو دیکھا۔

”ای! آپ کو ابو بلا رہے ہیں۔“ یہ مسئلہ ابھی بیچ میں الٹا
ہوا تھا کہ زینت کو اس کا چھوٹا بیٹا بلانے آ گیا۔ وہ مجبوراً وہاں
سے اٹھ کر باہر کی طرف چل دیں، مگر چہرہ غصے سے لال ٹماثر
بنا ہوا تھا۔

”اوہ! ہو چھوٹی مائی آپ انہیں دوسرا سوٹ دے دیں،
ویسے بھی بڑی مائی اتنی بورنگ ہیں، وہ یہ سوٹ اٹھا کر سفینہ
کے چہرے کے لیے رکھ دیں گی۔ میں تو اس کا انگرکھا بنوا کر عید پر
پہنوں گی۔“ زویا نے ماں کے جانے کے بعد اپنی رائے پیش
کی، ساتھ ہی نغمانہ بھابی کا مذاق اڑایا۔

”زویا..... تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ بڑوں کے بارے
میں ایسی باتیں نہیں کرتے، رہی بات سوٹ کی تو میں جس
کے لیے لائی ہوں، ان ہی کو دوں گی۔ باقی بھابی کی مرضی
کہ وہ اس کا کیا کرتی ہیں اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔“
دعا نے دو ٹوک لہجے میں اسے ٹوکا اور سامنے رکھا ہوا کپڑا
جھٹکے اسے اٹھالیا۔

”ای کو بتاتی ہوں۔“ زویا کو چھوٹی مائی کا انکار ہضم نہ
ہو سکا منہ بنا کر دعا کی شکایت کرنے ماں کے پاس چل دی۔

”تم نہیں سدھرو گی؟ کیوں میرے اور اپنے لیے
سسرال میں مشکلوں کے پہاڑ کھڑی کرتی ہو۔“ ماہا نے
چھوٹی بہن کو دھپ لگائی، وہ بہن کو اس گھر کے ماحول میں
ڈھالنے میں ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ دعا سچ بولنے والی
کمری لڑکی تھی، اسے جھوٹ اور منافقت سے شدید نفرت
تھی۔ وہ کسی کے ساتھ زیادتی برداشت کر ہی نہیں سکتی تھی مگر
سسرال میں ہر قدم پر اس طرح کی پھویشن سے پالا پڑتا تو نا
چاہتے ہوئے بھی وہ بول پڑتی اور سب کے ساتھ بہن کی
نگاہوں میں بھی بری بن جاتی۔

ان پر ہی ختم ہوتی۔ باقی کمی وہ خود پوری کر دیتیں، شاید نے ان کے زیر اثر رہتے ہوئے شروع سے بیوی کو اتنا دبا کر رکھا کہ شادی کے پانچ سال گزر جانے کے باوجود بھی اس کے اندر سراٹھانے کا حوصلہ پیدا نہیں ہو سکا۔

”تمہاری بہن کی زبان بہت چلتی ہے، ذرا اسے یہاں رہنے کے طور طریقے سکھاؤ۔“ شاید کو تو سالی کے رنگ ڈھنگ بھی ایک آنکھ نہ بھاتے، مگر اس پر زور نہیں چلتا تو اکثر بیوی کو ہی سنا دیتا۔ وہ بے چاری دونوں کے بیچ پستی۔

”یا میرے مالک! اس لڑکی کو عقل دے یا باجی کو ہدایت۔“ بابا نے دعا کو پرسکون انداز میں ہونٹوں پر لپ اسٹک لگاتے دیکھا تو نم آنکھیں پونچھتی وہاں سے باہر چل دی۔

☆.....☆.....☆

رشیدہ بانو کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی، ان کے شوہر مکرم خان کو گزرے کئی سال ہو چکے تھے۔ ماجد اور ساجد بڑے تھے، ایک نجی کمپنی میں معمولی سی نوکریوں پر معمور تھے۔ گھر کرائے کا تھا، دونوں بھائیوں اور زینت کی شادی بہت پہلے ہو چکی تھی، مگر اب جب کہ فیملی بڑھ رہی تھی، تو ان سب کے لیے کم آمدنی میں مہنگائی کا توازن رکھنا ناممکن ثابت ہو رہا تھا۔ قسمت سے شاید کو دہائی کی ایک کمپنی میں نوکری مل گئی، اس نے خوب محنت سے کام کر کے پیسے جمع کیے گھر تڑوا کر جدید انداز میں بنوایا، وہ بہت تیز لڑکا تھا، موقع کی تلاش میں رہا۔ آخر چھوٹے بھائی زاہد کی ملازمت کا بندوبست بھی ابو ظہبی میں کر دوا دیا۔

اب بانو ہاؤس کے حالات پہلے سے کافی بہتر ہو گئے تو زینت کے منع کرنے کے باوجود رشیدہ بانو نے اپنی دوست کی بیٹی ماہا سے شادی کر دی، چند سالوں بعد زاہد کے لیے اس کی چھوٹی بہن دعا کو بھی بیاہ کر لے آئیں۔ زاہد اور شاہد ایک سال بعد اپنی اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لے گئے۔ یوں ان دونوں نے سکون کا سانس لیا، مگر زینت کے سینے پر سانپ لوٹ گئے پر کچھ کر نہیں سکتی تھی تو خاموش ہی رہی۔

ہر سال کی طرح اس سال بھی دونوں بھائی اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان بقرعید منانے آئے تھے۔ دنیا اتنی تیزی سے ترقی کر گئی کہ دہائی سے وطن لوٹنا اب چنداں دشوار نہ رہا، ایسے ہی ہو گیا جیسے ایک شہر سے دوسرے شہر جایا جائے، اسی لیے وہ لوگ بھی تہوار منانے پاکستان آ جاتے۔

زمانے بدل گئے مگر ”بانو ہاؤس“ کے ماحول میں رتی برابر فرق نہیں آیا۔ دعا جب بھی یہاں آتی، بس ایک بات پر حیران ہو کر سر پیٹ لیتی۔

☆.....☆.....☆

”مامی! آپ وال میں پانی ملاتی ہیں یا پانی میں وال۔“ زویا چیخ سے پتلی وال چاول پر ڈالتے ہوئے ٹھکھلائی۔ ٹیبل پر کھائے لگاتی نعمانہ کا منہ بن گیا، آج غلطی سے وال پتلی رہ گئی تھی۔ وہ بھی کیا کرتی کام کا بوجھ بڑھ گیا تھا، روزانہ کی اتنی مہمان داری، نندا لگ یہاں پندرہ دن سے رکی ہوئی تھیں۔ کام کر کر کے۔ ان لوگوں کی ہمتیں جواب دینے لگی تھیں۔

”میری بیٹی بہت اسٹریٹ فارورڈ ہے۔“ زینت نے ہمیشہ کی طرح مسکرا کر بیٹی کی صاف گوئی کو انجوائے کیا۔

”زویا لڑکی ذات ہے۔ باجی کو احساس ہی نہیں، وہ اپنی بچی کی تباہی کا انتظام اپنے ہاتھوں کر رہی ہیں۔“ دعا اور ماہانے آئیں تاسف سے دیکھا اور ایک ہی بات سوچی۔

انہیں بچی کا اس طرح سے اپنی جھٹانی پر تبصرہ کرنا بہت برا لگا۔ مگر وہاں جیسے یہ معمول کی بات تھی، کسی نے بھی اس بات کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ یہاں تک کہ نعمانہ کو بھی اب رات کے کھانے کی فکر لاحق تھی۔

دعا جب سے دہائی سے آئی تھی، اس کے نوٹس میں یہ بات رہتی کہ زویا کا برتاؤ اپنی عمر کے دوسرے بچوں سے کافی بولڈ تھا۔ وہ ننھیال میں کسی کا بھی مذاق بڑے آرام سے اڑا لیتی، مگر زینت باجی کے ماتھے پر ہل بھی نہیں پڑتے نہ وہ اسے روکتی ٹوکتی، نہ سمجھاتیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ خود اپنے میکے کے مسائل بھائیوں کے رویے، ان کی شکایات، ماں کے حوالے سے بھائیوں کی بے پروائیوں کے قصے، شوہر اور بچوں کے سامنے بیٹھ کر مزے سے بیان کر لیں، اسی لیے بچوں کے دل سے بھی بڑوں کا لحاظ اٹھ گیا اور اتنی ہمت آگئی کہ جس کے دل میں جو بات آتی، وہ بے دھڑک سب کے سامنے بیان کر دیتے۔ خاص طور پر زویا بچوں میں بڑی ہونے کے باعث ان مسائل پر بھی اپنا منہ کھولنا ضروری سمجھتی، جس کا اس سے دور تک کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

☆.....☆.....☆

دعا کے جیٹھ ساجد بھائی اور نعیمہ بھابی رزلٹ ڈے پر اپنے بچوں کے اسکول گئے ہوئے تھے۔ ناشتے کے بعد سب

لوگ نی دی لاؤنج میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔
 ”کل تم نے اتنے مزے کی بریانی پکائی مگر ان کو پسند
 نہیں آئی۔“ باجی نے سبزیاں چھیلتی ہوئی نغمانہ بھابی سے
 کہا، جو چھری ایک طرف رکھ کر مکمل طور پر تند کی طرف
 متوجہ ہو گئیں تھیں۔

”کس کو، نعیمہ کو؟ کیوں بریانی میں کیا خرابی تھی؟ میں نے
 اتنی محنت سے پکائی تھی، سب تو تعریفیں کر رہے تھے۔“ نغمانہ
 بری طرح سے چڑی۔ اسے دیورانی سے ایسی امید نہ تھی۔

پاس بیٹھی دعا نے اپنی تند کو افسوس بھری نگاہوں سے
 دیکھا، اسے شروع سے سسرالی سیاستوں سے کبھی کوئی دلچسپی
 نہیں رہی تھی۔

”بھائی! ہمیں کیا پتا مگر جن کو باتیں بنانے کی عادت
 ہے وہ، تو بنائیں گے نا، مگر بھی ہم نے تو کہہ دیا نغمانہ اس
 گھر کی بڑی بہو ہے۔ اس نے شروع سے اس گھر کو سمیٹ
 کر رکھا۔ ہم سب کو چھوڑ سکتے ہیں مگر نغمانہ کو نہیں، ویسے بھی
 زویا تو تمہارے ہاتھ کی بریانی کی دیوانی ہے۔“ زینت
 پاؤں پھیلا کر کارپٹ پر ہی لیٹ گئیں، نغمانہ نے مشکور
 نظروں سے ان کو دیکھا۔

”یار چائے تو بنواؤ بڑی طلب ہو رہی ہے اور ہاں شام کو
 ان کے لیے کڑی پکالو۔ بہت دن سے فرمائش کر رہے ہیں۔“
 زینت نے بڑے پیار سے اپنا مطلب سیدھا کیا تو نغمانہ سر
 ہلاتی وہاں سے اٹھ گئی۔

دعا کا غصے سے برا حال تھا کیوں کہ بات ایسی نہیں تھی
 جیسی باجی نے پہنچائی، وہ گواہ تھی کہ نعیمہ بھابی نے کھانا
 کھاتے ہوئے بس اتنی سی بات کی کہ ”بریانی میں نمک کم لگ
 رہا ہے“ وہ بھی زینت کے پوچھنے پر لیکن انہوں نے تو بات کا
 بھٹکڑ ہی بنا ڈالا، نغمانہ بھابی کے دل میں دیورانی کی طرف
 سے ہال آ گیا۔

☆.....☆.....☆

”مبارک ہو ای! آپ کے دونوں پوتوں نے فرسٹ
 پوزیشن لی ہے۔“ ساجد نے خوشی خوشی ماں کے منہ میں گلاب
 جاسن ڈالی۔ نعیمہ الگ بچوں کی کامیابی سے سرشار نظر آئیں،
 میاں بیوی راستے سے ہی مٹھائی خریدتے ہوئے آئے تھے۔
 انہوں نے جیسے ہی خوشی خوشی بڑے کمرے میں قدم رکھا،
 باجی نے پیٹر ابدال فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی، ان کے داری صدقے

ہونے لگی۔ خوب ہنس ہنس کر بچوں کے رزلٹ دیکھے جانے
 لگے بلکہ بھائی کو دکھانے کے لیے بٹوے میں سے پانچ سو
 روپے کا کڑکٹا نوٹ نکال کر نعیمہ بھابی کے چھوٹے بیٹے کے
 ہاتھ میں تھما دیا نعیمہ نے مسکرا کر نند کو دیکھا وہ سب سے زیادہ
 خوش جو نظر آرہی تھیں۔ سب مبارک باد دینے لگے سوائے
 نغمانہ کے دل پر تازہ تازہ چوٹ پہنچی تھی کوئی منہ پھلائے
 بیٹھی پیاز چھیلتی رہی۔

”بھابی! منہ کھولیں۔“ نعیمہ نے بڑے پیار سے نغمانہ کے
 پاس جا کر مٹھائی کھلائی چاہی۔

”رکھ دو ابھی دل نہیں چاہ رہا بعد میں کھا لوں گی۔“ نغمانہ
 نے نروٹھے پن کی انتہا کی تو نعیمہ بھی خاموشی سے اٹھ گئی۔

”میں جب گھر سے گئی تھی تو بھابی کا موڈ اچھا تھا اب کیا
 ہو گیا؟ لگتا ہے میری خوشیوں سے جل گئیں۔“ نعیمہ نے
 جیٹھانی کو دیکھا دوسوہوں نے سر ابھار ہا اور دل پر بدگمانی کے
 بادل چھا گئے۔ نغمانہ سبزی سمیٹتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

”ہم تو زمانے بھر میں اپنی بھابیوں کی تعریفیں کرتے
 رہتے ہیں کہ کتنی میل جول سے رہتی ہیں۔“ باجی نے بھائیوں
 کے سامنے اپنی اچھائیوں کا مزید تڑکا لگایا گھر کے مردوں کو
 اندرونی معاملات کی کیا خبر لگے بہن کی محبت پر سر دھننے۔

باجی ہمیشہ ایک بھادج کے سامنے دوسری کو کھڑا رکھتی،
 ایسا کر کے شاید انہیں لگتا تھا کہ میکے میں ان کے پاؤں مضبوط
 رہیں گے، بھابیاں آپس کے اختلافات میں الجھ کر انہیں ہمدرد
 جان کر رونی ہوئی ایک دوسرے کی شکایات لے کر ان کے
 پاس پہنچ جاتیں تو وہ ایک کی بات دوسری کو بتا کر نہ صرف
 دونوں طرف سے مزے اٹھاتی بلکہ وہی فون گھما کے ان کی
 جہالت کے قصے سنا کر باقی بھائیوں کو بھی محظوظ کرتیں۔

☆.....☆.....☆

باجی بھائیوں کے کچھ یہاں پہنچتے ہی سامان ہاندہ کراچی فیل
 سمیت یہیں رہنے آ گئیں، بھائیوں نے بھی اکلوتی بہن کو
 خوش آمدید کہا۔ وہ خوشی سے ٹھہر تو گئی مگر دماغ پر نئی فکریں سوار
 ہو گئی کہ دبئی پلٹ بھائیوں نے کس کو کتنے پیسے دیئے، کیا کیا
 تحائف بانٹے یا پھر وہ اس کوشش میں مصروف رہیں کہ ان کی
 ذات کے سوا بھائیوں سے کوئی اور فیض یاب نہ ہو پائے۔

دعا نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو اسے کچن میں کام کرتی
 دونوں جٹھانیوں پر بڑا ترس آیا جو سسرالی مہمانوں یا ملنے آنے

والوں کے خاطر مدارات میں جتی رہتی، مہمان بھی وہ جوں کر پانی پیتا نہ چاہیں۔ دوسری طرف باجی سب کے بیچ میں ملے ملے میک اپ جدید انداز کے سلے سوٹ میں ٹھسے سے پیشی اپنی بڑائیاں مارنے میں لگی رہتیں۔ دعا اچھی طرح جانتی تھی اتنا سب کچھ کرنے کے باوجود آخر میں برائی ان دونوں جھٹائیوں کے حصے میں ہی آتی ہے۔

شادی کے ان دو سالوں میں اسے اپنی اکلوتی نند کی فطرت کی اچھے طریقے سے آگاہی ہو گئی تھی۔ وہ صرف اس بھائی اور بھادج سے ہی خوش ہوتیں اور اسے نوازتیں جو ان کی ہر غلط بات پر آئنا صدقہ ہوا کر حامی بھرے۔

جس نے بھی ان کے منہ پر غلط کو غلط کہہ دیا بس اس کی شامت آجاتی ایک محاذ تیار کر کے ماں کے کمرے میں کھس کر مقدمہ چلایا جاتا۔ جس کی بیوی نے زبان چلائی ہوتی اس کا میاں ماں کے عتاب کا نشانہ بنتا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس بھائی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ زینت گھر بھر میں اس کے بارے میں کیا کیا گویا ہر افشانی کرتی پھر رہی ہیں، بات اگر کھل جاتی تو وہ صاف مکر جاتیں۔

زینت میں اور کوئی کواکشی ہو نہ ہو وہ سامنے والے کو قائل کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھی پھر خود کو صحیح ثابت کرنے کے لیے چاہے جتنے بھی جھوٹ بولنے پڑ جائیں ان کی زبان نہیں لرزتی۔

☆.....☆.....☆

”بھائی! قربانی کا جانور تو لال کوشی والے حاجی صاحب کے یہاں آتا ہے۔ یہ اونچے لمبے بیلوں کی جوڑی دیکھنے والا دیکھتا رہ جائے، منوں گوشت لکھتا ہے۔ لاکھوں میں تو ان کی قیمت ہوتی ہے، وہ بقر عید سے ایک ہفتہ قبل لا کر کوشی کے لان میں شامیانہ کھڑا کر کے جانور باندھ دیتے ہیں، پھر تو دیکھنے کے لیے دنیا اٹھ آتی ہے، یہاں تک کے میڈیا والے بھی پہنچ جاتے ہیں۔“ زینت نے جوش سے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔

”ہاں! ماموں! اب تو لوگ جانوروں کے ساتھ بھی سیلیاں بناتے ہیں۔“ زویا جو عادت کے مطابق بڑوں کے بیچ میں بیٹھی تھی فوراً قلم دیا۔

”استغفار! ایسے دکھاوے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ کے یہاں نیت دیکھی جاتی ہے۔ جانور کی قیمت نہیں۔ لوگ سوجائیں میں سب سے مہنگا جانور خریدنا اعزاز کی بات سمجھتے

ہیں۔ اس طرح سے تو قربانی کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔“ زہد نے کانوں کو ہاتھ لگایا تو زویا منہ بنا کر اٹھ گئی۔

”بیچ تو یہ ہے کہ مذہبی فریضہ انسان کی تربیت کرتا ہے، ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے، اس کا ایک مقصد سارا سال ناداروں کے لیے دل میں قربانی کا جذبہ بیدار رکھنا ان کے درد کو سمجھنا، ان کی مدد کرنا۔ مگر معاشرے کا چلن ہی بدل گیا ہے، نمود و نمائش کو قربانی کے فرض سے جوڑ دیا گیا ہے جو بڑھتے ہوئے ناسور کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ لوگ رشوت اور حرام مال سے بڑا جانور خرید کر سمجھتے ہیں سارے گناہ دھل گئے استغفر اللہ۔“ دعا جوش میں تقریر کر رہی تھی، زہد کو بیوی کی حساسیت پر پیارا آ گیا۔

”ارے زہد! تم نے جو بکرے منگوانے کے لیے ماجد بھائی کو پیسے دیے تھے اس کا کچھ حساب کتاب بھی کیا؟“ زینت نے کچھ دیر بعد بھائی کے قریب کھسک کر سرگوشی میں پوچھا۔ ان کے آگن میں بھی قربانی کے لیے ایک گائے اور دو بکرے لائے جا چکے تھے۔

”آپ! کیسی باتیں کرتی ہیں، بھائی سے کیا حساب کتاب، ویسے بھی میں نے ماجد بھائی کو ایک لسٹ دی تھی، ان سے اپنے لیے بھی کافی سامان منگوا دیا ہے، پیسے خرچ ہو گئے ہوں گے۔“ زہد کے بولنے سے قبل ہی دعا نے جواب دیا تو اس نے بیوی کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

”ہاں کہہ تو تم بیچ رہی ہو مگر میں دیکھ رہی ہوں۔ اس گھر میں میرے دونوں بھائیوں کی کمائی کس بے دردی سے خرچ ہو رہی ہے۔ حساب کتاب تو رکھنا پڑتا ہے۔“ یہ بات کرتے ہوئے وہ بھلا بیٹھیں کہ زہد صرف ان کا نہیں ماجد کا بھی چھوٹا بھائی ہے اور جس طرح اس پر ان کا حق ہے اسی طرح ماجد کا بھی۔

”باجی، ہم نے پہلے کبھی کسی سے پیسوں کا حساب کتاب کیا ہے؟ جو بڑے بھائی سے کریں۔“ دعا نے زینت کو جتایا جو ہر چھ مہینے میں بھائی سے بہانے بہانے سے پیسے منگوا کر دیتی تھیں۔

”تمہیں شوہر سے محبت ہونہ ہو۔ مجھے اپنے بھائی سے بہت پیار ہے، پیسہ کماتا آسان تھوڑی، جو یوں ہی دونوں ہاتھوں سے لٹا دیا جائے۔“ زینت نے دانت کچکا کر چھوٹی بھادج کو گھورا۔

”چھوڑیں نا باجی! ہم لوگ یہاں کچھ دنوں کے لیے تو آتے ہیں۔ بس سب کو خوش و خرم دیکھنا چاہتے ہیں۔ پیسہ رشتوں سے بڑھ کر تھوڑی ہوتا ہے۔“ دعا نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا مگر اس سے قبل ہی زاہد بول پڑا تو زینت کو خاموش ہونا پڑا۔ دعا نے شوہر کو داد دیتی نگاہوں سے دیکھا تو زینت کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

☆.....☆.....☆

زینت نے جس دن سے زاہد سے دعا کی شکایت کی وہ خاصہ محتاط رہنے لگی۔ باجی کو شوہر کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر خود بھی وہیں تک جاتی۔ یوں ہوا کہ زینت نے سوٹ والا معاملہ ہمیشہ کی طرح ایسے گھما پھرا کر زاہد کے کانوں تک پہنچایا کہ اس نے کمرہ بند کر کے بیوی کی خوب خبر لی۔

”میں نہیں جانتا تھا کہ تم اتنے چھوٹے دل کی عورت ثابت ہوئی، میری بھانجی کو ایک سوٹ دیتے ہوئے تمہارا دل دکھ رہا ہے، جانتی بھی ہو میری بڑی بہن نے ہمارے لیے ہمیشہ کتنی قربانیاں دیں۔“ وہ باجی کے درد بھرے انداز کے زیر اثر یوں آنکھیں بدل کر جان سے عزیز بیوی سے بات کر رہے تھے کہ دعا کے چھکے چھوٹ گئے۔

اس نے صفائی دینے کی بہت کوشش کی مگر زاہد اس وقت کچھ سننے کو تیار نہ تھا۔ بس ایک ہی رٹ ابھی زویا کو سوٹ دے کر آؤ۔

”یہ دونوں سوٹ رکھ لیں۔“ دعا نے مجبور ہو کر بڑے برے دل سے کپڑے اپنے ہاتھوں سے لے جا کر باجی کے حوالے کر دیے۔

”بی بی تم کس بات پر اتر رہی ہو، یہاں تمہارا کیا ہے؟ ویسے بھی سب کچھ میرے بھائی کا ہے۔“ دعا نے نند کو دیکھا تو زینت کے چہرے پر لکھی تحریر صاف پڑھی جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

”تمہاری بیوی بہت زبان وراز ہے۔ پلیز اس کی زبان کو لگام دو کہیں سے بھی ماہا کی بہن نہیں لگتی، ہم سے بڑی چوک ہوگئی، جو دعا کو بھابی بنا کر اپنے سروں پر ناخن کے لیے اس گھر میں لے آئے۔“ زینت نے غصے سے کہا۔ وہ جو ہمیشہ بھائیوں کے سامنے ان کی بیویوں کی برائی کرنے سے اجتناب برتی تھی، جذبات میں آکر ابل پڑیں۔

دعا دونوں جھٹائیوں کو زبردستی کچن سے نکال کر عید کی

شاہجک کے لیے اپنے ساتھ مارکیٹ لے گئی۔ اس نے نند کو جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا، کیوں کہ باجی ماں کے ذریعے پہلے ہی زاہد اور شاہد سے عیدی کے نام پر پچیس پچیس ہزار لکھوا چکی تھی۔ دعا کے ساتھ نہ لے جانے پر وہ جل کر بھائی کے کان بھرنے بیٹھ گئیں، انہیں موقع بھی خود دعا نے فراہم کیا تھا۔

”باجی! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ دعا اتنی اچھی تو ہے۔ وہاں بیٹھ کر بھی اسے یہاں رہنے والوں کا اتنا خیال رہتا ہے۔“ وہ زاہد کی من چاہی بیوی تھی اس کا دفاع کیوں نہیں کرتا اگر ایک طرف بہن عزیز تھی تو بیوی کو بھی اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر لایا تھا، وہ دکھ سکھ کی ساتھی تھی کیسے اس کا مذاق اڑانے دیتا۔

وہ جانتا تھا کہ اس گھر کی کوئی بہو ایسی نہیں جس سے باجی کی ٹھنی نہ ہو۔ وہ آج جس ماہا کی تعریف کر رہی تھیں، کل تک اسے گھنٹی کے لقب سے نوازا تھا۔

”یہ خود تو خاموش رہتی ہے، مگر شاہد کو ہر مسئلے پر بولنے کے لیے چڑھاتی ہے۔“ ماہا کے چپ رہنے پر ان کی حتمی رائے ہوئی۔

”یہ بولتی بہت ہے زبان وراز کہیں کی۔“ زینت کا اب دعا کے بارے میں یہ خیال تھا۔

”دعا! پلیز جب تک ہم لوگ یہاں موجود ہیں، تم کسی قسم کے مسئلے میں نہ پڑو۔“ ان سب باتوں کا دل ہی دل میں اعتراف کرنے کے باوجود اس نے رات کو بند کمرے میں بیوی سے التجا کی تو وہ کھکھلا اٹھی۔

”اچھا جناب۔“ اس نے شوہر کی خوش نوودی کے لیے فرماں برداری سے سر ہلا کر حامی تو بھر لی، مگر اس کے چہرے سے پھوٹی شرارت نے زاہد پر واضح کر دیا کہ اس کے اندر چھپی چلبلی زور زور سے نہ کہہ رہی ہے۔

☆.....☆.....☆

”نعمانہ بھابی! ذرا سب کام چھوڑ کے ادھر آئیے گا۔“ دعا اونچا بن بنائے، زرد رنگ کی کڑھائی والی کرتی اور نیلے پانچامہ میں بہت بیچ رہی تھی، اس نے صبح ناشتے کی ٹیبل پر گرم گرم پرائے پہنچائی بڑی بھابی کو آواز دے کر بلایا۔

”آئی۔“ وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھیں۔ نعیمہ نے جھٹائی کے کام چھوڑ کر جانے پر برا سا منہ بنایا۔ وہ دونوں صبح سے کچن میں کھڑی درجن بھر پرائے بلیتے ہوئے ہلکان

مغربی ادبی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ



لفظ رنگا رنگ سے سرسبز حسن سے بھرپور تحریریں
سچی جان اس سے قبل آپ نے نہیں دیکھی ہوں گی

شائع ہو گیا ہے

قلند و ذات امجد بخاری کی سلسلے وار کہانی
ایک ایسی تحریر جس کا سحر آپ کو خوابوں کی دنیا میں بہا لے جائے گا
مغربی ادب سے انتخاب ڈاکٹر ایم اے قسری کے قلم سے
چشم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف نمائندگی میں جانے والی آواز کی تجویز کے پس منظر میں
معروف ادیب زریں نسر کے قلم سے ہر ماہ ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب عربیوں اور انشائیات پر مبنی
خوشبودار سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 243

ہو گئیں تھیں۔

”کیا کوئی کام ہے کچھ چاہیے؟“ انہوں اس کی پلیٹ
میں آلو کی بجھیا اور گرم پرائٹھار کھتے ہوئے محبت سے پوچھا۔
”جی پہلے تو مجھے سوری کرنا تھا کہ میں سب کے لیے کچھ
نہ کچھ لائی مگر آپ کو کوئی تحفہ نہ دے سکی۔“ دعا نے نرم لہجے میں
انہیں مخاطب کیا، وہ زینت کی بات بتا کر ان کا دل نند سے
خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر شاید وہ سب جانتی تھی، اسی لیے
پھمکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر آ کر ٹھہر گئی۔

”اصل میں میں نے ہمیشہ آپ کو ساڑھی میں ملبوس
دیکھا تو سوچا، آپ یہیں سے اپنی پسند کی ساڑھی خرید لیجیے
گا۔“ دعا نے مسکرا کر اپنی بات مکمل کی۔ زینت کے کان
کھڑے ہو گئے۔

”ارے کوئی بات نہیں رہنے دو دیے بھی کل اتنی شاہک
کروا تو دی تھی۔“ نغمہ نے دلی زبان میں منع کیا۔ سب لوگ
اب ناشتہ چھوڑ کر ان دونوں کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ نغمہ
جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

”ہا نہیں یہ لوگ ہر وقت کچن میں کرتی کیا ہیں؟ میں تو
اپنے گھر کا سارا کام اکیلے نمٹاتی ہوں اور پھر بھی فریش رہتی
ہوں۔“ زینت کی لہجہ تراشی شروع ہوئی۔ دعا ان کا منہ تکتی رہ
گئی۔ دل چاہا پوچھے کہ کبھی آپ کے گھر اکٹھا پندرہ بیس مہمان
ہفتوں رہنے کے لیے آئے ہیں؟ آپ تو خود ہی زیادہ تر میکے
میں پائی جاتی ہیں۔

دعا کو یاد تھا کہ دو سال قبل جب اچانک انہوں نے
پاکستان کا چکر لگایا تو زاہد نے بہن کو سر پرانز دینے کا سوچا بغیر
اطلاع کہ بیوی کو لیے ان کے گھر پہنچ گئے۔

اچڑے حلیہ کے ساتھ دروازہ کھولنے والی باجی پہچانی نہیں
جاری تھیں۔ میکے میں تو تک مک سے ج سنور کے بھابیوں
کو تنقید کا نشانہ بنانے والی زینت کے گھر کی حالت ناقابل
بیان تھی۔

”ارے..... تم لوگ..... یوں اچانک.....“
زینت دروازہ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ جیسے کہہ رہی ہو یہیں
سے لوٹ جاؤ۔

”آپ کی محبت کھینچ لائی۔“ دعا نے کیک کا بڑا سا ڈبہ
انہیں چھایا اور شوہر کے ساتھ فاتحانہ انداز میں اندر داخل ہو گئی۔

READING
Section

وہ دونوں کمرے میں تھکے تو کونے میں زاہد کے بہنوئی کھیل بیٹھے تندور کی روٹی سے وال اڑا رہے تھے۔

”اصل میں آج کام دالی ماسی نہیں آئی نا، میری طبیعت بھی خراب بھی درندہ تو میں ان کو گرم گرم روٹی تو بے سے اتار کے دیتی ہوں۔“ دعا کو مسلسل چنگیر میں رکھی تندور کی روٹی کو گھورتا دیکھ کر باجی نے کوفت بھرے انداز میں جھوٹی صفائی دیں، اس میں تو وہ ویسے بھی ماہر تھیں۔

کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟“ زینت نے شوہر سے اخلاقی کمک حاصل کی تو کھیل بھائی نے فرماں برداری کا ثبوت پیش کیا اور سر ہلا کر بیوی کی تائید کی تاہم کھانے سے ان کی توجہ بالکل نہ ہٹی۔

زاہد نے بہن کے چہرے کی بے زاری دیکھی تو چائے کی فرمائش کر بیٹھا۔ وہ بھی شاید گھمبیر ماحول سے فرار چاہتی تھی کچن کی طرف بڑھ گئیں دعا نے زینت کے منہ سے ہمیشہ اپنی تعریفیں سنی تھیں اور وہ ان کے بڑ بولے پن سے متاثر بھی رہتی تھی، پھر مہاں جی کی تان بھی اسی بات پر آ کر ٹوٹی تھی کہ ”تمہیں زندگی گزارنے کے طریقے سیکھنے ہے نا، تو میری باجی سے سیکھو۔“

مگر اس وقت تو وہ مثل تھی کہ ”چور کو پڑ گئے، مور“ وہ جو دوسروں پر بے لاگ تبصرہ کرنے کی ماہر تھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ دعا ان کی حالت سے حفا اٹھاتے ہوئے پیچھے چلی آئی اور بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے ہر چیز کا گھوم پھر کر جائزہ لیا کچن میں ہر چیز پر چکناہٹ کی کائی کی تہہ جھمی ہوئی تھی۔ برتنوں کا ڈھیر سنک میں جمع تھا ”ماسی جو نہیں آئی تھی۔“ دعا ہاتھ دھوئے واش روم گئی تو عجیب سی بساند نے استقبال کیا وہ ناک سکڑ کر باہر آ گئی۔ زینت کا بس نہیں چل رہا تھا بھائی بھانج کو جادو کے زور سے کہیں غائب کر دے یا خود کہیں چلی جائے۔

”نعمانہ اور نعیمہ کا شمار مغالی پسند خواتین میں کیا جاتا ہے، ان کے دم سے، گھر کا کونا کونا چمکتا نظر آتا ہے، پھر بھی میٹے میں جا کر زینت کا نظریہ بدل جاتا، چھوٹا سا عیب بھی بڑا دکھائی دیتا، جب محفل عروج پر ہوتی تو وہ جتا تیں۔

”اپنے گھر کا اتنا برا حال کرنے کہ باوجود یہ سینہ تان کر سلیقہ مندی کی تعریفیں کیسے کر لیتیں ہیں۔“ دعا نے چکنے سے نمک کو دھو کر پانی پیتے ہوئے سوچا۔

”دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آ جاتا ہے، مگر اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔“ رات کو بستر پر زاہد کے برابر میں لیٹتے ہوئے دعا نے شوہر کو جل کر سنائی، مگر اس نے کروٹ بدل کر سونے کی ایکٹنگ شروع کر دی، وہ جانتا تھا کہ اسی میں عافیت ہے۔

☆.....☆.....☆

باجی! یہ کیا کر رہی ہیں؟“ شاہد نے بہن کو گوشت کے بڑے صاف سقے پر پیس الگ رکھواتے اور چھپھڑے اذر ہڈی والا گوشت دوسرے برتن میں رکھواتے دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا۔

”کچھ نہیں بھیا! قربانی کے گوشت پر غریبوں کا بھی حصہ ہوتا ہے کہ نہیں۔ ان کو بانٹنے کا الگ کردار ہی ہوں۔“ زینت نے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ قصاب گائے کاٹ کر جا چکے تھے، بڑی سی چٹائی پر گوشت کا ڈھیر بڑا تھا، وہ کرسی لگا کر بیٹھ گئیں اور حصہ کر دانے میں جت گئیں۔ ماجد اور ساجد بری طرح سے چڑھے، ان کی دخل اندازیاں برواشت کر رہے تھے۔

”ارے تو کیا گھر والوں کو صرف چھپھڑے کھلائیں گی؟“ شاہد بہن کو اچھی طرح سے جانتا تھا، مسکرا کر چھیڑا۔

”ہی..... ہی..... یہ تو غریبوں کا حصہ لکھوایا ہے۔“ وہ بھائی کی بات پر ہنس دیں۔

☆.....☆.....☆

”افسوس صد افسوس یوں تو قربانی کا مقصد ہی فوت ہو گیا، آپ سارے سال اتنا اچھا اچھا کھانے والے لوگ، اس دن بھی اپنا فریزر گوشت سے بھر لینے کے طلب گار رہتے ہیں کم از کم آج تو غریبوں، مسکینوں اور ناداروں کو کھل کو اچھے سے اچھا بانٹیں تا کہ ان کا دل بھی خوش ہو۔“ شاہد نے کافی سنجیدگی سے کہا تو زینت کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

اچھا بھابی! ازمدگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔“ دعا دہی داہسی سے ایک رات بل نعمانہ سے ملنے اس کے کمرے میں گئی تو وہ ماجد بھائی کے آفس کے کپڑوں پر استری کر رہی تھی، کام چھوڑا اور پیار سے دیو رانی کو گلے لگا لیا۔

”ان شاء اللہ پھر ملاقات کریں گے تم لوگ جلدی چکر لگانا۔“ نعمانہ نے اس کا نرم ہاتھ تھام کر بستر پر بٹھایا۔

”ایک بات کہنی بھی بھابی اگر آپ برانہ مانیں۔“ دعا نے

کچھ سوچ کر ان کو دیکھا اور بولی۔

”تمہیں اجازت لینے کی ضرورت کب سے پڑ گئی؟ جو بھی کہنا ہے کہہ دو۔“ نعمانہ نے دیورانی کو دیکھا اور خوش دلی سے بولی، ان کی بڑی بیٹی سینہ کمرے میں داخل ہوئی تو چچی کو بیٹھے دیکھ کر خود بھی ان کے برابر میں ٹک گئی، اسے اپنی پیاری سی صاف گوچھی بہت پسند تھیں۔

”ہاں آپ بھی دل میں کہتی ہوں گی کہ ”تم جیسی زبان دراز کو بولنے کے لیے کب سے اجازت مانگنی پڑ گئی۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی، تو نعمانہ انکار میں سر ہلایا۔ اسے دکھ ہوا کہ زینت کی بے مقصد باتیں دیورانی کے کانوں تک پہنچ کر دل آزاری کی وجہ بنیں۔

سینہ جلدی سے کچن میں گئی اور شربت بنا کر رے میں گلاس رکھ کر سلیقے سے چچی کو پیش کیا، اس نے پچی کا دل رکھنے کے لیے ایک گھونٹ بھرا۔

”میں دیکھ رہی ہوں کہ ماجد بھائی صبح سویرے گھر سے نکلتے ہیں اور ان کی واپسی رات گئے ہوتی ہے پھر بھی قلیل تنخواہ کی وجہ سے آپ لوگوں کے خرچے پورے نہیں ہو پارہے۔“ دعا نے ہمدردی سے کہا تو ان کی آنکھ بھر آئی۔

”کیا کر س بہن! مہنگائی اتنی بڑھ گئی ہے، بچوں کی پڑھائیاں اور دیگر خرچے ہی پورے نہیں ہو پاتے، پھر بھی اللہ کا شکر ہے حق حلال کی تو کھلا رہے ہے۔“ نعمانہ نے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر عاجزی سے شکر ادا کیا۔

”میرے ایک انکل ہیں۔ انہیں اجمان میں اپنے سپر مارٹ کی نئی برانچ کے لیے فیجر کی ضرورت ہے، جو ایمان دار بھی ہو، اسی لیے میں نے ان سے ماجد بھائی کے لیے کہا تھا، وہ بھی کسی جاننے والے کو ہی رکھنا چاہ رہے تھے۔ اتفاق سے کل ان کی کال آگئی تو، خوش ہو گئی۔ ساری بات تفصیل سے ہو گئی ہے۔ یہ ان کا کارڈ ہے اس پر سارے نمبر ہیں۔ آپ ماجد بھائی سے کہیے گا کہ ان سے بات کر کے انے کاغذات مجھے دے دیں۔ تاکہ میں ان کو پہنچا دوں۔ وہ جلد ہی بھائی جان کو ویزہ بھیج دیں گے، تنخواہ بھی یہاں کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہوگی۔“ دعا نے دیرے دیرے ساری بات بتائی تو نعمانہ پہلے تو ہکا بکار ہو گئی، پھر ایک دم رونے بیٹھ گئی۔ سینہ کا چہرہ البتہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

”میں نے آپ کی اجازت کے بغیر ہی سارے فیصلے

کر لیے ڈر رہی تھی کہ آپ یا بھائی جان ناراض نہ ہو جائیں۔“ اس نے گھبرا کر پوچھا تو وہ دیورانی سے لپٹ گئیں۔

”تم نے تو ہماری مشکلات دور کر دیں، میں تو تمہاری شکر گزار ہوں، ماجد بھی بہتر نوکری کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، ان کے سر سے تو بڑا بوجھ اتر جائے گا۔“ نعمانہ نے دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے شکر گزاری سے دیورانی کو دوبارہ گلے لگایا، سینہ کی آنکھوں میں بھی تشکر کے آنسو اٹھ آئے تھے۔

”اچھا ایک اور بات، آپ یہ رکھ لیں۔“ دعا نے عجلت میں ان کی مٹھی میں کچھ دبایا اور جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

دونوں ماں بیٹی حیران رہ گئیں، مٹھی کھولی تو دیکھا گلابی رنگ کے دو لفافے تھے ایک پر نعمانہ بھابی اور دوسرے پر سینہ لکھا ہوا تھا انہوں نے بے تابی سے لفافے کو کھولا تو ایک میں دس ہزار اور سینہ کے لفافے سے پانچ ہزار نکلے۔

نعمانہ دل سے دعا کی مشکور ہو گئی، اسے لگا کہ چار دن قبل جو سینہ ان سے کوچنگ کی فیس کے لیے بحث و مباحثہ کر رہی تھی وہ دیورانی نے بھی سن لی۔ اسی لیے اس نے طریقے سے اپنی جھٹائی کی مدد کی۔

نعمانہ کے دل سے اس لڑکی کے لیے دعائیں نکلنے لگی، جو غیر تھی اور اپنوں سے بڑھ کر ان کے مسائل سمجھ رہی تھی، جسے اس کے سسرال میں ”زبان دراز“ کے لقب سے پکارا جاتا تھا مگر وہ اس مشکل گھڑی میں ان کے کام آئی۔

☆.....☆.....☆

”مجھے نہیں پتا میرے گھر کی پہلی تقریب ہے، اب تو تم لوگوں کو پاکستان آنا ہی پڑے گا۔“ زینت نے اسکاپ پر دعا اور ماہا سے باتیں کرتے بڑے مان سے کہا۔

”جی، ہم لوگ خود بھی آنا چاہ رہے ہیں، اس دفعہ تو کافی عرصہ گزر گیا، ہم آ ہی نہیں سکے، جی بچوں کی پڑھائی کا مسئلہ تو کبھی ان لوگوں کو ساتھ چھٹی ملنے کا مسئلہ“ ماہا نے کہا، اسے اپنے پاک وطن سے بہت محبت تھی، وہی میں کتنی بھی سہولتیں سمجھ کر اپنے ملک جیسی بات نہیں تھی۔

”زادیا خود بھی کہہ رہی تھی، میری تو صرف دو ہی ممانیاں اچھی ہیں جو وہی جا بیٹھیں۔ جب تک وہ دونوں نہیں آئیں گی، میں نکاح ناے پر سائن نہیں کروں گی۔“ وہ کیا کہتے ہیں

”چور چوری سے جائے، ہیرا پھیری سے نہیں“ سالوں گزرنے کے بعد بھی باجی کے مزاج میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی تھی، مگر کبھی کبھی ان کے اندر سے وہ ہی پرانی والی زینت چل کر باہر آ جاتی، جسے انہوں نے بچوں کے جوان ہونے پر مصلحتاً سلا دیا تھا۔

”باجی! آپ زویا کو سمجھائیے گا اس کی پاکستان والی مامیاں بھی بہت اچھی ہیں۔“ دعا نے ترش لہجے میں کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گئیں۔

”اچھا رخصتی کا کب تک ارادہ ہے؟“ ماہا نے ماحول گرم ہوتا دیکھا تو بات کا رخ دوبارہ تقریب کی طرف موڑ دیا۔ وہ لوگ کیوں کہ وڈیو چیٹ کر رہے تھے اس لیے باسانی ایک دوسرے کے تاثرات بھی دیکھ رہے تھے۔

”کم از کم سال تو لگے گا، کیوں کہ فیضان کے گھر والوں نے بھی تیاری کے لیے تھوڑا ٹائم مانگا ہے، ویسے بھی وہ لوگ ڈیفنس میں اپنا نیا بنگلہ بنوا رہے ہیں شادی وہیں سے ہوگی۔ اس وقت تک زویا کا ماسٹرز بھی مکمل ہو جائے گا۔“ زینت کا من پسند موضوع چھڑ چکا تھا، خوشی خوشی بتانے لگیں۔

”فیضان کرتا کیا ہے؟“ دعا کو بحس ہوا تو پوچھ بیٹھی۔ ”میکینیکل انجینئر ہے، بہت اچھی جگہ نوکری کرتا ہے۔ کمپنی کی طرف سے گاڑی بنگلہ سب ملا ہوا ہے، فیضان کی بہنیں تو زویا کو ایک نظر دیکھتے ہی جیسے فریفتہ ہو گئیں، اسی لیے میں نے عمر کے فرق کو درخود اعتناء نہیں جانا۔“ زینت کی لں ترانیاں جاری تھیں۔

”ماشاء اللہ آپ نے زویا کی ہونے والی نندوں کی کتنی تعداد بتائی تھی؟“ دعا کا لہجہ بہت معنی خیز تھا، مگر وہ شجی مارنے میں اتنی مکن تھیں کہ سمجھ ہی نہیں پائی کہ بھادج کیا جتنا چاہتی ہے۔

”ایں اسات بہنوں کا اگلوٹا بھائی ہے، میرا فیضان۔“ انہوں نے مسکرا کر بتایا۔ خوشی کا احساس جیسے ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہا تھا۔

”لڑکے کی ماں بہنوں کی پہناؤ نیاں، میری طرف سے ہوں گی۔“ اس سے پہلے کہ دعا مزید کچھ بولتی ماہا نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔

”ہنہ! یہ تو شاید ماموں کی طرف سے ہوا اب بتائیے میرے نکاح پر زہد ماموں کیا کریں گے؟“ زویا نہیں بدلی

تھی۔ ویسی کی ویسی ہی تھی۔ بغیر کسی شرم و حیا کے ماں کے پیچھے سے منہ نکال کر پوچھا۔

”تمہارے ہونے والے دلہا کی شاپنگ کی ساری ذمہ داری ہماری ہوگی۔“ دعا نے مسکرا کر کہا تو دونوں ماں بیٹیاں شانت ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

ایتنے سالوں بعد زینت بھی بھابیوں کے خڑے اٹھانے پر مجبور ہو گئیں، ماں رہی نہیں۔ بس اب بھائیوں کے دم سے میکا تھا۔ اہل میں، نئی رشتے داریاں بننے جا رہی تھیں، ان کی بھی سرالہ والوں سے تو بنی نہیں، مگر انہوں نے میکے کو ہی سرال سمجھ کر اپنا شوق پورا کیا۔ اب جب کہ غیر خاندان میں بی بی بیاہنے چلی تھی تو چار عزیزوں کی ضرورت تھی، اسی لیے بھابیوں کے معاملے میں ہمیشہ سے روارکھی جانے والی بے لچک پالیسیوں میں نرمی آ گئی۔

ماجد کے دبئی جانے کے بعد سے نعمانہ کے پاؤں سرال میں خالص مضبوط ہو گئے، انہوں نے دبنا چھوڑ دیا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی نعیمہ میں بھی ہمت آ گئی، ویسے بھی جب بچے جوان ہو جائیں تو شوہروں کو ان کی سنی پڑتی ہے اسی لیے آہستہ آہستہ سارے بھائی باجی کے ٹرائس سے باہر آ گئے۔

☆.....☆.....☆

”باجی! کیا ہو گیا کیوں روتی ہیں ابھی آپ کے بھائی زندہ ہیں۔“ شاہد اور زاہد بہن کو ساتھ لگا کر تسلی دینے لگے مگر ان کے آنسو تو اترے گئے جارہے تھے۔

”اچانک رشتہ ختم کیسے ہوا؟ یہاں تک کہ ہال بھی بک ہو گیا تھا۔“ وہ دونوں پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے مگر کہیں سے کوئی تسلی بخش جواب نہ مل رہا تھا۔ وہ لوگ زویا کے نکاح کی تقریب میں شرکت کرنے دوپہر کو پاکستان پہنچے تو یہاں پورا گھر سوگ میں ڈوبا ہوا تھا، زینت کئی دن کی مرضیہ نظر آرہی تھی، زویا الگ کمرہ بند کرے پڑی تھی۔

”لڑکے والوں کی طرف سے انکار کہلوادیا گیا ہے۔“ دعا نے پوچھا تو نعمانہ نے دبی زبان میں بتایا۔

”بس اب ان لوگوں کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی، میری بچی کا نصیب اچھا تھا، جو وہ بچ گئی۔“ زینت نے سب کے بچ میں بیٹھ کر پاٹ دار آواز میں کہا تو کسی کی مزید بولنے کی ہمت نہ رہی۔

نغمانہ، نعیمہ نے سارے بچوں کو بڑے کمرے سے نکالا خود رات کے کھانے کی تیاری کے لیے کچن کی طرف چل دیں ماہ اور دعا وہیں کارپٹ پر بیٹھ کر باجی کو دلاسہ دینے لگی۔ دوسروں کے ساتھ زیادتی کرنے والے یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ہم سب کے اوپر بھی ایک ذات ”رب العالمین“ کی ہے، جن کے سامنے ہر انسان کا دل ایک کھلی کتاب ہے، اس پر لکھی گئی اچھائی، برائی کی کوئی ایک تحریر بھی اس ذات پاک سے چھپائی نہیں جاسکتی..... پھر انسان کس سے چھپاتا ہے؟ صرف دنیا والوں سے۔ اسی لیے وہ لوگوں کا دل دکھاتا ہے، ان کی حق تلفی کرتا چلا جاتا ہے مگر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ بہت دنوں تک زیادتی کرنے والوں کی رسی کو ڈھیلا نہیں چھوڑتا۔

☆.....☆.....☆

”ایسی کون سی بات ہوگئی تھی، جوڑ کے والوں نے یوں انکار کر دیا؟“ زائد کسی طرح مطمئن نہیں ہو پارہا تھا۔ ”ارے بس شیخی خورے لوگ تھے۔ ہم ٹھہرے سیدھے سادھے لوگ، ان جیسے مفاروں سے بن نہ سکی۔“ زینت نے ہمیشہ کی طرح بھائیوں کو گھمایا اور وہ گھومتے چلے گئے۔ ”یہ تو آپ صحیح کہہ رہی ہیں، یہ زمانہ سیدھوں کا نہیں، آپ کو پہلے ہی ان نو دولتوں کے بارے میں مکمل معلومات کروا لینی چاہیے تھی، ابھی کون سی بچی کی عمر نکلی جا رہی تھی، جو آپ نے اتنی جلدی مچائی۔“ شاہد نے بھی سر ہلا کر اظہارِ افسوس کیا اور بہن کو سمجھایا۔

”یہ ہی تو میں بھی ان سے کہتا رہا کہ پہلے لڑکی کو کوئی طور طریقہ سکھاؤ مگر انہوں نے اپنے آگے کبھی کسی کی سنی ہے جو اس دفعہ سنیں۔“ فکیل بیوی کے قریب کھڑے ہو کر چہک اٹھے، ویسے بھی ڈھلتی عمر کے ساتھ عشق کی پٹی آنکھوں سے اتری تو بہت سے منظر واضح نظر آنے لگے۔

”آپ جا کر پکوان والوں کی بکنگ تو کینسل کر وادیں۔“ زینت نے فوراً ہی پیئر ابدلا، میاں کو آنکھ کے اشارے سے وہاں سے جانے کے لیے کہا، وہ جھنجھلا کر باہر نکل گئے۔ بھابیوں کے مسائل پر ساری عمر چٹخا لینے والی کیسے برداشت کرتی کہ ان کے اپنے اوپر کوئی انگلی اٹھائے۔

فکیل بھائی کی بات پر کسی نے توجہ نہیں دی مگر دعا کے کان کھڑے ہو گئے وہ پہلے ہی زینت کے جواب سے مطمئن

نہیں ہو پارہی تھی، ان کے شوہر کے انداز نے اس کے خدشات کی تصدیق کر دی۔ یقین پکا ہو گیا کہ رشتہ ختم ہونے کے پیچھے کوئی اور ہی وجہ ہے۔

☆.....☆.....☆

دعا چھوٹے بیٹے کا فیڈر بنانے کے بہانے جھٹائیوں کے پیچھے کچن میں جا پہنچی۔ وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں، اسے دیکھ کر ایک دم خاموشی اختیار کر لی۔ ”بھابی! پلیز بتائیے نازو یا کارشتہ کیوں ختم ہوا؟“ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد جب اس نے پوچھا تو دونوں کے لبوں پر دبی دبی افسردہ سی مسکراہٹ چھا گئی۔

”اصل میں فیضان اپنی بہنوں میں سب سے بڑا تھا، اس کی ہر بات کی تان ان لوگوں سے شروع ہو کر ان ہی پر ختم ہوتی، زویا کے لیے اپنے علاوہ کسی اور کی تعریف سننا مشکل تھا، مگر وہ برداشت کرتی رہی۔“ نغمانہ نے کچن کے داہلی دروازے پر نظر رکھتے ہوئے دھیرے سے بتانا شروع کیا۔ ”اچھا پھر کیا ہوا؟“ دعا کا لہجہ پر تجسس ہوا۔ نعیمہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

”مسائل اس وقت شروع ہوئے جب زویا فیضان کے پیچھے بڑ گئی کہ نکاح کا جوڑا اور باقی شاپنگ وہ اپنی پسند سے کرے گی، جبکہ فیضان کی ماں بہنوں کے ارمان تھے کہ وہ خود اکلوتی بہو اور بھابی کے لیے شاپنگ کریں آخر ایک دن اس مسئلے پر دونوں کی ٹھیک ٹھاک منہ ماری ہوئی تو زویا کے منہ سے غصہ میں نکل گیا کہ ”آپ کی یہ چنڈال بہنیں کیا، اسی طرح ساری زندگی میری خوشیوں کا خون چوسیں گی؟“ یہ بات سننی تھی کہ فیضان نے موبائل آف کر دیا۔ یہاں سے بعد میں اس سے رابطے کی بڑی کوششیں کی گئیں مگر سب بے سود، زینت نے زندگی میں پہلی بار زویا پر ہاتھ اٹھایا۔ اس نے بھی ماں سے خوب زبان درازی کی۔ دوسرے دن فیضان کے گھر والے آئے اور زینت سے اس رشتے پر معذرت کر لی، ان کا کہنا تھا کہ زویا جیسی لڑکی سے اپنے بیٹے کی شادی کر کے وہ اپنے گھر کو جہنم نہیں بنائیں گے بس بات ختم ہو گئی۔“ نغمانہ نے تفصیل سے ساری بات بتائی۔

”ہاجی نے بہت چاہا کہ معاملات ٹھیک ہو جائیں مگر اب فیضان کسی طرح اس گھر میں شادی کرنے کو تیار نہیں۔“ نعیمہ نے بتایا۔

سے بات شروع کی، وہ شوق سے سننے لگی۔

”شہزاد بھائی کا ہمارے گھر کافی عرصے سے آنا جانا ہے، والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اپنے سارے مسائل ہم سے بیان کرتے ہیں۔ اصل میں شہزاد بھائی کی بیوی کو اکلوتا دیور کا نئے کی طرح چھتا ہے، اسی لیے وہ اب مراو کی شادی کرنا چاہتی ہیں تاکہ اس کی تنہائی بھی دور ہو سکے۔“ دعا نے تفصیل بتانا شروع کی۔

”ہاں بھئی سب ہماری طرح خوش قسمت نہیں ہوتے، جنہیں اتنی اچھی بھابھیاں ملی ہوں۔“ زینت نے اس بار کسی بناوٹ لہجے سے ہٹ کر دل سے تعریف کی تو دعا شرمائی گئی۔

”خیر شہزاد بھائی! زاہد کے پیچھے پڑ گئے کہ میرے چھوٹے بھائی کے لیے بھابی جیسی کوئی اچھی لڑکی ڈھونڈ کر نکالو، تو میرے دماغ میں فوراً ہی زویا کا خیال آیا، ان دونوں کو بلا کر زویا کی تصویر دکھائی تو انہوں نے اوکے کر دیا۔“ دعا شرارت سے گویا ہوئی اسے زینت کی حالت کا سن کر بہت دکھ ہوا جو اسکا پ پر بہت کمزور دکھائی دے رہی تھیں۔

”اچھا ہے میرا تم لوگوں کے علاوہ کون ہے؟ اگر زاہد کو لڑکا مناسب لگے تو بات آگے چلاؤ۔“ انہوں نے دھیمے دھیمے کہا پاس ہی سر جھکائے زویا بٹھئی تھی۔

”انہیں تو مراد شروع سے بہت پسند ہے۔ ویسے آپ ان سے بات کر کے اپنی تسلی کر لیجیے، ابھی تو میں نے آپ سے یہ کہنا تھا کہ میں زویا کا ویزہ اور ٹکٹ بھیج رہی ہوں، اسے ایک مہینے کے لیے اپنے پاس بلوا رہی ہوں، ان لوگوں نے تصویر دیکھ کر اؤ پسند کر لیا ہے، مگر باقاعدہ دیکھنے کی بات اور ہے، ویسے بھی مراد کو گھر سنبھالنے والی لائف پارٹنر کی ضرورت ہے۔ اسی لیے میرا ارادہ ہے کہ یہاں بلا کر زویا کو نہ صرف کوکنگ میں ماسٹر کر دوں بلکہ وہی گھما پھرا بھی دوں۔“ دعا نے چپکتے ہوئے کہا تو زویا نے سر اٹھا کر مایہ کو دیکھا۔

”سچ مای! مجھے آپ دیاں بلارہی ہیں اوہ کتنا مزہ آئے گا، میں تو امی سے پہلے ہی کہتی تھی کہ میری تو ایک ہی مای ہیں۔ دعا مای۔“ زویا کی شرارت سمجھ کر وہ ہنس دی۔ اچھائی نے خود کو منوا ہی لیا۔



”فیضان! زویا کی کم عمری کو ذہن میں رکھ کر اس کی بہت سی بے جا ضدیں پوری کرتا رہا، تو یہ آسمان پر جا چڑھی سمجھا کہ اسے انگلیوں پر نچاتی رہے گی، باجی نے بھی بیٹی کو نہیں سمجھایا مگر اب حد ہو گئی تھی۔“ نعیمہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر بتایا۔

”فیضان کی امی نے شکوہ کیا۔ ان کے بیٹے نے کہا ہے کہ اپنی بہنوں کے بارے میں تلخ باتیں سننا وہ بھی ایسی لڑکی سے جس نے ابھی سسرال میں قدم نہیں رکھا اس کے لیے ناممکن ہے جب اس کا ابھی سے یہ حال ہے تو وہ بعد میں کیا گل کھلائے گی نہ بھئی ایسی زبان و راز لڑکی ہمیں نہیں چاہیے۔ انہوں نے باجی کی خوب بے عزتی کی اور چل دیں۔“ نغمہ کے پتانے پر ان تینوں کے چہروں سے دکھ جھلکنے لگا جو بھی تھا، زویا بھی تو اسی خاندان کی بچی اس کا رشتہ ختم ہونا کوئی خوشی کن خبر نہیں تھی۔

”زویا کے لیے زبان و راز کا لقب۔“ دعا قدرت کے انصاف پر حیران رہ گئی، اسے پتا تھا کہ یہاں جب بھی اس کا ذکر لگتا تو، زینت اس کی نام کے بجائے۔ ”زبان و راز“ کا لقب استعمال کرتی تھیں، دوسروں کی بیٹیوں کو اپنے گھر لا کر مذاق اڑانے والوں کو قدرت کی طرف سے کیسا طمانچہ پڑا تھا۔



بچوں کی پڑھائی ٹھٹھ ہو گئی اتنی مصروفیت کی وجہ سے دعا کی سسرال میں بات چیت کم ہونے لگی تھی آج بہت دنوں بعد جھٹانیوں سے تفصیل سے بات ہوئی تو پتا چلا کہ جب سے زویا کا رشتہ ختم ہوا ہے باجی کافی بیمار رہنے لگی ہیں۔

اسے دکھ نے گھیر لیا ایک نئی فکر سوار ہو گئی، ادھر ادھر زویا کے جوڑ کا لڑکا ڈھونڈنے میں لگ گئی، اتفاق سے زاہد کے دوست شہزاد کے کہنے پر اس کے بھائی سے ملاقات کی۔ ہینڈ سم سامرا زویا کے جوڑ کا نظر آیا، بہانے سے انہیں بھی زویا کی تصویر دکھائی، دہلی پتلی، سبک نقوش والی لڑکی ان دونوں بھائیوں کو پسند آ گئی، یوں ایک معرکہ سر کرنے کے بعد اس نے آج نند سے بات کرنے کی ٹھانی۔

”آپی! مراد زاہد کے دوست کا چھوٹا بھائی ہے ابو ظہبی کے بینک میں اس کی بہت اعلیٰ جاب ہے۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ لڑکا بیوی کو اپنے ساتھ ابو ظہبی میں رکھے گا۔ ہماری زویا راج کرے گی۔“ دعا نے نند کی ذہنیت کے حساب

اچھے دل رہی جینے

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

آنے والی رتوں کے آچل میں
کوئی ساعت عید کیا ہوگی
نہ ہوگا تو جشن خوشبو کیا ہوگی
تم نہ ہوگے تو عید کیا ہوگی

بشیر صاحب گہری ٹھنڈی سانس بھرنے کے سوا کیا کر سکتے تھے۔ اپنی بیٹی اولاد ہوتی بھی تو وہ اس کی خوشی کو اہمیت دیتے۔ کیا ہوا جو حورین دستگیر (ان کے بھائی کی اولاد جس کی ذمہ داری خود ان کے بھائی نے انہیں سونپی تھی) جسے وہ اپنے گھر کی رونق دیکھنا چاہتے تھے اپنے گھر کی خوشی بنانا چاہتے تھے (اسے کوئی اور بھاگیا تھا اور اسے بھایا بھی کون..... عازم..... عازم جو کاظم بشیر کا قریبی اور دولت مند دوست تھا۔ اور کئی سارے دنوں بعد.....

سرخ عروسی لباس میں جب وہ بھی سنواری گڑیا سی لڑکی ان کے سامنے آئی تو دل میں کیسی ہوک سی اٹھی تھی وہ ہی جانتے تھے اس کرب کو یا پھر ان کی شریک حیات صغریٰ بیگم اور ان دونوں سے زیادہ نارسائی کا کرب دائمی ہجر کی اذیت سہنے والا وجود تو کاظم بشیر کا تھا۔

سات سمندر پار وہ حورین دستگیر کے لیے ہی تو گیا تھا۔ حورین دستگیر اس کی طرح اس کے خواب بھی بہت البیلے اور انوکھے تھے۔ چار کمروں کے چھوٹے سے گھر میں اپنے تایا تائی اور ان کی اکلوتی اولاد کاظم بشیر کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں محلوں کے سنے بنتی تھیں اور کاظم اس کے ان خوابوں سے بہت اچھی طرح واقف تھا جیسی تو تعلیم مکمل کرتے

موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ نے ہلکی گدلی سرسئی ردا اوڑھ رکھی تھی۔ موسم خوش گوار اور آلود ہونے لگا تھا، ہلکی ہلکی خنکی رات ہوتے ہی فضاء میں مدغم ہوتی محسوس ہونے لگتی۔ رات اپنے دوسرے پڑاؤ میں تھی جب کمرے میں سوتے بلکہ سونے کی کوشش کرتے اس ضعیف العمر شخص کو پیاس نے تنگ کیا۔ بہت آہستگی سے اٹھ کر پنجن کی طرف جاتے اس شخص کے قدموں کو براہِ مدے کی سٹرھیوں پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھے ہچکولے کھاتے وجود نے جکڑ لیا۔ وہ بے تحاشہ روئے جارہی تھی اس کی ہچکیاں سامنے کھڑے شخص کے اعصاب پر ہتھوڑے کی مانند برس رہی تھی مگر بے بسی..... صدمہ بے بسی.....



بشیر صاحب نے بہت حیرت سے اسے دیکھا جو ابھی کچھ دن پہلے تک ان سے نئے کپڑوں، جوتوں اور دیگر بے ضروری خواہشات کی تکمیل کے لیے ضد کرتی لیکن آج یک بہ یک.....

”بابا! مجھے عازم پسند ہے آپ عازم کے والدین کو اوکے کر دیجیے گا پلینز..... کل آئیں گے وہ لوگ آپ سے بات کرنے۔“ اس کی نگاہیں احتراماً جھکی ہوئی تھیں مگر لہجہ میں حاکمیت اور قطعیت بھر پور تھی۔

ہی پاکستان سے باہر جا کر ڈھیر سارا پیسہ کمانے کی دھن میں اس نے بوڑھے ماں باپ کی تنہائی کا بھی خیال نہ کیا اور بشیر صاحب منگڑی بیگم نے بیٹے کی خوشی اور مرحوم بھائی کی پھول جیسی نچی حورین کے لیے گلیجے پر پتھر رکھ کر کاظم کو بھیگی آنکھوں اور ڈھیر ساری دعاؤں کے حصار میں دیارِ غیر روانہ کر دیا۔

ابھی تین برس ہی تو گزرے تھے شخص جب حورین دیکھ کر نے تائی تایا کی بے لوث محبت اور لاڈ پیار بھری پرورش کے زعم میں چور ہو کر ان سے ان ہی کی اکلوتی اولاد کی خوشی برباد کرنے کی اجازت مانگی۔

بشیر صاحب کو آج بھی وہ لمحہ نہ بھولا تھا حورین نے ان کے سامنے عازم کا ذکر اس انداز سے کیا تھا ان کی نشست کے نزدیک گھٹنوں کے بل بیٹھی وہ بالکل اسی نچی کی طرح تھی جسے پھر نئی بار بی ڈول پسند آگئی تھی جس کے لیے وہ اپنے بڑے ابا سے اپنی ضد منوانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالے گی اور انہیں مٹانے کی لیے واقعی اس نے ہر ممکن کوشش کی یہاں تک کہ ان کا کلیجہ چھلنی ہو گیا۔

”بابا ہوتے تابتے ابا! تو وہ ضرور میری خواہش پوری کرتے۔ امی حیات ہوتی تو میں ان سے بہت ضد کرتی۔ روٹھ جاتی کہتی کہ اگر آپ کو عازم نہیں بھی پسند تو بھی یہ سوچ کر میری خواہش پوری کر دیں کہ وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اسے کھونا مجھے غم کی انتہائی کیفیت سے دوچار کرے گا تو وہ جھٹ سے مجھے گلے لگا کر اپنی رضا مندی کا عندیہ دے دیتی۔ مگر وہ اور بابا بھی نہیں ہیں۔“ کیسی حسرت آمیز دکھ بھری ٹھنڈی سانس بھری تھی اس نے بشیر صاحب نے تڑپ کر دیکھا۔

”تو کیا تم مجھے اپنے بابا جیسا نہیں سمجھتی حورین! کیا تمہاری بڑی امی تم سے تمہاری امی جیسا پیار نہیں کرتی بیٹا! کیا ہماری شفقت میں کمی رہ گئی؟“ حورین ان کی بات سن کر مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

”میں بڑے ابا! میرا یہ مطلب نہیں تھا مجھے امی بابا بہت یاد آ رہے ہیں آپ کی دل آزاری تو میرا مقصد نہ تھی ان کی کمی محسوس ہو رہی ہے بس۔“ وہ اپنی صفائی دے رہی تھی۔ بشیر صاحب نے اپنی شریک حیات کی طرف دیکھنے سے دانستہ احتراز برتا۔ جانتے تھے کہ منگڑی بیگم کی آنکھوں میں نمکین پانی کے ستارے اپنی چھب دکھلا رہے ہوں گے۔

اس وجہ سے نہیں کہ حورین کی دل دکھاتی باتوں نے انہیں

غم زدہ کر دیا بلکہ اس لیے کہ وہ جو ان کی آنکھوں کا نور ان کا لاڈلا بیٹا کاظم بشیر سات سمندر پار بیٹھا ہے حورین سے دست برداری کا غم کیسے برداشت کرے گا۔ اپنی اولین چاہت سے دست برداری کا غم اسے کس قدر نہ تڑپائے گا۔ کاش منگڑی بیگم کچھ کرباتی لیکن وہ کچھ نہ کر سکی اور نہ ہی بشیر صاحب کا بس چلا منگڑی بیگم کے سر پر سوار کیا گیا صدمہ بیماری کی صورت سامنے آیا۔ حورین نے فٹاٹ کاظم کو فون کر دیا۔

”آپ خیال نہیں رکھتیں نہ اماں اپنا! دیکھیں تو کتنی کمزور ہو رہی ہیں! دو انیس وقت پر لیا کریں۔ ابا آپ اماں سے کچھ کہتے نہیں! چہرہ کتنا بچھا بچھا ہے دیکھیں۔“ وڈیو کالنگ کی سہولت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کاظم اور منگڑی بیگم آمنے سامنے ایک دوسرے کو دیکھ کر محو گفتگو تھے۔ بشیر صاحب بھی سامنے ہی برا جہاں دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔

”بس بیٹا! تمہاری ماں اب بوڑھی ہو رہی ہے اور کچھ نہیں۔“ بشیر صاحب نے ہلکے سے مسکرا کر کہتے ہوئے ماحول کو سنجیدگی کی قید سے آزاد کرنے کی کوشش کی مگر بو جھل پن ہنوز قائم تھا منگڑی بیگم کے لبوں پر مسکان نہ آئی۔

”ابا! سب ٹھیک ہے نا؟“ کاظم نے ٹھکر سے پوچھا۔

”ہاں بیٹا! تمہاری ماں کو تو عادت ہے چھوٹی سی بات کا بتکر بنانے کی۔“ کاظم نے سنجیدگی سے ماں کی صورت دیکھی اسے باپ کی بات پر ذرا بھی یقین نہ آیا۔

”اس بار آؤں گا تو خود اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا، مکمل چیک اپ کے لیے۔“ وہ واقعتاً پریشان ہو گیا تھا۔

”آؤ گے کب تم؟“ منگڑی بیگم کی آنکھیں ڈبڈبائی۔

”اماں..... اماں کیا ہو گیا..... آپ کہیں تو ابھی آ جانا ہوں۔“ کاظم سچ سچ اٹھنے لگا تھا۔

”افوہ..... دونوں باپ بیٹا ہر وقت میری جان کے پیچھے بڑے رہتے ہیں اپنے بیٹے کو یاد کر کے تھوڑا سا رو بھی نہیں سکتی۔“ منگڑی بیگم نے اسکرین پر کاظم کا چہرہ چھونے کی لالچنی کوشش کی تھی۔

”کوئی اور بات تو نہیں؟“ کاظم کی چھٹی حس آ لارم کی طرح بج اٹھی۔

”نہیں بھئی..... آؤ گے کب تم؟“ منگڑی بیگم نے قطعیت سے کہہ کر جھٹ سے سوال داغا۔

”بقرب عید پڑاؤں گا بس ایک مہینہ صرف یوں گزر جائے گا

پھر میں اپنی پیاری ای جان کے پاس ہوں گا۔“ کاظم نے پیار بھرے انداز میں کہا تو صغریٰ بیگم جھٹ مسکرا دیں۔

”اور ہاں اپنی لاڈلی بیٹی حور بری کو بتادیں اس بار اس کی پسند سے گھابو (بکروں کی ایک نسل) لائیں گے قربانی کے لیے۔“ صغریٰ بیگم کا کلیجہ کسی نے مٹھی میں بھیج دیا ہو۔

کاظم بے خبر..... جانتا نہیں تھا کہ اس بار حورین نے اس کے جذبات و احساسات کو قربان کرنے کا انتظار کر رکھا ہے۔ صغریٰ بیگم اور بشیر صاحب نے تو یہی طے کر رکھا تھا کہ کاظم کو حورین کی شادی کی خبر نہ ہو جب وہ آئے گا تب دیکھیں گے دیر غیر میں اس غم کو اکیلا نہ سہنا پڑے اسے مگر یہ بچکانہ سی خواہش بھلا کیسے پوری ہوتی۔

☆.....☆.....☆

حورین دستگیر جس کے حلق سے نوالہ نہیں اترتا تھا کاظم کو بتائے بنا اور دوسری طرف عازم..... کاظم کا بے حد قریبی اور پرانا دوست کاظم کے بنا دلہا کیسے بنتا۔

کاظم کے زمان و مکان گھوم گئے اس خبر سے آشنائی کے بعد دیوار سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح ردیا تھا۔ چاہتا تو یہی تھا کہ وہ اس شادی میں شامل نہ ہو بھلا کیسے اپنی ہی محبت کو اپنے ہی دوست کے ساتھ رخصت کرتا۔ اتنا حوصلہ تو شاید بلند و بالا اونچے چٹان جیسے پہاڑوں میں بھی نہ ہو۔ وہ تو عام ساجندوں، محبتوں کا مارا انسان تھا لیکن اپنے ماں باپ کی جذبات، صدماتی کیفیت کا خیال اسے پاکستان آنے پر مجبور کرنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں اپنی ماں کا بے رونق چہرہ گھوم گیا، باپ کے جھکے کا ندھے اسے نہ ہونے کے باوجود خود کو مضبوط ظاہر کرنے پر مصر ہوئے۔

اپنی محبت اپنی دوست کے لیے جذبہ ایثار جذبہ قربانی کاظم بشیر کو خود پر ضبط کرنے کا ڈھب سکھانے لگے۔ ایثار و قربانی کا دوسرا نام محبت ہی تو ہے۔ وہ محبت جو کاظم بشیر کو حورین دستگیر سے ہنودہ محبت جو حورین دستگیر کو عازم سے۔

بساط دل پر عجب ہی شکست ذات کا لطف جہاں پر جیت اٹل ہو وہ حال ہار کے دکھ اور دیکھتے دیکھتے حورین دستگیر کی رخصتی کا دن طلوع ہو گیا، بشیر صاحب نے سچی سنوری دہن بنی حورین کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دی۔ صغریٰ بیگم نے بارہا اس کی نظرات تاری دعائیں پڑھ پڑھ کر دم کرتی رہیں۔ حورین آج دائمی حور شمال اُپسراؤں

...

READING
Section

مسکراہٹ
مسکراہٹ وقت نہیں لیتی لیکن اس کی یاد سالہا سال تک رہتی ہے۔ تھکے ہوئے کے لیے طاقت، ہمت۔ ہارے ہوئے کے لیے امید، مصیبت زدہ کے لیے تریاق۔ مسکراہٹ وہ نعمت ہے جو خریدی نہیں جاسکتی۔ چوری نہیں ہو سکتی قرض پر اٹھائی نہیں جاسکتی اور خیرات میں مانگی نہیں جاسکتی۔
عائشہ سلیم..... اورنگی کراچی

کو شرمائے دے رہی تھی۔ کاظم نے متورم شب بیداری کی غماز آنکھوں سے اسے محض لمحہ بھر دیکھا تھا۔ نارسائی کا کرب اس کی آنکھوں میں خار کی طرح چبھنے لگا تو اس نے فوراً نگاہیں جھالیں۔ کمر لاتے ایڑیاں رگڑتے دل کو ڈپٹے ہوئے وہ ایک کنارے سب کی نظروں سے دور جا بیٹھا۔

”میری محبت کے ساتھ سدا آباد و خوش حال رہو۔ اتنی خوشیاں تمہاری جھولی میں پھولوں کی طرح مہکیں کہ مسرت کے احساس سے تمہارا وجود پور پور معطر و مرشار ہو جائے ان شاء اللہ آمین۔“ بہت مہر و خلوص کے ساتھ اس نے حورین دستگیر کے حق میں دعا کی تھی۔

.....

بعض اوقات خلوص دل سے نکلی دعائیں بھی عرش معلیٰ پر قبولیت کا درجہ نہیں پاتیں، کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں جھیلنا، ہم خود اپنے نصیب میں لکھواتے ہیں اپنی خوشی سے اپنی جھولی پھیلانے منت سماجت کرتے رت کے حضور گر گڑا رہے ہوتے ہیں۔ وہ نہیں دیتا تو شکوہ کناں بھی ہم ہی ہوتے ہیں اس سے بدگمان ہوتے ہیں خود ترسی کا شکار ہوتے مگر اپنی خواہش سے دست بردار نہیں ہوتے اور وہ مہربان رب جو ستر ماؤں سے زیادہ ہم سے محبت کرتا ہے ہلا خرماری طلب ہماری لکن ہماری گریہ داری کی شدت سے ناچا ہتے ہوئے بھی بخش دیتا ہے۔

پھر جن ستاروں کو چھونے کی خواہش ہمیں کسی طرف دیکھنے اور سوچنے کے لائق نہیں چھوڑتی ان ہی ستاروں کے لس سے ہتھیلیوں پر پڑے آبلے تکلیف دینے لگتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ستاروں کی جاہ میں انگاروں سے ہاتھ جل جائے تو کتنی اذیت سہنی پڑتی ہے لیکن تب تک اتنی دیر ہو جاتی

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 251

ہے کہ سوائے تکلیف جھیلنے اور جلن کی شدت برداشت کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔



”دیکھو میرے ہاتھ..... کیا آیا ان میں کیا پایا میں نے۔“
حورین دنگیر نے اپنے ہاتھ کاظم بشیر کے سامنے پھیلائے۔
کاظم کی اولین چاہت اپنے بڑے ابا اور بڑی امی کے کلچے کی ٹھنڈک محبتوں کا محور جس میں ان تینوں افراد کل اہل خانہ کی جان تھی۔ وہ اس وقت ایسے لیے ویسے حال میں ان کے سامنے تھی کہ ان سب ہی کے دل میں جو ایک ہلکی سی خلش حورین کے خود غرضانہ رویے سے پیدا ہوئی تھی کہیں دور کھو گئی تھی۔ سب بری طرح دکھ و الم کی کیفیت سے دوچار تھے کوئی چیز کر دیکھتا کاظم بشیر کا دل جہاں نارسائی کا کرب سہتی ادھ موئی محبت اپنے محبوب کا یہ حال دیکھ کر کس طرح مچلا تھا۔

اس لڑکی کو اس نے خود سے زیادہ چاہا تھا اور وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ سرخ و سفید رنگ میں کھلی زردی ہونٹ سوکھ کر پڑی زدہ ہو گئے تھے۔ آنکھوں کے گرد حلقے گویا کالے کالے سیاہ دائرے داغ بن کر جم گئے تھے اور آنکھیں تو..... آہ..... روشنی ستارہ سی آنکھیں جیسے بجھا ہوا چراغ ہوں۔ زندگی کی رمت زندہ دلی کی شوخی نازگی کی چمک کچھ بھی تو نہیں تھا پہلے جیسا۔
”دیکھو کاظم! میرے ہاتھوں میں..... بالکل خالی ہیں اگر کچھ ہے تو بہت دکھ درد کے چھالے.....“ وہ سفید و زرد بے رونق ہاتھ اس کے سامنے پھیلائے بیٹھی تھی۔ کاظم نے آنکھوں میں آنی نمی بمشکل پیچھے دھکیلی۔ کیسے دیکھ پاتا وہ اسے اس حالت میں کوئی پوچھتا تو سہی کہ کیا بیت رہی تھی کاظم پر۔
حورین کے لب ایک ٹرائس کی کیفیت میں مل رہے تھے۔

”میں نے بہت کوشش کی اس کا ساتھ دینے کی ہر طرح اس کی مانگی رہی۔ کچھ بھی یاد نہیں دلایا اسے اس کے وعدے قسمیں سب جھوٹ تھا بالکل جھوٹ تھا۔ اپنی ماں کی آنکھوں سے دیکھتا تھا باپ کی زبان بولتا تھا۔ ہا نہیں مجھ سے شادی کے لیے اس نے اپنے گھر والوں کو کیسے منایا تھا مگر پہلے دن سے ہی مجھے اس کے گھر میں ”مس فٹ“ کا نام دے دیا گیا تھا۔ میرے ڈھائی گز کے دوپٹے کو تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا۔ میرے عبا یا لینے کو چھوٹے لوگوں کی چھوٹی سوچ کہا جاتا۔ میری ہر بات پر مجھے ملل کلاس ہونے کا پھڑدے مارنے میں عازم سمیت کسی نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔“ وہ سر جھکائے

برستی آنکھوں سمیت اپنی رو داد غم سناقی کاظم کا امتحان لینے پر تلی بیٹھی تھی۔

”میں نے خود کو ان کی طرح بنانے کی بہت کوشش کی عبا یا چھوڑ کر چادر لینے لگی۔ دوپٹہ سر پر لینے کے بجائے کاندھے پر سمیٹ لیا، ٹراؤزر اور جمنز بھی پہن کر عازم کو خوش رکھنے کی کوشش کی مگر..... مگر میں کیسے برداشت کرنی جب عازم کی برتھ ڈے پارٹی پر اس کے ایک دوست نے زبردستی مجھے گال پر..... وہ مجھے چھونے کی جرأت بھی کیسے کر سکا..... اور عازم وہ میرے سامنے کھڑا کسی اور سے محو کلام رہا۔ ایسے بے غیرت بے حس شخص کا چناؤ کیا تھا میں نے خود پر حیران تھی میں..... کیا سے کیا بن گئی تھی میں۔ اس شخص کے ساتھ نے مجھے بھی بے حیائی سکھادی تھی اور میں..... میں اس سبق کو یاد کرنے کے لیے خود کو ہلکان بھی کر رہی تھی۔ میں نے ایک زوردار تھپڑ سے اس شخص کو جواب دیا مگر میری اس حرکت سے..... اس شخص سے زیادہ عازم اور اس کے باپ کا منہ سرخ ہو گیا۔ عازم کے باپ نے اس کے سامنے میرے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جو میں کبھی مر کر بھی..... آہ.....“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی کاظم نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی بار بار کے رونے سے ایک ہی بار کا ماتم کافی ہوتا ہے۔ گو کہ کاظم کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ اس لڑکی کے آنکھوں کے آنسو اپنے ہونٹوں سے چن لے اسے بتائے کہ اس دل پر اس کے آنسو کیسی اذیت بن کر پڑ رہے ہیں مگر..... حورین بولے جارہی تھی روئے جارہی تھی۔ کاظم بے بس اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

”میں پارٹی ختم ہونے کا انتظار کیے بنا داش روم میں شاہور کے نیچے جا کھڑی ہوئی رگڑ رگڑ کر اپنے گال اپنے جسم کو سرخ کر لیا مگر وہ گھناؤنا کس دور نہ ہوا مجھے گمن آنے لگی خود سے ہی ہل.....“ کاظم نے دیکھا حورین کی ویران آنکھوں میں خوف بھر گیا جیسے وہ پھر سے ایک بار اسی منظر میں چلی گئی ہو۔ اسی اذیت سے دوچار ہو رہی ہو کاظم نے اسے روکنے کی خواہش رکھنے کے باوجود روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا غبار اس کا خوف بھڑاس باہر نہ نکلتا تو وہ اندر ہی اندر گھٹ جاتی کاظم چپ چاپ دیکھتا رہا۔

”عازم چیختا چٹکھڑتا کرے میں آیا پیچھے اور بہت سی آوازیں تھیں میں ڈر گئی تھی اور جب میں خوف زدہ سی باہر آئی تو اس نے طلاق کی کالک میرے منہ پر ملی اور اپنے لہجے سے مجھے

سنگار کر کے گھریں رکھ دیا۔ وہ بے تحاشہ رو رہی تھی۔ کاظم کو ڈر ہوا کہیں کہیں حورین کی آنکھیں نہ بہہ جائیں مگر وہ روتی رہی۔

”اس نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہمیشہ میرا ساتھ دے گا“ اس نے تو کہا تھا اسے اپنی فیملی کی عورتیں پسند نہیں اسے چار دیواری میں رہنے والی پاکیزہ عورت چاہیے تھی۔ اسے مردوں سے لٹی عورتیں بری لگتی تھیں اسے تو میرے عبا یا سے محبت تھی میری جھکی آنکھوں سے پیار تھا مگر مجھے بہت بعد میں پتا چلا اسے ایڈونچرز پسند تھے اس کی ہالی تھی تھرل اس نے مجھ سے شادی کچھ الگ کچھ انوکھا تجربہ کرنے کی کوشش میں کی تھی۔ میں نے تو اس کے لیے پہلے قدم پر اپنے پیاروں سے دوری اختیار کی اپنے گھر کو چھوڑا اپنی عادتوں کو چھوڑا اپنی اقتدار اپنی شرم و حیا کو چھوڑا اور اس نے..... اس نے مجھے ہی چھوڑ دیا۔“ حورین روتے روتے منسنے لگی۔

”کیسا خسارے کا سودا کیا میں نے۔“ برستی آنکھوں اور وحشت بھری ہنسی سے آراستہ لبوں کے ساتھ وہ کاظم کے دل کے ٹکڑے کر رہی تھی۔ حورین دستگیر خالی ہاتھ خاک لود راہ گزر سے سفر پورا کر آئی تھی۔

اس کی اجڑی حالت کاظم پر قیامت بن کر گزری تھی کاظم نے تو اسے خوش دیکھنا چاہا تھا۔ کوئی شکوہ زبان پر لائے بغیر اسے کسی اور کے ہاتھوں میں دے دینا آسان تو نہ تھا مگر پھر بھی اسی نے یہ پہاڑ سر کیا لیکن شاید وہ ٹھیک کہتی ہے۔

حورین دستگیر ٹھیک کہتی ہے..... بعض اوقات خلوص دلی سے نکلی دعائیں بھی عرشِ معلیٰ پر قبولیت کا درجہ نہیں پاتی۔ کاظم بشیر کی دعا بھی مسترد کر دی گئی تھی شاید رب کی مرضی کچھ اور تھی۔



”تمہارا باپ زندہ ہوتا تو تمہیں یوں اجاڑ ویران تھا زندگی بسر کرنے چھوڑ دیتا کیا؟“ آج بشیر صاحب کے انداز میں شفقت اور مان بھری تھی۔

”میں بار بار تمہیں من مانی کرنے نہیں دوں گا ایک بار اپنی کر چکی اب میری مانو۔ حکم سمجھو پیار سمجھو یا زبردستی تنہا زندگی گزارنے نہیں دے سکتا تمہیں میں۔ شادی تمہیں کہیں نہ کہیں کرنی ہی ہے تو کیوں تمہیں خود سے دور کروں۔ دوون بعد کاظم سے نکاح ہے تمہارا اور میں کچھ نہیں سننا چاہتا تم دونوں کے سوا کون ہے ہم بڑھا بڑھایا کا۔ اچھا ہوگا کہ پرانی تکلیف وہ یادوں کو بھلانے کی کوشش کرو اور خود کو سنبھالو۔“

خواہش
کوئی دھوپ چھاؤں کا موسم ہو
اور مدھم مدھم بارش ہو
ہم گہری سوچ میں بیٹھے ہوں
سوچوں میں سوچ تمہاری ہو
اس وقت تم ملنے آ جاؤ
اور خوشی سے پلکیں بھاری ہوں
ہم تم دونوں خاموش رہیں
اور زباں پر آنکھیں حاوی ہوں
تم تھام لو میرے ہاتھوں کو
اور لفظ زباں سے جاری ہوں
میں تم سے محبت کرتا ہوں
اور جذبوں میں سرشاری ہو
ہاتھوں کی لکیریں مل جائیں
سنگ جلنے کی تیاری ہو
سب خوابوں کو تعبیر ملے
اور ہم پر خوشیاں واری ہوں
کوئی دھوپ چھاؤں کا موسم ہو
اور مدھم مدھم بارش ہو

انجم نصیر..... ملتان

حورین دستگیر نے ڈبڈبائی آنکھوں سے بشیر صاحب کی صورت دیکھی انہوں نے بہت محبت پاش لگا ہوں سے اسے دیکھا ہلکا سا مسکرائے پھر قریب آ کر اس کے سر پر دستِ شفقت رکھ دیا۔

”میری بیٹی! اپنے بڑے ابا کا مان رکھے گی نا؟“ حورین دستگیر کو ایک بار پھر شدت سے اپنی کوتاہ نظری کا احساس ہوا کیسے کشادہ دل لوگ تھے وہ سب۔

کسی نے اسے اس کے کٹھور روئے پر ملامت نہ کی کسی نے اسے اکیلا نہ چھوڑا اس کے ساتھ روئے اس کے ساتھ رہے اور اب..... ایک بار پھر محبت مان..... کیسا اٹھائے گی وہ یہ بوجھ ساری عمر۔

واقعی بعض اوقات خلوص دل سے نکلی دعائیں عرشِ معلیٰ پر

قبولیت کا درجہ نہیں پاتیں۔ وہ مالک کل کائنات جو ہمیں ستر ماؤں سے بھی زیادہ بڑھ کر عزیز رکھتا ہے اس نے ہمارے لیے ہم سے بہتر فیصلہ بہتر انتخاب کر رکھا ہوتا ہے اور ہم نادان، کم عقل انسان اس کی حکمت کو سمجھ نہیں پاتے۔

چھ ماہ بڑی تیز سے گزر گئے تھے کاظم بشیر اور حورین دستگیر اور اس گھر کی رونق اور خوشیاں سب لوٹ آئی تھیں شاید ہمیشہ کے لیے۔ آج کاظم نے حورین کو سر پر اتر دینے کے لیے اس کی سالگرہ کا خفیہ فنکشن آرینج کر رکھا تھا۔

گہری نیند سے سوئی حورین نے نیند پوری ہونے پر شبسمسراتے ہوئے مندی مندی آنکھیں کھولیں تو گلابوں کی تازہ روح پر درمہک میں احساسات پوری حسایت سمیت بیدار ہوئے۔ وہ جھٹ سے اٹھ بیٹھی سارا کمرہ گلابوں کے گلہ تے سے سجا تھا سامنے صوفے پر براجمان کاظم کا چہرہ فرط محبت و مسرت سے چمک رہا تھا۔ سوئی ہوئی بے ترتیب حالت میں ہونق بنی حورین نے گھبرا کر دوپٹے پر ہاتھ مارا حورین بڑی طرح شرمانے کے ساتھ ساتھ اپنی قسمت پر نازاں حیا آمیز تاثرات سجائے چہرے کے ساتھ کاظم کو ”ٹھینک یو“ کہہ رہی تھی اور کاظم اس کے پاؤں زمین سے نہ لگ رہے تھے۔

شام کے فنکشن میں سچے دھجے دونوں کو سرشار و خوش دیکھ کر بشیر صاحب اور صغریٰ بیگم مطمئن و پرسکون ہو گئے تھے۔ حورین اور کاظم کے مسکراتے ہوئے منظر کو گیمرے کی آنکھ نے قید کیا۔ کاظم نے حورین کو برتھ ڈے گفٹ میں گلاب دیا تھا۔ اگلے مہینے تک حورین نے اس گلاب کو اپنے ہاتھوں سے کھلانا پلانا تھا کاظم کا دیا تھا وہ اپنی خوشی سے اس بقرعید پر قربان کرنے کا سوچے بیٹھی تھی۔

”خبردار! میں تمہیں دوسرا بکرا لادوں گا وہ قربان کریں گے اس گلاب کو کا سوچنا بھی مت۔“

”مجھے تو یہی ذبح کرنا ہے۔“ حورین مصرچی۔

”ٹھیک ہے خود حلال کرنا میں تو اپنی محبت سے لایا تھا ذبح نہیں کر سکتا۔“ کاظم نے لال جھنڈی دکھائی۔

”قصائی زندہ باد۔“ حورین نے تنک کر کہا۔

”قصائی کی بچی ٹھہرو۔“ کاظم شرارت سے اس کی طرف بڑھا حورین نے فوراً تائی ای کے کمرے کی طرف چھلانگ لگائی گھران کے قہقہوں سے گونجنے لگا۔



کاظم کا دلایا سبز جوڑا پہنے کلائی میں بھر بھر کالج کی چوڑیاں پہنی حورین دستگیر نے قربانی کے لیے کپڑے بدلنے آئے کاظم کو ٹھہرنے پر مجبور کر دیا حورین جھینپ کر مسکرانے لگی۔

”مجھے ہی قربان کر دو گی تم۔ قربانی سے قبل.....“ کاظم کے انگ انگ سے شرارت پھوٹ رہی تھی۔

”بہت کام ہے ابھی جلدی کپڑے تبدیل کریں۔“ حورین نے دوپٹہ کاندھے پر پھیلایا۔

”آہ..... ظالم!“ کاظم نے مصنوعی آہ بھری۔ حورین مسکرا کر جانے لگی تبھی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

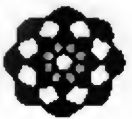
”ہیلو.....“ کاظم نے فون اٹھایا جاتی ہوئی حورین پلٹ کر دیکھنے لگی۔ اگلی طرف کی بات سن کر کاظم کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

”کیا ہوا کون ہے؟“ حورین کو تشویش ہوئی۔ کاظم نے آہستگی سے فون ہولڈ کر رکھا۔

”تمہارے لیے ہے۔“ سرسری سا کہتا ہوا حورین کے برابر سے نکل گیا ابھتی ہوئی حورین فون تک آئی۔

اگلی طرف عازم تھا رونا گڑ گڑاتا معافیاں مانگتا اپنی محبت کا یقین دلاتا قسمیں کھاتا حورین سناٹے میں آ گئی۔ کپڑے بدل کر کاظم کمرے میں آیا تو حورین آئینے کے سامنے کھڑی ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ کاظم کے بجھے بجھے چہرے کو دیکھ کر روبرو انداز میں مسکرائی۔

”بھومن! ایک سوراخ سے بار بار نہیں ڈسا جاتا سمجھے؟“ کمرے سے لپکتے ہوئے کاظم کے پاس ٹھہر کر کہتی حورین نے کاظم کے چہرے کو پھر سے روشن کر دیا تھا۔ کاظم گہری ٹھنڈی تشکر بھری سانس بھر کر کھل کر مسکرایا اور قربانی کے لیے چل دیا۔ حورین کو سچے رشتوں، سچی محبتوں کی پہچان دیر سے سہی مگر ہوئی گئی تھی۔



لاش کی شہین

حمیرا انیس شہین

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

فور بے خودی میں اب یہ عالم ہے محبت کا
جنہیں وقف حدود آستاں معلوم ہوتی ہے
جنون عشق کا حاصل ہے سجدوں کی فراوانی
یہی اب جادہ عمر رواں معلوم ہوتی ہے

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

”چلو چھوڑو اس ذکر کو تم یہ بتاؤ کہ کل مارکیٹ چل رہی ہو
میرے ساتھ کچھ کپڑے لینے ہیں میں نے اپنے اور بچوں
کے۔“ میں نے موضوع بدلا اور اسی طرح باتیں کرتے
شاہجگ کا پروگرام بناتے مغرب کی اذانیں شروع ہوئیں تو
میں جلدی سے سلسلہ منقطع کر کے باہر نکل آئی۔ مجھے پتا تھا کہ
اب ای کا مغرب کی نماز کا پچھرا شروع ہو جائے گا پتا نہیں ان کو
کیا ہر وقت نمازوں کی فکر رہتی تھی۔ اب مغرب پڑھ لو ٹائم کم
ہوتا ہے۔ سونے سے پہلے عشاء کی نماز ضرور پڑھ لیتا رات کو
پُر سکون نیند آتی ہے اور رات بھی راضی ہوتا ہے ایسے جملے ہر
وقت میری سماعتوں سے ٹکراتے رہتے اور میں دل ہی دل میں
پتہ و تاب کھاتی رہتی مگر مجال ہے جو میں لے ان لی سی بات
پر کان دھرا ہوں۔



میں نے جلدی جلدی بچوں کو تیار کیا اور خود بھی بڑے
تک سک سے تیار ہونے لگی۔ آج کتنے دن بعد ہم ڈنر باہر
کرنے جا رہے تھے بچے تو خوش تھے ہی میں بھی بہت مسرور
تھی کہ چلو کچھ دیر کے لیے گھر کے خشک ماحول سے نجات
ملے گی اور زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ امی ہمارے ساتھ
کہیں باہر آئی جاتی نہیں تھیں۔ وہی پردے کا خیال گھروں

”رہنا بیٹا! عصر کی نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے جلدی سے
نماز پڑھ لو۔“ امی نے آہستگی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔
میں جو انہماک سے اپنی دوست ملیجہ سے باتوں میں
مصروف تھی ”اچھا امی“ کہہ کر پھر وہی سے سلسلہ شروع کر دیا۔
”کون تھا؟“ ملیجہ نے پوچھا۔
”کوئی نہیں یار! وہی بڑھیا کی ایک بات نماز پڑھ لو
ٹائم نکلا جا رہا ہے نماز وقت پر ادا کیا کرو نماز پڑھنے سے
برکت ہوتی ہے سکون ملتا ہے۔ جملے سن سن کر تو میرے کان
یک گئے ہیں سکون ختم کر کے رکھ دیا ہے۔“ میں جو ای
کے دروازہ کھٹکھٹانے پر بے زار ہوئی تھی ملیجہ کے پوچھنے پر
پھٹ ہی تو پڑی۔

”تو تم کہہ دیا کرو ناں یہ میرا مسئلہ ہے میں پڑھوں یا نہ
پڑھوں آپ کو اس سے کیا۔“ ملیجہ کو بھی یہ سن کر غصہ آ گیا۔
”نہیں یار بڑی ڈھیٹ ہیں کئی دفعہ باتوں باتوں میں سنا
دیا ہے مگر مجال ہے جو اُن پر اثر ہو۔ ساس کو تو بہوؤں کے کام
سے غرض ہوتی ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ میرے
ہاتھوں سے کام چھین لیتی ہیں یہ میں کر لیتی ہوں جاؤ تم اپنے
رب کی بارگاہ میں حاضری دو۔“
”اچھا.....“ وہ حیران ہوئی۔

کی عورتوں کو رات گئے گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ عورت گھر کی چار دیواری میں ہی اچھی لگتی ہے اور میں تو شکر ادا کرتی تھی کہ وہ گھر پر ہی رہتی ہیں ورنہ تو کھانے کا مزا بھی کر کر کر دیتیں اور صد شکر کہ ان کے خیالات کا آفاق پر کچھ اثر نہیں پڑا تھا۔ وہ ان کی سنتے ضرور تھے مگر دقیا نوسی ذہنیت کے ہرگز نہ تھے وہ زمانے کے ساتھ قدم ملا کے چلنے والوں میں سے تھے۔ اے کو خدا حافظ کہنے ان کے کمرے تک آئے تو میری طرف مخاطب ہو کر بولیں۔

”بیٹا! عشاء کی نماز پڑھ کے جاتیں وہاں سے آؤ گی تو تھک کر سو جاؤ گی۔“ اور ان کی اس بات پر میرے ماتھے پر شکنیں ابھراں۔

”میں نماز پڑھ کر ہی جا رہی ہوں۔“ میں ناگواری سے بولی۔

”اچھا۔“ ان کی حیرت میں ڈبلی ہوئی آواز ابھری اور میں جلدی سے ان کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ انہوں نے بچوں پر کچھ پڑھ کر پھونکا بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”بیٹا! گاڑی آہستہ چلانا اور رعنا دپشہ اچھی طرح اوڑھنا غیر مردوں کی نظریں پڑیں گی تو شیطان خواخواہ راضی رہے گا۔“ نکلتے نکلتے بھی یہ جملے میرے کانوں سے ٹکرائے اور میں نے گاڑی کا دروازہ غصے میں بند کیا اور آفاق میری طرف دیکھ کر رہ گئے۔

”آخر مسئلہ کیا ہے اے کو؟ کیوں ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں کیوں مجھ پر وعظ نصیحت کا بازار گرم کر کے رکھتی ہیں اگر وعظ کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو کوئی مدرسہ کھول لیں۔ مجھ پر نہ لےئے یہ شوق پورے کیا کریں۔“ میں غصے سے آگ بگولا ہو رہی تھی۔

”اچھا چلو چھوڑو تم زیادہ دھیان مت دیا کرو۔ خاموشی سے سن لیا کرو تمہارا کیا جاتا ہے کرتی تو تم وہی ہو جو تمہارا دل چاہتا ہے میں بھی تو ہوں اچھا امی کہہ کر خاموش ہو جاتا ہوں نہ اپنا دل جلاتا ہوں اور ان کی دل بازاری کرتا ہوں۔“ آفاق نے مجھے سمجھانا چاہا تو میں خاموش ہو گئی میں مزید بول کر اپنا اور ان کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ آخر میں تو آفاق کی امی ان کو اپنی ماں کی برائی سن کر غصہ بھی تو آسکتا تھا۔ بچوں کے ساتھ باتیں کر کے میں نے اپنا موڈ بحال کر لیا تو آفاق بھی خوش ہو گئے۔

ای بے حد مسرور تھیں ان کے ساتھ ساتھ میری بھی باغپیر چلی جا رہی تھیں بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ خوشی سے میرے قدم زمین پر پڑتے ہی نہ تھے کیونکہ وہ اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ حج پر جا رہی تھیں ان کی درخواست منظور ہو گئی تھی۔

وہ آنے والے دنوں کا تصور کرتے خانہ کعبہ کے گرد چکر لگاتے روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو چومتے ہوئے خیمہ آنکھوں سے مسکراتی رہتیں اور میرے ہونٹ ان کے گھر سے دور رہنے کے خیال سے ہی پھیلے رہتے۔ میں نے پورے جوش و خروش سے ان کی روانگی کی تیاری کی ان چند دنوں میں ان کا خوب خیال رکھا حتیٰ کہ ان کے بار بار نماز کی تلقین پر بھی خوش دلی سے سر ہلا دیتی۔

جاتے وقت پوچھا پوتی کو ڈھیروں دعاؤں سے نوازا بیٹے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور مجھے گلے لگا کر خوب پیار کیا۔

”اللہ نے چاہا تو جلد ہی تم بھی اپنے بچوں کے ساتھ اللہ کا گھر دیکھنے جاؤ گی۔“ انہوں نے دل سے دعا دی۔ ”اور میرے لیے دعا کرنا کہ بس اللہ مجھے اپنے گھر ہی رکھ لے۔“ میں نے جلدی سے دل میں آمین کہا۔

آج امی کو گھر سے گئے ہوئے بیس دن ہو گئے تھے اور یہ بیس دن بڑی سرعت سے گزرے۔ بچوں نے جی بھر کر مستیاں کیں کارٹون دیکھے روز میری کوئی نہ کوئی فریڈ آئی ہوتی یا میں ان کے ہاں چلی جاتی۔ رات ویر تک آفاق کے ساتھ کوئی نہ کوئی مودی دیکھ لیتی اور صبح دن چڑھے سو کر اٹھتی امی کے جاتے ہی میں نے ملازمہ رکھ لی۔ صفائی ستھرائی کے علاوہ وہ بچوں کو صبح تیار کر کے اسکول بھیجتی اور آفاق کو بھی ناشتا بنا کر دے دیتی۔ زندگی ایک دم سے سکون و ہمیں میں بدل گئی تھی نہ کوئی روک ٹوک نہ نمازوں کی تلقین اور نہ ہی پند و نصیحت..... دن تیزی سے گزر رہے تھے امی سے اکثر فون پر بات چیت رہتی۔ ماشا اللہ آج تو خوشی سے ان کی آواز ہی نہ نکل پارہی تھی کیونکہ آج انہوں نے حج کا فریضہ ادا کر لیا تھا وہ خوشی سے کہہ رہی تھیں۔

”رعنا کل ہماری عید ہے۔“ اور میں دل میں سوچ رہی تھی

کہ ہماری تو آج کل یہاں روزہ عید ہے۔

جس دن پاکستان میں عید تھی اسی دن باجی کا روتے ہوئے فون آیا کہ امی کو دل کا دورہ پڑا اور وہ جانبر نہ ہو سکیں۔ یہ خبر سن کر جیسے پیروں تلے سے زمین نکل گئی مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

”آہ..... ایسا کیسے ہو سکتا ہے وہ تو ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔ کل ہی تو فون پر بات ہوئی تھی۔“ آفاق کا تو صدے سے بُرا حال تھا امی کی وصیت کے مطابق ان کو مکہ مکرمہ میں ہی دفن دیا گیا تھا۔



ای کو ہم سے جدا ہوئے کئی دن ہو گئے تھے آنے جانے والوں کا سلسلہ بھی اب کم ہوتا جا رہا تھا گھر اداسی کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ امی کیا روٹھ کر گئیں ہم سے تو خوشیوں نے ہی منہ موڑ لیا آفاق کا آفس سے گھر واپس آتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہو گیا انہیں شدید چوٹیں آئیں اور ٹانگ دو جگہ سے فریکچر ہو گئی۔ ان کی بیمار داری بچوں کی دیکھ بھال گھر کے کام کاج میں تو گھن چکر بن کر رہ گئی۔ کام والی کو ہٹا دیا گیا کیونکہ کئی مہینوں سے بستر علالت پر ہونے کی وجہ سے آفاق کی جگہ کسی اور کو بھرتی کر لیا گیا یوں آفاق کی نوکری گئی تو گھر میں مزید پریشانی کا اضافہ ہو گیا۔ بچوں کی دو تین ماہ کی فینسیس لکھی ہوئی تھیں اور آج تو نوکس بھی مل گیا تھا کہ اس ماہ فیس جمع نہ کروانے کی صورت میں بچوں کا نام خارج کر دیا جائے گا۔

”یا اللہ ابھی اور کتنی آزمائشیں باقی ہیں۔“ میں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا جو کچھ جمع پونجی تھی آفاق کے علاج پر لگ چکی تھی اور اب تو ان کے بہن بہنوئی ہی ان کا علاج کروا رہے تھے۔ وہی فرینڈز جو کل تک مجھ پر جان چھڑکتی تھیں آج پوچھنے کی بھی روادار نہ تھیں۔ وقت پڑنے پر کیسے لوگ طوطا چٹم ہو جاتے ہیں اس بات کا مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ والدین عرصہ ہوا اس دار فانی سے کوچ کر چکے تھے کاش کوئی اپنا بہن بھائی ہوتا تو اس کڑے وقت میں یوں تو نہ تنہا چھوڑتا۔ بچے جو تعیشات کے عادی تھے اب دال سبزی کو رو دھو کر کھانے پر مجبور تھے۔

”مما مجھے چکن چاہیے۔“ حمزہ کی فرمائش ہوتی علیزہ ضد کرتی ”مجھے پزا کھانا ہے“ اور میری آنکھیں جھلملانے لگتیں کہ میں کہاں سے ان کی یہ فرمائش پوری کروں۔

آفاق کو کچھ کہہ نہیں سکتی وہ بیماری کی وجہ سے ویسے ہی بے حد چڑچڑے ہو گئے تھے۔ بات بات پر چیخنا چلانا شروع کر دیتے بچوں کو شور شرابا کرنے پر ڈانٹتے مجھے بُرا بھلا کہتے اور میں صبر کے گھونٹ پی کر رہ جاتی کہ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔



رات کا جانے کون سا پہر تھا نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ذہن و دل پر ایک عجیب طرح کا بوجھ تھا آج مجھے امی کی یاد بہت شدت سے آئی۔

”آہ..... امی آ کے دیکھیں ذرا وہ گھر جو امن و سکون کا گہوارہ تھا آج کیسے یہاں پریشانیاں دادا سیاں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ آپ کے جانے سے سکون عزت برکت سب ہی کچھ ختم ہو کر رہ گئی۔“ اسی سوچ میں مضطرب تھی کہ دور کہیں سے اذان کی آواز سنائی دی جی علی الفلاح..... جی علی الفلاح..... جی علی المصلوۃ..... اور اس آواز کے ساتھ ہی جیسے ذہن و دل کے در پہ بچے کھلتے چلے گئے۔

”ہاں امی کہتی تھیں نماز پڑھا کرو بے شک نماز دلوں کو سکون پہنچاتی ہے۔ گھر میں رحمت و برکت ہوتی ہے جس گھر میں کلام پاک کو جزدان میں لپیٹ کر رکھ کر بھول جاتے ہیں اوقات صلوٰۃ میں خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے کی بجائے شیطان کو راضی کرنے کے کام ہو رہے ہوں تو پھر اس گھر میں کیسے خبر و سلامتی کے درواہ ہونے کی امید رکھی جاسکتی ہے۔“ ان کی آواز میری سماعت میں گونج رہی تھی میں فوراً اٹھی وضو کیا اور اپنے خدا کے حضور سر بسجود ہو گئی۔ نماز کیا پڑھی میرے پورے وجود میں طمانیت کی لہریں دوڑ گئیں ایک عرصہ کے بعد اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔



”آفاق جلدی سے یہ جوس ختم کریں عصر کی نماز کا وقت ہونے والا ہے مجھے نماز بھی پڑھنی ہے۔“ اور میرے اس جملے پر انہوں نے میری طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ میں سرتاپا شرمندگی میں ڈوب گئی اور ان سے نظریں چراتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی۔

میرے روزمرہ کے معمولات میں گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر زیادہ وقت قرآن پاک پڑھتے اور نماز وغیرہ میں گزرتا۔ بچوں کے کام کرتے آفاق کو کھانا کھلاتے ہوئے

میرے ہونٹ مستقل حرکت میں رہتے اپنے رب کا ذکر و رو زباں رہتا۔ نماز کے سجدوں میں عجیب طرح کی لذت محسوس ہونے لگی ذکر میں لطف آنے لگا۔ گھر کے کام اتنی جلدی منٹ جاتے کہ پتا بھی نہ چلتا۔ غصہ ایک دم سے میری زندگی سے غائب ہو گیا۔ نسیمی علیزہ بھی نماز پڑھتے وقت میرے ساتھ آکھڑی ہو جاتی اور ہو بہو میری نقل کرتی تو میرا دل خوشی سے جھوم جاتا۔

گھر میں ایک دم سے سکون کی فضا قائم ہو گئی نئے حالات سے سمجھوتہ کرنے لگے۔ آفاق نے بھی چیخنا چلانا کم کر دیا اور زیادہ تر ذکر و اذکار میں مصروف رہتے۔ میرا دل جو ہمہ وقت احساسِ ندامت میں ڈوبا رہتا تھا بتدریج اس میں کمی آنے لگی۔ میں چشمِ تصور میں امی کو خوش ہوتے ہوئے دیکھتی۔



آفاق کے ایک قریبی دوست جو جرمی سے آج کل پاکستان آئے ہوئے تھے ان کو جب پتا چلا تو انہوں نے آفاق کا علاج کروانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ میری اور بچوں کی دل جوئی کرتے اور میں جھلملاتی آنکھوں سے اپنے حقیقی معبود کا شکر بجالاتی کہ کس کس طرح وہ اپنے بندوں پر مہربان ہوتا ہے کیسے اندھیری راہ میں روشنی کی لکیر پیدا کرتا ہے۔ آفاق کی ٹانگ کا ایک اور معمولی سا آپریشن ہونا باقی تھا ڈاکٹر زکائی پر امید تھی کہ وہ جلد ہی اپنے پیروں پر چل سکیں گے اور اس دن میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب انہوں نے پہلا قدم بغیر کسی سہارے کے اٹھایا اور میں شکرانے کے لفل ادا کرنے بھاگی۔

آفاق کے ایک کولیگ کی کوشش سے ان کو اپنے ہی آفس میں جاب مل گئی اور زندگی ایک بار پھر سے معمول پر آگئی مگر اب پہلے کے اور اب کے معمولات میں فرق یہ تھا کہ ہمارا اپنے رب سے تعلق مضبوط استوار ہونے کی وجہ سے سجدوں کی طوالت بھی بڑھ گئی تھی۔



میں گناہ گار خانہ کعبہ کا معطر غلاف تھامے کھڑی تھی۔ آنکھوں سے اشک رواں تھے اپنی قسمت برتاؤں تھی کہ یہ مجھ خطا کار پر کیسا کرم ہوا کہ اس نے مجھے اپنے گھر پر بلا لیا میں تو اس قابل نہ تھی میرے اعمال اس لائق نہ تھے پھر ٹوٹنے اس ناجائز کو اس قابل جانا۔ ذہن میں جھماکا ہوا کہ امی نے حج پر

جاتے ہوئے جو دعا دی تھی کہ اللہ کرے تم بھی اس کا گھر دیکھنے جلد جاؤ۔ میرے اللہ نے اپنی محبوب بندی کی دعا فوراً قبول کر لی اور مجھ عاصی کو اپنے در پر بلا لیا۔

”میرے اللہ تو غفور الرحیم ہے تو حلیم ہے تو کریم ہے.....“ میرے پروردگار مجھے تاریکیوں سے نکال کر روشنی عطا کر..... اے اللہ تیری شان کتنی بندہ نواز و بے نیاز ہے تو آرزائش میں ڈال کر بھی گناہ گاروں کو اپنے قریب لے آتا ہے اتنا قریب کہ اپنے دامنِ رحمت میں سمیٹ لیتا ہے۔ آہ..... دنیا کی فریب خوردہ اور رنگینیوں میں ڈوبی ہوئی صرف میں ہی نہیں میری طرح لاکھوں افراد شیطان کے مکر کا شکار ہوتے ہوں گے مگر میرا پیارا رب جو ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے انہیں کسی امتحان میں ڈال کر سجدوں کی راہ دکھا دیتا ہے۔ میرے مالک میں تیرے در پر کھڑی تجھ سے اپنی خطاؤں کی بخشش کی طلب گار ہوں تیری نظرِ کرم پر مسرت سے اشک بار ہوں تو نے مجھے دنیا کی حقیر زندگی سے نکال کر ابدی زندگی کی لذتوں سے آشنا کر دیا۔“ میری آنکھوں سے تو اتر سے اشک جاری تھے جو میرے دل پر پڑے بوجھ کی کثافت کو دھو تے چلے جا رہے تھے اور ایک ہر سکون سی کیفیت مجھ پر طاری ہوتی جا رہی تھی۔

موتی سمجھ کے شان کریچی نے جن لیے قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے مجھے یوں لگا کہ ای کہیں میرے پاس پاس ہی موجود ہیں اور کہہ رہی ہوں۔

”دیکھو میں نہ کہتی تھی کہ اللہ کے قریب آ جاؤ اس کے آگے سر جھکا لو اسی میں لذت ہے اسی میں برکت و راحت ہے یہی راہ نجات ہے۔“ اور میرے دل نے فوراً اس بات کی شہادت دی ریاضت و عبادت ہی سکونِ قلب کا نام ہے بشرطیکہ اسے سچے دل سے پکارو اس کا دامنِ رحمت ہر وقت کھلا ہے۔ مانگنے والا ہو تو مرادوں سے جھولی بھر لے اور اگر کوئی مانگنے والا ہی نہ ہو تو صد حیف.....

کوئی حسن شناس ادا نہ ہو تو کیا علاج ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں



مجرم

سمیع عثمان

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

بسا لیتے ہیں ذہنوں میں ہزاروں بُتِ محبت کے
وہ جس کو پوجتے تھے آج وہ پتھر نہیں ملتا
وہ ماجد دن میں ترماتا ہے باہر ہی نہیں آتا
اندھیرے میں نکلتا ہے تو میرا گھر نہیں ملتا

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

پیٹ کی آگ اتنی شدید تھی کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اچانک شیطان نے کھلونے کی ٹوکری سے مٹی کی بنی گڑیا آگے کی تو وہ چونک گیا۔

”کیا میں بُت تراشوں؟“

”ہاں۔“

”ہمیں یہ گناہ ہے۔“

”سوچ لو احمد علی! تم نے بتوں کو پوجنا نہیں ہے اور پھر تمہارے خدا نے تمہیں کیا دیا جو تم گناہ و ثواب کا سوچ رہے ہو۔ بیوی بچوں سمیت روٹھ کر میکے جا بیٹھی ہے۔“ شیطان اس کے ضمیر کو بھوک میں جھلسا کر خود اوچی آواز میں بولنے لگا تھا تو وہ سر جھکا گیا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے جبکہ حقیقت میں اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے بُت تراشے اور انہیں بیچ دے۔

”یہ مٹی کے کھلونے بھی تو ایک طرح کے بُت ہیں جب ان کو کوئی نہیں خریدتا تو پھر.....“ اس نے دل میں سوچا لیکن دوسرے ہی لمحے شیطان چیخا تھا۔

”کوشش کرو سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔“

آسمان اب سیاہ چادر اوڑھ کر اپنے دامن میں سفید چاند کا ہالہ لیے اس کے دکھ و تنہائی کو کم کرنے میں کوشاں تھا مگر اب اس

سردیوں میں دن یوں بھی جلدی ڈھل جاتے ہیں لیکن بھوک دن و رات کب دیکھتی ہے یہ تو آگ کی طرح پیٹ میں لگتی ہے اور اسے بجھانے کے لیے کھانا چاہیے ہوتا ہے۔ احمد علی بھی اس وقت مایوسی سے سر جھکائے برآمدے کی ٹھنڈی زمین پر بیٹھا اپنی ٹوکری میں رکھے بچوں کے کھلونے دیکھ رہا تھا جو اس نے کل دن میں بنائے تھے مگر اب بچے کہاں مٹی کے کھلونوں سے کھیلتے ہیں اگر چند ایک بچے کھیلتے بھی ہیں تو والدین پیسے ضائع ہونے کے ڈر سے بچوں کو کسی نہ کسی طرح بہلا لیتے ہیں۔ احمد علی نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

”اگر اس نے تجھے دینا ہوتا تو کب کا دے چکا ہوتا احمد علی!“ دل میں کفر کی آواز اٹھی جسے چاہتے ہوئے بھی وہ دبا نہیں سکا۔

”تیرے ہاتھ میں ہنر ہے دیکھ اپنے کھلونے۔“ اس نے سر جھکا کر ٹوکری کی طرف دیکھا تو دل میں شیطان اپنی کامیابی پر مسکرایا تھا۔

”کب تک بچوں کا دل بہلائے گا کچھ اور بنا۔“

”کچھ اور.....“ اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی۔

”کچھ اور کیا.....“

”سوچو.....“ شیطان نے اُکسایا تو وہ سوچنے لگا لیکن

انجیل اکتوبر ۲۰۱۵ء 259

READING
Section

کرنے لگے گی۔“

”ہاں سچ اور ہے تمہارے پاس؟“ دوسری خاتون نے اشتیاق سے پوچھا تو اس کا سر لٹکی میں ہلنے لگا۔
”اوہ ایک ہی ہے اچھا کتنے میں دو گے؟“ پہلی خاتون نے ماپوسی سے دوسری کو دیکھ کر پھر احمد علی سے پوچھا تو وہ اب کی بار انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ اپنے ٹھاٹھ باٹھ سے وہ امیر گھرانے کی لگ رہی تھیں، چمکتی گاڑی میں بیٹھا باوردی ڈرائیور اور وہ خواتین زرق برق کپڑوں میں اس کے جواب کی منتظر تھیں گو کہ وہ کوئی نازک و دیشیزائیں نہیں تھیں لیکن ان کے انداز ویسے ہی تھے۔

”دو ہزار میں دو گے؟“ پہلی خاتون نے پرس میں سے پیسے نکالتے ہوئے ایک نظر اس کی طرف دیکھا تو اس نے مورتی کو دونوں ہاتھوں سے سختی سے پکڑ لیا۔

”اچھا چلو میں ہزار۔“

”نہیں میں نہیں دوں گا۔“ یہ پہلے الفاظ تھے جو بہت مشکل سے اس سے ادا ہوئے تھے۔

”اچھا چلو پانچ ہزار اس سے زیادہ نہیں۔“ اس خاتون نے کہہ کر تقریباً مورتی اس سے چھینی تھی اور پیسے اس کی مٹھی میں تھمائے۔

”سنو دوسری مورتی کب تک تیار کر لو گے؟“ جاتے جاتے کچھ خیال آتے ہی دوسری خاتون نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نا بھیجی کے عالم میں انہیں دیکھنے لگا۔

”مجھے بھی ایسی ہی ایک مورتی چاہیے میں کل آ کر تم سے لوں گی۔“

”کل نہیں پرسوں۔“ وہ فوراً بولا۔

”پرسوں..... پکا؟“

”جی۔“

”ٹھیک ہے یہیں انتظار کرنا میں خود آؤں گی۔“ اس خاتون نے باور کرایا اور گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں جبکہ وہ بے یقینی میں گھبراہٹ آ یا تھا اور خوشی سے شہوار کو آواز لگائی تھی مگر وہ ہوتی تو آتی۔

”شہوار.....“ احمد علی کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے رکا۔
”جھلی وہ تو روٹھ کر گھر چلی گئی ہے میں منا کر لاتا ہوں۔“ اس نے ہنس کر خود کھای کے انداز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھا بھی لیکن دوسرے ہی لمحے مرد کی انا آڑے آ گئی۔

کے اندر ہلکی سی امید جاگی تھی اور احمد علی نے اسی وقت مٹی تیار کی لورڈ ہن میں مورتی کی شکل بنانے کے ساتھ وہ اپنی مخصوص جگہ آ بیٹھا۔ یہاں اس مورتی کو تیار کرنے کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ تصویر اب اس کے ذہن میں آسمان کے چاند کی طرح واضح ہو گئی تو اس کے ہاتھ بھی تیز تیز چلنے لگے تھے۔

وقت جیسے جیسے گزر رہا تھا سردی بھی اسی طرح بڑھتی جا رہی تھی۔ رات بھی اپنے اختتامی مراحل میں داخل ہونے لگی تو احمد علی نے مورتی کو تقریباً بیٹھا لیا تھا اب وہ اس کے نقوش کو ابھار رہا تھا۔ بھوک اب کہیں دور جا سوئی تھی جبکہ نیند سے آنکھیں بوجھل ہونے کے ساتھ جسم بھی بستر مانگ رہا تھا۔ مورتی کو ایک خاص جگہ رکھ کر وہ اٹھا اور اپنے کمرے میں آ کر چار پائی پر لیٹ گیا۔ نیند سے آنکھیں بوجھل تھیں اس لیے احمد علی کو سونے میں دیر نہیں لگی لورڈ ہن کچھ ہی دیر میں گہری نیند سو رہا تھا۔

رات دیر سے سونے کی وجہ سے اس کی صبح بھی آدھا دن چڑھانے کے بعد ہوئی تھی۔ اس نے اٹھ کر پہلے اپنے شاہکار کو دیکھا اسے خود بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ رات کے اندھیرے میں وہ اتنی خوب صورت کوئی چیز بنا سکتا ہے۔ وہ ایک عورت کا مجسمہ تھا جس کا جسم اس نے مٹی کی چادر سے ڈھانپا ہوا تھا اس کے ہونٹوں پر معمولی سی مسکراہٹ اس کے حسن میں اضافہ کر رہی تھی۔ وہ ایسے دیکھ کر خود بھی حیران رہ گیا تھا کیونکہ اس میں کہیں بھی مورتی کا گمان نہیں ہو رہا تھا بلکہ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی یونے لگے گی اور احمد علی بے خیالی میں ہی سہی اس سے باتیں کرنے لگا۔

”میں اسے نہیں بچوں گا یہ میری تنہائی کی ساتھی ہے۔“ اس نے دل میں سوچا لیکن دوسرے ہی لمحے پیٹ کی آگ نے اس کی بات کی نفی کر دی تو وہ حسرت سے اسے دیکھنے لگا۔

”کیا کروں تمہیں اپنی بھوک کو ختم کرنے کے لیے ہی بنایا تھا۔“ وہ سر جھکا کر بڑبڑایا اور اس مورتی کو اٹھا کر فنٹ پاتھ پر آ بیٹھا۔ بھوک اسے صدمہ لگانے پر مجبور کر رہی تھی لیکن وہ مورتی پر نظریں جمائے خاموش بیٹھا نجانے کیا سوچ رہا تھا کہ اچانک ہی ایک کار اس کے قریب آ رکی۔

”یہ تم نے بنائی ہے؟“ ایک خاتون نے گاڑی سے اتر کر پوچھا تو وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا جبکہ دوسری خاتون بھی گاڑی سے اتر کر اس مورتی کو شوق سے دیکھنے لگی تھی۔
”کتنی خوبصورت ہے یوں لگتا ہے جیسے ابھی باتیں

”نہیں طعنہ دیا تھا ناں مجھے بے جا مشورے دیتی تھی اب دیکھے گی کہ میں کس طرح راتوں رات امیر ہوتا ہوں اور جب بہت بڑا آدمی بن جاؤں گا تب اسے لینے جاؤں گا پھر پوچھوں گا اس سے کہ کیا اب بھی میں ناکارہ ہوں۔“ وہ غصہ سے تلملاتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا تھا تا کہ پہلے اپنی بھوک مٹا سکے اس کے بعد اس نے بیگم صاحبہ کے لیے مورنی بھی تیار کرنی تھی اور یہیں سے اس کا کاروبار چل نکلتا تھا۔



احمد علی کا تعلق ٹڈل کلاس گھرانے سے تھا اس کے آباد اجداد مٹی سے کھلونے بنانے کا کام کرتے آئے تھے لیکن احمد علی کے والد بشیر علی نے اپنے اکلوتے بیٹے کو پڑھانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن ایک تو گھر کے حالات ایسے نہ تھے اور دوسرا وہ پڑھنے میں اتنا ذہین بھی نہ تھا اس لیے صرف انٹر تک تعلیم حاصل کر کے اس نے باپ کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تو ماں نے بھی اس کے لیے لڑکی کا انتخاب کر لیا اور یوں کچھ ہی عرصے میں اس کی سادگی سے شادی کر کے بہولے لگائی گئیں۔ شہوار خوب صورت اور سلیجھی ہوئی لڑکی تھی ساس سر کی خدمت کر کے اس نے چند دن میں ہی ان کا دل جیت لیا تھا لیکن وہ خود اس ماحول میں سکون ڈھونڈتی تھی کیونکہ اتنی کم آمدنی میں چار افراد کا گزارہ مشکل سے ہوتا تھا اور اب ایک نئے مہمان کی آمد اسے مزید پریشان کیے رکھتی تھی۔

”احمد علی! تم کوئی اور کام کیوں نہیں کرتے؟“ ایک روز اس نے اپنی پریشانی کو زبان دیتے جھجکتے ہوئے کہا تو وہ گن اکھیوں

سے اسے دیکھنے لگا۔

”کوئی اور مطلب؟“

”مطلب موٹر مکینک، سلائی وغیرہ کا کام۔“

”فضول کام ہے ایک کام سے ہاتھ کالے کرو اور دوسرا زمانہ کام ہے۔“ اس نے منہ بنا کر کہا تو وہ کچھ دیر خاموشی کے بعد پھر بولی۔

”یہ کیوں سوچتے ہو یہ بھی تو دیکھو پیسے اچھے مل جائیں گے۔“

”کیوں تجھے کوئی کمی ہے کھانے کو ٹھیک سے نہیں مل رہا۔“ وہ ایک دم ہی ہمت سے اٹھ گیا تو وہ لب بھینچ گئی۔

”چند دن ہوئے ہیں تجھے آئے ہوئے اور فرمائش تیرے ذہن میں ملنے لگی۔“

”میں تو اس لیے کہہ رہی تھی ابھی ہم دو ہیں پھر تین.....“

”بس بس..... فضول بکواس سننے کی عادت نہیں مجھے آنے والا اپنی قسمت لے کر آتا ہے۔“ وہ کہہ کر کھڑا ہوا تھا جبکہ وہ بھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ کر رہ گئی اور کربھی کیا سکتی تھی اس لیے صبر کا گھونٹ پی کر وہ گھر کے کام میں بھٹ گئی۔

دو سال میں جہاں اس کی گود میں احسن اور صالح آئے وہیں ہزاروں فکریں بھی آ گئیں۔ احمد علی کا کام اب نہ ہونے کے برابر تھا اور یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ کوئی نشہ وغیرہ نہیں کرتا تھا ورنہ مزید پریشانی لاحق ہو جاتی۔ اس وقت بھی وہ احسن کو بہلا رہی تھی جبکہ صالح کو وہ سلا چکی تھی جب احمد علی خالی ہاتھ گھر میں داخل ہوا تو اس کا صبر جواب دے گیا۔

پیش گوئی کا فن

عملی علم نجوم کے اہم رموز و نکات اور تجزیاتی تکنیک

تحقیق و تہدید : ڈاکٹر سید انور فراز

حصول علم کے لیے ایک نصابی کتاب، ایک گراں قدر تحفہ

بنیادی قوانین برتھ چارٹ ریڈنگ کے جدید سائنٹیفک اصول۔ زندگی کی کامیابیوں کا کامیوں اور

عرومیوں کی نشان دہی۔ ماضی حال و مستقبل، بارہ برجوں کا تجزیاتی مطالعہ مع مثالی برتھ چارٹ

Email: alfarazpk@gmail.com Cell # 0300-2107035

73-C, 11th Comm. St. Ph 2. EXT. D.H.A Karachi

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 261

READING
Section

”احمد علی! ٹو کوئی اور کام کیوں نہیں کرتا؟“

”بس شروع ہوگئی تیری بکواس۔“ وہ بھی دن بھر کا تھکا ہوا
نجانے کہاں کہاں کی خاک چھان کر گھرا آیا تھا اس سے شہوار کا
غصہ برداشت نہیں ہوا۔

”تو ٹھیک ہے اگر تم کوئی اور کام نہیں کرتے تو میں.....“

”ہاں کیا بول.....“ وہ اس کے چپ ہوتے ہی فوراً بولا۔

”میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔“ وہ کہہ کر اپنی جگہ سے

اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تیرا کیا خیال ہے میں تجھے روکوں گیا، نہیں جاشوق

سے جا۔“

”چل احسن!“ صالح کو اس نے آگے بڑھ کر خود گود میں

اٹھا لیا تو احمد علی نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔ وہ تیزی سے گھر

کے دروازے سے نکل گئی تھی اور احمد علی پیچھے کھڑا سوچ رہا تھا

کہ اگر اماں لبا حیات ہوتے تو کبھی یہ نوبت نہیں آتی مگر وہ بھی

اپنی ضد کا پکا تھا اس نے کوئی اور کام کرنے کے بجائے مٹی سے

کھیلتے ہوئے اسی سے پیسہ بنالیا تھا لیکن ایک بار بھی پلٹ کر

بیوی بچوں کی خبر نہیں لی تھی۔

احمد علی کے اس وقت ملک کے اندر باہر بُت بنانے کی کئی

فیکٹریاں تھیں۔ وہ سب کچھ بھول کر اپنے کام سے محبت

کرنے لگا تھا۔ اسے اب سب جاننے لگے تھے اس کے

بنائے گئے بُت مندر اور گر جا گھر میں رکھے جاتے اور اس کے

علاوہ لوگ اپنے گھر کی سجاوٹ کے لیے بھی مہنگے داموں خرید

کر لے جاتے تھے۔ وہ اب مطمئن ہونے کے ساتھ خوش تھا

ایک بُت نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا لیکن کیا وہ ٹھیک

کر رہا تھا کبھی کبھی ضمیر سوال کرتا تھا اور شیطان دلائل پیش

کر کے اسے خاموش کر دیتا مگر ابھی امید باقی تھی۔



اللہ جس کے دل میں چاہے اپنی محبت ڈالتا ہے اور جسے

چاہے غافل کر دیتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ وہ آزماتا ہے

اپنے بندوں کو کہ وہ مصیبت کے وقت اسے کتنا قریب جان کر

اس سے مدد مانگتے ہیں تو یہ بات بھی غلط نہیں کیونکہ اگر وہ اپنے

بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے تو پھر بدلے میں

محبت چاہتا بھی تو ہے ورنہ ایسے سجدوں اور نمازوں کی اسے

ضرورت نہیں ہے جس میں محبت شامل نہ ہو۔

عمر کے ساتھ احمد علی میں بھی ٹھہراؤ آ گیا تھا وہ اس وقت

اپنے بچہ سموں کی نمائش کرنے کے ساتھ ساتھ ایک نیوز چینل کو

انٹرویو دے رہا تھا۔

”ایک بات سمجھ نہیں آئی کہ کیا آپ کی تعلیم آپ کے سفر

میں رکاوٹ نہیں بنی؟“

”بات سمجھانے کے لیے گونگا بھی اشارے سے کام لیتا

ہے میں تو زبان کے ساتھ ہنر رکھتا ہوں اور آپ لوگوں کی طرح

میری زبان نہیں میرا ہنر بکتا ہے۔“ اس نے مسکرا کر جواب دیا

تو دوسری طرف سے فوراً سوال اٹھا۔

”آپ نے کبھی اپنے بیوی بچوں کا ذکر نہیں کیا کیا آپ

ابھی تک ایک بچہ کی زندگی گزار رہے ہیں؟“ کتنے ہی صحافی

ہنسے تھے جبکہ احمد علی خاموش ہو گیا تھا۔ دل و دماغ میں عجیب

سے جھکڑ چلنے لگے وہ پیسے کے پیچھے بھاگتے ہوئے انہیں

بھول ہی گیا تھا اور اب جب احساس ہوا تو وقت کے ساتھ

اسے اپنی غفلت پر حیرانی بھی ہوئی تھی وہ بغیر کچھ کہے وہاں

سے نکل گیا تھا۔

آہستہ آہستہ تیز ہوتی باز اسے بھگور ہی تھی اور وہ گاڑی

ہوتے ہوئے بھی پیدل چل رہا تھا شاید اندر باہر کے سناٹے کو

وہ یونہی بے مقصد سڑک ٹاپ کر ختم کرنا چاہتا تھا بہت طویل

مسافت کے بعد وہ چونکا اور حیران رہ گیا۔

”حمد علی تمہاری اصلیت تو یہ ہے اور تم اسے ہی بھول

گئے۔“ وہ اپنے آبائی گھر کے سامنے کھڑا تھا سفر بہت طویل

ہونے کی وجہ سے اس نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا کیونکہ

آنکھوں کے آگے دولت نے اگر ٹی پاندھ دی تھی تو اس نے

بھی کبھی کچھ سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی اور اب وہ گھر میں

داخل ہو کر ایک ایک چیز کو چھو کر اس میں اپنے رشتوں کی خوش

بو اور احساسات کو محسوس کر رہا تھا۔

”احمد علی! وقت کے ساتھ تمہارے بچے بھی بڑے ہو گئے

ہوں گے۔“ ضمیر کی آواز پر وہ چونکا اور سوچنے لگا کہ شہوار اس

کے بچوں کو لے کر کہاں گئی ہوگی پھر وہ گھر سے نکل کر سیدھا

اس کے گھر آیا تھا۔ وقت نے بہت کچھ بدل دیا تھا جس محلے

سے وہ شہوار کو بیاہ کر لے گیا تھا اس وقت وہ کچا علاقہ تھا مگر اب

ہر چیز ترقی کی نذر ہو چکی تھی۔ وہ یونہی چلتا ہوا قدرے خستہ

حال گھر کے دروازے پر آ کھڑا ہوا اور دو تین دستک کے بعد

ایک دبلے پتلے نوجوان نے دروازہ کھولا تھا۔

”شہوار..... شہوار احمد یہیں رہتی ہیں؟“ اس نے

مغربی ادبی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ



ادبی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ
مغربی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

شائع ہو گیا ہے

فلندرز ذات امجد بخاری کی سلسلے دار کہانی
ایک ایسی تحریر جس کا سحر آپ کو خوابوں کی دنیا میں بہا لے جائے گا
مغربی ادب سے انتخاب ڈاکٹر ایم اے قسری کے قلم سے
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں پلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیب زریں قسری کے قلم سے ہر ماہ مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس دیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں

021-35620771/2
0300-8264242

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 263

فورا پوچھا۔

”آپ؟“ اسے پہچاننے کی ناکام کوشش میں اس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا تھا۔

”کون ہے بیٹا؟“ پیچھے سے شہوار کی آواز پر وہ چونکا تھا جبکہ احسن نے ذرا سی گردن موڑ کر کہا۔

”امی! کوئی آدمی ہے آپ کا پوچھ رہا ہے۔“

”کون ہے نام پوچھو؟“

”بتا دو احمد علی آیا ہے۔“ اس نے احسن کے پوچھنے سے پہلے ہی کہا تھا تو وہ تذبذب کا شکار ہوتا احمد علی کو دیکھنے لگا گوکہ اس کی ماں نے کبھی بھی اس کے باپ کے لیے کوئی سخت الفاظ نہیں کہے تھے لیکن اتنے عرصے بعد وہ ان کی خبر لینے آیا تھا یہ بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ احمد علی دروازے اور اس کے ہاتھ کے نیچے سے راستہ بناتا گھر میں داخل ہو گیا تو دوسرے لمحے شہوار بھی اس کے چہرے پر گزرے ماہ و سال کی نشانی کھوجتی ایک دم چوکی تھی۔

”احمد علی.....“

”ہاں میں.....“ وہ اس کے ہونٹوں کی جنبش سے اپنا نام پہچان کر بولا۔ ”تم نے کہا تھا اس چھوٹے سے گھر اور اس آمدنی میں ہمارا گزارا نہیں ہو سکتا“ آج اسی کام کی بدولت میں بہت بڑا آدمی بن گیا ہوں۔“ وہ اس کے بدلے حلیے سے متاثر ہوئی تھی یا اس کے بات کرنے کے انداز سے جو فوراً ہی کرسی اس کی طرف بڑھا دی۔

”کھڑے کیوں ہیں بیٹھیں۔“ وہ لکڑی کی قدرے سلامت کرسی اس کی طرف بڑھا کر بولی۔ ”اتنے عرصے بعد آپ کو ہمارا خیال کیسے آیا؟“

”تم لوگوں کے لیے پیسہ جمع کرنے میں لگا رہا نہ دن دیکھا اور نہ ہی رات۔ اسی محنت کا نتیجہ ہے کہ آج میں دنیا کے امیر لوگوں میں شمار ہوتا ہوں۔“

”لیکن میری نظر میں نہیں۔“ وہ فوراً بولی۔ ”آپ کی شہرت ہمیں بھی معلوم ہے۔“

”جب سب معلوم ہے تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو چلو میرے ساتھ اس گھر جہاں تم ملازموں پر حکمرانی کرو گی اور تمہارے کہنے سے پہلے ہی سارے کام ہو جائیں گے۔“ وہ بے صبری سے بولا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ایک پل میں صوب کو یہاں سے لے کر اپنے گھر چلا جائے لیکن شہوار

READING
Section

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھی۔ اتنے برس اس نے بھی تنہائی کے کرب میں جلتے انگاروں میں گزارے تھے۔

”احمد علی! اس سے ملیں یہ ہے میرا بیٹا احسن!“

”احسن.....“ اس نے اس کے لفظوں کی تردید نہیں کی بلکہ وہ اسے دیکھنے کے ساتھ اپنے سینے سے لگانا چاہتا تھا مگر احسن دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

”میں تمہارا باپ ہوں۔“

”ایک بُت تراش میرا باپ نہیں ہو سکتا۔“ وہ جو دولت کی چکا چوند میں ضمیر کو مار کر آگے کی منزل طے کر رہا تھا احسن کے ایک جملے نے اسے پاتال میں پہنچا دیا تھا۔

”لوگ بھون کو پوجتے ہیں ان کی عبادت کرتے ہیں اور آپ مسلمان ہو کر بُت بناتے ہیں۔ آپ کو آپ کے ضمیر نے نہیں روکا؟“ اس کا اپنا بیٹا سراپا سوال بنا کھڑا تھا اور وہ جواب دینے سے قاصر شہوار اور اسے دیکھے جا رہا تھا۔

”یہ سب میں نے تم لوگوں کے لیے کیا۔“

”جھوٹ.....“ وہ فوراً بولا۔ ”آپ نے اپنے لیے اپنے مفاد کے لیے یہ سب کیا، ہم تو آپ کو چھوڑ کر آگئے تھے اگر ہمارے لیے کرتا تھا تو ہمیں ساتھ لے کر زندگی کے نشیب و فراز طے کرتے مگر گناہ کے ساتھ نہیں۔“ اس کے اپنے ہی بیٹے کی زبان سے نشتر برس رہے تھے۔ اس نے یہاں آنے سے پہلے سوچا تھا کہ وہ اپنی شخصیت و دولت سے انہیں مرعوب کر لے گا۔ انہیں بتائے گا کہ اتنے برس ان سے دور رہ کر دن رات کا خیال کیے بغیر وہ صرف ان کے لیے پیسہ جمع کرتا رہا ہے تاکہ وہ خوش و مطمئن زندگی بسر کر سکیں مگر یہاں تو الٹا ہی حساب تھا۔

”ہم نہیں چاہتے کہ روز محشر ہمیں بُت تراش کے نام سے پکارا جائے اس لیے بہتر ہے آپ وہ سب کام چھوڑ کر پلٹ آئیں۔“ شہوار نے کہا تو وہ دیکھنے لگا۔

”میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ کوئی اور کام کریں کیونکہ شیطان کو بہکانے میں دیر نہیں لگتی اور آپ نے دیکھ لیا آپ کی اپنی ہی اولاد آپ کو پہچاننے سے انکار کر رہی ہے اس سزا سے کیا کوئی اور سزا کم ہوگی۔“ وہ کچھ نہیں بولا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ واپسی اب اس کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن تھی۔ اس نے اس ہنر کا دوبارہ بنا کر شہر شہر ٹیکڑیاں لگا کر کار بیکر رکھ لیے تھے۔ اس گناہ کی دلدل میں وہ اکیلا نہیں بلکہ اس جیسے

غربت کے ہاتھوں مجبور اور کتنے ہی لوگ بُت تراش رہے تھے اور ان سب کا گناہ اس کے سر جا رہا تھا۔

”یہ واپس نہیں پلٹ سکتے اس لیے بہتر ہے کہ آپ ہم سے دور چلے جائیں۔“ احسن نے کہتے ہی رخ موڑ لیا تھا۔ ”ہمیں امی نے آپ کے بارے میں بہت زیادہ نہیں بتایا تھا لیکن اخبار میں آپ کے بارے میں پڑھ کر آپ کو جانا اور پھر ندامت و افسوس نے دل میں گھر کر لیا کہ ہماری ماں نے ہمیں دین و دنیا دونوں کی تعلیم دی مگر ہمارا باپ ایک.....“ وہ شاید اب رو رہا تھا احمد علی اسے دیکھنے سے قاصر تھا لیکن اس کی حالت بھی اس سے کچھ الگ نہیں تھی۔ دکھ اتنا شدید تھا کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ بھی نہیں سکا تھا۔

”ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوں کو توڑا تھا اور آپ.....“ وہ قصداً خاموش ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔ ”پلیز آپ چلے جائیں یہاں سے۔“

”احسن.....“ شہوار نے کچھ کہنے کے لیے اسے پکارا تھا لیکن شاید احسن کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

”آپ ہمارے لیے اور ہم آپ کے لیے مر چکے ہیں۔“ اس نے سراٹھا کر احسن کو دیکھا جو شہوار کے سینے میں منہ چھپائے سسکیوں کے ساتھ رو رہا تھا۔ اسے اپنے گناہوں کی سزا مل رہی تھی لیکن شاید کم تھی اس لیے وہ حسرت کی تصویر بنا دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

”ہمارا آپ سے کوئی تعلق نہیں آپ مزید یہاں رکے تو ہمیں اذیت ہوگی آپ چلے جائیں۔“ احسن نے انتہائی غصے کے عالم میں ضبط کا واس نہیں چھوڑا اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بند تھیں۔ احمد علی ایک نظر اسے دیکھ کر شہوار سے بولا تھا۔

”میں نے اس وقت تمہاری بات نہیں مانی تھی لیکن تم سے وعدہ کر کے جا رہا ہوں کہ اب آؤں گا تو بُت تراش نہیں بُت شکن بن کر لوٹوں گا۔“

اچانک آسمان سے بارش برسنے کے ساتھ ہی گلیاں پھول بن کر کھلنے کے بعد خوش بو پھیلا رہی تھیں۔ احمد علی نے ایک نظر آسمان کو پھر شہوار کو دیکھا جس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی تھی اس کے لیے صبح کا بھولا شام ہونے پر گمراہ لوث رہا تھا۔





قصرانی

آغا حسین رحیم

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

ہوئی نصیب میں گر تیری دید کی خوشی
کس دھوم سے مناتے ہم اس عید کی خوشی
تیرے بغیر عید کی وہ رونقیں کہاں
بے کار سا ہے میرے لیے عید کا سماں

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

تھوڑی سی مدد کر دو۔“ یہ کہہ کر منزہ تیزی سے بیڑھیاں
پھلاتی ہوئی چھت پر چلی آئی۔ یہ تین کمروں پر مشتمل چھوٹا
سا پڑ سکون گھر تھا منزہ کے والدین نے بھی ایسے کسی چیز کی
کی نہ محسوس ہونے دی۔ منزہ ان کی واحد اولاد تھی جو اپنے
والدین کی دینی تربیت کے زیر پرست پر دان چڑھی جس
کی بدولت اس گھر کے ساتھ ہی بنے ممائی کے عالی شان
بنگلے اور لائف اسٹائل نے بھی منزہ کے دل پر اثر نہ ڈالا مگر
دو ماہ پہلے ممائی کے گھر ہونے والی پارٹی اور اس میں ہونے
والی باتوں نے اس کے ذہن میں انتشار پیدا کر دیا اور وہ
کچھ اپ سیٹ رہنے لگی۔ دنیا کتنی آگے ہے اور ہم کتنے
پیچھے! ایک نئی سوچ نے اس کے ذہن میں جنم لیا تھا۔



گرمیوں کے دن تھے وہ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد
آرام کی غرض سے اپنے بیڈروم میں آئے تھے کہ دروازے
پر دستک ہوئی۔
”اندر آ جاؤ بیٹا! ایسے دروازے پر کیوں کھڑی ہو؟“
انہوں نے مسکرا کر منزہ کو بلایا۔
”بابا جان! آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔“

”امی جان..... پیاری امی جان..... سچ اتنا زبردست
سیریل ہے وہ اسکول میں فائزہ بتا رہی تھی پورے تین بجے
ڈرامہ شروع ہو جاتا ہے۔ پلیز امی آپ نے مجھے صرف
بتانا ہے صاف آ رہا ہے یا نہیں۔ میں اوپر سے تار جوڑتی
ہوں۔“ وہ ماں کی منتوں پر اتر آئی۔
”ارے کچھلی بار بھی تیری ممائی ناراض ہو رہی تھی کہ تو
نے پتا نہیں کیا کیا ہے ان کی بھی کیبل خراب ہو جاتی ہے
اگر تیری ممائی کو پھر سے پتا چل گیا کہ تو ان کی تار سے کچھ
کرنے لگی ہے تو پھر نیا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔“ ماں نے
منزہ کو پچکار تے ہوئے کہا۔

”ماں پلیز تھوڑی دیر کی تو بات ہے۔“ وہ پھر سے
بسورنے لگی۔

”اچھا چل جا اور چھت پر جا کر چھیننے مت لگ جانا اور
اپنے بابا کے سامنے لی دی بند کر دیا کڑ پتا بھی ہے کتنی
مشکلوں سے تیرے ماموں نے اپنا پرانا لی دی تیرے شوق
کی وجہ سے ہمارے گھر رکھوانے کی اجازت لی ہے تیرے
بابا سے۔“

”اچھا امی جیسا آپ کہو گی دیا کروں گی مگر اب میری

تیری تیری محبت میرے غزل
تیری تیری چاہت کی یاد بھی دل میں کھر کر گئی
روز دیتی تھی میری آنکھوں میں کا جل کی طرح کر گئی
اب تو آنسوؤں سے بھی آنا کم کر گئی
دور ہوتی تھی مجھ سے تیری سانسوں کی گرمی کر گئی
آج کیوں میری سانسوں میں ہلچل کر گئی
خزاں میں یاد کرتی ہوں تمہیں نہ جانے کیوں کر گئی
برسات کی کوئی شرارت آج آنکھ بھر گئی
بیٹھ کے پھولوں میں اپنی محبت کا اظہار کرنا کر گئی
تیری وہ بات آج پھر مجھے پریشان کر گئی
برسات سے پہلے کوئی چنگاری اڑی تھی شاید کر گئی
وہی شبنم کو زندگی کو برباد کر گئی

.....حافظ آباد

کر دی۔ اس نے ناگواری کے احساس سے پہلو بدلا۔
”نہیں بابا! میں پریشان نہیں ہوں۔“
”تو پھر ایسے خاموش خاموش اور اپنے بابا سے دور دور
کیوں رہتی ہو۔ دیکھو ہم آپ کے بابا ہی نہیں بلکہ دوست
بھی ہیں۔“ وہ دھیمے سا مسکرا کر منرہ کے سر پر ہاتھ
پھیرنے لگے وہ تو محبت و شفقت کا سمندر تھے۔ وہی
آنکھوں سے چھلکتی چاہت وہی محبت بھرا بیٹھا انداز جس
میں ایسی پذیرائی تھی کہ منرہ کو اپنی سوچ پر ناچاہتے ہوئے
شرمندگی نے آن جکڑا۔ ان کی اسی نرمی کی وجہ سے منرہ
اپنے دل میں وہ سارے راز آج فاش کر دینا چاہتی تھی۔
”بابا جان!.....!“
”ہاں بیٹا! کہو۔“ وہ ہمتن گوش تھے۔
”کیا مولوی اور ان کے بچے انسان نہیں ہوتے؟ کیا
ان کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔ کیوں قدم قدم پر ان کی
تذلیل کی جاتی ہے؟“ وہ چند لمحے کے لیے رکی۔ ”مجھے لگتا
ہے بابا جان کہ یہ لی وی فیشن یہ سب آج کل کا شوق نہیں
بلکہ ضرورت ہے جو لوگ ان چیزوں سے دور ہیں انہیں تھرڈ
کلاس سمجھا جاتا ہے ایسے لوگوں کی نظروں سے حسرت نکلتی
ہے۔ آخر کار وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں کیوں

”ارے بھئی مجھے پتا ہے کہ اس بار بھی قربانی کی عید پر
دنبا آپ کی مرضی کا آنا چاہیے ہے نا۔“ وہ مسکرا کر بولے۔
”نہیں بابا! مجھے کچھ اور کہنا ہے۔“
”ہاں بھئی کہو۔“
”بابا کیا میں میٹرک سے آگے پڑھ سکتی ہوں؟“ وہ
تھوڑی ہچکچاتی۔
”ہاں بھئی اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ ہماری بیٹی
نے جتنا پڑھنا ہے پڑھ سکتی ہے۔“
”تھینک یو بابا!“ اتنا کہہ کر وہ واپس جانے لگی۔
”منرہ!.....“ باپ کی بارعب آواز نے منرہ کے قدم
جکڑ لیے اور دل میں اچانک خیال عود آیا پھر وہی پروے کا
لیکچر آخر کیوں میرے بابا اتنے تنگ نظر ہیں یا میں ہی کیوں
اتنے تنگ گمرانے میں پیدا ہوئی۔
”منرہ بیٹا!“ دوسری آواز پر وہ ٹھہری اور نظریں
جھکائے اپنے باپ کی بات کی منتظر ہوئی۔
”یہاں آؤ ادھر بیٹھو میرے پاس۔“ وہ سہمے ہوئے
انداز میں سمٹ کر اپنے باپ کے بائیں جانب بیٹھ گئی۔
”کیا بات ہے بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں آج کل آپ کچھ
پریشان رہتی ہو کیا اپنے بابا سے اپنی پریشانی شیئر نہیں

❖ کوئی سچے دل سے کرنا چاہے تو کیا نہیں کر سکتا۔
❖ یہ وقت بھی گزر جائے گا۔

❖ اپنا پیارا اور بھروسہ جیتنے کی خاطر امیدیں جگا کر موقع آنے پر وہی لوگ دھوکا دے جاتے ہیں۔
❖ کسی کے لیے آنسو مت بہاؤ کیونکہ وہ اس قابل نہیں ہوگا اور جو اس قابل ہوگا وہ آپ کو روئے نہیں دے گا۔
❖ کبھی کسی کو مت آزماؤ کیونکہ اگر وہ آپ کی آزمائش پر پورا نہ اترے تو دل آپ کا ہی ٹوٹے گا۔
❖ کسی کو اپنا راز مت دو کیونکہ راز کہنے سے بات پرانی ہو جاتی ہے اور پرانے کبھی اپنے نہیں ہوتے۔
❖ پرکھو مت پرکھنے سے کوئی اپنا نہیں رہتا۔

جویریہ ضیاء..... کراچی

بابا کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔“ اس نے جوش سے بولتے ہوئے رک کر ایک لمحے کے لیے بابا سے سوال کیا۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا اور اگلے لمحے نظروں کا زاویہ بدل لیا وہ پوری طرح متوجہ تھے۔ وہ لمحے بھر میں منظر کے اندر کی حقیقت جان گئے بھی تھے۔

”میں آپ کی کیفیت سمجھ سکتا ہوں بیٹا!“ انہوں نے دھیمے اور سنجھے لہجے میں کہا۔ ”انسان ایک ظاہری اور باطنی آنکھ رکھتا ہے یہ اس پر منحصر ہے وہ کس طریقے سے استعمال کرے اگر ہم کسی کی چکا چوند دیکھ کر گلشی فیل کرتے ہیں تو یہ ہمارے اپنے اندر کی کمی ہے کہ ہم اپنے آپ کو پیچھے سمجھتے ہیں کیا ہم فیشن نہیں کر سکتے۔ یہ بالکل غلط ہے ہر انسان اپنی یہ خواہش پوری کر سکتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے (اللہ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے) ہم بھی فیشن کر سکتے ہیں مگر ایک حد تک عریانی فحاشی اور بے حیائی سے قطعی دور کیونکہ ہم پھل کھانا پسند کرتے ہیں اور اپنی پسند کے مطابق خریدتے بھی ہیں لیکن اگر بازار میں چلے ہوئے پھل ملیں جیسے آم کو کاٹ کر اس کے کئی پیس گر کے بیچنا شروع ہو جائیں تو کیا آپ وہ لے کر کھانا پسند کرو گی۔ خوش بو سے جی لپٹائے گا مگر اس پر بھن بھنائی مکھیوں کو دیکھ کر طبیعت مائل نہیں ہو گی اور نہ ہی مکھیوں کا پیٹ بھرے گا وہ بھی حاصل نہ ہوگا جبکہ بغیر چھلا ہوا آم آسانی سے بک بھی جائے گا اور محفوظ بھی دیر تک رہے گا۔

آپ میری بات سمجھ رہی ہوں۔“

”جی بابا!“ وہ بھرپور توجہ سے بات سن رہی تھی اور ایک حد تک مطمئن بھی ہوئی۔ ”مگر بابا ہمارے معاشرے

انتقال پر ملال

ہمیں نہایت دکھ اور افسوس ہے کہ

محترم حکیم محمد قمر ہاشمی (پاپا)

محمد حاشم تاجر سردار

ہد ضائے الہی انتقال فرما گئے ہیں۔

مرحوم ایک نہایت عی فطری اور ہمدرد انسان تھے

حکیم محمد قمر ہاشمی کی طبیعت و طبیعت میں گراں قدر خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور

جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز کرے اور ان کے لواحقین کو

مہربانی ملے۔ (آمین)

دعا گو:

محترمہ سہیلی فخر داسوالی انکس اور سوالی

مہکسل کمیونٹی کیشنز

کراچی، پاکستان۔

- ❖ اگر تم کسی کو اپنا نا چاہتے ہو تو اپنے دل میں قبرستان کھود لو تا کہ اس میں اس کی مڑائیاں دفن کر سکو۔
- ❖ کسی سے محبت کرنا اور اسے کھودینا محبت نہ کرنے سے بہتر ہے۔
- ❖ جو محبتوں کی قدر نہیں کرتے وہ نفرت کا نشانہ بنتے ہیں۔
- ❖ جو لوگ حد کو سمجھتے ہیں وہ کبھی حد کی وجہ نہیں بنتے۔
- ❖ اس شخص کا دل کبھی موت توڑ دجو آپ سے محبت کرتا ہو۔
- ❖ بے کار محبت ہوتی ہے وہ جس میں خلوص نہ ہو۔

مس رابی..... گڈ ہا موڑ

”جی جناب! وہ تو آپ کے بابا پہلے سے لے آئے ہیں میں جانتی تھی تم ضرور ضد کر دیں گے اس لیے میں نے پہلے ہی منگوا کر رکھ لی تھی۔“ منزہ کی ماں نے اسے اطمینان دلایا۔ کچھ دیر بعد منزہ کے والد کام سے باہر چلے گئے اور والدہ کچن میں مصروف ہو گئیں۔ وہ اپنے دے کو سجانے لگی اپنے پایا کی اس دن کی باتوں سے وہ دلی سکون محسوس کر رہی تھی۔ قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

ہرے نی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو اپنی امت تک پہنچانے کے لیے جو محنت کی اور اپنے لہو کی قربانی دی تب یہ امت..... امت مسلمہ بنی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے جب اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی پیش کی تو اللہ کو یہ عمل کتنا پسند آیا کہ آج تک ان کی یاد میں ہر سال قربانی کی جاتی ہے۔ قربانی واقعی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اس کا اثر نسل در نسل چلتا ہے تو پھر نفس میں غلط خواہشات کی قربانی کیسے رائیگاں جاسکتی ہے۔ وہ بہت گہری سوچوں میں کم دے کو مہندی لگا رہی تھی۔

”اگر میں بابا سے بات نہ کرتی تو کتنی منفی باتیں میرے اندر جنم لے چکی ہوتیں اور میں سادگی کو کتنا چھوٹا اور حقیر سمجھ بیٹھی تھی۔ دنیاوی فیشن کو کتنا اعلیٰ سمجھنے لگی تھی۔ یا اللہ مجھے معاف کر دے تیرا شکر ہے کہ تُو نے مجھے غلط راہ پر بھٹکنے سے بچا لیا۔“



پردے میں چھپا کر رکھتے ہیں اسلام نے عورت کو سب سے اعلیٰ مقام دیا ورنہ اس سے پہلے اس دنیا میں عورت کی حد سے زیادہ تذلیل کی جاتی تھی۔ میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ حد سے بڑھ کر فیشن کرنے والے لوگ اندر سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ انسان کے سکون کے لیے سب سے بڑی چیز نفس مطمئن ہے جس کو یہ حاصل ہو گیا وہ معاشرے میں کامیاب ہے۔ ہم جس معاشرے کے باسی ہیں اس میں ہمیں اپنی خواہشات کو جو جائز ہوں انہیں قربان کرنے کی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ نفس کو کھینچ کر رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نفس خواہشات کا منہ ہے۔ چھوڑ دو بات بہت جلد ہی ہو جائے گی اس کو تو جتنا بڑھا چائیں یہ بڑھتی جائے گی۔“ وہ دھیماسا مسکرا کر بولے۔

”لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کی تشفی ہو پائے گی۔“ وہ خاموش ہوئے۔

”نہیں بابا! آپ بولتے رہیں میری روح کو بھی سکون مل رہا ہے۔“ وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

”ارے بابا کی جان میں جانتا تھا میری بیٹی بہت سمجھدار ہے۔“



ذوالحج کا چاند نظر آ گیا تھا گھر میں دنبہ منزہ کی پسند سے ہی آیا۔

”بابا پلیز مجھے کھلی مہندی لا کر دیں تا میں اپنے دے کو اپنے ہاتھوں سے مہندی لگاؤں گی۔“ وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔

بیکانگنا

فرح ظاہر

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

بہت سے لوگ تھے کھل مل کے سب سے باتیں کیں وہ جس کو میں نے دیکھا میری نظر میں رہا کچھ اس طرح سے گزاری ہے زندگی جسے تمام عمر کسی دوسرے کے گھر میں رہا

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

نے تیز تیز پلکیں چپک کر آنکھوں کی نمی کو اپنے اندر اتارنے کی کوشش کی تھی مگر پانی کے چند خفا قطرے پلکوں کے بند توڑ کر رخسار پر اتر آئے تھے جنہیں صاف کرنے کے لیے اس نے ہاتھ اٹھایا تو کلائی میں پڑے کنگن گنگنا اٹھے آنسوؤں کو بھولے وہ ہاتھ سامنے کے مہندی سے سجے ہاتھ اور ہلکی سی حرکت کرتے کنگن کو دیکھنے لگی..... خود کو فراموش کرتے پہلے والی کیفیت سے باہر نکلتے ہوئے وہ اپنے حال میں واپس لوٹ آئی تھی۔

”جب سے شہر یا آفس گئے تھے وہ تب سے ٹیرس پر بیٹھی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ اسے نیچے اپنی ساس اور نند کے پاس جانا چاہیے۔“ اس خیال کے آتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دوپٹہ درست کرتی نیچے آ گئی۔

اپنی ساس کے کمرے کے قریب پہنچ کر اس نے اندر جانے کی نیت سے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا..... مگر اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتی اپنا نام سن کر بے ساختہ ہی اس کے قدم دروازے کی چوکھٹ پر جم سے گئے..... اندر موجود اس کی نند کہہ رہی تھی۔

”امی! آپ سے بھابی کے انتخاب میں بہت بڑی

کتنی ہی دیر سے ٹیرس پر اکیلی بیٹھی وہ غیر مرنی نقطے کو گھورے جا رہی تھی۔ بالکل خالی دل خالی دماغ اور ویرانی سے بھری نگاہیں لیے وہ اپنے مشغلے میں اس قدر گم تھی کہ اپنی نند کے آنے اور پھر خاموشی سے پلٹ جانے کو بھی محسوس نہ کر سکی۔ بالکل ساکت بیٹھے ایک دم چونک کر وہ ذرا سی سیدھی ہوئی تھی۔ اس کی نظر نے گردن کی اور اب اس غیر مرنی نقطے سے ہٹ کر ان دو چیلوں پر جم گئی جو آپس میں ایک دوسرے پر جھپٹ رہی تھیں۔ اس نے ذرا غور کیا تو معلوم ہوا کہ دوسری چیل خواجواہ کی غنڈہ گردی کرتے ہوئے پہلی چیل کے بچوں میں پکڑے گوشت کے ٹکڑے کو چھیننے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے نا انصافی کا احساس ہوا مگر وہ اس کی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ مگر دوسرے لمحے اس نے اس کی مدد کرنے کی معصوم سی خواہش ضرور کی تھی۔

”کاش میں بھی پرندہ ہوتی تو آج اس مظلوم چیل کی مدد ضرور کرتی۔“

”خود تم نے کبھی اپنی مدد کی ہے.....؟“ دل میں ابھرتی خواہش پر دماغ نے طنز کا کاری وار کیا تھا۔ جس کی چھین محسوس کرتے ہوئے دل سے ہلکی سی ٹیس بلند ہوئی تو اس کی آنکھیں بھر آئی، نتیجتاً سامنے کا منظر دھندلا پڑنے لگا۔ اس

غلطی ہوگئی.....“ کس قدر افسوس بھرا تھا اس کے انداز میں اس کا اپنا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ مزید متوجہ ہوئی تھی۔

”میں نے شروع دن ہی آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرنے کی کوشش کی تھی..... مگر اس وقت آپ نے میری ایک نہ سنی حالانکہ میں نے آپ سے صاف صاف کہا تھا کہ ای مجھے یہ لڑکی نارمل نہیں لگتی..... جتنی مرتبہ ہم ان کے گھر گئے نہ تو میں نے کبھی اس کو ہنستے سنا نہ بولتے دیکھا اور خود ہماری باتوں کا وہ کس طرح نپا تپلا جواب دیا کرتی تھی۔ مگر آپ نے میری بات پر غور کرنے کے بجائے مجھے یہ کہہ کر چپ کرادیا کہ لڑکی کم گو ہے..... اور کم گو لوگوں کو نئے لوگوں کے ساتھ کھلنے ملنے میں وقت لگتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ بھی ہمارے ساتھ ٹھیک ہو جائے گی۔

مگر..... اب آپ مجھے بتائیں امی..... ایسی بھی کیا کم کوئی کہ انسانوں کے درمیان موجود ہونے کے باوجود بندہ دیواریں کو گھورتا رہے؟“ وہ اس سے حد درجہ خفا معلوم ہو رہی تھی۔ اسی لیے اس کے متعلق اس طرح باتیں کر رہی تھی۔ اپنی ذات سے اس کی اس قدر شکایتیں سن کر وہ دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔ اب اپنے اندر ان کے پاس جانے کا حوصلہ وہ نہیں کر پا رہی تھی۔

”ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ.....“

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ سوچتی نامہ کی ابھرتی آواز نے ایک بار پھر اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔

”میرے اتنے ہنسنے بولنے والے بھائی کے ساتھ آپ نے ایک گوگی لڑکی کو جوڑ دیا۔ نجانے وہ بے چارہ کیسے اس کے ساتھ نام گزارتا ہوگا۔“ اس کا افسوس تو لحظہ لحظہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

کچھ دیر پہلے جن آلسوؤں پر بند باندھ کر اس نے اپنے اندر اتارے تھے وہی آلسو اس وقت تمام بند توڑتے ہوئے سیلاب کی صورت رخساروں سے لڑھکتے زمین پر گر کر بے مول ہوئے جا رہے تھے۔

”اور شہریار کی طرف سے خود کو یہ تسلی دے کر مطمئن کر بھی لوں کہ وہ کام کی مصروفیت کی بناء پر آدھے سے زیادہ وقت گھر سے باہر گزار لیتا ہے..... تو اس کے بعد آپ مجھے

اپنا بتائیں.....؟ چند دن تک میں نے بھی چلے جانا ہے پھر آپ اکیلی کیا کریں گی؟“ اس وقت اس کا ہر عضو سماعت بنان کے جواب کا منتظر تھا۔

اس کے دل نے ایک بار پھر خواہش کا دامن پکڑنے کی کوشش کی تھی کہ شاید آج بھی وہ اس کی حمایت میں نامہ کی ہر بات کو رد کر دیں گی..... مگر وہ کہہ رہی تھیں۔

”جو بات تم آج کہہ رہی ہو..... وہ بات میں پچھلے چند دنوں سے مسلسل سوچ رہی ہوں شروع کے ان دنوں میں میں نے اسی لیے زیادہ غور نہیں کیا کہ نیا گھر ہے نئے لوگ ہیں اس لیے دہن کو ہمارے ساتھ کھلنے ملنے میں کچھ وقت کی ضرورت ہے مگر اب پندرہ بیس دن گزر جانے کے باوجود وہ ہم سے بالکل اجنبیوں کے جیسا ردیہ برقرار رکھے ہے میں خود پریشان ہوں اگر اسی طرح سب رہا تو اس گوشت کے پتلے کے ساتھ ہم زندگی کیونکر گزاریں گے؟ جو ہمارے ساتھ بھی بیٹھی ہو تو اس قدر خاموش کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ ہمارے درمیان موجود بھی ہے یا نہیں اور اگر ہم خود سے کچھ بولنے کی کوشش بھی کریں تو ہوں ہاں سے زیادہ وہ بولتی ہی نہیں کہیں جانے کا کہو تو بھی فوراً انکار کر دیتی ہے۔ نجانے کس قسم کی آدم بے زار لڑکی تھے لگ گئی ہے۔“

وہ نامہ سے کہیں زیادہ بھری بیٹھی تھیں..... اس لیے اس سے زیادہ افسوس تو ان کے لفظوں میں بھرا تھا۔ وہ مزید کہہ رہی تھیں۔

”کم گو ہونا اچھی بات ہے مگر اس قدر بھی نہیں کہ سامنے موجود شخص اکیلا بول کر خود کو پاگل سمجھنے لگے۔“

اس قدر بدگمانیاں..... بے انتہا شکایتیں اور ان کے لفظوں میں چینٹا پچھتاوا محسوس کر کے اس کا دل پیسے دھڑکنا ہی بھول گیا تھا۔ مزید کچھ سننے کی سکت اب اس میں باقی ہی نہیں رہی تھی۔ پیچھے پلٹتے قدموں کے ساتھ وہ جانے کو پلٹی تھی جب نامہ نے ایک بار پھر اس کی سماعتوں پر ضرب لگائی۔

”آدم بے زار سے زیادہ مجھے وہ اپنا مل لگتی ہے امی۔“ آہ.....!!

وہ اسے پاگل سمجھ رہی تھی..... مگر وہ پاگل نہیں تھی۔ سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ وہ چلانا چاہتی

تھی..... ان کو بتانا چاہتی تھی کہ.....

”میں پاگل نہیں ہوں.....“

مگر وہ چلا نہیں سکتی تھی..... وہ ان کے لفظوں کی تردید نہیں کر سکتی تھی۔ حد درجہ بے بسی محسوس کرتے ہوئے رونی آنکھوں کے ساتھ بڑبڑاتی ہوئی تیزی سے بھاگتی اپنے کمرے میں آئی تھی..... بیڈ پر بیٹھ کر بازوؤں کو گھٹنوں کے گرد لپیٹے سر جھکائے وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

”مجھے پاگل مت کہو میں پاگل نہیں ہوں.....“

”جب تم اپنے گھر کی ہو جاؤ تب جو جی میں آئے وہ

کرنا۔“

گزرے کسی پل میں کہی اس کی ماں کی آواز اس کی سماعتوں کے پردیوں پر ضرب دیئے اسے ماضی کی جانب ٹھیسٹ رہی تھی۔ جس نے اسے گونگا بہرہ بننے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”جس طرح اس بال سے تم نے مجھے ہٹ کیا ہے بالکل اسی طرح تمہیں ہٹ کروں گی۔ تم اچھی طرح جانتے ہو بنا بدلہ لیے میں یہاں سے ملنے والی نہیں اس لیے شرافت کے ساتھ سامنے آ جاؤ۔“ کڑے تیوروں کے ساتھ بال ہاتھ میں لیے بند دروازے کے سامنے کھڑی وہ یاسر کو باہر آنے کی دعوت دے رہی تھی۔

”میں نے جان بوجھ کر آپ کو ہٹ نہیں کیا..... جو آپ بدلہ لینے کو تیار کھڑی ہیں۔ بالکل اچانک ہی آپ سے بال نکرا گئی مگر آپ جو جان بوجھ کر مجھے بال ماریں گی تو مجھے بہت تکلیف ہوگی۔“ بال لگنے سے پہلے ہی وہ تکلیف محسوس کرتا ہوا اسے بدلہ لینے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ کہاں باز آنے والی تھی۔ بدلہ لیے بنا تو اس نے ہرگز نہیں ملنا تھا۔ اس لیے پہلے سے کہیں زیادہ تیز لہجے میں بولی۔

”ایک بار باہر تو آؤ پھر میں تمہیں بتاتی ہوں انجانے میں بال زور سے ہٹ کرتی ہے یا جان بوجھ کر ماری گئی بال زیادہ زور سے ہٹ کرتی ہے۔“ وہ ہرگز بھی ملنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

”ٹھیک ہے پھر میں باہر نہیں آ رہا آپ نے کھڑے

رہنا ہے تو شوق سے کھڑی رہیں۔“ یاسر بھی ہتھیار ڈالنے کو

لظم

آج پھر قلم تھامے

سوچ رہی ہوں

کہ.....

تیری ذات پر اک

غزل لکھ ڈالوں

یا کہ ایسی لظم لکھ ڈالوں

جو میرے جذبات

تم پر عیاں کر دے

جو میری ان کہی باتیں

تم سے بیاں کر دے

یا اتنا بھی کہہ دے تم سے

کہ.....

تم جو میری ہر بات جان لیتے ہو

اے میرے ہدم! تم میری جان لیتے ہو

مگر آج بھی میں

اک لفظ نہیں لکھ پائی

آخر میں تھک کر آج بھی

تمہاری آنکھوں میں

ڈوب گئی ہوں.....

مدیحہ گل..... فیصل آباد

تیار نہ تھا۔

”ہاں ٹھیک ہے! میں کھڑی ہوں دیکھتی ہوں تم کب تک اندر بند رہتے ہو۔“ اونچا بولتے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بند دروازے کے پیچھے کھڑے یاسر کو باہر کھینچ کر اپنا بدلہ پورا کر لے..... بالکل تھانیداروں کے سے اسٹائل میں وہاں کھڑی وہ مسلسل بولے جا رہی تھی جب امی نے وہاں آ کر اسے ڈانٹا۔

”شبیہ! یہ کیا شور مچایا ہوا ہے تم نے.....؟“

”امی! یاسر نے مجھے اتنی زور سے بال سے ہٹ کیا

ہے۔“ اس نے اپنا نشان زدہ بازوان کے سامنے کرتے

ہوئے شکایت کی۔

آنچل * اکتوبر ۲۰۱۵ء 271

READING
Section

”ہاں تو کس نے کہا تھا بچوں کی طرح اس کے ساتھ کھیلنے لگو..... اتنی بڑی ہو گئی ہو مگر ہر وقت بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو۔ نجانے کب عقل آئے گی تمہیں۔“ وہ الٹا اسی کو قصور وار ٹھہرا رہی تھیں۔ جیسی وہ اپنی صفائی میں فوراً بولی۔

”میں کب اس کے ساتھ کھیل رہی تھی امی..... میں تو.....“ ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی انہوں نے اسے درمیان میں ٹوکتے ہوئے مزید جھڑک دیا۔

”بس کرو شیبہ! جتنی بڑی ہوئی جا رہی ہو اتنی ہی بدتمیز ہوتی جا رہی ہو ہر بات کا جواب دینے کو تیار رہتی ہو۔ کوئی باہر کا سنے گا تو فوراً زبان دراز کے لقب سے نواز دے گا۔“ انہوں نے مزید کہا۔

”ویسے بھی تم ایک لڑکی ہو اور لڑکیوں کا ہر وقت ٹر ٹر کرنا کسی کو پسند نہیں آتا۔ اس لیے اپنا منہ بند رکھا کرو۔“ مستقل کا ڈراوا دیتی وہ ڈھیروں ڈھیروں صلو اتوں سے نوازتی وہاں سے پلٹ گئی جبکہ وہ کتنی ہی دیر بھرائی آنکھوں کے ساتھ وہاں کھڑی اپنی غلطی تلاش کرنے کی کوشش کرتی رہی..... مگر جب کچھ نہ سوچا تو بال کو وہیں پھینک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ آئی۔

اس کا غصہ تو بس وقتی ہوا کرتا تھا اس لیے اگلے روز وہ سب کچھ بھلائے ایک بار پھر یاسر کے ساتھ بیٹھی لڈو کھیل رہی تھی۔ جب یاسر کو بے ایمانی کرنا دیکھ کر اس نے ایک دم شور مچایا۔

”یاسر! اس ناٹ فیمر..... تم مسلسل بے ایمانی کر رہے ہو۔“

”کیوں..... کیا بے ایمانی کی میں نے؟“ معصوم سا بٹا وہ اپنی گوٹ چلنے میں مصروف تھا۔

”تم یہ گوٹ غلط چل رہے ہو..... تمہارا جھمبہ نہیں بلکہ چار آیا ہے اس لیے تم ایمان داری سے اس کے مطابق اپنی گوٹ چلو اور سانپ کے منہ سے نیچے آ جاؤ۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی انگلی کے نیچے وہی گوٹ کو چھیننے کی ناکام کوشش کی مگر یاسر کہاں اتنی آسانی سے ہار مان لینے والا تھا اس لیے گوٹ کے اوپر انگلی کے دباؤ کو مزید بڑھا کر بولا۔

”میرے جیسے ہی آیا تھا۔ آپ کو دیکھنے میں غلط فہمی

ہوئی ہے۔“ اس کی غلط بیانی پر شیبہ نے فوراً انگلی اٹھا کر ذرا تیز لہجے میں کہا۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو..... میں نے اچھی طرح دیکھا تھا تمہارے جھمبے نہیں آیا تھا۔“ اسے اسی طرح باری چلتے دیکھ کر وہ مزید بولی تھی۔

”بے ایمانی کر کے جیتنا کوئی جیتنا نہیں ہوتا اس لیے تم ایمان داری سے اپنی چال چلو کیا ہوا جو اس بار ہار جاؤ گے تو ہو سکتا ہے اگلی بار جیت تمہیں مل جائے۔“

”میں کوئی بے ایمانی نہیں کر رہا۔“ وہ قطعاً اپنی غلطی ماننے کو تیار نہ تھا۔

”تم بے ایمانی کر رہے ہو۔“ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر ٹیڑھی نظر اس کی طرف کی تھی۔

”میں بے ایمانی کر رہا ہوں؟“ اس بار یاسر کے تیور بھی بدلے تھے۔

”ہاں بالکل.....“ اس نے شد و مد سے سر ہلایا۔

”تو پھر ٹھیک ہے..... جب میں بے ایمانی کر رہا ہوں تو پھر آپ میرے ساتھ مت کھیلیں۔“ ہاتھ مار کر کھیل کو بے ترتیب کرتا یا سب اس کے سامنے سے اٹھا تو وہ ایک دم چلائی۔

”بے ایمان بدتمیز..... ہارنے لگے تو کھیل بگاڑ دیا۔“ وہ بھی اٹھ کر تیزی سے اس کے مقابل آئی تھی۔

”تمیز کے ساتھ کھیل مکمل کرو۔“ وہ ہاتھ پکڑ کر اسے پھر سے بٹھانے کو بھی مگر وہ فوراً انکاری ہوا۔

”جی نہیں مجھے اب آپ کے ساتھ کوئی گیم نہیں کھیلنا ہے۔“ ہاتھ چھڑا کر وہ آگے بڑھا تو وہ بھی تیزی سے بولتی اس کے پیچھے آئی تھی۔

”یاسر! میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔“ جارحانہ عزائم لیے وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ جب ایک دم عارفہ بیگم پیشانی پر ہل لیے اس کے سامنے آئیں۔

یاسر بنا پلٹے جا چکا تھا۔ وہ وہاں ان کے سامنے اکیلی کھڑی رہ گئی تھی۔

”یہ کیا تماشلا گارکھا ہے تم نے؟“ غصیلی نگاہوں سے گھورا تھا۔ وہ اپنی جگہ دبک کر رہ گئی۔ پھر بھی ہمت کر کے ہلکی سی آواز میں بولی۔

”امی یاسر گیم میں چیلنگ کر رہا تھا تو.....“ وہ آج بھی

اپنی بات مکمل نہیں کر سکی تھی عارفہ بیگم نے درمیان میں اس کی بات اچک لی۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بڑی ہو کر بھی تم کیوں ہر وقت ہنگی بنی رہتی ہو۔ بچوں کی طرح کھیلنا کودنا شور مچانا کوئی سنے گا تو کیا کہے گا؟“ ہمیشہ کی طرح ان کی تان اپنے پسندیدہ جملے ’کسی تیسرے کے سن لیے جانے پر‘ آن رگی تھی مگر اسانس لے کر جھکے سر کو مزید جھکاتے ہوئے اس نے خود کو ان کی مزید جلی کٹی باتیں سننے کے لیے تیار کیا تھا۔

”تمہیں کیا فرق پڑے گا لوگ تو ہمیں کہیں گے کہ ماں باپ نے لڑکی کو تمیز نہ سکھائی نہ ہی اچھے سے تربیت کر سکے۔ اب لوگوں کو کیا معلوم ماں باپ تو ہر وقت فکر میں کھلے جاتے ہیں یہاں تو لڑکی ہی کچھ سیکھنے سمجھنے کو تیار نہیں ہے مجھے تو ڈر ہے آگے جا کر تم نے ہماری ناک کٹوا دینی ہے۔“ وہ افسوس بھرے لہجے میں مزید کہہ رہی تھیں۔

”سنجھل جاؤ لڑکی چھوڑ دو اس بچپنے کو اور بڑی ہو جاؤ اب کل کو اگلے گھر بھی جانا ہے وہاں کیا کریو گی؟“ وہ ضرورت سے زیادہ فکر مند دیکھائی دے رہی تھیں۔ وہ خواہ مخواہ شرمندہ ہوتی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ عارفہ بیگم ڈانٹ پھینکار کر کے جا چکی تھیں۔ مگر وہ سر جھکائے سوچ رہی تھی کہ امی ہر وقت کسی تیسرے اور اگلے گھر کی فکر میں مبتلا کیوں رہتی ہیں؟ کیوں آخر وہ اسے اس کی مرضی کی زندگی گزارنے نہیں دیتی؟

اسے وہ وقت یاد آنے لگا جب بڑے ماموں کے بیٹے کی شادی میں سب کزنز کی دیکھا دیکھی اس نے بھی نیولک کی خاطر پارلر جانے کا ارادہ کیا تھا پھر جب وہ اجازت لینے امی کے پاس گئی تو انہوں نے ہمیشہ کی طرح اس کو جھاڑ کر رکھ دیا۔

”شیدہ! کیا تم حواسوں میں ہو؟“ انہوں نے بڑے غور سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

”جی امی.....“ وہ ان کا مطلب سمجھی نہیں تھی۔ اس لیے نا سمجھی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

”تم نے سوچا بھی کیسے؟“ انہوں نے کچھ اس انداز میں کہا جیسے اس سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو مگر دوسری طرف وہ ہنوز اسی طرح لاعلمی کے سے انداز میں ان کو دیکھتی پولی۔

تنہا کر دینے والا دکھ

میں نے ہمیشہ ہواؤں کو اپنی روح سے چھوٹنے کی خواہش کی ہے
پرندوں اور گیتوں سے پیار کیا ہے
پھولوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا ہے
خوب صورت نظموں

اور.....

لہاں کر دینے والے افسانوں کے سنگداتیں بتائی ہیں

اور.....

شعروں کے ہجوم میں رہا ہوں
لیکن اس کے باوجود

میرے اور ان کے درمیان
ہمیشہ کوئی نہ کوئی پردہ حائل رہا ہے
جہاں بھی یہ پردہ ذرا ہٹا ہے
میں نے شدت سے خود کو تنہا
محسوس کیا ہے

آمنہ ولید..... لاہور

”امی! سب کزنز جا رہی تھیں تو میں نے بھی.....“ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ہمیشہ کی طرح وہ درمیان میں بول پڑی تھیں۔

”خود کو دوسروں کے رنگ میں رنگنے کی کوشش مت کرو وہ جو کرتی ہیں انہیں کرنے دو تم صرف اپنے پہ دھیان دو ابھی تم کنواری لڑکی ہو اور کنواری لڑکیاں ہمیشہ سادگی میں اچھی لگتی ہیں۔“ اس بار ان کا انداز قدرے دھیما تھا مگر ہر وقت مستقبل کی فکر میں گھل کر اسے سدھارنے سمجھانے کی کوششوں کے بعد جس قدر سخت لہجہ ان کا ہو گیا تھا اس کی بدولت وہ چاہ کر بھی اب اس کے ساتھ بیٹھا نہیں بول سکتی تھیں۔

اس لمحے اس کا دل چاہا کہ وہ انہیں بتائے کہ زمانہ بہت آگے بڑھ گیا ہے اب سادگی کا زمانہ نہیں رہا۔ مگر وہ چاہنے کے باوجود کبھی کبھی نہیں بول سکی تھی۔ عارفہ بیگم مزید کہہ رہی تھیں۔

”تم جو کچھ بھی کرنا چاہتی ہو ضرور کرنا..... مگر یہاں

نہیں جب اپنے گھر کی ہو جاؤ تب جو جی میں آئے وہ کرنا تمہیں کوئی منع نہیں کرے گا۔“

وہ بری طرح دل مسوس کر رہ گئی تھی۔ ہر وقت کی اس روک ٹوک اور پابندیوں کی بدولت پھر یہ ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ خود میں سمٹنے لگی تھی۔ امی ہمیشہ کہتی تھیں کہ لڑکیوں کو منہ پھاڑ کر نہیں ہنسنا چاہیے کیونکہ لڑکی کو اس طرح ہنسنے سے کراں پڑوس کے لوگ اس پر پاگل ہونے کا گمان کرنے لگتے ہیں۔ پھر یہ ہوا کہ وہ ہنسنا بھولنے لگی۔

اب نہ تو وہ پہلے کی طرح شور مچاتی تھی نہ یاسر کے ساتھ کوئی گیم کھیلتی تھی۔ اس کی ہر خواہش شرارت اس کا بچپنا اب آہستہ آہستہ اس کے اندر کہیں دم توڑنے لگا تھا مگر زبانے کے نئے رنگوں کو دیکھ کر وہ کبھی کبھی بہک جایا کرتی تھی جیسے کالج کے آخری سال میں اپنی کلاس کو ٹرپ پر جاتے دیکھ کر وہ بھی ان کے ساتھ جانے کو پھل اٹھی اس کا جانا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا مگر اس کے باوجود اس کے دل نے خواہش کی تو وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک بار پھر امی ابو کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

”میرا کالج ہماری کلاس کو ٹرپ پر لے جا رہا ہے کیا میں اپنی کلاس کے ساتھ ٹرپ پر جا سکتی ہوں؟“ چائے کا کپ ان کے سامنے رکھ کر ایک طرف ہوتے ہوئے اس نے ان میں سے اسپیشلی کسی ایک کو مخاطب کیے بنا اچھکاتے ہوئے اپنی بات ان کے گوش گزار کی تھی۔

اس کی بات کے اختتام پر بس ایک پل کے لیے ابو نے سنجیدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا تھا دوسرے ہی پل وہ نظر گھمائے دوبارہ سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جب کہ امی کہہ رہی تھیں۔

”ہم نے تمہیں کالج پڑھنے بھیجا تھا تاکہ کان کی لڑکیوں کے رنگ ڈھنگ سیکھنے..... تمہاری کلاس ٹرپ پر جا رہی ہے تو جانے دو..... مگر ہم تمہیں ہرگز بھی اس طرح اکیلے سیر و تفریح کے لیے جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔“ ذرا سے توقف کے بعد وہ پھر سے کہنے لگی تھیں۔

”اپنا یہ شوق اپنے گھر کی ہو جانے کے بعد پورا کرنا.....“ بات کو پہنچ کھانچ کرا خرمیں وہ اسی بات پر آ گئی جو وہ ہمیشہ سے کہا کرتی تھیں۔

”اُف.....“ ہمیشہ والی بات سن کر لب پہنچتی وہ ان کے

سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ اسے جانے کی اجازت نہیں دیں گی..... مگر اس کے باوجود بھی اس نے اجازت لینے کی اپنی سی کوشش کی تھی مگر..... اس بار ان کے انکار نے اسے باپوس ہونے کے ساتھ ساتھ کافی ہرٹ بھی کیا تھا۔ دل کے کسی کونے میں جو کہیں ذرا سی امید باقی تھی وہ ختم ہوئی تو وہ بالکل ہی چپ ہو کر رہ گئی..... ہر چیز سے رغبت ختم ہونے کے بدولت اس نے مزید پڑھائی کا ارادہ بھی ترک کر دیا ذرا وقت گزرا تو ”اس گھر کے لوگوں“ کی آمد بھی ہو گئی جس کا ذکر کر کے امی ہمیشہ دلاسہ دیا کرتی تھیں۔ امی ابو دونوں کو ہی ”اس گھر“ کے لوگ پسند آئے تھے اس لیے انہوں نے باخوشی اس رشتے کو پسندیدگی کی سند سے نوازا اور اسے ”اپنے گھر سے اس گھر“ تک رخصت کر دیا۔ جہاں جا کر اسے اپنی ہر خواہش پوری کرنے کا سبق امی بچپن سے پڑھائی آتی تھیں۔ مگر اب وقت بہت سا گزر چکا تھا۔

”خواہش کے پودے کو اس وقت پر پانی نہ ملنے کی بدولت زندگی کا ہر رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ اس لیے اب کوئی خواہش ہی باقی نہ رہی تھی پھر کیسے وہ کچھ الگ محسوس کرتی؟ اب جب وہ اپنی عادات میں پختہ ہو چکی تھی تو کیسے اس دور کی طرف پلٹتی جہاں دل بچہ بنا ضد فرمائش اور شرارت پر مائل رہا کرتا تھا۔ وہ اپنی سانس اور نند کو بتانا چاہتی تھی کہ نہ تو وہ آدم بے زار ہے اور نہ ہی پاگل..... مگر سارا مسئلہ تو یہی تھا کہ وہ آگے بڑھ کر انہیں بتائے تو آخر کس طرح.....؟ کیونکہ اس گھر سے اس گھر تک کے سفر نے اس کے اعتماد کے ساتھ ساتھ اس کے ہر احساس کو مٹا کر رکھ دیا تھا۔



حرفاتی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

حرا..... فیصل آباد

جواب:- کوئی امید نہیں ہے۔

صائمہ..... گوجرانوالہ

جواب:- سدوزاندات میں 21 بار آیہ الکرسی پڑھ کر رکاوٹیں ختم ہونے کی دعا مانگیں اور پانی پر پھونک کر پئیں بھی۔

نگہت پروین..... سمندر

جواب:- سدوزانہ 11 بار سورۃ المزل پڑھ کر پانی پہ پھونک کر پورے گھر میں (درودیوار) پر چھڑکیں اور پئیں 41 روز تک۔

نگینہ زمان..... پیپلز کالونی

جواب:- اللہ رحم کرے۔

آپ فارغ وقت میں 21 بار آیہ الکرسی پڑھ کر رکاوٹیں (انسانی) ختم ہوں۔

تانیہ..... فیروز والا

جواب:- بی بی 41 بار آیہ الکرسی پڑھ کر تیل پر دم کے جسم پر ملیں اور دعا بھی مانگیں کہ یہ سب بیماریاں ختم ہوں۔

رضیہ بانو..... کھڑیاںوالہ

جواب:- علاقے کے لحاظ سے لڑکی پسند کی جاتی ہے کراچی والے تیلی لڑکی اور پنجاب سرحد والے مولی لڑکی، یہ کوئی بڑا پرابلم نہیں اصل میں صرف صحت ہوتی ہے بس کافی ہے۔

1:- آیت نمبر 74 فجر کے بعد پڑھنا ہے 70 بار۔

2:- رات سوتے وقت 21 بار آیہ الکرسی پڑھ کر رکاوٹیں ختم ہونے کی دعا کریں۔

راحیلہ..... لاہور

جواب:- درود شریف کا درود بھیجیں۔

رات سوتے وقت 21 بار آیہ الکرسی پڑھ کر درودوں سے نجات کی دعا مانگیں۔

شمائلہ..... سمندری

جواب:- فیصلے کی قوت پیدا کریں۔

انجم مقبول..... سیالکوٹ

جواب:- (1) رات سونے سے پہلے بھی خود آیہ الکرسی 21 بار پڑھ کر رکاوٹیں ختم ہونے کی دعا مانگیں۔
(2) سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 فجر کی نماز کے بعد 70 بار پڑھ کر دعا مانگیں۔ 120 دن تک۔

نائلہ..... فیصل آباد

جواب:- بی بی خود اعتمادی کی کمی ہے۔ اپنا آپ منوانا اہم ہے۔ لفٹ مت کرائیں خود ٹھیک ہو جائیں گے۔

سیدہ نازیہ بی بی..... کراچی

جواب:- فجر کی نماز کے بعد 7 بار سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 پڑھ کر رشتہ کی دعا مانگیں 120 روز تک۔
رات سوتے وقت 21 بار آیہ الکرسی پڑھ کر بندشیں رکاوٹیں ختم ہونے کی دعا مانگیں۔

محمد عباس..... انک

جواب:- رات سونے سے پہلے 101 بار سورۃ القدر پڑھ کر کامیابی کی دعا مانگیں، روزانہ۔

انیلہ عمران..... حیدر آباد

جواب:- سورۃ الفاتحہ آخری پارہ روزانہ ایک تسبیح پڑھ کر دعا مانگیں۔

اقرا اکبر..... ننکانہ صاحب

جواب:- بی بی اپنے بابا کا علاج کرائیں۔
مصری، باوام، سوف (ہم وزن) مکس کر کے رکھ لیں دن میں 7،5 بار پھاںگیں۔

آج کل گس کے پاس موبائل نہیں۔

زوبیہ سلیم..... فیصل آباد

جواب:- ساس کیلئے

اللهم انا نجعلک فی نورهم ونعذبک من شرورهم ایک تسبیح روزانہ۔
شوہر کیلئے:

سورۃ والضحیٰ ہر نماز کے بعد 11 بار پڑھ کر دعا مانگیں محبت کے لیے۔

صائمہ پروین..... بہاولنگر

جواب:- روزانہ درود شریف کی ایک تسبیح پڑھیں اور اللہ سے دعا مانگیں۔

طاہرہ بی بی..... ٹھوک سکھی

جواب:- یہی عمل کرتی رہیں کامیابی ہوگی۔

آنچل * اکتوبر * 2015ء * 275

READING
Section

عطا محمد..... ڈھوک سکھی
جواب:- سورۃ الفاتحہ 313 بار پڑھ کر نیل پردم کر کے ماش کریں۔

محمد عبدالرئوف..... ڈھوک سکھی
جواب:- آخری پار سورۃ والضحیٰ ہر نماز کے بعد 7 بار پڑھ کر دعا مانگیں۔

فدا محمد..... ڈھوک سکھی
جواب:- سورۃ الفاتحہ کی ایک تسبیح روزانہ پڑھ کر دعا مانگیں کہ جس میں بہتری ہو وہ ہو جائے۔

محمد رزاق..... ڈھوک سکھی
جواب:- یہ شخص کام نہیں کرنا چاہتا۔

ح..... چکوال

جواب:- بشریٰ رات سونے سے پہلے 21 بار آیۃ الکرسی پڑھ کر رکاوٹیں اور بندشیں ختم ہونے کی دعا مانگیں۔
رشتہ کیلئے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 فجر کی نماز کے بعد 70 بار پڑھیں۔ 120 دن۔

سورۃ الفاتحہ دن میں کسی بھی وقت 21 بار پڑھ کر پانی پی پھونک مار کر پیئیں۔

عائشہ رحمان..... شیخوپورہ

جواب:- روزانہ فجر کی نماز کے بعد 21 بار سورۃ الفاتحہ پڑھ کر پانی پی پھونک مار کر پیئیں۔ نیت اللہ مجھے شفا عطا کرے بیماریوں سے نجات ہو 3 ماہ تک۔

رخسانہ کوثر.....

جواب:- فجر کی نماز کے بعد سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 70 74 بار پڑھ کر رشتہ کی دعا کریں۔

رات سوتے وقت 41 بار آیۃ الکرسی پڑھ کر بندش و رکاوٹ رشتہ کی ختم ہو۔

کم از کم 120 روز تک۔
رانی اسلام..... گوجرانوالہ
جواب:- ہو میو علاج کرائیں۔

بختاور افتخار..... عارف والا
جواب:- ہر وقت پڑھتی رہیں، سب بہتر ہوگا۔

طیبہ خاتون..... لاہور

جواب:- بہن سے کہیں سورۃ والضحیٰ ہر نماز کے بعد 7 بار پڑھ کر دعا مانگیں ٹھیک ہو جائے گا۔



<http://facebook.com/elajbilquran>
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

مذہبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے نومبر ۲۰۱۵ء

گھر کا مکمل پتا

والدہ کا نام

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 276

READING
Section

میں نے

میمونہ رومان

حافظ سمیرا..... 113 این بی

یہ میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا تھی
کہ وہ شخص میرے پاس میرے نام کی طرح رہتا
شکستہ خان..... بھلوال

ہلال عید فلک پر نظر آ تو گیا
وہ جو پھٹے ہیں وہ کہیں نظر کیوں نہیں آتے
سدرہ اسحاق..... لودھراں

دھکتا رہے تیرے روضے کا منظر
سلامت رہے تیرے روضے کی جالی
ہمیں بھی عطا ہو وہ شوق ابو ذر
ہمیں بھی عطا ہو وہ جذبہ بلال
اقصی زرگریاں زرگر..... جوڑہ

برندہ خشک جھیلوں سے یہی اب کہہ گیا آخر
مجھے مجبور ہجرت پر میرے حالات کرتے ہیں
مشاعلی مسکان..... قمر مشانی

محسن جو بات بات پر کہتا تھا مجھ کو جان
آخر مجھے وہ شخص بے جان ہی کر گیا
ثانیہ مسکان..... گوجران

خاک اڑتی ہے در بدر مجھ میں
کون پھرتا ہے در بدر مجھ میں
مجھ کو مجھ میں جگہ نہیں ملتی
وہ ہے موجود اس قدر مجھ میں

پاکیزہ ایمان..... کھرڈیکا
نہ جانے وہ کیسا عجیب شخص تھا
ہر بات کو ہنسی میں اڑا دیتا تھا
میں اس سے اظہار محبت کرتی تھی ایمان
اور وہ مذاق سمجھ کر ٹال دیتا ہے
مونا شاہ قریشی..... کیروالہ

انا پرست بے عیب شکن
میری ذات مثل آبشار ہے
یہی صفت نفس کمال ہے مون

میرا حریف میرا پرستار ہے

روشنی وفا..... ماحیووال

ملو تم روز ہم سے لوگ چاہے کچھ بھی مطلب لیں
یہاں محفوظ تہمت سے نہ یوسف تھے نہ مریم تھی
فرحین آصف عمران..... کراچی

دیسری بار بھی ہوتی تو اسی سے ہوتی
میں بلغرض محبت جو دوبارہ کرتا
شہلا زوی..... کوٹ نجیب اللہ

ہوتا تو نہیں ایسے مگر ہم نے کیا ہے
اک یاد مسلسل پر لگاتار گزرا
سیدہ لوباسجاد..... کھرڈیکا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
درد دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دھرا نہیں ہوتا
نجم انجم جوان..... کراچی

جب گھر کو ہمارے آگ لگی سامان بچا کچھ جلنے سے
سو وہ بھی ان کے ہاتھ لگا جو آگ بجھانے آئے تھے
جو لوگ شریک سازش تھے ہم نام بھی ان کا کیسے لیں
کچھ ان میں دوست پرانے تھے کچھ باعزت ہمسائے تھے
نورین مسکان سرور..... سیالکوٹ، ہڈسکہ

اچھی آواز بھی انعام ہے اس خالق کا
جب بھی کانوں میں پڑے دل کو لہا لیتی ہے
گانے والا جو بُرا ہو تو حجازی نے بھی
سننے والے کی سماعت پر گراں ہوتی ہے
طیبہ نذیر..... شادیوال کجرات

تجھ کو معلوم بھی کتنے طلب گار ہیں تیری خوشیوں کے ہم
پوچھ ان فرشتوں سے جو روز دیکھتے ہیں دعا میری اور نام تیرا
فیاض الحق مہیا..... سلاوالی

محسوس کیا تم کو تو کیلی ہوئی پلکیں
بھیکے ہوئے موسم کی ادا تم تو نہیں ہو
ان اجنبی راہوں میں کوئی بھی نہیں میرا
کس نے یوں مجھے اپنا کہا تم تو نہیں ہو
صبا مومنہ..... بہاولپور

آف! وہ نرم لیوں کا دھیرے سے کہتا

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 277

READING
Section

وہ جیگیت تم نے سنا نہیں میری عمر بھر کار ریاض تھا
میرے درد کی تمھی وہ داستاں جسے تم ہنسی میں اڑا گئے

عائشہ سعد..... اسلام آباد

ان ہارشوں سے دوستی اچھی نہیں فرار
کچا تیرا مکان ہے کچھ تو خیال کر
انا مریم..... شادیوال گجرات

جناب کو رہی میرے عیبوں کی جستجو
میں پُر خلوص ان کے ہنر کو تولتا رہا

ثوبیہ بلال..... ظاہر پور

یہی اک بات اکثر مجھے جھجھکی میں رکھتی ہے
محبت بھیک ہے شاید بڑی مشکل سے ملتی ہے
عابد محمود..... ملکہ ہاس

تمام شب جہاں جلتا ہے اک اداس دیا

ہوا کی راہ میں اک ایسا گھر بھی آتا ہے
وفا کی کون سی منزل پر اس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے

سیدہ کنزی زین..... منڈی بہاؤ الدین

کج اونچ دی راہواں اوکھیاں سن
کج گل وچ غم دا طوق وی سی
کج شہر دے لو کی ظالم..... سن
کج مینوں مرن دا شوق وی سی

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

ابھی ابھی میری بے خوابیوں نے دیکھی ہے
فضائے شب میں ستاروں کی آخری پرواز
خبر نہیں کہ اندھیرے کے دل کی دھڑکن ہے
یاد آ رہی ہے اجالے کے پاؤں کی آواز

روشنی وفا..... ماچھیوال

ہر بار توڑا ہے اس نے میری امیدوں کو میری وفاؤں کو
ہم بھی یہ سوچ کر بھول جاتے ہیں کہ بھولے سے ہوا ہو شاید



کوئی دیکھ نہ لے اب مجھے جانے بھی دو
شمع فیاض..... بستی بزدار

میں تنہائی کو تنہائی میں تنہا کیسے چھوڑ دوں
تنہائی نے تنہائی میں تنہا میرا ساتھ دیا ہے
سلجی نسیم گل..... کراچی

تمہاری نبضیں ہمارے دم سے جواز ڈھونڈیں گی زندگی کا
کہ لکھنے والے نے لکھ دیا ہے مریض تم ہو طبیب ہم ہیں
مہوش نگلی..... پورے والہ

میرے خوابوں میں وہ آتا کیوں نہیں

میری یادوں سے وہ جاتا کیوں نہیں
سوال کرتی ہوں دل سے بہت لیکن
میرے خوابوں میں وہ آتا کیوں نہیں

ارم کمال..... فیصل آباد

نگاہوں میں شوخی لبوں پر تبسم
وہ چوڑی کھینکتی تو جب عید ہوتی
وہ آچل میں چہرہ چھپا کے جو چلتے
تو شرم و خیا کے سبب عید ہوتی

بخاؤ و افتخار..... عارف والا

تیری رسوائی کے ڈر سے لبوں کو سی لیا درنہ
میں تیرے شہر منافق کی بنیادیں ہلا دیتا
سندس رفیق سندس..... عبدالکحیم

تو نے نفرت سے جو دیکھا تو مجھے یاد آیا
کسے رشتے تیری خاطر یونہی توڑ آیا
کتنے دھندلے ہیں یہ چہرے جنہیں اپنایا
کتنی اجلی تھیں وہ آنکھیں جنہیں چھوڑ آیا
پاکیزہ علی..... جتوئی

اجلے چمکتے مٹل جیسے لوگ
ہاتھ لگایا تو پتھر لکھے

ظاہر غزل..... جتوئی

لو شام ہوتے ہی حسرت امید کے دیے بجھ سے گئے
ویرانوں سے وابستہ میری اک اور عید گزر گئی

آمنہ ولید..... ٹاؤن شپ لاہور

بلند ہاتھوں میں زنجیریں ڈال دیتے ہیں
عجیب رسم چلی ہے دعا نہ مانگے کوئی
شامکدا شرف..... بڈھا چک جڑالوالہ

دش منہ لالہ

طلعت آغاز

منفرد کبھی بریانی

کر اس میں پکی ہوئی کلیجی اور لیموں کے سلائس بھی ڈال کر باقی چاولوں کی تہ لگائیں۔ پودینہ اور دودھ میں زرد رنگ گھول کے چاولوں پر ڈال دیں۔ پندرہ منٹ تک دم پر رکھیں۔ سلا د اور رستے کے ساتھ پیش کریں۔

طلعت نظامی..... کراچی

پیازی چاہیں

اشیاء:-

ایک کلو	ایک کلو	ایک کلو	چاہیل
ایک کلو	ایک کلو	ایک کلو	منشن کبھی
تین عدد	تین عدد	تین عدد	پیاز (پسی ہوئی)
ایک چائے کا چمچ	ایک چائے کا چمچ	ایک چائے کا چمچ	لہسن پیسٹ
ایک چائے کا چمچ	ایک چائے کا چمچ	ایک چائے کا چمچ	ادرک پیسٹ
دو کھانے کے چمچے	دو کھانے کے چمچے	دو کھانے کے چمچے	لال مرچ
ایک چائے کا چمچ	ایک چائے کا چمچ	ایک چائے کا چمچ	بلدی پاؤڈر
ایک چائے کا چمچ	ایک چائے کا چمچ	ایک چائے کا چمچ	دھنیا پاؤڈر
حسب ذائقہ	حسب ذائقہ	حسب ذائقہ	نمک
دو کھانے کے چمچے	دو کھانے کے چمچے	دو کھانے کے چمچے	قصور میٹھی
پانچ عدد (باریک کٹے ہوئے)	پانچ عدد (باریک کٹے ہوئے)	پانچ عدد (باریک کٹے ہوئے)	ٹماٹر
تین کھانے کے چمچے	تین کھانے کے چمچے	تین کھانے کے چمچے	دہی
تین عدد (گول سلائس کاٹ لیں)	تین عدد (گول سلائس کاٹ لیں)	تین عدد (گول سلائس کاٹ لیں)	لیموں
ڈیڑھ کٹھی (کاٹ لیں)	ڈیڑھ کٹھی (کاٹ لیں)	ڈیڑھ کٹھی (کاٹ لیں)	ہرا دھنیا
ڈیڑھ کٹھی	ڈیڑھ کٹھی	ڈیڑھ کٹھی	پودینہ
پانچ عدد	پانچ عدد	پانچ عدد	ہری مرچیں (ثابت)
ایک چائے کا چمچ	ایک چائے کا چمچ	ایک چائے کا چمچ	ثابت گرم مسالا
ایک چٹکی	ایک چٹکی	ایک چٹکی	زردے کا رنگ
چھ کھانے کے چمچے	چھ کھانے کے چمچے	چھ کھانے کے چمچے	دودھ
ایک کپ	ایک کپ	ایک کپ	تیل

تیل گرم کر کے اس میں ثابت گرم مصالحہ کو بکرے کی چانپوں کے ساتھ ڈال کر پانچ منٹ کے لیے فرائی کر لیں۔ اب اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، پسی لال مرچ، نمک، سفید زیرہ اور ایک چوتھائی کپ پانی شامل کر کے اچھی طرح فرائی کر لیں۔ پھر اس میں ایک کپ پانی ڈال کر ڈھک کر پکائیں، یہاں تک کہ چانپیں تقریباً گل جائیں۔ اب اس میں پیاز، آلو اور ٹماٹر شامل کر کے ہلکی آنچ پر رکھیں، یہاں تک کہ سبزیاں گل جائیں۔ آخر میں ہرا دھنیا اور ہری مرچ چھڑک کر دہی کے ساتھ سرد کریں۔

قرۃ العین..... جہلم

دم کا گوشت

ایک چائے کا چمچ	کچا پیٹا (پسا ہوا)
ایک چائے کا چمچ	گرم مصالحہ
ایک چائے کا چمچ	دھنیا (پسا ہوا)

ترکیب:-
پتلی میں تیل گرم کر کے اس میں کلیجی ڈال کر پانچ منٹ تک فرائی کریں اب اس میں پسی ہوئی پیاز، لہسن، ادرک پیسٹ، لال مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، قصوری میٹھی، نمک، ٹماٹر اور دہی ڈال کر دس منٹ تک بھوئیں۔ اس کے بعد اس میں اتنا پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں کہ کلیجی گل جائے۔ اب اس میں ثابت ہری مرچیں اور ہرا دھنیا ڈال کر دو منٹ تک دم پر رکھیں۔ چاولوں میں نمک اور ثابت گرم مسالا ڈال کر ابال لیں اور پانی نہچوڑ لیں۔ دوسری بڑی پتلی میں آدھے چاولوں کی تہ لگا

READING
Section

ایک چائے کا چمچ
ایک کھانے کا چمچ
تین عدد
ایک چائے کا چمچ
آدھا کپ
آدھا چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
دو کھانے کے چمچ

نمک
دھنیا (پسا ہوا)
ٹماٹر (کٹے ہوئے)
سفید زیرہ
دہی
گرم مصالحہ
قصوری میتھی
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)

ایک چائے کا چمچ
ایک کھانے کا چمچ
ایک چوتھائی چائے کا چمچ
حسب ذائقہ
دو کھانے کے چمچ
ایک چائے کا چمچ
ایک چوتھائی چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ

لال مرچ (پسی ہوئی)
ادرک لہسن کا پیسٹ
ہلدی
نمک
لیموں کا رس
کھوپرا (پسا ہوا)
جائفل (پسی ہوئی)
زیرہ

بادام (لے ہوئے)
خشخاش
تیل (لے ہوئے)
پیاز (تلی ہوئی)
تیل
دہی
ہرا دھنیا
پودینے کے پتے
ہری پیاز

چھ عدد
ایک چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
آدھا کپ
آدھا کپ
ایک کپ
دو کھانے کے چمچ
ایک کھانے کا چمچ
ایک کھانے کا چمچ

ترکیب :-
پہلے تیل گرم کر کے اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، پیاز، پسی لال مرچ، ہلدی، نمک، پسا دھنیا اور ایک چوتھائی کپ پانی شامل کر کے اچھی طرح فرائی کر لیں۔ اب اس میں ٹماٹر شامل کر کے اچھی طرح بھون لیں۔ پھر اس میں سفید زیرہ، بکرے کی کلجی اور دہی ڈال کر ڈھک کر دس منٹ پکائیں۔ جب پانی خشک ہو جائے اور تیل اوپر آجائے تو اس میں گرم مصالحہ، قصوری میتھی اور ہرا دھنیا شامل کر دیں۔

مریم ارشاد... بلیر، کراچی

مشن چاپ تکہ

بکرے کے گوشت کو دہی، پیٹا، گرم مصالحہ، پسا دھنیا، پسی لال مرچ، ادرک لہسن کا پیسٹ، ہلدی، نمک، لیموں کا رس، کھوپرا، پسی جائفل، زیرہ، بادام، خشخاش اور تیل سے میری نیٹ کریں اور دو گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔ اب آدھا کپ تیل گرم کر کے اس میں تلی پیاز اور میری نیٹ کیا ہوا گوشت ڈال کر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت نرم ہو جائے۔ جب تیل اوپر آجائے تو اسے کوئلے کا دم دیں۔ پھر اسے پودینے کے پتے، ہرا دھنیا اور ہری پیاز سے گارلش کر کے روٹی کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

کنول جوتی... ماسمہ

کلجی مصالحہ

آدھا کلو
دو عدد
ایک کھانے کا چمچ
ایک کھانے کا چمچ
حسب ذائقہ
دو کھانے کے چمچ
ایک کھانے کا چمچ
دو سے چار کھانے کے چمچ
ایک کھانے کا چمچ
ایک عدد

اجزاء
بکرے کی چانپ
پیاز
کالی مرچ (پسی ہوئی)
گرم مصالحہ
نمک
ادرک پیسٹ
کچا پیٹا
تیل
لال مرچ
کوئلہ

ترکیب :-

سب سے پہلے چانپوں میں تیل، ادرک پیسٹ اور کچا پیٹا لگا کر کچھ گھنٹوں تک میری نیٹ ہونے کے لئے رکھ دیں۔ اس کے بعد اس میں پسی کالی مرچ، گرم مصالحہ، لال مرچ اور نمک شامل کر کے چانپوں کو اچھی طرح مکس کر لیں۔ پھر انہیں ایک نان اسٹک پین میں درمیانی آگ پر

آدھا کلو
ایک کھانے کا چمچ
آدھا کپ
ایک کھانے کا چمچ
چوتھائی چائے کا چمچ

اجزاء
بکرے کی کلجی
ادرک لہسن کا پیسٹ
پیاز (تلی ہوئی)
لال مرچ (پسی ہوئی)
ہلدی

READING
section

پکائیں اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہلاتے رہیں۔ پھر ڈھانپ دیں اور تقریباً بیس سے پچیس منٹ تک اسی طرح پکائیں۔ آخر میں پیاز کا ایک ٹکڑا لے کر اس پر کونکہ رکھیں اور اوپر سے تھوڑا سا تیل ڈال کر پین کو ڈھانپ دیں۔ کچھ ہی سنٹ بعد کونکہ نکال کے چانپوں کو تازی سبزیوں کے ساتھ پیش کریں۔

ماہ جنہیں سلیمان..... ڈیرہ غازی خان
درباری برین مصالحہ

اجزاء:

بکرے کا مغز

تیل

پیاز (کٹی ہوئی)

ادرک لہسن کا پیسٹ

لال مرچ (پسی ہوئی)

نمک

دہی

ٹماٹر (کٹے ہوئے)

فریش کریم

گرم مصالحہ

ہری مرچ (کٹی ہوئی)

ہر ادھنیا (کٹا ہوا)

ادرک

ترکیب:-

بکرے کے مغز کو دھو کر ان کی رگیں نکال دیں۔ یک پین میں تیل گرم کر کے پیاز فرائی کریں، یہاں تک کہ وہ لائٹ گولڈن ہو جائے۔ اب اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک، پسی لال مرچ، ٹماٹر اور دہی شامل کر کے اچھی طرح فرائی کریں، یہاں تک کہ تیل اوپر آجائے۔ پھر اس میں مغز ڈالیں اور ڈھک کر دس منٹ کے لیے پکالیں۔ آخر میں فریش کریم، گرم مصالحہ، ہر ادھنیا، ہری مرچ اور ادرک ڈال دیں۔ پھر نان کے ساتھ سرو کریں۔

ردافاطہ..... چیچہ وطنی

حیدر آبادی مٹن

اجزاء:

بکرے کا گوشت

۵۰۰ گرام

کچا پیتا

دہی

ٹماٹر کا پیسٹ

ثابت گرم مصالحہ

پیاز (تل کر پیں لیں)

ادرک لہسن کا پیسٹ

نمک

لال مرچ (پسی ہوئی)

ہلدی

سفید زیرہ (بھون کر پیں لیں)

گرم مصالحہ

اورنج کلر

پودینے کے پتے (باریک کاٹ لیں)

کڑی پتے

ہری مرچ

تیل

ترکیب:-

بکرے کے گوشت کو کچا پیتا، دہی، ٹماٹر کا پیسٹ، ثابت گرم مصالحہ، پیاز، ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک، پسی لال مرچ، ہلدی، سفید زیرہ، گرم مصالحہ، اورنج کلر اور پودینے کے پتے کے ساتھ میری بیٹ کر کے چار گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب تیل گرم کر کے اس میں ہری مرچ اور کڑی پتے ڈال کر ہلکا سا فرائی کریں۔ پھر اس میں میری بیٹ کیا ہوا گوشت ڈال کر ڈھکیں اور بیس منٹ کے لیے پکائیں۔ ضرورت ہو تو تھوڑا سا پانی شامل کر دیں۔ آخر میں اسے نان کے ساتھ سرو کریں۔

ترہت جبین ضیاء..... سراپا

ملن اسٹیم

اجزاء:

بکرے کا گوشت

نمک

سرکہ

ادرک لہسن کا پیسٹ

لال مرچ (پسی ہوئی)

گرم مصالحہ

ایک کلو

حسب ذائقہ

دو کپ

دو کھانے کے چمچ

دو کھانے کے چمچ

ایک کھانے کا چمچ

خشک کر لیں۔ پھر اس میں مٹر اور مکھن شامل کر کے مکس کر لیں اور گرم گرم سرد کریں۔

امبرین فاطمہ..... حسن ابدال
بھاری دم گوشت

زیرہ (پسا ہوا)
جائفل پاؤڈر
دہی
چاٹ مصالحہ
تیل
ایک کھانے کا چمچ
آدھا چائے کا چمچ
ڈیڑھ پاؤ
دو کھانے کے چمچ
فرائنگ کے لیے

اجزاء:

ترکیب:-

بکرے کے گوشت میں نمک، سرکہ اور اورک لہسن کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ ایک پیالے میں پسی لال مرچ، پنا گرم مصالحہ، پنا زیرہ، جائفل پاؤڈر، دہی اور چاٹ مصالحہ اچھی طرح مکس کریں۔ اس کے بعد گوشت کو فرائی کر لیں۔ پھر دہی والے مصالحے میں کوننگ کر کے اسٹیمر میں رکھ دیں۔ گوشت گل جائے تو سرد کریں۔

روینہ شاہین..... پاک پن
منشن شینکس کباب

اجزاء:

میدہ
تیل
لہسن کے جوئے
گاجر (کٹی ہوئی)
پیاز (کٹا ہوا)
ٹماٹر کا پیسٹ
تھام
نمک
کالی مرچ (پسی ہوئی)
مکھن
مٹر (آبلے ہوئے)

تین کھانے کے چمچ
ایک چوتھالی کپ
دو سے تین عدد
ایک عدد
ایک عدد
دو کھانے کا چمچ
آدھا چائے کا چمچ
حسب ذائقہ
آدھا چائے کا چمچ
ایک کھانے کا چمچ
ایک کپ

ترکیب:-

پہلے بکرے کے گوشت میں میدہ لگا کر ایک طرف رکھ دیں۔ اب ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے لہسن کے جوئے شامل کر کے تھوڑا سا پکائیں۔ پھر اس میں بکرے کا گوشت شامل کر کے اتنا بھونیں کہ اچھا سا گولڈن کلر ہو جائے۔ اب اس میں گاجر، پیاز، ٹماٹر کا پیسٹ، تھام، نمک اور پسی کالی مرچ شامل کر کے ایک سے دو منٹ تک مزید پکائیں۔ پھر اس میں ایک کپ پانی شامل کر کے ڈھک کر دم پر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ پچیس سے تیس منٹ بعد ڈھکن ہٹا کر خوب اچھی طرح

بیف فلی

دہی

پیتا پیسٹ

پیاز (تلی ہوئی)

اورک لہسن پیسٹ

مسٹرڈ آئل

ہلدی پاؤڈر

گرم مصالحہ پاؤڈر

لال مرچ (کٹی ہوئی)

چٹا مال پاؤڈر

سفید زیرہ

نمک

تیل

ترکیب:-

پیالے میں بیف، دہی، پیتا پیسٹ، تلی ہوئی پیاز، اورک لہسن پیسٹ، مسٹرڈ آئل، ہلدی، گرم مصالحہ پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر، پسی ہوئی چنے کی دال، سفید زیرہ اور نمک شامل کر کے ملا لیں۔ اچھی طرح ملا کر پندرہ منٹ کے لیے ایک طرف رکھ دیں۔ بیف کو گل جانے تک اسٹیم کر لیں اور کونسلے کا دھواں دیں۔ تیل گرم کر کے گوشت کو فرائنگ پین میں دو سے تین منٹ کے لیے فرائی کر لیں۔ اب اسے ڈش میں نکال کر لیموں، سلاد کے پتوں اور پیاز کے رنگز کے ساتھ گارنش کر کے سرد کریں۔

جویریہ ضیاء..... کراچی

کشمیری دہی گوشت

اجزاء:-

گوشت انڈر کٹ

تیل

پیاز (باریک کاٹ لیں)

دہی

ایک کلو

ایک پیالی

تین عدد

ایک پیالی

READING
Section

لال مرچ (ثابت اور بجلی ہوئی)

ادرک لہسن پیسٹ

سفید زیرہ

دھنیا (ثابت)

کالی مرچ (ثابت)

ہری مرچ

نمک

مکھن آدھا

نیچنی کے لیے:-

پیاز (ثابت)

لہسن (ثابت)

ادرک

دار چینی

دھنیا (ثابت)

نمک

ترکیب:-

نیچنی کے لیے ایک دیکھی میں تین پیالی پانی، انڈرکٹ، ثابت پیاز، ثابت لہسن، ادرک، دار چینی، ثابت دھنیا اور نمک ڈال کر اہال لیں۔ پانچ سے دس منٹ کے بعد گوشت الگ کر کے نیچنی چھان لیں۔ اب ایک دیکھی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز گولڈن براؤن کریں اور نکال کر نشو پر پھیلا دیں۔ پھر تیل میں گوشت ڈال دیں۔ اس کے بعد دہی اور پیاز کو ملا کر بلینڈر میں پیس لیں۔ جب گوشت کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں دہی ڈال دیں۔ پھر لال مرچ، ادرک لہسن، سفید زیرہ، ثابت دھنیا، ثابت کالی مرچ اور ہری مرچ کو پیس کر شامل کر دیں۔ پھر نمک ڈال کر ہلکا سا بھون لیں اور نیچنی ڈال کر ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔ جب تیل اوپر آ جائے تو مکھن ڈال کر دس منٹ دم پر رکھیں۔ مزے دار دہی کشمیری گوشت گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

ندایا سین..... بفرزون، کراچی

مغز کڑا ہی

اجزاء:

گائے کا مغز

تیل

پیاز (باریک کٹی ہوئی)

ایک عدد

حسب ضرورت

۲ عدد

آدھی پیالی

ایک کھانے کا چمچ

ایک چائے کا چمچ

ایک کھانے کا چمچ

دو کھانے کے چمچ

دو عدد

ایک گٹھی

۳ عدد

۲ کھانے کے چمچ

حسب ذائقہ

دہی

ادرک لہسن کا پیسٹ

گرم مصالحہ (پسا ہوا)

لال مرچ (پسی ہوئی)

دھنیا (پسا ہوا)

لیموں

ہر ادھنیا (باریک کٹا ہوا)

ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی)

ادرک (باریک کٹی ہوئی)

نمک

مغز اہالنے کے لیے

لہسن کے جوئے

کالی مرچ

ترکیب:-

پہلے گائے کے مغز کو پانی کے ساتھ ایک دیکھی میں ڈالیں۔ ساتھ ہی اس میں لہسن کے جوئے اور کالی مرچ ڈال کر اہال لیں۔ پھر نکال کر اس کی رگیں صاف کریں اور جھلی اتار کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ اب کڑا ہی میں تیل گرم کر کے پیاز گولڈن براؤن کریں اور آدھی نکال لیں۔ اس کے بعد آدھی پیاز میں دہی، ادرک لہسن کا پیسٹ، گرم مصالحہ، نمک، لال مرچ اور پسا دھنیا ڈال کر اچھی طرح بھونیں اور مغز شامل کر دیں۔ ساتھ میں لیموں کا رس ڈال دیں اور چمچ نہیں چلائیں۔ کڑا ہی کو پکر کر ہلاتے رہیں، یہاں تک کہ تیل اوپر آ جائے۔ آخر میں اس میں ہر ادھنیا، ہری مرچ اور ادرک ڈال دیں۔ اس کے بعد باقی بچی پیاز ڈال کر سرو کریں۔

انصی بنت سعید..... لاہور



بیوی کا تہیہ

روبین احمد

تک گیلے ہاتھوں سے چہرے اور گردن پر مساج کریں اور پانچ منٹ کے لیے چھوڑ دیں اور فیشل اسپنچ سے صاف کر لیں۔

آئیزہ کسی غیر دھاتی پیالی میں بنائیں اور پلاسٹک کا چچہ استعمال کر لیں پھر برش کے ساتھ گردن سے شروع کر کے اوپر رخ پر تمام چہرے پر لگائیں آئیزہ پندرہ سے بیس منٹ تک چہرے پر لگا رہنے دیں پھر فیشل اسپنچ سے صاف کر لیں دو چائے کے چمچے لڈ ماسک اور تین کھانے کے چمچے عرق گلاب اچھی طرح ملائیں۔ اس آئیزہ کو چہرہ پر لگائیں اور خشک ہونے پر ٹھنڈے پانی سے دھو لیں چہرے کو تھپک کر خشک کریں۔

چکنی جلد کے لیے اسٹریپٹ اور نارل جلد کے لیے اسکن ٹانک کاشن سے چہرے پر لگائیں آخر میں دٹامن ای کریم انگلیوں کی مدد سے چہرے پر لگائیں۔ فیس پالشنگ مہینے میں ایک دفعہ ضرور کرنی چاہیے۔

پیڈی کیور

اشیاء:-

بلیچ پاؤڈر، کولڈ کریم، روئی، تولیہ، جمانو، مٹی کیور کٹ، پیڈی کیور اسٹک۔ طریقہ:-

سب سے پہلے ٹب میں نیم گرم پانی لیں اس میں بلیچ پاؤڈر ڈالیں اور دونوں پاؤں اس میں ڈبو میں تقریباً دس سے پندرہ منٹ کے لیے۔ اس کے بعد پاؤں جمانوے کی مدد سے صاف کریں، ایڑیاں اچھی طرح رگڑیں۔ ناخنوں کو اسٹک کی مدد سے کاٹیں اور صیپ دیں۔ پاؤں پانی سے نکال کر تولیے سے صاف کریں اور کولڈ کریم سے پورے پاؤں پر مساج کریں۔

آخر میں چاہیں تو سوسکوٹ لگا کر نیل پالش لگائیں اب آپ کے پاؤں صاف ستھرے اور خوب صورت ہو گئے ہوں گے ہر ہفتے کم از کم یہ عمل ضرور کریں۔

مہینی کیور

اشیاء:-

کولڈ کریم، اسکرپ، کاشن، تولیہ، مٹی کیور کٹ، نمک، دن ٹی اسپون، پتھری، شیمپو، شائے۔ طریقہ:-

خواتین کی سچ دھج

عید کی آمد پر خواتین کی تیاریاں اپنے پورے عروج پر پہنچ چکی ہوتی ہیں۔ ہر کوئی اپنی سچ دھج میں باکمال نظر آنا چاہتا ہے خواتین کی سچ دھج میں میک اپ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے جو ان کے چہرے کو چاند چہرہ بنائے۔

بے رونق چہرہ بھی میک اپ کی مناعی سے دلکش اور دل آویز ہو جاتا ہے۔ عید کا دن جو جھکتے دھکتے چہروں کا دن ہے بھلا وہ میک اپ کے بغیر کیسے مکمل ہو سکتا ہے۔ آپ کا لباس خوب صورت ہے اور جیولری بھی شان دار لیکن اگر آپ کا چہرہ پھیکا اور بے رونق ہے تو آپ کے لباس اور جیولری کا حسن باند پڑ جائے گا کیوں کہ لوگوں کی پہلی نظر چہرے پر ہی پڑتی ہے۔ عید کے دن نیا لباس زیب تن کرنے کے بعد چند لمبے آئینے کے سامنے بیٹھیں اور اپنے چہرے کے حسن کو نکھارنے اور اس میں دلکشی پیدا کرنے کے لیے ہلکا پھلکا میک اپ ضرور کریں جو آپ کو اس حسین تہوار کا حسین جز بنا دے گا۔

میک اپ سے پہلے یہ بات یاد رکھیں کہ کلینزنگ، فیشل اور بلیچ ہمیشہ عید سے دو روز پہلے کریں۔

فیس پالشنگ

اشیاء:-

اسکین شائزر
سوٹمنگ لوشن
بلیچ پاؤڈر، مائلڈ
آکسی ڈائزنگ ایکٹیشن
نمک دودھ
ٹالکم پاؤڈر
روغن بادام، روغن جیل یا کوکونٹ آئل دو یا تین قطرے۔

طریقہ:-

کلینزنگ ملک کو روئی کی مدد سے چہرے پر لگا کر چہرے کی صفائی کریں۔ مٹی ایکشن کلینزر سے پانچ منٹ

سب سے پہلے ایک پیالے میں نیم گرم پانی میں نمک، پھٹکری اور شیمپو ڈالیں۔ اب اس پانی کو ٹب میں ڈال لیں اور دونوں ہاتھوں کو اس میں ڈبو میں تقریباً دس منٹ تک اسی طرح رکھیں پھر ایک ٹوتھ برش کی مدد سے ناخنوں کو اندر اور باہر سے صاف کریں اس کے بعد ہاتھوں کو پانی سے نکال کر تولیے سے خشک کریں اور مٹی کیورکٹ میں موجود اسٹک سے ناخنوں کو صاف کریں۔

اب کولڈ کریم سے انگلیوں کا مساج کریں ہر انگلی پر دس مرتبہ مساج کریں اور مساج کرنے کا رخ اوپر کی جانب ہو۔ انگلی کے جوڑ پر گولائی میں مساج کرنا چاہیے ناخنوں کو بھی اچھی طرح صاف کریں۔

کولڈ کریم کے بعد اسکرُب سے مساج کرنا ضروری ہے تاکہ مردہ جلد صاف ہو جائے پھر روئی سے صاف کر لیں۔

لب پنسلز

لب پنسلو سے لب کو ہیپ دیں جس کلر کا سوٹ ہو اس کے مطابق لب پنسل لگائیں ہونٹوں کو ہیپ دینے کے لیے اندر کی طرف لب پنسل یا باہر کی طرف لگائیں۔ موٹے ہونٹ ہو تو لائن اندر کی طرف دیں اگر باریک ہونٹ ہوں تو آؤٹ لائن باہر کی طرف کر کے لگائیں تاکہ ہونٹ خوب صورت نظر آئیں پھر اس کے بعد لب اسٹک لگائیں۔

فیس شائزر

چہرے کی چمک اور خوب صورتی کے لیے فیس شائزر لگایا جاتا ہے۔ میک اپ کے بعد آخر میں فیس شائزر کاٹچ دیں۔

نیل پالش

سوٹ کے ساتھ میچنگ نیل پالش لگائیں نیل پالش لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ناخن کے درمیان میں ایک برش لگائیں پھر دونوں سائیڈز پر اس طرح یہ خوب صورتی سے لگے گی اور اسکن پر ٹچ نہیں ہوگی۔ ناخن کے درمیان میں ایک برش پھر ایک برش دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف لگائیں۔

گلیٹر

گلیٹر ہر رنگ میں دستیاب ہے۔ ہمیر اسٹائل بنانے کے لیے بعد میں جیل کے گلیٹر لگائیں یہ ویسے بھی چمڑکا

جاسکتا ہے۔

اسٹک

میک اپ کے لیے اسٹک اپنے کلر کو دیکھتے ہوئے استعمال کریں یا دو یا تین اسٹک ملا کر لگائیں تاکہ اچھا شیڈ آئے اور بیس اچھی بنے بالکل گوری نہ بنے۔

فیس پاؤڈر یا پین کیٹ

گرمیوں میں ہم پین کیٹ استعمال کریں گے کیونکہ یہ دائرہ میں ہے اور اسپینج کو گیلا کر کے استعمال ہوتا ہے۔ پسینے کے ساتھ بیس نہیں اترتی چاہیے کتنا ہی ٹائم گزر جائے۔

آئی شیڈز

آئی شیڈز ہمیشہ سافٹ لگائیں آئی شیڈز پوری آنکھ پر بھی ہوتے ہیں اور کارنر پر بھی یا آپ فیشن کے مطابق استعمال کریں۔

آئی لائنر

آئی لائنر آنکھ کے اوپر پلکوں کے قریب لگایا جاتا ہے۔ ایک طریقہ بالکل سیدھا ہے دوسرا لمبا پھر موٹا پتلا آنکھ کی ہیپ کے مطابق لگایا جائے۔ آج کل ایک لائنر دستیاب ہے اور اس کا رزلٹ بھی اچھا ہے۔ لائنر آنکھ کے نیچے لگائیں اس سے آنکھ خوب صورت نظر آتی ہے۔

مسکارا

پلکوں کو گھٹنا اور خوب صورت کرنے کی لیے مسکارا لگایا جاتا ہے۔ یہ آج کل مارکیٹ میں ہر کلر میں دستیاب ہے مسکارا کو ان دنوں لے لیں تو بہت اچھا ہے جس کے ایک سائیڈ پر ٹرانسپیرنٹ مسکارا لگائیں جب یہ خشک ہو جائے تو پھر بلیک لگائیں۔ اس طرح پلکیں معنی خوب صورت لگیں گی اور مصنوعی پلکیں لگانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔



عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی

عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی

عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی

مقتل بھری زندگی
تم نے دیکھے ہیں وحشی ہواؤں کے گھر
تم نے دیکھی ہے مقتل بھری زندگی
جن میں لوگوں کی لاشیں بھی سڑکوں پر ہیں
ایک مزدور فٹ پاتھ پر پڑا ہے
باپ ماں بہن بھائی بھی مفلوج ہیں
لاش جس کی اٹھانا بھی جرم ہے
ایک بھائی کمانے گیا تھا کہیں
جس کے کپڑوں کا رنگ بھی سفید سا تھا
اب تو کپڑوں کا رنگ بھی بدل سا گیا
سرخ کپڑوں میں لپٹی ہوئی لاش ہے
بھائی بہنوں سے کیسے جدا ہو گئے
یہ کمانے گئے تھے کہاں کھو گئے
موت کی وادیوں میں مگر سو گئے

فریدہ فری..... لاہور

اے دوست!
اے دوست! تمہیں کیا بتائیں کیا ہو جاتا ہے
جب سمندر شور مچاتا ہے
جب ہر سواندھیرا چھا جاتا ہے
جب کسی کی آنکھ میں آنسو آ جاتا ہے
جب کوئی حالات کے ہاتھوں مارا جاتا ہے
اے دوست! تمہیں کیا بتائیں کیا ہو جاتا ہے
جب ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے
جب انسان نیکی کرنے سے گھبراتا ہے
جب سوالی خالی ہاتھ چلا جاتا ہے
جب قلم سچ لکھنے سے قہر قہراتا ہے
جب کوئی بے غیر جرم کے سزا پاتا ہے
اے دوست! تمہیں کیا بتائیں کیا ہو جاتا ہے
جب انصاف حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے
جب دشمنی میں کوئی حد سے بڑھ جاتا ہے
جب حب الوطنی کا فقدان نظر آتا ہے
جب ہر کوئی پریشان نظر آتا ہے

اے دوست! تمہیں کیا بتائیں کیا ہو جاتا ہے
جب جذبہ تعمیر ختم ہو جاتا ہے
جب کوئی اپنا ہی پرایا بن جاتا ہے
جب ہر طرف دوغلا پن نظر آتا ہے
جب کوئی محنت کی عظمت کا سبق بھول جاتا ہے
اے دوست! تمہیں کیا بتائیں کیا ہو جاتا ہے
دل تڑپ سا جاتا ہے
سائیں رک سی جالی ہیں
آنکھیں نم ہو جاتی ہیں

رانی کوثر رانی..... ہری پور ہزارہ

مجھ کو تم یاد آتے ہو
جب چھاجوں میں رہتا ہے
مجھ کو تم یاد آتے ہو
جب قطرہ بارش کا مجھ سے ٹکراتا ہے
مجھ کو تم یاد آتے ہو
جب کوئی تمام کر ہاتھ کسی کا چلتا ہے
مجھ کو تم یاد آتے ہو
جب کوئی پیار بھرا سکراتا ہے
مجھ کو تم یاد آتے ہو
دیکھ کر جب بھنورے کو پھول شرمائے تو
مجھ کو تم یاد آتے ہو
جب ہوا مجھ سے کر گزرے کوئی سرگوشی
مجھ کو تم یاد آتے ہو
ہنستے ہنستے جب ہو جائیں آنکھیں گیلی
مجھ کو تم یاد آتے ہو
میری وحشتوں کو بڑھاتی ہے تنہائی
جب مجھ کو تم یاد آتے ہو
اور پھر پہرہاں رلاتے ہو
مجھ کو تم یاد آتے ہو

راجہ افضل خان..... کراچی

کبھی عشق ہو تو پتا چلے
بسا طواں پر عذاب اترتے ہیں کس طرح سے

READING
Section

آج لفظ کچھ روٹھے سے لگے
سب جذبے جھوٹے سے لگے
کبھی یادوں کے چہرے
دھندلے سے لگے
تم بھی تو اکتائے سے لگے
ہاں یہی وجہ ہے شاید
کہ تیری مسکراہٹ پر
تو لکھتی ہوں سبھی نظمیں
کبھی غزلیں
اب تیری اس اکتاہٹ پر
میں لکھوں کیا بھلا جاناں؟
ایسا بے بسی پر
بجھل سے تھی مسکائی
بہت کوشش کے باوجود
میں کچھ بھی لکھ نہیں پائی

ملا بھٹی رانا.....

اے چاند

اے چاند.....

ہزاروں لوگوں کے پیغام دیتا ہے تو
ہزاروں دلوں کی دھڑکن ملاتا ہے تو
ایک میری بھی گزارش ہے
سن لو تو عنایت ہے
ایک پیغام دیتا ماری کا
کہنا کے لوٹاؤ
عید آنے والی ہے
کوئی اس طرح کرتا ہے
پیار میں یوں خوار کرتا ہے
کہنا کے لوٹاؤ التجا ہے
کہ تجھے دیکھے بنا.....
آج بھی کوئی عید نہیں کرتا

ماری یا سمیں..... سرگودھا

غزل

کنول چوہدری..... شادی وال گجرات
غزل

دل ہے اک نادان بچہ عشق اک گھاگ شکاری
پھنس کے اس کے جال میں میں تو تن من اپنا ہاری
بری بلا ہے یارو مجھو دور رہو تم اس سے
عشق کرے جو آدم زاد سے کہلائے آواری
آج تو ہاتھ بڑھاؤ گے تم ہنس کر اس کی جانب
سینہ نہ یاد پڑیں جو دل پر ضریں اس کی کاری
دیکھو! دعا سے عبرت کچھ ہاتھ نہ اس کے آنا
دل کو گریہ روگ لگا دے سانس سے ہو بے زاری
دعا سے سحر..... فیصل آباد

لظم
تو مجھے اذن دے میں تیرے حسن پر
شعر کہنے لگوں

ترے اوصاف کو ترے کردار کو
خوب صورت فسانوں میں بھرنے لگوں
بھولے سے ایک شب میری چوکھٹ پتا
میں ستاروں کو تجھ پر نچھاور کروں
قافہ انجان کے اے حسین شاہ زادے
ادھر سے گزر

ارض دل پر اتر شہر جاں میں ٹھہر
تو میں پھولوں کی مانند مہکتے لگوں
تو نظر تو اٹھا تو قدم تو بڑھا
صورت منزلاں منظروں میں رہوں
وقت کی دھوپ میں جب پکھلنے لگوں
لوڑھ کر رہ تجھ پر رہنے لگوں
اے میرے بے خبر تو اجالت تو دے
شاہن کر میں تجھ پر حکومت کروں

انا احب..... گجرات

لظم

آج لکھنے جو بیٹھی تو
بہت حیرت ہوئی مجھ کو

جیون ادھورا ہے

سنو.....

جاناں.....

سامی.....

دوست.....

تم نے کیا کہا تھا کچھ یا وہ تمہیں؟

میرا ہاتھ تھام کر ایک وعدہ کیا تھا

سارا جیون ساتھ نبھانے کا

ایک دوجے کو تھام کر لیے سفر پر جانے کا

زندگی کی آخری سانس تک ساتھ نبھانے کا

آ کر یہ کیا.....؟

تم وعدہ وفانہ کر سکے

تم نے مجھے سچ منہ ہار میں چھوڑ دیا

بالکل اکیلا..... تنہا..... بے بس

میں اب تمہارے بنا بالکل اکیلی ہوں

میرا جیون ادھورا ہے

مسز نگہت غفار..... کراچی

آنچل کے لیے دل کے نعرے

واہ کیا بات ہے آنچل کی

آنچل دلوں کا نیٹ ورک

آنچل سب کہہ دو

آنچل ٹاک شاک

آنچل کیونکہ یہ اپنا ہے

آنچل ہر دل پر دن

آنچل دل مانگے اور

آنچل دنیا بدل والوں کی

آنچل نہ لیا تو پھر کیا جیا

آنچل من کی پیاس بجھائے

آنچل تم ہی تو ہو

آنچل فریش زبان پر رکھے لگام

آنچل ہر لمحہ زندگی

آنچل جیو جی بھر کے

مہر مدار شد بٹ..... گو جرنال والہ



آج پھر سے وہ گڑیا بنالے مجھے
وقت بے درد ہے بے رحم ہے
جسے گزری ساعتوں میں ڈھالے مجھے
ڈرتی ہوں چاندنی راتوں سے اکثر
بھاتے نہیں دن کے اجالے مجھے
یہ زمین بھی بہت سمٹنے لگی ہے
ایسے خدا! اب تو اٹھالے مجھے
چندا پھر سے ہو مگر گھر وندے کا کھیل
پھر سے میری ماں بلا لے
چندا چوہدری.....

اک راز

چہار سو ہیں نغمے تلاش ہے پیار کی

جسے خزاں نہ آ سکے تلاش اس بہار کی

ڈھونڈو تو جان جاؤ گے ابدیت کا راز کیا

سمجھئے تو پاؤ گے جو جانتا راز کی

میں ہلبل نالہ ہوں اس حتمی حیات کا

جو ہو سکے تو صاف کر گرد دل غبار کی

ترتیاں بھی یاد گے منزلیں بھی آئیں گی

پیروی کرو جو کسی شخص پر وہار کی

منہ چھوٹا اور بات بڑی لیکن یہ سچ ہے

ہم چل رہے ہیں اسے کوڑ ٹوک پر تلوار کی

کوڑ خالہ..... جزا والہ

غزل

سزا پر چھوڑ دیا کچھ جزا پر چھوڑ دیا

ہر ایک کام کو میں نے خدا پر چھوڑ دیا

وہ مجھ کو یاد رکھے گا یا بھلا دے گا

اسی کا کام تھا اس کی رضا پر چھوڑ دیا

اب اس کی مرضی بجھا دے یا جلا رکھے

چراغ ہم نے جلا کر ہوا پر چھوڑ دیا

اب اس سے بات بھی کرتے تو کس طرح کرتے

یہ مسئلہ انا کا تھا انا پر چھوڑ دیا

سمیہ کنول..... بھیر کنڈا سمیہ

دوست کلینک کے آگے

بہما احمد

ایس انمول بھابھڑہ شریف کے نام
السلام علیکم! پیاری دوست کیسی ہیں آپ؟ آپ کا تعارف پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اللہ پاک آپ کی دلی مراد پوری کرے اور آپ کو ہر دکھ سے دور رکھے آمین۔ بہنا میری بھی بہت حسرت ہے کہ اللہ پاک کے گھر کی زیارت کروں ان شاء اللہ اپنے ای ابو کے ساتھ ضرور جاؤں گی اور آپ کو بھی اللہ پاک اپنے گھر کی زیارت نصیب فرمائے آمین۔ پیاری بہنا آپ بہت لگی ہیں کہ آپ کی اتنی بہنیں ہیں کاش میری بھی دو تین بہنیں ہوتیں۔ میری ایک بہنا ہے وہ بھی مجھ سے چھوٹی ہے۔ اللہ آپ کے گھر کی خوشیوں کو ہمیشہ سلامت رکھے آمین اور آپ کی مٹنی بھی ہو چکی ہے آپ کو بہت بہت مبارک ہو کب کر رہی ہیں شادی؟ میرا دل چاہتا ہے میں آپ کو دیکھوں آپ سے ملوں کیونکہ میری زیادہ دوستیں نہیں ہیں۔ پہلی دوست آپ ہی ہیں اللہ پاک آپ کو بے عمر دے اور خوشیوں سے آپ کا دامن بھرا رہے اور ہر موڑ پر ہر امتحان میں اللہ آپ کو کامیاب کرے آمین۔ اب اجازت اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔

شمع فیاض..... بستی بزدار

دل میں بسنے والوں کے نام

السلام علیکم! میری سویت اینڈ کیوٹ فرینڈز کیسی ہو سب؟ بہت اچھی بہت فٹ فاٹ ہوں گی آپ ہیں ناں۔ اب آپ کہیں گی اسے کیسے پتا تو جناب ہم جیسے لوگ جن کے ساتھ ہوں وہ اچھے نہ ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ صوفشاں، مہک، انعم، سادیہ کبھی ملنے ہی آ جاؤ بہت دل اداس ہے آپ سے۔ انعم پڑھا کو کیسی جا رہی تمہاری اسٹڈی؟ اور ہاں اب میرا احترام کیا کرو آخر کو ہم نے استانی صاحبہ کا درجہ حاصل کر لیا ہے ہا ہا۔ سلمی اللطاف تم میری ہر بات پر یقین کرتی ہو شکریہ بھی آؤ نا چارے گھر۔ سلمی شاہ کہاں غائب ہو؟ آپ سب کے

لیے بہت سی دعائیں آپ کی لاڈلی۔

اسماء نور عشا..... بھونچ پور

بہن بھائیوں کے نام

ہیلو جی! السلام علیکم کیا حال ہیں سب کے؟ بہت خوشی ہوئی آپ سب کے نمبرز دیکھ کر کیونکہ مجھے امید تھی کہ آپ پرویز سائنس اکیڈمی کا نام ضرور روشن کر دے گے۔ مقدس میڈیم اتنے زیادہ مارکس ماشاء اللہ مبارک ہو اور سلمان بھائی، شام، کلیم، کشف، سعدیہ، ندا، مہرین، بلال بھائی، بختیار، غزل، نعمان بھائی، ندیم بھائی، علی نعمان بھائی، علی زوار بھائی، جانیٹا، ردا، اُجالا، ولید، گوندل بھائی، ارے اور نام یاد نہیں آ رہے۔ سب کو میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو او 10th میں بھی اچھے نمبرز لینے ہیں سب نے۔ 9th کا رزلٹ قابل شک ہے میرے لیے خیر اور اچھی محنت کرنی ہے سب نے تاکہ آپ لوگ زندگی کے ہر امتحان میں ایسے ہی کامیاب ہو مبارک ہو میرے بہن بھائیوں۔

ریا احمد..... چکوال

آنچل گرلز کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں جی سب؟ آنسہ شبیر بہت عرصے بعد آپ کا نام دیکھ کر اچھا لگا۔ ریا احمد اور صبیحہ کمال آپ دونوں نے 9th میں کتنے نمبرز لیے؟ دھماکہ خیز ہستی (بیہ رائے) آپ نے انٹر میں کتنے مارکس لیے ہیں اور کیا حال چال ہیں؟ دعائے سحر آپ نے اس ماہ کس خوشی میں سب سلسلوں سے چھٹی کی اور آپ کیسی ہیں؟ باقی سب بچیوں، باجیوں اور آئیٹیوں کو سلام اور دعائیں اللہ حافظ۔

ناظمہ بھٹی..... دہاڑی

اٹالین پرنس ایمان علی کے نام

السلام علیکم مائی کیوٹ اینڈ سویت فرینڈ کیسے ہو؟ یقیناً بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ یکم اکتوبر کو آپ کا برتھ ڈے ہے، دھنک یو آ ویری دیری پپی برتھ ڈے اینڈ مینی مینی پپی ریٹرنز آف واڈے۔ یہاں پر آپ کے اناکل میں بھی کہہ دیتی ہوں (ڈمیردوں ڈمیر مارکاں) ہو گیا نا سر پرائز! ہمیشہ خوش رہو سدا مسکراتے بلکہ قہقہے لگاتے رہو۔ اپنا بہت خیال رکھا

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 292

READING
Section

کریں اور ہاں ریسرچ لیبارٹری میں رہ رہ کر مائیکرو اسکوپ جیسے مت ہو جانا لیبارٹری کے ٹھنڈے اور اندھیارے ماحول سے باہر نکلنا اور باہر کی دنیا کی بھی کچھ ہوا لیا سونگنی پاکستان کی آپ کو یقیناً میرا کنٹری بہت پسند آئے گا (میری شادی پر ضرور آنا اوکے)۔
اچھا اب چلتی ہوں اللہ حافظ۔

مار یہ پارس خان..... فیصل آباد
سوئیٹ برادر بلال اجمل کے نام

سب سے پہلے تو بہت بہت عید مبارک قبول ہو اس کے بعد سالگرہ مبارک ہو اللہ آپ کو صحت و تندرستی والی لمبی زندگی دے آمین۔ ہم سب آج کے دن بہت ایموٹنل ہیں عید بھی ہے اور ہمارے بھائی کا برتھ ڈے بھی ہے کتنا مزا آتا تھا جب ہم سب بہنیں آپ کو بارہ بجے وش کرتے تھے سر پر انز پارتی دیتے تھے ماما پاپا بار بار ایموٹنل ہو کر کہہ رہے ہیں۔ ہمارا بیٹا وہاں اکیلا ہوگا آج کے دن اور ہمیں یاد کر رہا ہوگا اور آپ کی بہنیں بھی ساتھ ہی ماما پاپا کے رورو کے ہاں میں ہاں ملا رہی ہیں۔ صرف ایک میں ہی ہوں جو سب کو کہہ رہی ہوں اوائے سارے چپ کر جاؤ رولا نہ پاؤ۔ بلال اجمل ”اوتھے موجاں وچ آئے“ اور میرے بھائی کو کسی کی یاد نہیں آتی بس میری آتی ہے اوائے اب کچھ بولنا صحن میری عزت رکھ لینا۔ خیر آپ کتنے بھوکے ہو ہر برتھ ڈے پر ہم کیک لاتے ہیں تو کاٹتے ہو اس بار خود کیک لا کر کاٹنا اسکا پ پر ہمارے سامنے کاٹنا پاکستان میں آپ کے حصے کا میں کاٹ لوں گی۔ تم جانتے ہو ہم اتنے ایموٹنل ہوتے ہیں آپ کو یاد کر کے اور کچھ کھانے کو دل نہیں کرتا اور معظمہ عثمان علی سارا کیک کھا جاتے ہیں اکیں آل فیملی کی طرف سے ڈھیروں پیار قبول ہو آپ کی سب سے سوئیٹ سسٹر!

عقلمندی بٹ..... سمندری

فرینڈ طیبہ منیر (مغل) کے نام

السلام علیکم! کیا حال چال ہے میری ننٹ کھٹ سی گولڈن سیب؟ چل اب بس بھی کرو حیران ہونا چھوڑ دو ہاں یہ میں ہی ہوں تمہاری سوٹی اور سناؤ کیسے گزر رہے ہیں شب و روز ہم سب فرینڈز کے بغیر؟ اور یقیناً

اچھے ہی گزر رہے ہوں گے کیونکہ اگر تم کسی کو یاد کرو تو تمہیں پتا چلے کہ دوستوں کے بغیر جینا کتنا مشکل ہے۔ طیبہ رنج میں کالج میں گزر رہے ہوئے وہ پل بہت یاد آتے ہیں جو ہم سب نے ایک ساتھ گزارے تھے اور اسپیشلی گروپ فرینڈز میں بات کرتے ہوئے جو تم رنج میں اپنی فلسفی چھوڑ دیتی تھی بہت یاد آتے ہیں تمہارے فلسفے۔ اب تو فکر مستقبل نے فاصلے بڑا دیئے ورنہ ہم سب دوست ایک ساتھ تھیں ابھی کل کی بات ہے۔ جلدی سے آنچل میں انٹری دو اب تو بس مجھے تمہارا انتظار ہے کہ کب یہ کمال ہوتا ہے۔ شکفتہ شام افضل ارم رباب شام نواز بھلے ہی میرا تم لوگوں سے رابطہ نہیں ہے مگر میں آج بھی اتنا ہی یاد کرتی ہوں جتنا پہلے یاد کیا کرتی تھی۔ شام نواز اکتوبر میں تمہاری برتھ ڈے ہے سو میری طرف سے مٹی مٹی پٹی برتھ ڈے ٹو یو۔ خوش رہو ہمیشہ مجھ سے جدا ہونے کے بعد بھی آمین۔

روٹی وفا..... ماما جیواں

سوئیٹ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! اوجی پہلی بار ہم حاضر ہوئے ہیں تھوڑی سی جگہ ہمیں بھی دے دیں بہت شکریہ جی۔ دیکھی ہماری دھماکہ خیز آمد ہو گئیں نا سب حیران۔ میری جان سے پیاری فرینڈز شبانہ یونس اقصیٰ مشی روبینہ کوثر اور روبینہ رحمن سحرش رحمن آپ لوگوں کے بارے میں لکھنے بیٹھوں تو شاید لفظ ختم ہو جائیں زندگی تمام ہو جائے آئی لو یو تسی سب گریٹ اوجی۔ آپ سب سے گزارش ہے کہ بھی کسی کا دل نہ دکھانا اور روبینہ رحمن یو سو سوئیٹ! تم ایک حسین بندھن میں بندھنے جا رہی ہو مبارک ہو جی۔ میری دعا ہے کہ تمہیں بہت سی خوشیاں ملیں اللہ تمہاری ہر خواہش کو پورا کرے آمین اور فرح طاہر آپ مجھے اپنی سی گتتی ہیں یو سونائس جہاں رہیں خوش رہیں اور بستی ملوک میں آنچل پڑھنے والی لڑکیوں کو عید مبارک دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

ٹوبیہ سحر حسین..... بستی ملوک

سوئیٹ پیچر کے نام

السلام علیکم جی! امید کرتی ہوں آپ خیریت سے

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 293

READING
Section

ہوں گے میں جو آپ کو رو برد کہنا چاہتی ہوں وہ کہہ نہیں سکتی اس لیے میں نے سوچا آنچل کے ذریعہ ہی کہہ لوں۔ خوش رہا کریں، ٹینشن مت لیا کریں۔ ہر چیز کا حل پریشانی نہیں ہوتا ویسے بھی زندگی تو ایک ایسے پودے کا نام ہے جس میں کانٹے بھی ہوتے ہیں اور پھول بھی۔ کانٹوں کے پاس سے گزرنے پر خود آپ سے چٹ جاتے ہیں مگر پھولوں کو خود حاصل کرنا پڑتا ہے اس لیے میری گزارش ہے آپ سے خوش رہا کریں ارے ہاں یاد آیا آپ نے مجھے پہچان لیا۔ کیا ہمیں تو کوئی بات نہیں جب آپ پورا پڑھ لیں گی تو پہچان لیں گی اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

ایس کے.....

چند آپی کے نام

السلام علیکم! ثانیہ آپی کیسی ہیں آپ؟ آنٹی کو ڈھیر سارا سلام۔ آپی جی آپ اپنی خاموشی اب توڑ ہی دیں! آنچل میں انٹری دے کر سچ میں میں انتظار کر رہی ہوں کہ آپ کب آنچل میں لکھ کر مجھے سر پرانزدیتی ہیں پلیز..... آپی میں فلا فلاں کے بچے سے بہت زیادہ ناراض ہوں آپ ان کے کان ضرور کھینچے گا اگر انہوں نے ناراضگی کی وجہ پوچھی تو بتا دیجیے گا کہ اپنے الفاظ پر غور کریں جو مجھ سے کہے تھے ہماری ناراضگی اب بچی میں سچ میں بہت دکھی ہوں ان کی بات سے قسم سے۔ مس یو اینڈ لو یو چند آپی رب راکھا۔

وجیہ بادل..... کہو

پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! دوستو آنسہ، حمیرا، سونیا، حفصہ اور ثانیہ سب کیسی ہو؟ زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں ہی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں تم لوگوں جتنی وفادار نہیں ہوں۔ میری پیاری وفادار (ہمیں) مخلص (جھوٹ) اور ہر پل (دعا) دعا دینے والی دوستو خوب وفاداری نبھاتی ہے جو اتنی جلدی بھول گئی ہو۔ ثانیہ تم نے تو وفاداری کے ریکارڈ توڑ دیے ہیں کیا ہر کسی سے رابطہ کرنے کا ٹھیکہ لیا ہے میں نے جلدی جلدی خود کال کر دی مجھے۔ میری پیاری دوستو تم سب اچھی ہو عصمت یا تم بھی بہت اچھی ہو مگر مجھ سے کم۔ سیراجی

آپ سناںیں مزاج بخیر ہیں آپ کے آپ نے دوستی کی آرزو میں آپ کی آفر قبول کرتی ہوں وہ بھی آنچل کے ذریعے۔ آج سے ہمارے عاشقوں میں ایک نام شامل ہو گیا ہے۔ میری باتیں سن کر آپ نے دوستی کی پیش کش کی ہے میں آپ کو دعوت دیتی ہوں کہ آپ ہمارے گھر آئیں میرے درشن کریں اور اپنے درشن گرائیں۔ مریم اینڈ ثانیہ کیا ہو رہا ہے آج کل یقیناً اچھا ہی ہو رہا ہوگا۔ چلو جو کچھ بھی ہو رہا ہے ساتھ ساتھ مجھے بھی یاد رکھیے گا میں آپ کو بہت یاد کر لی ہوں اوکے فرینڈز دعاؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

اقراء وکیل..... للیانی سرگودھا

آنچل اور اپنی سوئیٹ سی ٹیلی کے نام

السلام علیکم کیسے ہیں سب ماما پاپا، لویلیہ آپی، ذکاء اللہ بھائی اور شکلیہ آپی عبد القدیر بھائی، ابو بکر بھائی، عمر فاروق بھائی، مصباح باجو، مکہ ہادیہ لوز ندیا لوز میری پیاری بھابیز زینب، نسیم آپ سب کو میری طرف سے اور میرے پیارے آنچل کی طرف سے ڈھیروں عید مبارک اور سب کے لیے بہت سی دعائیں اور آنچل سے وابستہ سب لوگوں کو بھی عید مبارک اور ڈھیروں ڈھیرو عنائیں۔ میری دعا ہے کہ تمام ام مسلمہ کو اللہ تعالیٰ سکون عطا فرمائے (وہ بھی نصیب والوں کو ہی ملتا ہے) اگر سکون مل جائے تو کچھ سب کچھ مل گیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو نیک راستے پر چلنے کی توفیق دے اور سب کی جائز خواہشات کو پورا کرے آمین۔

طیبہ نذیر..... شادی وال گجرات

آنچل پر یوں اور دوستوں کے نام

السلام علیکم! دوستو اینڈ پر یوں کیسی ہیں؟ امید ہے سب اچھی ہوں گی میری طرح اور ساتھ ہی یہ بھی امید کرتی ہوں کہ اس بار ہما جی میرے پیغام کو ضرور جگہ دیں گی۔ دوستو! میں نے کئی بار آپ سب کے نام پیغام لکھا جو مجھ سے رخصت ہو کر آپ سب تک پہنچنے سے محروم رہ جاتا ہے مگر اس بار پھر سے کاغذ اور قلم تمام کر بیٹھی ہوں۔ اپنے احساس و جذبات کو لفظوں کی صورت اس پیغام کے ذریعے آپ سب کی نظر کے لیے۔ امید ہے آپ سب بھی اسے دل سے محسوس

کر کے میری فیملی کو سمجھ پائیں گی۔ دل اس وقت عجیب قسم کی کیفیت کا شکار ہے ایک بے نام سی اداسی طاری ہے دل و دماغ پر مگر آپ کی کھٹی میٹھی اور چاہت بھری باتیں سوچ کر ایک اپنے پن کا احساس جاگتا ہے اور اسی احساس کو محسوس کرتے ہوئے آج میں آپ کو یہ پیغام لکھ رہی ہوں۔ سب سے پہلے دعائے سحر کو چندا آپ میری ہر دعا میں شامل ہو آپ جب بھی یاد آتی ہو دل سے یہی دعا نکلتی ہے کہ اللہ آپ کو سچی خوشیاں اور صبر عطا کرے اور آپ کی ماما کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین اور غزل جنت آپ کی ماما کو بھی واقعی آپ کا دکھ بہت بڑا ہے اللہ آپ کو پُر خلوص سچے اور پیار کرنے والے رشتے عطا فرمائے۔ پر دین الفضل جی سب بہنوں کی طرح میں بھی آپ کو اولاد و زینہ کی دعا دوں گی۔ دعا ہے کہ اللہ آپ کو دو کیوٹ سے جڑا بے بی عطا کرے۔ مونا شاہ آپ کا نام دیکھتے ہی ایک معصوم سی پرنسز کی آن بان والی شان ذہن کے پردے پر نمودار ہو جاتی ہے۔ عائشہ پر دیز اور رشک حنا آپ دونوں کی نٹ کھٹ باتیں ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر جاتی ہے۔ رشک حنا آپ کے نام سے مجھے صاف قریا یاد آ جاتی ہے کیا آپ اس کے جتنی حسین ہیں؟ نجم باجی ارم کمال بشری باجوہ حافظہ سمیرا ماریہ کنول ماہی شاہ زندگی سنیاں واقسی زرگر آپ سب کو تمنا کی طرف سے چاہت بھرا سلام۔ شزا بلوچ دلکش مریم فریحہ شبیر سہہ جیا جاناں اینڈ حرا قریشی آپ سب سے انسیت محسوس ہوتی ہے۔ دعا ہے آپ سب ہمیشہ پھولوں کی طرح مہکتی رہیں آپ کی زندگی میں کبھی کوئی غم نہ آئے آمین۔ طیبہ نذیر بہنا آپ مجھے کافی سنجیدہ نیچر کی لگی ہیں اس لیے ہمیشہ آپ کو مخاطب کرنے سے گریز کرتی رہی پر آج ہمت کر ہی ڈالی مگر اس عید سروے میں آپ کے جواب پڑھ کر جانا کہ آپ اتنی بھی سنجیدہ نہیں ہیں پر ایک بات ہماری سیم ہے کہ آپ کی طرح میں بھی ایک بے نام سی اداسی محسوس کرتی ہوں۔ خوشبو کیف خوشی چندا آپ کہاں غائب ہو میں 2013ء اپریل میں آپ کا تعارف پڑھا تھا اور بڑی اپنی سی لگی تھی آپ مجھے۔ آپ نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا پلیر

اگر آپ مجھے پڑھ رہی ہیں یا اس کی کوئی جاننے والی بھی پڑھ رہی ہے تو اس کی خیریت بتادیں اللہ آپ کو ہمیشہ حفظ و امان میں رکھے آمین۔ ملا لہ اسلم آپ کا نام پڑھتے ہی مجھے اپنی کلاس فیلو منیبہ اسلم یاد آ جاتی ہے۔ آپ کو اور باقی جن دوستوں کے نام رہ گئے ہیں اور تمام اہل آچل کو میری طرف سے پُر خلوص دعائیں محبتوں بھرا سلام قبول اللہ حافظ۔

تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان

فرینڈز اور کزنز کے نام

السلام علیکم! ابتدا ہے رب جلیل کے بابرکت نام کے ساتھ جو دلوں کے بھید خوب جانتا ہے۔ میری تمام کزنز فرح ساجدہ نادیہ عظمیٰ نفیسہ عذرا اینڈ سعدیہ تم سب کو اور میری کالج فرینڈز کو میری طرف سے بہت بہت عید مبارک۔ شمرہ تم آج کل کہاں غائب ہو جلدی سے آچل کے ذریعے رابطہ کرو۔ ہاں انیلا اور کنیر فاطمہ کو میری طرف سے سلام کہہ دینا اور عید مبارک بھی۔ تم لوگوں کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے فرح تمہیں میری طرف سے اور تمام ہمارے گردپ کی طرف سے بہت بہت عید مبارک۔ سدا ہنستی مسکراتی رہو اور دوسروں کو بھی مسکرا نے پر مجبور کرتی ہو۔ اب آتے ہیں آچل اسٹاف کی طرف تمام رائٹرز اور ریڈرز کو بہت بہت عید مبارک اور سمیرا شریف طور کو شادی کی مبارک باد اور نازیہ کنول کو نکاح کی مبارک باد والسلام۔

سدرہ اسحاق..... لودھراں

دل میں بسنے والیوں کے نام

فریدہ جاوید فری نازیہ کنول نازیہ شاملہ ارم اللہ تعالیٰ آپ تینوں کو مکمل صحت کاملہ عطا فرمائے اور آپ ہمیشہ خوش و خرم صحت مند رہیں آمین۔ ایم فاطمہ سیال ارم کمال نگینہ عمران میرے سوالات پسند فرمانے کا بہت بہت شکریہ۔ سمیرا حیدر سائرہ حیدر سندس رفیق منال شبیر طاہرہ ملک اے ایف افتخار لائبہ مہر علوینہ چوہدری پاکیزہ علی میری اتنی تعریف نہ کیا کرو ورنہ میں پھول کر کیا ہو جاؤں گی اور تمہارے دلہا بھائی پرنس افضل شاہین مجھے بارہ من کی دھوبن کہنا

شروع کر دیں گے۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ وہ اس بھدے سے نام کے ساتھ پکارتیں۔

پردین افضل شاہین..... بہاولنگر
آنجل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! بہت ٹائم کے بعد لکھ رہی ہوں۔ جیہا آپ بیٹی کی بہت مبارک ہو! نام کیا رکھا ہے؟ طیبہ آپ! ٹوبہ ڈیر اینڈ مسز نازیہ عابد کیسی ہو آپ ٹوبہ جی کہاں گم ہو طیبہ آپ! میں شادیوں والی آئی تھی بہت اچھا محسوس ہوا کہ اس فضا میں میری پیاری سی دوست طیبہ بھی سانس لیتی ہے پلیز طیبہ آپ! موبائل پر رابطہ کرنا ہے پہلے بھی بہت دفعہ کہا ہے۔ آپ! انا میری سسٹر کی عید کے بعد شادی ہے ہائے سوٹ گروپ سب ٹھیک ٹھاک ہو ویسے تم سب کو میرے ہوتے ہوئے ہونا بھی کیا ہے جو ہوتا ہے میری ہی وجہ سے ہوتا ہے ہا ہا۔ زائرہ زین جزوا بیٹوں کی بہت مبارک ہو۔ صبا! ارم بھابی تم دونوں کو بھی مبارک ہو جناب اسحری کو مبارک کہ تھرڈ آئی ہو۔ دعا ہے کہ سب کامیاب رہو ہمیشہ خوش رہو خوب مستی کرو رب را کھا۔

فائقہ سکندر فانی..... لنگریال
چیرنگ گروپ دعائے سحر طیبہ نذیر اور نازیہ کنول
نازی کے نام

السلام علیکم! کیسے ہو میرے پیاری دوستو! مائی بیسٹ چیرنگ گروپ۔ تم سب تو جیسے مجھے بھول گئے ہو مگر دیکھو ہم ہی ہیں جو تم لوگوں کو دل میں بسائے ہوئے ہیں۔ عطیہ نمرہ رابی! حمیرا! شہزادی! فاطمہ! اقصی! ماری! ثمرین! اینڈ ثانیہ! آئی ریکی مس یو۔ اگر آنجل پڑھتے ہو تو جواب ضرور دینا! میں ہر دفعہ (دوست کے نام پیغام آئے) پڑھتی ہوں مگر اس وقت پڑھ کر مایوسی ہوتی ہے جب تم لوگوں کا پیغام نہیں ہوتا مگر چلو کوئی بات نہیں مجھے پڑھ کر تم لوگ مایوس نہ ہو گے پتا ہے کتنی مشکلوں سے بھائی راضی ہوا ہے اور یہ میرا آنجل میں پہلا اور شاید آخری پیغام ہے اس لیے کوشش کرنا تم لوگ جواب ضرور دینا اور پیاری دعائے سحر آپ مایوس نہ ہوا کریں! میرا اللہ آپ کو صبر استقامت عطا فرمائے اور آپ کے بہن بھائیوں اور

ابو اور آپ کو صدا خوشیوں کے سائے میں سلامت رکھے! آمین۔ دعا کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی! میں خلوص دل کے ساتھ آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی ان شاء اللہ زندگی رہی تو! اینڈ طیبہ نذیر اور نازیہ کنول نازی میں آپ کو بھی بہت لائک کرتی ہوں! صدا ہستی مسکراتی اور قلم سے روشنی بکھیرتی جائیں! اللہ حافظ۔

عائشہ دین محمد..... رحیم یار خان

محترم ٹیچر صائمہ اکرم چوہدری کے نام
شاید آپ کی نظر سے میرے الفاظ نہ گزر سکیں لیکن دل چاہتا تھا کہ آنجل کے توسط آپ کو بتاؤں کہ میرے دل میں آپ کے لیے کتنی جگہ ہے گو کہ کالج میں آپ سے میں نے کوئی سبکیٹ نہیں پڑھا کیونکہ ہمارے سیکشن کو میڈم عمارہ اردو پڑھاتی تھیں اور آپ دوسرے سیکشن کو مگر کئی بار اپنی کلاس بنک کر کے میں نے آپ کے لیکچرز اینڈ کیسے شاید چار یا پانچ بار۔ کالج کے سالانہ میگزین میں چھنے والی آپ کی تصویر بہت عقیدت سے بہت سنبھال کر رکھی ہے اب تک۔ اب بھی جب کسی کو آپ کے بارے میں بات کرنا دیکھتی ہوں تو فخر سے بتاتی ہوں کہ یہ میری ٹیچر ہیں جب فرسٹ ایئر میں تھے تب آپ کا ناول "نار سانی" پڑھا تب جانا کہ یہ مصنفہ یہ درجے بہا تو ہمارے سامنے ہی ہوئی ہیں سارا دن۔ اپنی خوش نصیبی پر رشک آیا اور اپنی کم علمی پر خود کو ملامت کی! اللہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں عطا فرمائے جب پتا چلا کہ عنقریب آپ کی شادی ہو جائے گی اور آپ صادق آباد سے کراچی شفٹ ہو جائیں گی تو بہت خوشی اور بہت غم ایک ساتھ ملے۔ خوشی آپ کی شادی کی اور غم آپ کے دور جانے کا خیر جہاں رہیں خوش رہیں! دعا ہے کہ آپ کی زندگی میں ڈھیروں سکون ہو۔ اللہ حافظ۔

شام رسول ہاشمی..... صادق آباد

آنجل فرینڈز کے نام
السلام علیکم! کیا حال ہے آنجل کی پریوں! صنم ناز کیسی ہو؟ بہت کم نظر آ رہی ہو آج کل۔ الفت زہرہ کیسی ہو! چند امثال کا کسی کے پاس نمبر یا ایڈریس ہے تو پلیز مجھے دیں۔ شاہ زندگی کیسی ہو! ہمیں بھی اپنے گروپ

میں شامل کر لو کچھ نہیں ہوتا یا ر۔ فیصل بھائی اینڈ ساجدہ بھابی شادی کی بہت بہت مبارک ہو صد خوش رہو۔ حمیرا شاہ کیسی ہو؟ تم ہمارے گھر کیوں نہیں آئیں کیا وجہ ہے؟ شبانہ عرفان آپ کو بیٹے کی بہت بہت مبارک باد۔ کوثر آپ کی پلیز مجھے جلدی سے عبدالہادی شاہ چاہیے عابدہ صابرہ اب تو آپ کی بہن آچکی ہے اب تو اپنی بہن کے گھر آ جایا کرو۔ رضوانہ طاہر ہماری طرف سے شادی کی مبارک باد۔ صابرہ سعدیہ اینڈ سونیا گدی میرے گھر کیوں نہیں آتی اللہ حافظ۔

نورین شاہ صنم شاہ عرف سنی شاہ..... پیر عبدالرحمن پیارے مانی اور سسٹرز کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اکتوبر کا مہینہ ہمارے لیے ڈھیروں خوشیاں لے کر آیا ڈیر مانی (عثمان عبد المالک) یکم اکتوبر کو آپ کی سالگرہ ہے سر پرانز کیسا لگا پپی برتھ ڈے ٹو یو۔ وجیہ گڑیا خنساء (مانی لولی سسٹر) اور باجی جان آپ کی سالگرہ بھی تو اکتوبر میں ہے نا اللہ جل شانہ آپ سب کو کامیابیوں اور خوشیوں بھری عمر درز عطا کرے اور سعادت دارین سے فیض یاب کرے آمین ثم آمین۔ آنجل فرینڈز آپ سب میں سے جس کی سالگرہ اکتوبر میں ہے سب کو سالگرہ مبارک اللہ حافظ۔

عاصمہ عبد المالک..... گوجر خان

سوٹ آنجل فرینڈز کے نام السلام علیکم! ہائے آنجل کی کھلتی کلیوں کیسی ہو؟ سب سے پہلے تو اقراء صغیر آپ سے بات ہو جائے آپ کو پتا ہے آپ کے نئے ناول کا کتنی بے صبری سے انتظار ہے اس لیے آپ جلد حاضر ہوں ناول لے کر اچھا تو اب آپ بتائیں نازی آپ کی بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں "شب ہجر کی پہلی بارش" آپ کا ناول اچھا جا رہا ہے۔ اب بات ہو جائے ارم کمال کے بارے میں ہاں تو ارم کمال آخر آپ نے آنجل میں اپنے نام کا سکھ منوا ہی لیا ہر جگہ چھائی ہوئی ہو۔ آنجل میں بھی اور دلوں میں بھی خیر اب تو آپ کو پڑھنے کی عادت ہوگئی ہے بہت اچھا لکھتی ہیں آپ کرن ملک کیسی ہیں آپ کو بھائی کی شادی کی بہت بہت مبارک باد وصول

کریں ہم سے اینڈ پاکیزہ علی میں تہہ دل سے خوش آمدید کرنی ہوں اور آنجل کی تمام پریوں ارم کمال سمیرا تعبیر سمیرا مشتاق فاطمہ نواز علمہ سمہاد دیا احمد فریدہ جادید فری میں تم سب سے دوستی کی خواہش مند ہوں۔ کرن ملک تم سے بھی اگر قبول ہو تو آنجل کے ذریعے ضرور جواب دینا اور میری طرف سے سب کو عید کی ڈھیروں مبارک باد۔ اچھا اب اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ آنجل کو دن و گنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین اللہ حافظ۔

نیلیم شہزادی..... جتولی

ماہ رخ سیال فریحہ شبیر دعائے سحر امبر گل شاہ زندگی کے نام

السلام علیکم تمام پڑھنے والوں کو آنجل ایک خوب صورت پرچہ ہے اس کے تمام سلسلے زبردست ہیں لیکن سلسلہ دوست کا پیغام آئے بہت خوب صورت ہے سب سے پہلے تو ماہ رخ سیال آپ سے دوستی کی درخواست ہے آپ بھی سرگودھا سے تعلق رکھتی ہیں اور میں بھی آپ کیا کرتی ہیں یہ بھی ضرور بتائیے گا اور فریحہ شبیر آپ سے بھی دوستی کرنا چاہوں گی آپ وہ ہی ہیں نا جو ایکسپریس نیوز کے بچوں کے کرنیں ایڈیشن میں کہانیاں لکھتی ہیں۔ شاہ زندگی آپ کا نام نہایت خوب صورت ہے آپ نیچر بھی ہیں دوستی کرنا چاہوں گی۔ دعائے سحر اللہ آپ کو صبر دے اور آپ کی امی کو جنت میں جگہ دے۔ اللہ آپ کو بہت زیادہ خوشیاں دے اور سیلوٹ یومیم اتنی محنت اور صبر پر۔ امبر گل آپ خوش رہا کریں آپ بہت اچھی لکھیں آپ سے بھی دوستی کرنا چاہوں گی۔ سلمی گری خان آپ سے بھی دوستی ار سمیرا تعبیر اور جازہ عباسی آپ سے بھی دوستی کرنا چاہوں گی اور جو بھی دوستی کرنا چاہے موسٹ ویلکم۔ اللہ حافظ۔

کشف فاطمہ..... سرگودھا



یادگار

جو بہرہ سالک

نعت رسول مقبول ﷺ

ساری صدیوں یہ جو بھاری ہے وہ لمحہ ملتا
کاش سر کا ﷺ دو عالم کا زمانہ ملتا
آپ کو دیکھتا طائف میں دعائیں دیتے
یوں مرے مبر و محل کو سلیقہ ملتا
آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کے نمازیں پڑھتا
آپ ﷺ کے قدموں کے پیچھے مجھے سجدہ ملتا
بھول جاتا میں کسی طاق میں آنکھیں رکھ کر
آپ ﷺ کو دیکھتے رہنے کا بہانہ ملتا
حشر تک میری غلامی یونہی قائم رہتی
میری ہر نسل کو فخری یہی ورثہ ملتا

کلام: ذریعہ فخری

انتخاب: پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

حضرت عمر بن خطابؓ کی چھ ہجرتیں

1: جو آوی زیادہ ہنستا ہے اُس کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔
2: جو مذاق زیادہ کرتا ہے لوگ اس کو ہلکا اور بے حیثیت سمجھتے ہیں۔

3: جو باتیں زیادہ کرتا ہے اُس کی لغزشیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔

4: جس کی لغزشیں زیادہ ہو جاتی ہیں اُس کی حیا کم ہو جاتی ہے۔

5: جس کی حیا کم ہو جاتی ہے اُس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے۔

6: جس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے اُس کا دل مُردہ ہو جاتا ہے۔

(حیات الصحابہ۔ جلد: 3: ص: 562)

سیدہ سعدیہ عظیم..... بہاولپور

مرحومہ داوی کے نام

تو کہاں جاسوگی ہے ہم سے دور سب سے دور کبھی نہ ملنے
کے لیے ایسی چھپ گئی ہے تہا ہم سے کیا خطا ہوئی ہے جو تو اس
طرح روٹھ گئی ہے۔ سات سمندر پار سیرا کر لیا ہے اپنے بچوں

کو تنہا چھوڑ کر دنیا کے رحم و کرم پر کس پہ بھروسہ کر کے بے بارو
مددگار چھوڑا ہے۔ دنیا کی دھوپ چھاؤں میں چھوڑ کے چلی گئی
ہے تو نے اپنی مراد پائی ہے۔ مکہ میں کر کے زیارت خانہ کعبہ کو
دے کے بوسہ حجر اسود کو اپنی آرام گاہ کو پہنچی ہم سب کو چھوڑ کر دو
برس ہونے کو آئے ہیں تجھ سے جدا ہوئے ہم ایک ہل بھی نا
بھول پائیں اُس کو جس کو! ہم داوی کہتے تھے اُس کو جس کو!
تیرے نواسے نانی کہتے تھے اُس کو جس کو! تیرے سچے "اماں"
کہتے تھے تیرے محبت بھرے آچل کے سائے میں رہتے تھے
واہ تو نے کیا قسمت پائی ہے مقبرہ شوراے کی مٹی کو اپنا آشیانہ
بنایا ہے قیامت سے پہلے ہی جنت پالی ہے۔

سیدہ سعدیہ عظیم..... بہاولپور

دوستی

❖ دوست پیار کے لیے ہوتے ہیں اور چیزیں استعمال
کے لیے مگر بات تب بگڑتی ہے جب چیزوں سے پیار اور
دوستوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔

❖ دوست وہ نہیں ہے جو جان دیتا ہو دوست وہ بھی نہیں
جو مسکان دیتا ہو دوست تو وہ ہے جو پانی میں گرا آنسو پہچان
لے۔

❖ ایک اچھا دوست پہلے آنسو کو دیکھ لیتا ہے دوسرے کو
صاف کرتا ہے اور تیسرے کو روک لیتا ہے۔

❖ دوست کی کوئی بات بُری لگے تو خاموش ہو جاؤ اگر وہ
تمہارا دوست ہوا تو سمجھ جائے گا اور اگر نہ سمجھ سکا تو پھر غم سمجھ لیتا
کہ وہ تمہارا دوست نہیں۔

نبیلہ ملک..... چوٹالہ

اچھی باتیں

❖ غم اور مشکلات صرف اللہ کو بتایا کرو اس یقین کے
ساتھ کہ وہ تمہیں جواب بھی دے گا اور تمہاری تکلیف بھی دور
کرے گا۔

❖ اپنے جسم کو ضرورت سے زیادہ نہ سنوارو! اسے تو مٹی
میں مل جاتا ہے۔ اے ابن آدم! سنوارنا ہے تو اپنی روح کو
سنوارو جسے اللہ کے پاس جانا ہے۔

سناں زرگر، قصی زرگر..... جوڑہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نام

قرآن مجید میں ﷺ اور احادیث میں ﷺ

زبور میں عاقب ﷺ

آنچل * اکتوبر * 2015ء 298

READING
Section

تورات میں مافوق الفطرت
انجیل میں فرقہ پرستی
جنت میں عبدالکریم
آسمان میں مجتبیٰ
زمین میں معظم
انبیاء میں عبدالوہاب
ملائکہ میں عبدالبجیع
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یسین

روبی علی..... سید والا

حقیقت
ایک بار سکندر اعظم کے پاس فلسفی دیوجانس کھڑا تھا
سامنے بہت سی انسانی کھوپڑیوں اور ہڈیوں کا ڈھیر تھا اور فلسفی
ان کے نظارے میں غرق تھا اس کے انہماک کو دیکھ کر سکندر
اعظم نے پوچھا۔

”دیوجانس! کیا سوچ رہے ہو؟“

دیوجانس نے جواب دیا۔ ”حضور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ
ان میں آپ کے والد کی ہڈیاں بھی ہیں لیکن ان میں آپ کے
والد اور غلاموں کی ہڈیوں میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔“

حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین

انسان

✦ انسان کا دل بھرتا ہے تو وہ برسات کی صورت میں رو

دیتا ہے۔

✦ پہاڑ جب غموں کا بوجھ برداشت نہیں کر پاتا تو آتش
فشاں کے روپ میں اپنا زہرا گل دیتا ہے۔

✦ پھول غموں کی دھوپ میں مرجھا جاتا ہے۔

✦ دنیا میں جاندار اور بے جان چیزیں اندر کے دکھ نکال
باہر کرتی ہیں مگر انسان کتنا بے بس ہے وہ بادل نہیں کہ برس
پڑے وہ پہاڑ نہیں کہ پھٹ جائے پھول نہیں کہ مرجھا جائے
آخر انسان ہے کیا؟

ندامسکان جٹ..... 133 جنوبی

جٹ پٹی غزل

میں تجھ سے چیت گروں گا کہاب پکنے تک
یوں وقت پاس کروں گا کہاب پکنے تک
چکھوں کہاب تو جانوں کہ ذائقہ کیا ہے
نہیں کچھ اور چکھوں گا کہاب پکنے تک

فلم کے واسطے سامان ہو ضیافت کا
تری غزل میں لکھوں گا کہاب پکنے تک
پکھیں کہاب تو تجھ کو کہوں میں گدہ ہائے
میں ہائے ہائے کروں گا کہاب پکنے تک
ہے ذائقہ تیرے شعروں کا چٹ پٹا اے رشک
میں تیرے شعر پڑھوں گا کہاب پکنے تک

شاعر: سید افتخار احمد رشک

انتخاب: نجم انجم..... کورنگی کراچی

ان باتوں کو اپنائیے اور خوش ہو جائیے

✦ اپنی زندگی میں ہر کسی کو اہمیت دو جو اچھا ہوگا وہ خوش
دے گا اور جو برا ہوگا وہ سبق سکھائے گا۔

✦ ہمیشہ خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش
کریں۔

✦ غلطی معاف کر دیں بدلہ نہ لیں کیونکہ بدلہ لینے والا
اور بندھا دینے والا کمزور ہوتا ہے۔

✦ صرف اللہ سے مانگیں دوسروں سے کوئی امید نہ رکھیں
دینے والا اللہ ہی ہے۔

✦ ہمیشہ کم کی خواہش کرو زیادہ کی خواہش ہوس پیدا کرتی
ہے۔

سمیہ کنول..... مانسہرہ

جواہرات سے قیمتی

✦ دنیا کی تھکن اتارنے کا سب سے بہترین ذریعہ ذکر
ہے۔

✦ سکون سے رہنا چاہتے ہو تو لوگوں سے وعدے کم
کرو۔

✦ خود پسندی سب سے بڑی تنہائی ہے۔

✦ اپنے آپ پر اعتماد رکھنے والے ہی فتح حاصل کرتے
ہیں۔

✦ وقت ہر ایک کو آواز دیتا ہے جو شخص یا آواز نہیں سنتا وہ
پیچھے رہ جاتا ہے۔

✦ زبان کو شکوے سے روکو خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔

✦ بٹول کائنات روماعاصمہ میم مسرت..... گاؤں عالی
چار بادشاہوں کے مقولے

ابوبکر بن عیاشؒ نے فرمایا۔ چار بادشاہوں نے اپنے اپنے
زمانے میں بالکل یکساں باتیں کیں۔

آنجل * اکتوبر * 2015ء 299

READING
Section

کسوی:۔ میں نہ بولنے پر کبھی نادم نہیں ہوا بولنے پر اکثر نادم ہوا۔

شاہ چین:۔ جب تک میں نے بات نہ کہی اس وقت میں اس کا مالک ہوں اور کہنے کے بعد اس کا مالک تو ہے۔

غیصر (شاہ روم):۔ جو بات میں نے کہی نہیں اس کے لوٹانے پر زیادہ قادر ہوں بمقابلہ اس کے جو کہہ دی۔

شاہ ہند:۔ وہ شخص قابل تعجب ہے جو (عجلت کے ساتھ) اپنی بات کہہ دے کیونکہ اگر بات پھیل گئی تو نقصان ہوگا نہ پھیلی تو فائدہ کچھ نہیں۔

☆.....☆

حدیث مبارکہ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میری شفاعت امت کے گناہ گاروں کے لیے ہوگی جو اس سے انکار کرے گا وہ شفاعت سے محروم رہے گا۔“

ناصرہ مختار احمد..... جزا نوالہ

سنہری باتیں

○ امام کعبہ سمیت دنیا کے 70 علماء کرام نے ”ہیلو“ کرنے یا کہنے کو حرام قرار دیا ہے کیوں کہ ”ہل“ کے معنی ”جہنم“ کے ہیں اور ہیلو کے ”جہنمی“۔

○ دنیا کے سب سے دھبی الفاظ سب سے مزاحیہ شخص چارلی نے کہے تھے اس نے کہا۔

○ ”مجھے بارش میں چلنا بہت پسند ہے اس لیے کہ کوئی میرے آنسو نہ دیکھ لے۔“

○ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”تم اپنی انگلیوں پر کیچ کیا کرو کیونکہ قیامت والے دن یہ تمہاری گواہی دیں گی۔“

شہزبا..... مغلیا لوالی

منفی سوچ

○ منفی سوچ رکھنے والا ذہن کبھی بھی آپ کو مثبت زندگی نہیں دے سکتا۔

دو لوگ

○ دنیا میں بس دو لوگ مقدر والے ہوتے ہیں ایک وہ جنہیں وفادار دوست ملتا ہے اور دوسرا وہ جس کے ساتھ ماں کی

دعا میں ہوتی ہیں۔ (حضرت علیؓ)

مدیحہ نورین مہک..... برتالی

لطیفہ

ایک کالج میں رزلٹ کا دن تھا ایک دوست دوسرے دوست سے ”یار میرے ساتھ میرے ابو کھڑے ہیں تو جلدی سے جا اور رزلٹ دیکھ کر آ۔ اگر میں ایک پیپر میں لیل ہوا تو کہنا ایک مسلمان بھائی سلام کہتا ہے اگر دو میں لیل ہوا تو کہنا دو مسلمان بھائی تمہیں سلام کہتے ہیں۔“

دوست گیا اور تھوڑی دیر بعد آ کر بولا۔ ”یار پوری امت مسلمہ تمہیں سلام کہتی ہے۔“

شاہ ریاض..... بوسال سکھا

صحبت

نیک لوگوں کی صحبت میں ہمیشہ بھلائی ملتی ہے کیونکہ جب ہوا پھولوں سے گزرتی ہے تو وہ بھی خوشبودار بن جاتی ہے۔

کنول چوہدری..... شادیوال گجرات جو تم ملو

یہ چاندنی کھلی ہوئی
ہزاروں سال سے یونہی
کہیں ہنسی کہیں خوشی
مگر نظر کی نشانی
کسی طرح نہ مٹ سکی
ہمارے واسطے بھی تو
یہ عید خوش نصیب ہو
جو ”تم“ ملو تو عید ہو
جو تم ملو تو عید ہو

ثانیہ مسکان..... گوجر خان

نماز میں دو سجدے

نماز میں دو سجدے کیوں کیے جاتے ہیں؟ جب اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اوم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہیں کیا تو اس کو مردود قرار دے کر جنت سے نکال دیا۔ ابلیس کی یہ حالت دیکھ کر فرشتوں نے سجدہ شکر ادا کیا اور کہا۔

”اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تُو نے ہمیں اپنا حکم بجالانے اور

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 300

READING
Section

اپنی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔“ وہ دو سجدے آج تک نماز میں ادا کیے جا رہے ہیں۔
سجدہ حکم..... سجدہ شکر

سیدہ امیر اختر بخاری..... چندی پور اسلام میں سیکورٹی کا تصور ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کسی کام سے جا رہے تھے ایک سیاح کو پتا چلا کہ وہ مسلمانوں کے امیر ہیں تو وہ دیکھ کر بہت حیران ہوا بھاگا بھاگا آپؐ کے پاس پہنچا اور پوچھا۔

”آپ مسلمانوں کے امیر ہیں؟“
”آپؐ نے جواب دیا۔“ میں ان کا امیر نہیں بلکہ ان کا محافظ ہوں۔“

سیاح نے پوچھا۔ ”آپ اپنے ساتھ حفاظتی دستہ کیوں نہیں رکھتے؟“

آپؐ نے جواب دیا۔ ”عوام کا یہ کام نہیں کہ وہ میری حفاظت کریں یہ تو میرا کام ہے کہ میں ان کی حفاظت کروں۔“
عقیدہ رضی..... فیصل آباد

اقوال زریں
۱۰ اچھے کے ساتھ اچھے رہو مگر بُرے کے ساتھ بُر امت بنو کیونکہ تم پانی سے خون دھو سکتے ہو مگر خون سے خون نہیں دھو سکتے۔

۱۱ انسان کو اچھی سوچ پر وہ انعام ملتا ہے جو اسے اچھے اعمال پر بھی نہیں ملتا۔

۱۲ خوب صورتی کی کمی اخلاق پورا کر سکتا ہے مگر اخلاق کی کمی کو خوب صورتی پورا نہیں کر سکتی۔

۱۳ زبان کا وزن بہت ہی ہلکا ہوتا ہے مگر بہت کم لوگ اسے سنبھال پاتے ہیں۔

عروسہ شہوار رفیع..... کالا گوجراں، جہلم

میرے بچنے پر
خائف ہونے والو
جاؤ.....
محبت کا دامن
چھوڑ دیا
ہم نے.....

مونا شاہ قریشی..... کبیر والہ
لفظ لفظ موتی
□ جب نیکی کر کے تجھے خوشی ہو اور برائی کر کے پچھتاوا ہو تو تو مومن ہے (ارشاد نبوی ﷺ)

□ اللہ پاک ہے اور صرف پاک مال قبول کرتا ہے۔
□ آخرت کی لذت ہرگز اس کو نہیں ملتی جو شہرت اور عزت کا چاہنے والا ہو (حضرت بشر مائی)

□ تعجب ہے اس پر جو تقدیر کو پہچانتا ہے اور پھر جانے والی چیز کا دکھ بھی کرتا ہے (حضرت عثمانؓ)

□ صدقہ رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بڑی موت کو دفع کرتا ہے (ترمذی)

□ یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں میرے ساتھ ہوگا (ارشاد نبوی ﷺ)

ماروی یا سمین.....

احسان
بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس وقت بھی اس پر چار احسان فرماتا ہے۔

□ پہلا اس کا رزق بند نہیں کرتا
□ دوسرا اس کی طاقت سلب نہیں کرتا

□ تیسرا اس کے گناہوں کو سلب نہیں کرتا
□ چوتھا اس کو فوراً سزا نہیں دیتا

تو ہم پھر بھی ایسے احسان کرنے والے کی نافرمانی کرتے ہیں۔

لاریب افشاں..... اوکاڑہ
کالا اور گورا رنگ میں فرق

نہ گورا رنگ حسن کی علامت ہے اور نہ ہی کالا رنگ بد صورتی کی نشانی ہے۔ حسن صرف دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔

رنگوں میں نہیں
کیونکہ.....

کفن سفید ہو کر خوف کی علامت ہے اور کعبہ کا لے غلاف میں بھی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

اقراء وکیل..... للیانی، سرگودھا

دل کی باتیں
لفظ کبھی واپس نہیں پلٹتے اور ہم کچھ نہ کچھ ایسا ضرور

کھودیتے ہیں جو ہمیں پھر کبھی نہیں ملتا۔ اس لیے رویوں میں حد و رجا احتیاط زندگی کے ہر بندھن میں کامیابی کی ضمانت ہے۔

❖ امید کے پودے کو پانی دیتے رہنا چاہیے اور اسے اتنا تناور کر دینا چاہیے کہ مایوسی کا جنگل دور دور تک اُگنے نہ پائے۔
❖ جن کے دل کے آئینے اجلے ہوں ان کے مقدر کبھی دھندلے نہیں ہوتے جو ہم کھودیتے ہیں قدرتے پہلے سے ہمارے لیے بہترین چُن کر رکھتی ہے۔

اقتباس.....ناول:- عبداللہ

مصنف.....ہاشم حسین

وجہہ خان.....بہاولپور

میری زندگی کا جج

زندگی کے ہر موڑ پر ہم سے وہی لوگ ٹکڑ جاتے ہیں جنہیں ہم اپنی جان سے زیادہ چاہتے ہیں۔

جان سے زیادہ پیارے لوگوں کے ٹکڑ جانے سے زندگی رک نہیں جاتی اور نہ ہی سائیس قسمتی ہیں بلکہ انسان کا دل اور اس کی روح مرجاتی ہے۔

زندہ ہوتے ہوئے بھی وہ زندہ نہیں ہوتے۔
وہ ہماری طرح روزمرہ کے کام کاج کرتے ہیں مگر ان کی آنکھیں ویران ہوتی ہیں۔
ان کے لب مسکرانا تک بھول جاتے ہیں محفلوں سے وہ دور بھاگتے ہیں۔

تنہائیوں کو وہ اپنی بانہوں میں لیے پھرتے ہیں۔
اب کوئی بھی رشتہ دل کو بھاتا نہیں ایمان کچھ اس طرح ٹوٹا ہے دل اپنوں کی بے رخی سے ایسے لوگ بنیادی طور پر بہت حساس ہوتے ہیں جو دوسروں کی ذرا سی چوٹ لگنے پر ہی تڑپ جاتے ہیں۔
کوٹے ہوئے لوگ ہی دوسروں کا دکھ درد سمجھ سکتے ہیں خوشحال لوگوں کا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

پاکیزہ ایمان.....کھر وڑپکا

عید

اس عید پر بھی تم جو سنگ نہیں

تو.....

جاں.....

...

READING
Section

میں بھی
عید نہیں مناؤں گی

حرارِ مضان.....آخر آہاؤ

انمول موتی

❖ کوشش کرنے سے نیند آتی ہے اور بغیر کوشش کے موت۔

❖ موت سے نہ ڈرو کہ یہ ایک بار آتی ہے زندگی کی فکر کرو جو دوبارہ نہیں ملے گی۔

❖ میت نے قبر میں اترتے ہوئے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ جبکہ اس کی یادوں نے دفن ہونے سے انکار کر دیا۔

❖ اگر کفن کا رنگ مرنے والے کے کردار کی مناسبت سے ہوتا تو بیشتر لوگوں کے کفن کا رنگ کالا ہوتا۔

❖ عورتیں اپنا ساوہ ترین لباس مرنے کے بعد پہنتی ہیں۔

❖ دولت مند موت سے اور غریب زندگی سے گھبراتا ہے۔

❖ انسان کے لیے پھھر مارنا جتنا آسان تھا اب پھھر کے لیے بھی انسان کو مارنا اتنا ہی آسان ہے۔

ہالہ عائشہ سلیم.....کراچی
خوب صورت بات

امام غزالی فرماتے ہیں کہ:
❖ سب انسان مردہ ہیں زندہ وہ ہیں جو علم والے ہیں۔

❖ سب علم والے سوئے ہوئے ہیں مگر بیدار وہ ہیں جو عمل والے ہیں۔

❖ تمام عمل والے کھائے میں ہیں فائدے میں وہ ہیں جو اخلاص والے ہیں۔

❖ سب اخلاص والے خطرے میں ہیں صرف وہ کامیاب ہیں جو تکبر سے پاک ہیں۔

جویریہ ضیاء.....بلیر کراچی



آئینہ

شہزادہ عامر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! پروردگارِ دود عالم کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو کل کائنات کا بادشاہ ہے آئینہ اشاف کی جانب سے تمہارا قارئین کو عید قربان کی ڈھیروں مبارک باد۔ اکتوبر کا آئینہ عید الاضحیٰ کے حوالے سے ہے۔ آئینہ اشاف کی جانب سے تمام قارئین کو عید کی ڈھیروں مبارک باد آپ بہنوں کی تجاویز اور آراء کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا گیا ہے امید ہے آپ کے ذوق کے عین مطابق ہوگا۔ آئیے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب۔

ماہ نور نعیم..... بھکر۔ السلام علیکم! یومِ دفاع مبارک ہر سال کی طرح اب بھی ۱۱ ستمبر تجدید کی گواہیاں لیے آ رہا ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو وطن پر جان قربان کرنے والا بنائے! آئینہ نے ایک بے مثال آئینہ کی طرح ہماری زندگی کو ڈھانپ رکھا ہے۔ ایک بڑھ کر ایک سبق آموز کہانی لیے یہ اپنی مثال آپ ہے۔ معلوم نہیں کہ اس خط کو آئینہ میں جگہ مل پائے گی یا نہیں بہر حال جس کہانی نے مجھے قلم اٹھانے پر اکسایا وہ نازیہ کنول نازی کی ”شبِ جگر کی پہلی بارش“ ہے۔ یہ کہانی میرے جذبات کی ترجمان شدہ ہے گریٹ نازی جی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے قلم کو اتنی زیادہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ ہمارے نیم مردہ جذبات کو ابھارتا رہے اس کے علاوہ ”زہر“ افسانوں میں بیٹ تھا۔ ”محبت دل کا سجدہ ہے“ لاسٹ قسط زبردست تھی سہاس گل کو بہت بہت مبارک ہو باقی تمام سلسلے بھی زبردست ہیں۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ تھوڑی سلو چل رہی ہے آئینہ کے پورے اشاف کو سلام اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے ہر قدم پر نمایاں کامیابی عطا کرے آمین۔

دیا آفریں..... شاہد دہ۔ السلام علیکم! ستمبر کا آئینہ خوب صورت سرورق کے ساتھ دل کو چھو گیا آپ لوگ اتنی محبت اور لگن سے جوتیار کرتے ہیں۔ سروے بھی خوب رہا عید کے رنگ بکھرے پڑے تھے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ سمیرا شریف طور کا ناول بہت بہترین ہے پران کی تمغیاں سلجھ گئیوں نہیں رہیں اور ولید سب کچھ جان کر بھی کہنا بلیک میل ہو رہی ہے اس سے بدگمان کیوں ہے۔ اب در یہ سہوار کی زندگی میں اور کیا مصیبت لانے والی ہے۔ ”موم کی محبت“ سمجھ نہیں آتی اس کا تھیم کیا سوچ کر رکھا گیا۔ مجھے تو اس پوری کہانی میں ایک جگہ بھی سچی محبت نظر نہیں آئی پھر یہ سب کیا ہے؟ صائمہ قریشی کی ”نازیہ پیا“ منفرد تھی پڑھ کر مزا آئی۔ سہاس گل کا ”محبت دل کا سجدہ ہے“ کا اینڈ پسند آیا اسٹوری بھی بہت اچھی تھی۔ پیغام تو آپ شائع نہیں کرتے۔ حجاب کے لیے نیک تمنا میں اللہ حافظ۔

☆ پیاری دیا آپ کے تو سب پیغام شائع ہوتے ہی رہتے ہیں۔

مہوش فاطمہ بٹ..... دینہ جہلم۔ السلام علیکم! ڈیر شہلا جی! کیسی ہیں آپ؟ سدا ہنسی مسکراتی رہیں آمین۔ سب سے پہلے میری لکھیٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف طور کو شادی کی ڈھیروں مبارک باد سدا خوش رہیں آپ دونوں آئینہ کی تمام رائٹرز اچھا لکھتی ہیں ماہنامہ حجاب کا بھی انتظار ہے۔ ہم سے پوچھتے ہیں سب کے چٹ بٹے سوالات اور شکلیاں آپ کے کرارے جوابات بہت مزا دیتے ہیں۔ اب آتے سلسلہ وار ناڈز کی طرف سمیرا جی آپ ذرا فاسٹ ہو جائیں پتا نہیں آپ کس کو ”ٹوٹا ہوا تارا“ بنائیں گی اور ایاز کا قلعہ کو جیل بھیج دیں اور پلیز رابعہ اور عباس کی شادی کروادیں۔ بابا سائیں کے ماضی پر زیادہ لکھا کریں۔ راحت آپ اگر آپ نے انہ مائیں تو پلیز جلد از جلد ”موم کی محبت“ کا اینڈ کر دیں اگر زیبا کا مجرم عارض ہی ہے تو کیا ضرورت تھی صفر کو اتنا قریبی دوست بنانے کی۔ نازیہ کنول نازی ”شبِ جگر کی پہلی بارش“ بہت اچھا لکھ رہی ہیں اب اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

☆ ان شاء اللہ ماہنامہ حجاب نومبر میں آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

نہت جیسی ضیاء..... کو اچی۔ السلام علیکم! امید ہے کہ اشاف سمیت بخیریت ہوں گی۔ ستمبر 2015ء کا آئینہ حجاب نظر سرورق کے ساتھ ملا۔ دو ماہ سے آئینہ کی منتظر میں شریک ہونا چاہ رہی تھی مگر وائے مصروفیت.....؟ لیکن اس بار ارادہ کر کے بیٹھی تھی کہ جیسے ہی آئینہ ہاتھ میں آئے گا ساری مصروفیات پس پشت ڈال کر پہلے اس پر تبصرہ کروں گی سو حاضر ہوں۔ سب سے پہلے ان تمام بہنوں کا بے حد شکریہ کہ آپ لوگوں نے منہاج (میرے بیٹے) کی شادی کا احوال پڑھنا صرف پسند کیا بلکہ انجوائے بھی کیا اور بہت سی بہنوں نے لکھ کر اور بہت سی بہنوں نے کال کر کے مبارکباد دی میں آپ تمام بہنوں کی شکر گزار ہوں اللہ پاک آپ سب کو امان میں رکھے آمین۔ پیاری دلکش مریم جی کنول خان ’ٹوبیہ بلال‘ رومانہ قریشی ’ارم کمال‘ اے ایف انکار ’شہناز رسول ہاشمی‘ سمیہ کنول ’لائیہ میر‘ پاکیزہ علی ’سیدہ سعدیہ‘ عظیم اور سدرہ مرتضیٰ آپ تمام بہنوں کی دل سے مشکور ہوں کہ آپ لوگوں کو میرا ناول ”عیدی چاند ستاروں کی“ پسند آیا بہت بہت جزاک اللہ۔ یہ آپ لوگوں کی محبت ہیں جو ہمارے درمیان دوستی اور محبت کے رشتوں کو مضبوطی دے رہی ہے۔ بہنوں کی رعایت میں فاخرہ گل کو دیکھ کر اچھا لگا۔ ”میں خوشبو اور رات“ خوشیوں کی بہار نازیہ پیا ’زہر‘ یہ اسٹوری اچھی لگیں اس کے علاوہ ”محبت دل

کا سجدہ ہے۔ سب اس گل کا ناولٹ بہت اچھا جا رہا ہے۔ ”عید کے رنگ“ میں بہنوں کے جوابات اچھے لگے۔ راحت جنیں کی باتیں بہت اچھی لگیں دیگر سلسلے بھی اچھے رہے۔ ایم فاطمہ سیال گڑیا ہم سب آپس میں دوستی کے رشتے سے ہی بندھے ہوئے ہیں اور آپچل ہماری دوستیوں کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے ”ویکم“ آج سے تم میری اچھی والی دوست بن گئی ہو۔ آپچل سے وابستہ تمام لوگوں کو ٹیم کوراٹرز ریڈرز اللہ پاک اپنی امان میں رکھے۔ عید الاضحیٰ اور حج کی مبارک باد، اللہ پاک اس عید کو تمام عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان کے لیے بے شمار خوشیوں اور مسرتوں کا گہوارہ بنائے۔ تمام حجاج کا حج قبول و منظور فرمائے ان کی خواہشات اور دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ تمام ارکان حج طور پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کو خیریت و عافیت کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو لوٹائے آمین۔

☆ پہلی بار شریک محفل ہونے پر خوش آمدید۔

پروین افضل شاہین..... بھاولنگر۔ السلام علیکم! اس بار تمہارے آپچل مہوش آفتاب کے دلکش سرورق سے سجا میرے ہاتھ میں ہے۔ حیرت اور مالک یوم الدین پڑھ کر اپنی روح کو سرشار کیا۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ مبارک احمد کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور تمام لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے آمین۔ اللہ تعالیٰ گنہت عبد اللہ کی والدہ کو صحت عطا فرمائے آمین۔ صائمہ سکندر سومرو کو اپنی بیٹی کی پیدائش پر مبارک باد قبول ہو دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری بھی خالی جھولی بھر دے آمین۔ بہنوں کی عدلت میں فخرہ گل کے جوابات پسند آئے۔ راحت جنیں سے ملاقات اور عید کے رنگ بھی خوب تھے۔ ناولز اور افسانوں میں ”اناڑی پیا“ خوشیوں کی بہار میں خوش بو اور رات زہر وطن کی مٹی گواہ رہنا عید کا تحفہ محبت دل کا سجدہ ”پسند آئے۔ آپچل میں جو رائٹرز سے سروے کے لیے سوال کیے جاتے ہیں وہ اور ان کے جوابات کمال کے ہوتے ہیں اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

سیدہ صدف نورین..... مومدی پور۔ السلام علیکم! آپ کی کسی ہیں آپ؟ امید ہے کہ اچھی ہوں گی اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ اس دفعہ آپچل کافی دن پہلے ملا اور لکھنے کا بھی موقع مل گیا۔ آپچل ہاتھ میں آتے ہی دیکھا تو سرورق خوب صورت لگا اس کے بعد راحت جنیں سے ملاقات کر کے اچھا لگا ناول سارے ہی اچھے ہیں۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ سیرا شریف طور کا ناول میرا فوریٹ ناول ہے۔ سب سے پہلے ناول پڑھتی ہیں ”موم کی محبت“ بھی بہت اچھا ناول ہے۔ ”شب بھر کی پہلی بارش“ نازیہ کنول نازی آپ کا تو ہر ناول ہی بہت اچھا ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہستی رہیں کہ آپ کا ہر ناول ہمارے آپچل کی زینت بن جائے۔ آپچل میں یادگار لمحے میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں آپچل میں کچھ بھی ایسا نہیں کہ جس کی تعریف نہ کی جائے سارا ہی آپچل تعریف کے قابل ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپچل کو دن رات چمکاتی ترقی عطا فرمائے آمین۔

رضوانہ ہاشم..... شجاع آباد۔ السلام علیکم! اذیر آپ کی کیا حال ہیں؟ میری طرف سے آپ کو اور آپچل ٹیم کو عید الاضحیٰ مبارک ہو۔ اس ماہ کا ٹائٹل بہت زبردست تھا۔ آپ کی گل آپ کو ڈھیروں مبارک باد اتنا زبردست ناول لکھنے پر۔ اب آتے ہیں اپنے پسندیدہ ناول ”ٹوٹا ہوا تارا“ میں ولید کے ایکسیڈنٹ کی خبر پڑھ کر بہت دکھ ہوا پلیز ولید کو کومہ میں مت جانے دینا۔ مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ ولید کا ایکسیڈنٹ کافہ نے کروایا ہے۔ اناولی کی حالت دیکھ کر مصطفیٰ یا شہوار کو سب کچھ بتا دے گی۔ آپ کی اب شہوار کے ساتھ بڑا مت کرنا پہلے دونوں ماں بیٹی نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ تابندہ بی چوہدری حیات علی کی بیٹی ہے جہاں تک ہمارا خیال ہے کیونکہ چوہدری حیات علی کی دوست سحان احمد تھا۔ اللہ کرے در یہ تو وہی ایاز کے حال میں پھنس جائے اور شہوار اور مصطفیٰ کی زیادہ لمبی لڑائی مت کرنا آپ کی ورنہ ہم آپ سے ناراض ہو جائیں گے۔ راحت وفا کا ناول ”موم کی محبت“ میں کچھ سمجھ نہیں آتا کیا ہوگا۔ سب ہی اچھے اور پریشان ہیں اور جہاں تک امید ہے کہ شرمین عارض کو ہی ملے گی۔ عارضی ہے زیادہ باکی بھی ملاقات کروادیں تاکہ صفر کو بھی سکون ملے۔ ناولٹ ”اناڑی پیا“ بہت زبردست تھا اس پر اس کرپٹ میں درد ہو گیا۔ بانی آپچل کا مطالعہ رہنا ہے کیونکہ میرے ماموں فوت ہو گئے ہیں تاہم نہیں مل رہا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ میرے ماموں کے لیے مغفرت کی دعا کریں اللہ حافظ۔

حمیرا قریشی..... لاہور۔ تمام پڑھنے والوں کو بخیر و خلوں سلام۔ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے ہماری تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔ آپچل اول سے آخر بیٹ تھا اور بیٹ ہے۔ سامعہ ملک پرویز! آپ کے بابا جان کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا باری تعالیٰ آپ کو صبر کی توفیق سے نوازے۔ ”موم کی محبت“ بیٹ ہے اور پلیز ”ٹوٹا ہوا تارا“ سسپنس میں جھلنا نہ کریں۔ آپچل میں ہر اسٹوری بیٹ مکی تفصیلی تبصرے کے ساتھ ان شاء اللہ حاضر ہوں گی اللہ نگہبان۔

شازیہ اختر شاہی..... نور پور۔ السلام علیکم! تمہارے ٹائٹل پسند آیا۔ سب سے پہلے ”ٹوٹا ہوا تارا“ پر پہنچے اس کہانی نے تو سسپنس پھیلا دیا نجانے اب زمین کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور ولید کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اب انا کو محفل آ جائے اور وہ روشی یا احسن کو سب بتا دے۔ اوہو یہ کیا ایاز پھر کوئی ٹیم کھیلنے والا ہے وہ بھی در یہ کے ساتھ مل کر (اوہ مائی گاڈ) پلیز مصطفیٰ شہوار پر شک مت کرنا۔ اس ایاز اور در یہ کی (ایسی کی ایسی) کاش میرا بس چلے تو تم دونوں کو گولی سے اڑا دوں۔ ابو بکر اور ہادیہ کے بارے میں پڑھ کر بہت اچھا لگا اور صائمہ قریشی کی ”اناڑی پیا“ پڑھ کر بہت اچھی لگی (ایک راز کی بات بتاؤں ہمارے پیا بھی

کچھ ایسے ہی ہیں۔ نازیبا آپ کی کہانی بہت اچھی جارہی ہے ان کے لکھنے کا انداز ہی بہت پیارا ہے اور ”محبت دل کا سجدہ ہے“ کا اینڈ دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ شکر یہ آپ نے رانبل اور علی کو جد نہیں کیا اور زردنی اور کرن کو بھی ملا دیا۔ واقعی محبت سچی ہو تو ملن ہو ہی جاتا ہے ہائی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ زندگی رہی تو پھر انٹری دیں گے اللہ حافظ۔

شائستہ جٹ..... چیچہ وطنی۔ السلام علیکم تمام! نچل اشاف رائٹرز اور پیاری بہنوں کو جوتا نچل سے منسوب ہیں یہ میرا پہلا خط ہے۔ سب سے پہلے حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ سے مستفید ہوئے پھر سرگوشیاں سنیں۔ اب بات ہو جائے قسط دار ناول کی تو نازیبا کنول نازیبا کمال کا ناول ہے جی اور سومو (سوری سمیرا جی) پیار سے سومو ہی کہوں گی بہت زبردست لکھ رہی ہیں۔ اب بات ہو جائے تو ”ناڑی پیا“ بازی لے گیا نزا آ گیا پڑھ کر اور طلعت نظامی کا ”زہر“ اچھا رہا اور پانی سوالات کا سلسلہ بے حد پسند آیا۔ بیوٹی گائیڈ میں مزید ٹپس کا اضافہ کریں اللہ آ نچل کو ہمارے سردوں پر سلامت رکھے اور اس کو ترقی کی بے پناہ منازل عطا فرمائے آمین۔

☆ پہلی بار شریک محفل ہونے پر خوش آمدید۔

ثناء رسول ہاشمی..... صادق آباد۔ تمام قارئین کو سلام۔ ماہ ستمبر کا سردرق اچھا لگا۔ جملہ اشتہارات کو پھلانگ کر در جواب آں میں جھانکا مگر ہم غیر حاضر تھے۔ ہمارا آ نچل میں چاروں بہنوں سے ملاقات اچھی لگی شیریں آپ کو سال گرہ مبارک۔ بہنوں کی عدالت میں اس بار فاخرہ صاحبہ کی پیشی تھی بلکا پھلکا انداز بیاں دل کو ٹھو گیا۔ راحت جیہں صاحبہ آپ کی غیر متوقع آمد نے آ نچل پر بہت سے ستارے ٹانگ دیے گویا آپ کا ناول ”زرد موسم“ ہمیں بھی بہت پسند تھا۔ کہانیوں کے میدان میں ”میں خوش ہو اور رات“ از سمیرا غزل صدیقی بس نارمل رہی۔ ”موم کی محبت“ میں زبیا اور صفدر کا مسئلہ جوں کا توں رہا جبکہ شرمین کو ایک نئے مسئلے کا سامنا تھا۔ ”خوشیوں کی بہار“ اسٹوری تو اچھی تھی مگر درمیان میں کئی باریوں محسوس ہوا جیسے رائٹر خود الجھاؤ کا شکار ہے۔ ”زہر“ میں طلعت نظامی صاحبہ نے بہت میچور انداز میں دو غلے معاشرے کے دونوں رخ دکھائے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ شہوار کو پھر سے مصیبت کا سامنا ہے۔ ”عید کا تحفہ“ میں شازیہ صاحبہ نے رواں انداز میں ہمارے گھرانوں کی بے بسی سے پردہ اٹھایا۔ ”محبت دل کا سجدہ ہے“ سب پریشانیاں ختم پچی اینڈ ٹنگ۔ ”حسنہ کی عید“ سحرش فاطمہ صاحبہ نے مختصر مگر اثر انداز اپنایا۔ باقی کہانیاں ابھی نہیں پڑھی بیاض دل معیاری شاعری سے بھرپور تھی ہر شعر سوا سیر۔ نیرنگ خیال میں حکیم خان حکیم فریدہ فری اور جاناں صاحبہ کی شاعری اچھی لگی۔ یادگار لمحے میں جازبہ عباسی کا افسانچہ قابل تعریف تھا باقی سب نگارشات بھی بہت اچھی لگیں۔ سامعہ آپ کے دکھ میں ہم تہہ دل سے شریک ہیں اللہ آپ کے والد صاحب کی مغفرت فرمائے اجازت اللہ حافظ۔

ستارہ امین کومل..... پیر محل۔ السلام علیکم! یقین کامل ہے اس ماہ آ نچل فیملی اللہ کے کرم سے خیریت سے ہوگی خوش باش اللہ کریم آپ سب کو اپنی رحمتوں کے سائے تلے اپنے حفظ دامن میں رکھے آمین۔ ستمبر کے آ نچل نے دل موہ لیا بہت مزا آیا فاخرہ گل کی بہنوں کی عدالت میں موجودگی بہت اچھی لگی۔ انتہائی پیار سے جوابات دیئے گئے یا شاء اللہ عید سروے میں میری پیاری دوستوں حنا اشرف امبر گل اور بجو صدف آصف کے جوابات نے چار چاند لگا دیئے تو جناب شام سیٹھی کی پہلی کادش نہیں بلکہ جسارت بہت پسند آئی۔ راحت جیہں تو ہماری موسٹ فیورٹ لکھاری ہیں نا سدرہ مرضی کا پہلا تبصرہ بہت زبردست اب آتی جانی رہا کرو یا ر۔ ندا حسنین تم نے محبت کا فسانہ بہت اچھا لکھا شاہاش سباس گل ”محبت دل کا سجدہ“ کو اختتام پذیر کروا کر فری سباس آپ کی دیری گڈ اختتام خوش گوار رہا۔ صائمہ قریشی آپ کے ”ناڑی پیا“ نے خوب ہنسایا بس ایسا ہی لکھا کرو بہت اچھا لگتا ہے۔ طلعت نظامی ”زہر“ لے کر حاضر تھیں ویل ڈن۔ ہمارے ملک میں ایسا ہی تو ہو رہا ہے۔ ”عید کا تحفہ“ شازیہ فاروق نے بہت رلایا۔ سحرش فاطمہ بدتمیز لڑکی تم نے رلایا مجھے اب اگلی دفعہ ہنسنا تم در نہ مار کھاؤ گی۔ ”وطن کی مٹی گواہ رہنا“ نظیر فاطمہ ایسی ماؤں کی وطن کو ضرورت ہے ایسی ماؤں کا ہونا بڑی نعمت ہے ہمارا آخر ہیں یہ مائیں۔ فصیحہ آصف ”خوشیوں کی بہار“ کے سنگ۔ اشرف فرما ہیں بہت خوب لکھا۔ سمیرا غزل صدیقی نے بھی بہت خوب صورت لکھا عائشہ ملک حوریہ ملک تم لوگ تبصرہ کیا کرو یا ر میں یہاں آپ کی موجودگی چاہتی ہوں۔ امبر گل بچہ تھوڑا سا وقت تم بھی لکالو شاہاش۔ آپ سب ادارے کے تمام ممبران کو عید مبارک اجازت رب راکھا۔

☆ ڈیر ستارہ آپ کو بھی عید مبارک۔

سعدیہ رشید بھٹی..... فیصل آباد۔ السلام علیکم! تمام! نچل اشاف شہلا آنٹی اور قارئین کیا حال ہیں بھئی؟ میری کسی بھی رسالے میں پہلی انٹری ہے آ نچل میں ”عشق تمام“ مصطفیٰ مصطفیٰ پڑھ کر رک ہی نہیں پائی سمجھ سے بالاتر ہے کہ کیسا بی عاشرہ نور محمد کو تعریف کے سانچے میں ڈھالوں کیسے ان کے الفاظ کی تعریف کر دوں (واہ آپی دل خوش کر دیا)۔ ان کا ایک ایک لفظ دل پر جا لگا کاش ہر بنت حوا سیمینہ جیسی اور ہر ابن آدم آمن رضا (بعد والا) کے جیسا ہوتا۔ مجھے نہیں لگتا کہ یہ تحریر بھی میرے دل و دماغ سے مٹ سکے گی۔ عائشہ بی آل راجیسٹ ایسے ہی لکھیں اور ہمارے دلوں میں گھر کرتی جائیں۔ باقی ”ٹوٹا ہوا تارا“ اچھا جا رہا ہے لیکن ابھی بھی دل کرتا ہے کہ میں انا کو دو پھپر لگاؤں کیسے وہ دلی جیسے بندے کو چھوڑ رہی ہے وہ بھی چڑیل کا فٹہ کے لیے پلیز آپ سمیرا اب انا کو کھٹک دے ہی

دیں۔ تازی آپی آپ عائدہ کے ساتھ کچھ برامت کرنا پلیز۔ ہاتی ٹوٹل آچل از دا بیسٹ آچل پورا بڑھ کے بھی دل کرتا ہے ایک بار پھر سے دوبارہ دھوئیں اگر اب آئینہ میں جگہ ملی تو ان شاء اللہ پھر سے شرکت کروں گی ہاتی آچل کے لیے ڈھیروں دعا میں۔ دعائے سحر اور آپی پروین افضل شاہین آپ کے بغیر آچل ادھورا لگتا ہے شرکت کرتے رہا کریں۔ دعائے سحر! اللہ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے آپ کو انا آپی کو اور ہاتی ٹوٹل کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اب اجازت دیں زندگی رہی تو پھر حاضری دوں گی فی امان اللہ۔

☆ پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔

ارم کمال فیصل آباد۔ السلام علیکم ایپاری سی ہاتی سدا خوش رہیں آمین۔ امید ہے خوش باش اور فٹ فٹ ہوں گی! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا اور کھلکھلاتا رکھے آمین۔ اس دفعہ آچل وقت پر مل گیا۔ ٹائٹل یوں تو بہت ہی جاذب نظر تھا۔ ماڈل بھی غضب ڈھار ہی تھیں لیکن گردن کے میک اپ کو نظر انداز کر دیا گیا سرگوشیوں سے ہوتے ہوئے در جواب آں میں پہنچے تو اپنا جواب پا کر دل خوشی سے پھولے نہیں سایا۔ دانش کدہ میں مالک یوم الدین سے کمزور اور ڈمگائے ایمان کے ستون کو مضبوطی کا پلستر کیا۔ ہمارا آچل میں سلگنی گوری کا تعارف کچھ ہٹ کر رہا اور اقراء مسرت آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی۔ بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل سے باتیں رم جعم برستی بارش کا مزہ دے گئیں۔ راحت جیں سے ملاقات لگی رہتی۔ عید۔ رنگ سروے زبردست رہا سلسلے دار تاول "ٹوٹا ہوا تارا" بہت ہی زبردست اور فل ایکشن میں ہے۔ ولید کے لیے دل بہت دکھا انا دیکھی نہ ہونا ولید جلد ہی صحت یاب ہوگا جبکہ شہوار کو ایاز اور دریاہ کے شر سے بچائے۔ دریاہ کو تو میرا دل چاہتا ہے رسیوں سے باندھ کر چھتر دل کر لی چاہیے۔ "موم کی محبت" میں بھی یونرن اذان کی وجہ سے آ رہا ہے۔ "محبت دل کا سجدہ ہے" کا بہت ہی خوش گوار اور پپی اینڈ ہوا۔ سباس گل بلاشبہ بی آپ کی شاہکار تحریروں میں سے ایک تحریر ہے میری طرف سے بہت بہت مبارکباد۔ "میں خوشبو اور رات" میں انا نیہ کی ثابت قدم اور اللہ بر توکل ہلا خربڑے ہوئے صارم کو سلجھے ہوئے انسان میں تبدیل کر دیا۔ یہ محبت کا جادو جس پر چل جائے اس کے زمین فاسان ہی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے۔ "خوشیوں کی بہار" میں شرمین نے نا سمجھ والدین کی سمجھ دار بیٹی بن کر عقل مندی کا ثبوت دیا اور اپنی بد قسمتی کو خوش قسمتی میں بدل دیا۔ صائمہ قریشی کا "اناڑی پیا" ہلا خربڑے کچھ ٹریک برآ ہی گیا ہلکی پھلکی مسکراتی تحریر بھی۔ "وطن کی مٹی" گواہ رہتا "میں حمیدہ نے اپنی مامتا کے اوپر پاؤں رکھ کر وطن کی محبت کو امر کر دیا ایسی ماؤں کو سیلوٹ پیش کرنا چاہیے ان ہی سے وطن کی آن بان اور شان ہے۔ "عید کا تحفہ" بہت ہی روح پرور تھا۔ یہ تحفہ تو ہر مسلمان کے دل کی آرزو ہے بیوی گائیڈ میں کارآمد پیمیں فورانوٹ کر لیں! نیرنگ خیال میں شریں تبسم نیلم شہزادی طیبہ نذر اور جاناں کا انتخاب دل کو چھو گیا بیاض دل میں فاطمہ نواز نورین لطیف فریدہ جاوید اور علمہ شمشاد کے اشعار اے دن رہے۔ دوست کا پیغام آئے میں ایم فاطمہ سیال آپ نے مجھے یاد رکھا یقیناً مائے سیر خون بڑھ گیا۔ یادگار لمحے میں طیبہ سعدیہ عطاریہ مسرت فاطمہ رشید کرن ملک عروسہ شہوار رفیع اور فرح جیں کے مراسلے بہترین رہے۔ آئینہ میں سب کے چہرے خوب لائیں یاد رہے تھے۔ ہم سے پوچھتے ہیں پروین افضل شاہین نورین مسکان سرور کے سوالات ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آئے۔ کام کی باتیں موسم کے حسب حال رہیں الغرض آچل کا یہ شمارہ شاندار اور جاندار رہا! اچھا اب اجازت فی امان اللہ۔

کرن ملک جتوئی۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں یقیناً عید اچھی گزری ہوگی ستمبر کے شمارے کی دلہن کچھ اچھی نہیں لگی یہ کیا اگلا شمارہ بھی عید نمبر ہوگا واہ! جی واہ۔ عید کے رنگ چھائے ہی رہیں گے بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل کے بارے میں جان کر اچھا لگا سونے پہ سہاگہ والا کام راحت جیں نے کر دیا اپنے بارے میں بتا کر "شب جگر کی پہلی بارش" میں مجھے صمید اور مریرہ کا کردار اچھا لگا اور یہ عمر درمیان میں کہاں سے آ گیا تھا زادیار اور عائدہ کی جوڑی بنتی نظر آتی ہے ویسے میرا دل سوسائڈ کی طرف ہے۔ سمیرا شریف یہ کیا ہوا مصطفیٰ نے شہوار پر شک کرنا شروع کر دیا مجھے مردوں کی یہ شب کرنے والی عادت بہت بُری لگتی ہے۔ میں تو اب اس کہانی کا اینڈ نہیں لکھی لیکن یہاں تو نیا ٹوٹل آ گیا۔ "موم کی محبت" میں بوبی بار بار ناراض ہو کر روم میں لاک اپ ہو کر کیوں لیٹ جاتا ہے عارض کو ابھی تڑپانا چاہیے بغیر بتائے جو سزا دے دی۔ "محبت دل کا سجدہ ہے" کا اینڈ حسب منشاء اچھا ہوا۔ ٹائٹل "اناڑی پیا" پڑھ کر بہت مزا آیا آخر میں ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔ "لوہر" میں واقع ٹھیک کیا گیا اپنی عورتیں بخل میں دوسروں کی نظر میں۔ شاد یہ فاروق نے بھی عید کا اچھا تحفہ دیا "حسن کی عید" کچھ ادھوری سی لگی بقیہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ لائبریری میں شکر یہ کی کوئی بات نہیں اچھی چیز کو اچھا ہی کہا جاتا ہے۔ ارم کمال یاد کرنے کا شکر یہ ایم فاطمہ سیال جی آچل ولا میں داخل ہو گیا محمودہ دوستوں کی لسٹ میں بھی شامل ہو گیا۔ مسکان سمیرا انجیر یار کہاں کہیں ہو اب تو نظر ہی نہیں آتی۔ میں نے مسج اور مدیحا آپ دونوں کو دوش کیا تھا لیکن کیا کروں جگہ ہی نہیں ملی میری طرف سے سب کو عید الا کی مبارک ہو۔

وثیقہ زمرہ سمندری۔ آچل اشاف اور قارئین کو سلام اور بہت بہت عید مبارک۔ آچل 27 کو بھائی نے لا کر دیا وہ بھی بہت منتوں سے۔ سب سے پہلے "موم کی محبت" پڑھا جو خاکہ اذان کا بتایا ہے بے اختیار دل جا ہا کہ سامنا ہوا اور ہم بھی چنا چٹ چم لیں اور امید ہے اگلی قسط میں زیبا اور عارض کا راز کھل جائے گا۔ "شب جگر کی پہلی بارش" درکنون کا محبت والا مقولہ کہیں سدید سے ہی

محبت نہ ہو جائے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ در یہ کو یہاں سے بھاگادیں تو بہتر ہے سب سے بُرے کردار ایاز کی فیملی اور در یہ کا ہے۔ ندا حسین کا ”محبت کا فسانہ“ بیسٹ رہا۔ ”میں خوشبو اور رات“ بھی بہت اچھا تھا۔ ناولٹ افسانے ابھی پڑھے نہیں۔ بیاض دل میں سب کے شعر پسند آئے ڈش مقابلہ بند گونجی کا سلا اور معالے دار بریالی پر ہاں کی کیوں کہ یہی دو ڈشز ہم بنا سکتے ہیں۔ ہالی ڈشز بھی اچھی تھیں نیرنگ خیال ایک سے بڑھ کر ایک اللہ حافظ۔

عاصمہ عبد المالك..... گوجر خان۔ شہلا جی آچل اسٹاف رائٹرز اینڈ ریڈرز کو میری طرف سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے بہت سی کتابیں پڑھیں بہت سے ڈائجسٹ اور رسالے بھی پڑھے مگر آچل نے کلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ آچل کے تمام سلیٹے ہی شہلا جی ہیں ہر سلسلہ ہی اچھا لگتا ہے مگر ”دانش کدہ“ میرا سب سے پسندیدہ ہے۔ تمام لکھاری بہنیں اپنی اپنی تحریر کے ساتھ بھرپور انصاف کریں مگر عائشہ نور محمد ایک ایسی رائٹر ہیں جن کی تحریریں ایسی پُر اثر ہوتی ہیں کہ دل بے ساختہ تعریف کرنے پر مجبور ہو جائے ان کی تحریریں دلوں پر گہرا اثر چھوڑتی ہیں۔ عائشہ جی میری طرف سے آپ کو ڈھیروں سلام اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کی کامیابیاں عطا فرمائے آمین اور اللہ تعالیٰ آچل کو دن دینی اور رات چونی ترتی عطا فرمائے آمین۔ پہلی دفعہ عینہ میں شرکت کر رہی ہوں فی امان اللہ۔

☆ پہلی شرکت پر خوش آمدید۔

فرحت اشرف گھمن..... سید ولا۔ السلام علیکم! اس ہارٹاسٹل بہت شاندار تھا پہلے حمد و نعت سے دل و دماغ روشن ہوا۔ سلسلہ دار ناول ”موم کی محبت“ بہت ست روی کا شکار ہے تھوڑا تیز چلایا کریں اور نہ کہانی اپنا مزہ کھودیتی ہے۔ ایک سال دو ماہ ہو گئے ابھی کہانی محبت کے ہی ارد گرد اٹکی ہوئی ہے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ سمیرا جی اب شہوار کے ساتھ کچھ بُرا نہ کر ایسے گا وہ پہلے ہی رشتوں کو ترسی ہوئی ہے اینڈ ولی کو کچھ نہ ہو وہ پسندیدہ کردار ہے۔ ناولٹ ”محبت دل کا سجدہ ہے“ سباس گل نے اچھا اینڈ کیا سب کو ملا دیا انا ختم کر دی۔ باقی افسانے اور ناول اے دن تھے سب ہی کہانیاں رائٹرز کی محنت اور مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ مجھے نازیہ کنول سے گلہ ہے نازیہ نے شعاع جولائی میں دہن بنی ہوئی تصویر دی ہے پھر آچل میں کیوں نقاب میں دی ہیں۔ آچل والوں کو اپنے دیدار سے محروم رکھا اور شعاع والوں کو دیدار کروا دیا یہ تو نا انصافی ہوئی نا۔ باقی رسالہ اے دن لگا دعاؤں میں یاد رکھنا سانسوں کی ڈوری بندھی رہی تو اگلے ماہ انٹری دوں گی تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

ہادس فضل..... السلام علیکم! اتمام امت مسلمہ اہل وطن آچل فیملی کیسے ہو سب؟ شہلا جی آپ سنائیں عید الاضحیٰ کی مبارک یاد تمام مسلمانوں اور آچل سے منسلک لوگوں کو۔ آچل باقی تو ابھی زیر مطالعہ ہے اس لیے چند ایک جو پڑھی ہیں ان پر ہی بتصرہ کروں گی ”موم کی محبت“ تو لگتا ہے واقعی ہی شرمین کی محبت بھی موم کی طرح ہے ذرا سی بات پر اس کا دل سچ گیا اسنے لیے کوئی درست فیصلہ کر ہی لے تو بہتر ہے۔ عارض جب مجرم ہے تو زیبا بے چاری بے قصور ہوتے ہوئے بھی سزا جیل رہی ہے جب کہ عارض گناہ کر کے بھی آرام سے زندگی گزار رہا ہے۔ مندر بھی جانتے بوجھتے زیبا کو چھوڑ رہا ہے خیر اینڈ میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ اب کچھ کھل رہی ہے در یہ کو تو شہوار سے دور ہی رکھے سمیرا جی پہلے کیا کم دکھا اٹھائے ہیں بے چاری نے اب جلدی سے ہادیہ اور ابو بکر کے بعد رابعہ اور سرعباس کو بھی ملا دیں۔ ایاز اور اس کی فیملی کے لیے عبرت ناک سزا ہونی چاہیے تاکہ دنیا اس سے سبق حاصل کرے۔ ”شب بھر کی پہلی بارش“ آپ نے رائٹر کے نام اور ناول کے نام کی طرح بہت ہی خوب صورت لکھا ہے پھر تبصرہ کروں گی نازیہ جی ڈونٹ مائنڈ ”محبت دل کا سجدہ ہے“ دیکھی ہے ابھی اس دفعہ پڑھی نہیں پہلے والی اقساط کچھ خاص نہیں ہیں۔ اچھا جی اب بس کرتی ہوں اللہ حافظ۔

ندا علی عباس..... سوھاوہ گجر خان۔ السلام علیکم شہلا جی اپنی اینڈ آل آچل فرینڈز! امید ہے سب فٹ فاٹ ہوں گی ہمیشہ کی طرح آچل 26 کو ملایہ کیا آپ کو کوئی نئی ماڈل نہیں ملی کیا ہر دوسرے ماہ بعد وہی ماڈل سرورق پر نشریف فرما ہوتی ہے۔ سمیرا شریف طویا آپ کا ناول اچھا جا رہا ہے مگر ہر ماہ پڑھنے کے بعد دل کی دھڑکن کی رفتار معمول سے زیادہ تیز ہو جاتی ہے پلیز یہ کاشفہ ایاز اور در یہ کو ایک سائیڈ پر کر کے پھر کا تو ضرور دیں ایک بار پچا نہیں یہ دن لوگوں کے دماغ میں نئی نئی سازشیں کہاں سے آ جاتی ہیں۔ ہم سے کوئی کام خراب ہو جائے تو جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا بہانہ بنانا تو دور کی بات ہے۔ عائشہ نور عا شا کہاں غائب ہو جلدی سے آچل میں انٹری دوں اور عائشہ کیا آپ ہم سے دوستی کرنا پسند فرمائیں گی پلیز ضرور بتائیے گا اللہ حافظ۔

لائبہ میرو..... حضور۔ السلام علیکم! اتمام نیم کو ہمیشہ جتنے سکر اتے رہیں۔ ٹاسٹل بہت اچھا تھا ”ٹوٹا ہوا تارا“ نے زیر دست موڑ لیا۔ ”موم کی محبت“ بھی یہ قسط اچھی لگی۔ شرمین کے ساتھ اذان بہت اچھا لگا کیوٹ سا نازیہ جی کی یہ قسط کچھلی تینوں سے بیسٹ تھی۔ اس کے علاوہ ”اناڑی پیا“ اور ”محبت کا فسانہ“ بہت فٹ تھیں۔ فاخرہ گل سے مل کر اچھا لگا اس کے علاوہ ”زرد موسم“ کی رائٹر سے ملاقات بھی ہو گئی خوشی ہوئی۔ ہالی ہر سلسلہ بھر پور تھا لیکن نیرنگ خیال میں محفل کے ٹوپر (راشد ترین) کی کی محسوس ہوئی۔ مگر مگر دل اور جازبہ کی سوال ٹاپ پر تھے۔ دعائے سحر سے مل کر اچھا لگا تھا گزشتہ ماہ اینڈ تمہارا نام بھی بہت پسند ہے مجھے۔ ارم کمال تمہاری دوستی دل سے قبول کرتے ہمارے اور پرنسز افضل شاہین اینڈ شاہانہ عابد کے نام کی پیغام لکھے لیکن تم لوگوں تک نہیں پہنچ پائے اس بار بھی تمہارے

READING
Section

آنجل * اکتوبر * 2015ء 307

پیغام میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ شاہانہ قہینک یوسوچ اینڈ کہاں غائب ہو جاتی ہو۔ کوثر خالد جی (لوپو) آپ کی شاعری زبردست ہوتی ہے آپ کا تعارف پڑھنے کی خواہش ہے اینڈ پروین افضل میں نے دیکھ لیا ہے آپ کو پرنس بھائی کا قلم چراتے ہوئے اب خبر نہیں۔ جس جس کی سال گرہ ہے بہت بہت مبارک ہو اور جن دوستوں کے والدین یا عزیز خالق حقیقی سے جاملے ان سب کو اللہ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے آمین تمام تارمین کے لیے بہت سی دعائیں۔

اسماء نور عشاء..... بھوج پور۔ السلام علیکم ایسی ہیں آپ امید ہے کہ خیریت سے ہوں گی شہلا جی میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ کا منہ چوم لوں سچ میں بہت پیارا رہا ہے آپ پر۔ اب آپ حیران ہو رہی ہوں گی کہ آخر وجہ کیا ہے تو چلیں وہ بھی بتا دیتی ہوں۔ ستمبر کے شمارے میں اپنا نام وہ بھی آئینہ میں جھلک کرتے دیکھا تو یقین جاسیے اتنی خوشی ہوئی کہ بتا نہیں سکتی۔ چلیں جی اب آئی ہوں تبصرے کی طرف ستمبر کا ٹائٹل بہت پسند آیا۔ سب سے پہلے حمد و نعت سے دل کو منور کیا اور پھر بھاگے بھاگے نازیہ کنول نازیہ تک پہنچے نازیہ جی مجھے سدید کا کردار بہت پسند ہے۔ اس دفعہ کی قسط میں ایک بات ہضم نہیں ہوئی کیا عمر جیسے انسان بھی آج کے دور میں موجود ہیں اتنا سچا پیارا ساٹھ سال سے اوپر کے ہو گئے اور شادی نہیں کی ویری امیز مل۔ اب بات ہو جائے سمیرا جی کے ناول کی بہت خوب صورت ناول آپ کے ناول میں رابعہ اور ابو بکر میرے دوست فیورٹ کردار ہیں۔ اُف یہ در یہ یہ تو کاشفہ بھی بڑی نکلی دل چاہتا ہے اس کا بگڑا بادوں۔ صائمہ قریشی آپ کی کہانی بڑھ کر مزہ آ گیا حسنین صاحب محنت کے باوجود بھی ”اناڑی پیا“ ہی رہے۔ ”عید کا تحفہ“ بہت اچھی سبق آموز کہانی ویل ڈن شازیہ جی۔ مختصر یہ کہ اس دفعہ آچل پورے کا پورا بیسٹ تھا۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے اللہ نگہبان۔

مونیا شاہ قریشی..... السلام علیکم! چند دن قاف چندے مہتاب ستاروں سی لا جواب بجو جان! اس تاب و تاب میں طبع نازک کی درستی مطلوب ہے۔ 25 تاریخ کو جو جلوہ آچل نے حواس معطل کیے وہ دودن بعد ٹھکانے آئے تو قلم کو اگلیوں کا لمس سوچ کر لفظوں کو صفحات پر بکھیرنے کا کام آیا۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ کو شریف قبولیت بخشا مگر دو صفحات کے بعد ہی اسے نظروں سے اوجھل کر دیا۔ در یہ اور ایاز کی کیمسٹری دیکھ کر مجھے خطرناک ری ایکشن کی توقع تھی اور خطرہ میں ابھی انور ڈن نہیں کر سکتی۔ ”میں خوشبو اور رات“ کے سوگوار ٹائٹل نے متوجہ کیا مگر محض ٹائٹل پر اکتفا نہیں کیا پوری کہانی ہی دل سوز تھی۔ ”محبت کا فسانہ“ اور ”اناڑی پیا“ میں موخر الذکر اسٹوری نے سکرابٹ کو ختم ہی نہیں ہونے دیا۔ حسنین کا اناڑی پن نہیں بلکہ ڈھیٹ پن کہنا مناسب ہوگا۔ ”محبت دل کا سجدہ ہے“ سباس بجو بس ایک بات ضرور کہوں گی اس علی کی ”میری جان“ کی گردان نے سچ معنوں میں جان نکال دی اتنی جان کی رٹ..... اختتام تو ہوا صد شکر ناول اچھا تھا۔ ”وطن کی مٹی گواہ رہتا“ ایسی باتوں کو پورا وطن سلیوٹ کرتا ہے فخر و مان کا پیکر۔ نظر ناظمہ قلم کا اتنا درست استعمال مجھے بہت پسند آیا۔ ”زہر“ نے واقعی ایک لمحے کے لیے پورے منہ میں کڑواہٹ گھول دی اعتدال پر آنے میں خاصا وقت لگا۔ تلخ حقیقت لیے افسانہ بیسٹ تھا۔ نازیہ بجو ”شب ہجر کی پہلی بارش“ مجھے بس ضمیر الکل اچھے لگے ان کی محبت درڑے قراری ضبط انہیں الکل کیوں بنا دیا بس یہی شکوہ ہے۔ مدیحہ کنول یار اوئے ہوئے یہ مزاج عاشقانہ مجھے تو بہت پسند آیا یہ ناز دلبرانہ۔ فریحہ طیبہ اور جاناں آپ نے نیرنگ خیال کی دلکشی میں اضافہ کا سامان مہیا کیا۔ جاز بہ ڈنیر میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں شکر یہ نہیں بننا آپ کا۔ یادگار لمحے میں نورین لطیف اور اقرار لیاقت نے اچھا تاثر چھوڑا باقی سلسلے زیر نگاہ ہیں جو کہ امید کامل ہے ہمیشہ کی طرح مزے دار ہوں اللہ حافظ۔

عائشہ پروین..... کراچی۔ اکتوبر کا مہینہ ٹھنڈی ٹھنڈی دل فریب ہوا سردی کی آمد چاندنی رات آسمان پر بکھرے تاروں کی کہکشاں کیا دل خوش نما سا منظر پیش کر رہا ہے اور اس مصرعے کی مثل ہے ”جھوم اٹھا ہے جہاں..... اک تیرے آ جانے سے“ آہم آہم۔ ہاں جی اب آتے ہیں تبصرے کی طرف سب سے پہلے تمام آچل اشاف اور قارئین کو میرا محبت بھرا سلام اور عید الاضحیٰ کی ڈھیر ساری مبارک باد۔ شکر ہے اس بار آچل کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سرورق ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگا۔ حمد و نعت سے دل کو منور کیا پھر تعارف کی طرف بھاگی سب ہی کے تقریباً تعارف اچھے لگے خاص کر میری دوست شیریں تبسم کے اس کے بعد بھاگی سلسلے وار ناول کی طرف یعنی ”موسم کی محبت“ راحت و قاف جی مجھے تو ٹینشن لگ گئی بے چارنا شرمین کہاں کہاں جائے کس کس کی سنے۔ اُف..... کسی طرح ان کے مسائل دور کر دس خاص کر میری فیورٹ زیبا کے ساتھ صفر کارویہ نہیں تو میں نے عارض کا خون کر دینا ہے ہاں نہیں تو۔ ”محبت دل کا سجدہ ہے“ سہاس کل داہ جی سی تو چھا گئے اتنا اچھا اینڈ کیا ویل ڈن۔ ”شب ہجر کی پہلی بارش“ اتنی قسط پڑھنے کے بعد مجھے درکتون اور صیام کا کردار اچھا لگا پلیز نازیہ جی ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لکھا کریں (کسی کو پتا نہیں چلے گا ہا ہا ہا)۔ اس کے بعد ”ٹوٹا ہوا تارا“ کی طرف بھاگی اور پھر سوچا کیوں نہ سمیرا آپی کے کھر دھرنادے آؤں ایک پرابلم ختم ہوئی نہیں دوسری کھڑی ہوئی۔ ابھی کبھی مجھے لگتا ہے سمیرا آپی ایاز کاشفہ اور در یہ کے ساتھ تھی ہوئی ہیں ہاں نہیں تو۔ تمام ”افسانے“ بہت اچھے تھے سب نے ایک سے بڑھ کر لکھا اسپیشلی سحرش فاطمہ نے ”حسن کی عید“ بہت اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ یادگار لمحے تو واقعی یادگار رہا۔ بیاض دل آئینہ اور نیرنگ خیال بہت عمدہ رہا۔ ڈش مقابلہ میں سب کی ڈشیں مزے دار لگیں۔ دوست کا پیغام آئے میں مہرے نام کو کوئی پیغام نہیں۔ ہم سے پوچھئے میں جوابات پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ ان کا تعلق کسی زمانے میں مسٹرین سے رہا ہوگا۔ آپ کی صحت تو پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے میری اپنی صحت بگڑنے والی ہے۔ پھر کام کی باتیں پڑھیں جو تھوڑی بہت بقول ای کے سمجھا ہی گئی ہوں گی۔ میری دعا ہے آچل خوب سے خوب لکھی کے

منزل طے کرتا چلا جائے فی امان اللہ۔

تھمینہ خان ہنی..... **نووی**۔ السلام علیکم اہل پاکستان اور تمام نچل اسٹاف۔ سلام کے بعد عرض ہے کہ میں پچھلے پانچ سالوں سے آپ کی خاموش قاری ہوں لیکن آج قلم اٹھانے کی وجہ سے میرا شریف طور کا سلسلہ دار ناول ”ٹوٹا ہوا تارا“ ہے بلاشبہ ہر طرح سے مکمل اور خوب صورت ناول ہے لیکن اگر اس میں اب بے جا نوٹس نہ لے کر آئیں اور تھوڑا اختصار سے کام لیا جائے تو کہانی کا پلاٹ اور قاری کا شوق ہنوز برقرار رہے گا اور مصنفہ سے گزارش ہے کہ اب شہوار کے خاندان کا پتا چلنا چاہیے باقی تمام سلسلے بہت اچھے ہیں۔ افسانے نعت و حمد شاعری بلاشبہ ایک معیاری ڈائجسٹ ہے نچل والی سلام۔

☆ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

ماریہ کنول ماہی، نازیہ افرامین، گوجرانوالہ۔ السلام علیکم! تمام پڑھنے والیوں کو اس کیوٹ اور سوہٹ سی ماہی کی جانب سے عید الاکبریٰ بہت بہت مبارک ہو اور شہلا آپ کی آپ کو بھی۔ نچل ہاتھ میں آیا تو سرورق نے ہماری ساری توجہ کھینچ لی، مہوش آفتاب نے تودل کے نہاں خانوں میں اپنی جگہ بنالی اور اس کی آنکھیں تو بالکل ایسے لگتی تھیں جیسے میری چھین لی ہو۔ خیر پھر آگے بڑھے سرگوشیوں کے بعد مالک یوم دین پڑھا دل پر سکون ہو گیا خصوصاً تکمیل دعا پڑھ کر۔ درجواب آں میں آئی کو بڑے دلکش انداز میں دوسروں سے محو گفتگو پایا پھر آگے بڑھے ”موم کی محبت“ پر تو مجھے کئی گڑبڑ ہونے کا خدشہ لگتا ہے بوبی کی طرف سے اور جب عارض زبیا کا مجرم ہے تو پھر اتنا معصوم کیوں بن رہا ہے۔ حیرانک دن تو تمہارا، رنماہ سا سنتا ہی جائے گا۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ میرا آپ کی مجھے تو آپ بڑی پیاری لکھیں تصویروں میں اور اب آپ کے اس ناول سے بھی زیادہ محبت ہو گئی ہے۔ شکر ہے ولید کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے انا کے اندر چھپی محبت کر دھ لپٹنے لگی ہے مگر شہوار اور مصطفیٰ کی طرف سے کچھ خطرہ نکل ہو رہا ہے یہاں سبب درجہ ضرور اپنی اوقات دکھائے گی۔ ”محبت دل کا سجدہ ہے“ ویری فنڈاشنک اینڈ ہوا آپ سب اس میری طرف سے آپ کو سیلوٹ۔ ”شب بھر کی پہلی بارش“ اچھی جارہی ہے مکمل ناول دونوں ہی اچھے تھے۔ ناولٹ بھی اے دن تھے خصوصاً ”اناڑی پیا“ پڑھ کر تو بہت ہنسی آئی جو امی کی ڈانٹ سے بند ہوئی۔ افسانے سبھی پسند آئے مگر ”وطن کی مٹی گواہ رہنا“ دل کو چھو گیا۔ ہمارا نچل میں چاروں دوستوں سے مل کر اچھا لگا خاص کر سلمیٰ گوری سے دوستی کروں گی جواب ضرور دینا۔ بیاض دل میں فریدہ جاوید و قاص عمر نیلم شرافت فیاض الحق کے اشعار پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں نیلم شہزادی طیبہ نذیر اور جاناں کا انتخاب اچھا لگا۔ دوست کا پیغام آئے سارا پڑھا مگر کسی ظالم نے ہم یا نہیں کیا۔ یادگار لمحے بھی فرسٹ کلاس تھے۔ ہم سے پوچھتے ہیں جازبہ عباسی زویا خان ارم کمال اور وقاص عمر کے سوالات پسند آئے اور آئینہ میں بھی کے تبصرے پسند آئے۔ ڈیئر قارئین آپ سے گزارش ہے کہ میری خالہ کی آنکھوں کی بصارت ختم ہو گئی ہے پلیز دعا کیجیے کہ اللہ ان کی آنکھوں کا نور پھر سے عطا کر دے۔ ساری فریڈز کو عید الاکبریٰ کی ڈیئر مبارکباد اور دعائیں اللہ حافظ۔

آمنہ..... **ای میل**۔ السلام علیکم! میں ایک خاموش قاری ہوں لیکن اس دفعہ اپنی خاموشی توڑ کر نچل کی محفل میں شامل ہوں عید نمبر 2 کے ساتھ سب سے پہلے ایک چھوٹے سے پتہ اثر افسانے ”حسنہ کی عید“ پر بات کروں گی۔ سحرش فاطمہ نئی لکھاری ہیں ان کی تحریر پڑھ کر مجھے حسنہ کا درد محسوس ہونے لگا۔ ہم قارئین انہیں افسانوں، ناولوں میں اپنے آپ ڈھونڈتے ہیں اور ایسا ہے بھی۔ اس مختصر افسانے نے دل کو چھو لیا۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں صرف سحرش کی تعریف کروں گی تو اسکی بات نہیں ہے، بہنوں کی عدالت ہو ہمارا اپنے دل کو چھو لیا۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں صرف سحرش کی تعریف کروں گی تو اسکی بات نہیں ہے، بہنوں کی عدالت ہو ہمارا نچل ہر سلسلہ نچل کا عزیز ہے پھر وہ آپ کی قیصر کے جواب دینے کا طریقہ ہو یا ہمارے لیے بیوی کا بیڈ۔ اس دفعہ صائمہ قریشی کا ”اناڑی پیا“ بہترین تحریر پڑھتے ہی مسکراہٹ ہنوز رہی تو دوسری جانب ندا حسنین کا ہنستا مسکراتا گریلو سا ناول جس میں کزنز کی نوک جھونک اور پھر والدین اور اولاد کا راز ہر چیز اس میں شامل ہے۔ فاخرہ گل کا بہنوں کی عدالت میں آنا بہت اچھا لگا۔ عید سر دے بھی بہت اچھے جوابات لکھے مجھے ایسا لگ رہا ہے میں پہلی دفعہ نہیں بلکہ جیسے ہر دفعہ شامل ہوتی ہوں، چلیں میں اب اس امید کے ساتھ اجازت کہ باقاعدہ شامل رہوں گی چلتی ہوں سب رائٹرز کو سلام اور پیار۔

☆ ڈیئر آمنہ خوش آمدید۔

تخیر سے موصول ہونے والے خط۔

مدیحہ لورین مہک رفیق دفا کے ایم لورال شال، رحیم روشن، افشان علی فاطمہ، نبی، حمیرا، وحید، سلمیٰ، نسیم گل۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اگلے باہ تک کے لیے اجازت کہ رب العزت اُماری کی مٹی قربانی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور مستحقین کا جو حق بنتا ہے اسے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔



تم سے بچھٹے

شمالیہ کاشف

سلمیٰ گوری خان..... لاہور

س: ہیلو شمالی! اتنی دشمنی اچھی نہیں ہوتی کہ آپ ہمارے سوالوں کے جواب ہی نہ دیں؟

ج: ارے جواب تو دیتی ہوں مگر دل میں اب بڑے القاب سب کے سامنے لاتے ڈر لگتا ہے۔

س: آج آخری بار پوچھ رہے ہیں کیا ہمارے سوال آپ کو ڈنگ مارتے ہیں جو آپ رڈی کی ٹوکری میں پھینک دیتی ہیں؟

ج: ڈنگ نہیں مارتے لیکن حد سے زیادہ فضول ہوتے ہیں اس لیے ڈاک لانے والا خود ہی کھا جاتا ہے ہی ہی ہی.....

س: یہ فرینڈز نخرے کیوں دکھاتی ہیں؟

ج: کیونکہ آپ ان کے نخرے اٹھا کر انہیں اس قابل بنا دیتی ہیں۔ ویسے آپ نے رڈی چھوڑ کر نخرے کب سے اٹھانا شروع کیے یہ ضرور بتائیے گا۔

س: دلہا اگر گنجا ہو تو چل چاتا ہے اگر دلہن ہو تو.....؟

ج: زیور سے محروم رہ جاتی ہے اور دلہا ایک وقت میں دو چاند دیکھتا ہے۔

س: آپ جی آپ نے کبھی غور کیا یہ ہر دوسری تیسری کہانی میں ہیرو ٹام کروڈ جیسا بنا ہوتا ہے کوئی نواز شریف جیسا یا پھر مولانا فضل الرحمن جیسا کیوں نہیں بنایا جاتا؟

ج: یہ تو اپنے ذہن پر منحصر ہے آپ تصور میں زکوٹا جن کو ہیرو کے طور پر دیکھا کریں ویسے بھی آپ کے وہ بالکل زکوٹا جن جیسے ہناں.....

س: ویسے آپ فرق تو کوئی بھی نہیں ان میں وہ ہیر بے چاری ہیروئن کو چیٹ کرتا ہے اور یہ ساری حکمران ہم سادہ عوام کو بے ہناں؟

ج: خود کو اہمیت دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے

مست دینا پتا نہیں کس اینگل سے ہیروئن لگتی ہو۔

س: ایک بات پوچھوں سنا ہے آپ کوئی وی آفر ہوئی ہے؟

ج: وہ آفر میں نے آپ کی طرف کر دی ہے اب مل توڑی کارول اچھی طرح نبھانا۔

سنیاں زرگر! قصی زرگر..... جوڑہ

س: آپ جی اس دفعہ آپ نے کون سی قربانی خریدی ہے بڑی یا چھوٹی یعنی گائے یا بکریا پھر اونٹ۔

ج: یہ بتا نہیں سکتی ورنہ آپ حصہ مانگیں گی اور میں بے چاری مروت کی ماری انکار نہیں کر پاؤں گی..... ویسے قربانی خریدی نہیں کی جاتی ہے۔

ثانیہ مسکان..... گوجر خان

س: ڈنیر اپنا! پہلی بار آپ کی محفل میں چراغاں کرنے تشریف لائی ہوں خوش آمدید تو کہیں؟

ج: خوش آمدید میری نئی نقلی گھی کے چراغ! اب منہ مست بناؤ چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔

س: آپ ابھی تک آئینہ دیکھ کے ڈر جاتی ہیں حالانکہ اب تک تو آپ کو عادی ہو جانا چاہیے تھا؟

ج: کیا کریں آپ کی خوف ناک صورت آنکھوں میں ایسی سمائی ہے کہ اپنے چہرے کی جگہ آپ کی شکل آئینہ میں نظر آتی ہے۔

س: آئے ہیں تیری زندگی میں ہم بہار بن کے میرے دل میں یوں ہی رہنا.....؟

ج: بہار نہیں دل کا مریض بن کر آئے ہو اور اگر یوں ہی رہی تو تو تو.....

س: ان کی آنکھوں کو دیکھنے والے اپنی آنکھوں سے پیار کرتے ہیں کس کی بھلا؟

ج: میری اور کس کی بھلا اب جل بھن مت جانا۔

س: آپ کا اصرار اپنی جگہ پر اپنا جانا تو ہے فکر مت کریں میں پھر آؤں گی اللہ حافظ۔

ج: مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے فکر تو آپ کے گھر والے کرتے ہیں اب آپ بھی اپنی بے فکر چھوڑ

دیں۔

مدیحہ نورین مہک..... برنالی

س: مرغی اذان دیتا ہے مرغی اذان کیوں نہیں دیتی؟

ج: خود اذان دے کر یہ شوق بھی پورا کر لیا کرو بہنا!

س: آپ جھانگامانگا کے جنگلات میں کیا کرنے گئی تھیں؟

ج: آپ جیسی مرغی دیکھنے گئی تھی مگر افسوس آپ ایک ہی پس تھیں۔ جو ہمارے آنے سے پہلے ہی بھاگ گئی۔

س: غصہ نہ ہوں میں جا رہی ہوں اللہ حافظ۔

ج: اچھا جا رہی ہو پھر آؤں گی؟ یہ تو بتاؤ۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

س: شادی والے دن جب میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین کے سر پر دوپٹہ ڈال کر آئینے میں میری صورت دکھائی گئی تو بھلا بتائیں کہ ان کے منہ سے پہلا لفظ کیا نکلا تھا؟

ج: بُدی طرح پھنس گیا اب تو اللہ ہی حافظ ہے میرا اور ایک بہت ہی لمبی آ آ آ آ آ۔

س: شاوی پر دلہا کو نوٹوں کے ہار کیوں پہنائے جاتے ہیں؟

ج: تاکہ وہ آرام سے بھاگ سکے مگر اس بے چارے کی عقل تو گھاس چرنے لگی ہوتی ہے اب کون سمجھائے لوگوں کو۔

س: کیا شوہر کو مجازی خدا سمجھنے والی بیویاں آج بھی زندہ ہیں؟

ج: یہ تو آپ اپنے پرنس سے پوچھیں اس کا ٹھیک جواب تو وہ ہی دے سکتے ہیں ویسے سچ بتائیں آپ اپنے شوہر کو کیا سمجھتی ہیں۔

کے ایم مقامی..... کھڑیاں قصور

س: آپ اپنی چڑیا کی قربانی میں..... دو پسلیاں مبارک

ہو۔

ج: خیر مبارک سری پائے آپ کو بھیج رہی ہوں رشتے

کے دو دینا پڑتا ہے نا۔

س: آپ اپنی قربانی کا گوشت مستحق افراد کو دیتی ہو یا پھر خود کو ہی حق دار مستحق سمجھ کر سارا ہڑپ کر جاتی ہو؟

ج: آپ مجھے اپنی طرح سمجھ رہی ہو ٹچھلی بار آپ نے ٹڈے کی قربانی کی تھی اور کہا تھا اس میں سے اب میں کس کو بھی کچھ نہیں دوں گی یاد کروں۔

جاذبہ عباسی..... دیول مری

س: چند مہتاب چند آفتاب کا آداب قبول کیجیے ڈیر شائلہ جی! ارے ارے یہ تازہ سرخ گلابوں کے ہار..... آہم ان کی کیا ضرورت تھی؟

ج: بکرا ذبح کرنے سے پہلے جیسے اسے کھلانا پلانا ضروری ہے اس لیے آپ کو بھی چھری کے نیچے لانے سے پہلے یہ ہار تو پہنانا ہیں ناں۔

س: یار ہم اکثر سوچتے ہیں کہ ہماری پیاری شائلہ جانو کے ہونے والے ”وہ“ کیسے ہوں گے؟ چمکتی ٹنڈ کراچی اسٹڈیم جیسی پیشانی، طوے جیسی ناک، گلاب جاسن جیسی رنگت، آف اللہ خوب صورتی کا منہ بولتا ثبوت ہوں گے ہا ہا ہا۔

ج: نقشہ تو آپ نے اپنے ان کا کھینچ دیا ہے بس ہاتھ پاؤں لٹے کرنا بھول گئی ہیں چلو میں نے اضافہ کر دیا۔ ارے ارے شکریہ کی ضرورت نہیں۔

س: پتا ہے جب ہم گھر کے کاموں میں ڈنڈی مار جاتے ہیں ناں تو ہماری ماں جی غصے سے کہتی ہیں ”تجھے کوئی زکونا جن ہی بیاہ کر لے جائے گا“ بھلا کیوں؟

ج: کاش آپ کی ای جی کو کوئی بتائے کہ زکونا جن بھی آپ جیسی کام چور چڑیل کو بیاہ کر نہیں لے جائے۔

س: ہمارے بابا جان نے ہمیں اتنا کیوں ڈانٹا جبکہ ہم نے تو کچھ نہیں کہا تھا بس اپنی دادی جان کے آرٹیفیشل دانت ہی چھپائے تھے کچھ دیر کے لیے۔

ج: وہ یہ ہی تو کہہ رہے ہیں کہ چیز اپنی اپنی استعمال کر لیا کر ڈاب اگر انہوں نے ٹھوڑا سخت لہجے میں کہہ دیا تو کیا ہوا۔

فاطمہ بھٹی..... وہاڑی

س: مرد عشق میں ناکام ہو کر داڑھی رکھتے ہیں عورتیں کیا کرتی ہوں گی؟
ج: ناخن بڑھا لیتی ہیں ناکام عشق میں اپنے عاشق کا منہ نوچنے کے لیے۔

س: جب ہم گرتے ہیں تو یہ کیوں دیکھتے ہیں کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ چوٹ کہاں لگی؟
ج: گرنے کے بعد سب سے پہلے بے عزتی کا خیال جو سرچڑھ کر بولتا ہے لیکن جب آپ گرتی ہوں گی تو زلزلہ ہی آ جاتا ہوگا اور آپ ضرور دیکھتی ہوں گی کہ کون کہاں گرا۔

س: میرا آنا تو برا نہیں لگا آپ کو؟
ج: اتنے بُرے حلیے میں آؤں گی تو مجھے کیا سب کو ہی برا لگے گا آئندہ ڈھنگ سے آنا۔

جی کنول خان..... موسیٰ خیل
س: شام لکھا پی پہلی بار شرکت کی ہے ویکم نہیں کہیں گی؟

ج: کیوں زبردستی ہے کیا یا پھر کسی سیاسی پارٹی سے تعلق ہے۔

س: آپ یوں کیوں گھور رہی ہیں؟
ج: اتنا خراب میک اپ کر کے گھر سے یہاں تک کیسے گئیں یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔
س: آپ مجھے ایگزامز میں پاس ہونے کا آسان ترین طریقہ بتائیں؟

ج: بہت ہی آسان طریقہ ہے پڑھ لو عمل کر کے دیکھنا ضرور پاس ہو جاؤ گی۔

س: ہائے اتنی گرمی ادھر سے لوڈ شیڈنگ آپ کی سنا دیں واپڈ ادا لوں کو کچھ؟

ج: نہیں بھئی آپ کے سرال والوں کو میں کچھ نہیں کہہ سکتی اس کے لیے بس آپ ہی کافی ہوں۔

س: اچھا آپ اپنی اجازت چاہتی ہوں اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کریں۔

ج: سدا خوش رہو اپنے خرچے پر۔

رخ کوئل شہزادی..... سرگودھا
س: آپ کے جوابات پڑھ کر ہمیشہ مسکراہٹ کیوں آتی ہے لبوں پر؟
ج: زبردستی نہیں ہے دل نا چاہئے تو مت مسکراؤں۔
س: آپ اپنی آپ نے عیدی ہی نہیں بھیجی ہماری بھلا کیوں؟

ج: کیونکہ تم ہمیشہ کی طرح گھر پر نہیں تھیں اس لیے ہم نے بھی عیدی نہیں بھیجی۔

عائشہ پرویز..... کراچی
س: آپ اپنی جی! وہ کہتے ہیں مجھے آپ..... لگتی ہو بھلا کیا؟

ج: لو بھلا یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات ہے سب کو ہی تو پتا ہے کہ تمہارے وہ تم کو چڑھیل.....

س: محبت اور محنت میں فرق ایک نقطے کے اوپر نیچے ہونے کا ہے اور.....؟

ج: سمجھنے کا جو کم آپ کی ناقص عقل سمجھنے سے قاصر ہے اس لیے کہتے ہیں بادام کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤں۔
س: یہ بتائیں کہ محبت کرنے والے سائے سے بھی کیوں ڈرتے ہیں بھلا؟

ج: آسیب سے سب ڈرتے ہیں آپ مت ڈریں کیونکہ آپ کو خود..... سمجھ گئی ہوں گی اب تو.....

سعیدہ..... ستیانہ
س: آپ اپنی پہلی بات آپ کے آستانے پر آئے ہیں ویکم تو بننا ہی ہے کیسے کریں گی؟

ج: ہم اپنی ہر مرید کو ایک پیر پر کھڑے ہونے کی سزا دیتے ہیں آپ بھی اس پر عمل کریں شاہاش۔

س: آپ اپنی جی جن کو ہم خوش رکھنا چاہتے ہیں وہ ہی ہم سے ناراض کیوں ہوتے ہیں؟

ج: آپ سچن، کو کیوں خوش رکھنا چاہتی ہو انسانوں کو خوش رکھو تو پھل بھی ملے گا اور ادھار بھی.....

س: اللہ آپ کو دائمی خوشیوں سے نوازیں آمین۔
ہمیں بھی اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کریں؟

ج: اللہ آپ کو عقل سلیم دینے کے ساتھ اسے استعمال کرنے کی صلاحیت بھی عطا فرمائے سب بولیں آمین۔
 مہوش فاطمہ بٹ..... دینہ جہلم
 س: خوش آمدید شائلہ جی! اب آپ مجھے بھی خوش آمدید کہیں؟

ج: زبردستی ہے کیا نہیں کہوں گی ڈرتی نہیں ہوں..... تم تو فوراً ہی بات دل پر لے جاتی ہیں۔

س: سردیوں میں اگر ٹھنڈے پانی سے نہایا جائے تو دانت بچنا شروع ہو جاتے ہیں لیکن گرمیوں میں تو ٹھنڈے پانی سے نہایا جاتا ہے پھر کیوں دانت نہیں بچتے؟

ج: مجھے تو اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ تمہارے دانت سردیوں میں نہانے سے بچتے ہیں جب کہ تم تو بیتی میز پر رکھ کر جاتی ہوں۔

س: لوگ دوسروں کی برائیاں بیان کرتے ہیں لیکن اچھائیاں بیان نہیں کرتے کیوں؟

ج: یہ سوال تو آپ کو خود سے کرنا چاہیے کیونکہ آپ ہر وقت اپنی ساس بندوں کی کتنی برائیاں کرتی رہتی ہوں۔

طیبہ نذیر..... شادی وال گجرات
 س: کیسی زندگی گزر رہی ہے آپ کی؟

ج: آپ کے آنے سے پہلے تک بہت خوش گوار گزر رہی تھی اب کیا نہیں پتا۔

س: میرے سے کیا ویر ہے آپ کا جو مجھے شامل نہیں کرتیں آپ؟

ج: مجھے تو کوئی ویر نہیں ہاں البتہ ڈاک خانے والوں کو ضرور لگتا ہے۔

س: ویسے آپ دن بہ دن بڑی تیز ہوتی جا رہی ہیں (مانڈاٹ)

ج: ہاں عید قرباں قریب ہے ناں تو سوچا اس بار تم کو ہی.....

س: مجھے ایسے لگتا ہے جب آپ سوالوں کے جواب دیتی ہیں تو کھڑی ہو کے دونوں ہاتھ کمر پر لگا کے جواب

دیتی ہیں؟
 ج: نہیں بہنا! اگر ہاتھ کمر پر لگا لوں گی تو بیلن اور چمٹا کیا صرف تم ہی دکھاؤں گی.....

س: کوئی بات بڑی لگی ہو تو سوری اللہ حافظ۔
 ج: کوئی بات نہیں بلکہ ساری باتیں ہی بڑی لگی ہیں خیر پر.....

طاہرہ غزل..... جتوئی
 س: آپ کیسی ہیں آپ؟

ج: پھولوں کی طرح ٹھکتی ہوئی ہمیشہ کی طرح بہت ہی خوب صورت حسین اور جمیل اب جلنا جانا۔

س: بہارو پھول برساؤ..... آہم آپ یہ پھول میرے آنے پر برسائے جا رہے ہیں یا آپ رہتی ہی پھولوں میں ہیں؟

ج: ہم تو رہتے ہی پھولوں میں ہیں بس یہ کاغذی پھول آپ کے لیے ہیں اس پر ہی خوش ہو جاؤں۔

س: شامل آپ جتوئی سے کراچی دور ہے یا چاند؟
 ج: کیوں جو چیز زیادہ دور ہوئی وہاں اپنے میاں کو لے جانے کی فرمائش کروں گی بہت چالاک ہوتی جا رہی ہو۔

س: آپ کی پسند کا پھول کون سا ہے؟
 ج: میں تو خود ایک پھول ہوں وہ بھی بے انتہاء حسین گلاب کے پھول سے زیادہ۔

س: آپ میرے سوالات پڑھ کر پور تو نہیں ہوئیں؟
 ج: بہت جلدی خیال آگیا ورنہ ابھی روڈی کی ٹوکری میں جگہ بنا ہی رہی تھی۔

س: آپ اپنی پیاری سی دعاؤں میں مجھے اجالت دیجیے اللہ حافظ

ج: سدا خوش رہو اپنی بھولی ساس کے ساتھ۔

س: آپ اپنی پیاری سی دعاؤں میں مجھے اجالت دیجیے اللہ حافظ

ج: سدا خوش رہو اپنی بھولی ساس کے ساتھ۔

ج: سدا خوش رہو اپنی بھولی ساس کے ساتھ۔



ک ف ہارون آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے مسائل شائع کیے بغیر حل بتائیں۔

محترمہ آپ PICHUTRIN-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

شمع اسلام منڈی بچیانہ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بال بہت روکھے اور بے جان ہیں لمبے نہیں ہوتے بہت چھوٹے ہیں گرتے بھی بہت ہیں میں چاہتی ہوں کہ میرے بال لمبے مضبوط اور چمکدار ہو جائیں اور جلدی لمبے ہوں برائے مہربانی کوئی اچھی سی دوا تجویز فرمائیں میں آپ کی بڑی شکرگزار رہوں گی۔

محترمہ آپ مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ تین چار بوتل کے استعمال سے بال لمبے گھنے اور خوب صورت ہو جائیں گے۔

عادل مصطفیٰ جہلم سے لکھتے ہیں کہ میرا قد چھوٹا ہے بڑھانا چاہتا ہوں پلیز اس کا کوئی علاج بتائیں دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے اس کے چہرے پر سرخ رنگ کے دانے نکل آتے ہیں اور بعد میں نشان چھوڑ جاتے ہیں کوئی علاج بتادیں بڑی مہربانی ہوگی۔

محترم آپ CALC PHOS-6X کی 4,4 گولی تین وقت روزانہ کھایا کریں اور BHARIUM CARB-200 کے پانچ قطرے

آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن پیا کریں تین ماہ کا کورس مکمل کر لیں۔ اس کے بعد عمر کے ساتھ قد بڑھتا رہے گا اور دوا کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے حاصل کریں اور اپنی بہن کو GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیا کریں۔

آصفہ کنول جنوئی سے لکھتی ہیں کہ میرے بھائی کے بالوں کا مسئلہ تھا آپ کے ہیئر گروور کے استعمال سے کافی فائدہ ہوا مگر اب بھی کچھ بال گرتے ہیں اس کے ساتھ کوئی کھانے کی دوا بھی بتائیں اور بھائی کے سر میں پیپ دانے نکلتے ہیں اور سر کی جلد پر بہت خارش ہوتی ہے۔ دوسرا مسئلہ بھی میرے بھائی کا ہے ان کے جسم پر بہت الرجی ہوتی ہے اور سرخ، سرخ دانے نکل آتے ہیں پلیز کوئی اچھی سی دوا بتادیں اور میرے منہ پر موٹے موٹے دانے نکل آتے ہیں جو ختم ہونے پر نشان چھوڑ جاتے ہیں اور آخری مسئلہ میری بہن کا ہے ان کے دانتوں سے خون آتا ہے اور منہ میں بو ہوتی ہے پلیز ہم نے بہت امید سے آپ سے رجوع کیا ہے آپ ہمارے ان مسائل کا حل بتادیں۔

محترمہ آپ بھائی کو ACID FLOUR-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیا کریں اور GRAPHITES-200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن دیا کریں، ہیئر گروور کا استعمال بھی جاری رکھیں آپ خود GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور بہن کو MERC SOL-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔

انرا محمود حضروائیک سے لکھتی ہیں کہ آپ لوگوں کے مسائل حل کرتے ہیں اور ان کو دوا بتاتے ہیں میں

قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ پلکوں کے بالوں کیلئے میرے کلینک سے ہیز گروور منگوالیں۔

زاہد علی ملتان سے لکھتے ہیں کہ میں آنجل رسالے میں آپ کا کالم باقاعدگی سے پڑھتا ہوں اور آپ کی تجویز کردہ دواؤں سے بارہا فائدہ اٹھا چکا ہوں اب دو مسئلے ذرا پریشان کن ہیں ان کی دوا تجویز کر دیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ مسئلہ نمبر ایک میرا بیٹا 5 سال کا ہے عرصہ ڈھائی سال سے اس کی ٹانگوں میں شام کے وقت شدید درد ہوتا ہے اور وہ تکلیف سے بے حال ہو جاتا ہے روزانہ اس کو بروفن میرپ شام کے وقت دینا پڑتا ہے ویسے تو ہر چیز کھاتا پیتا ہے لیکن دیکھنے میں بہت کمزور اور دبلا پتلا لگتا ہے ہم نے بہت سے ڈاکٹروں سے علاج کرایا مگر وہ سب طاقت کے میرپ لکھ دیتے ہیں جن سے شروع میں وقتی طور پر فائدہ ہوتا ہے پھر وہی حالت آپ اچھی سے دوا تجویز کر دیں۔

محترم آپ MAG PHOS-6X کی 4 گولی تین وقت روزانہ کھلائیں۔ ان شاء اللہ درد سے نجات ملے گی۔

سعدیہ ادکارہ سے لکھتی ہیں کہ بڑی امید کے ساتھ خط لکھ رہی ہوں ایفرو ڈائٹ کیلئے پیسے بھیج رہی ہوں میرے اور میرے بہنوں کے چہرے پر بال ہیں ایفرو ڈائٹ کے ساتھ کچھ کھانے کی دوا بھی بتائیں تاکہ جلدی بالوں کا خاتمہ ہو۔

محترم آپ OLIMUM JACC-3X کی ایک ایک گولی تین وقت روزانہ کھایا کریں ایفرو ڈائٹ کا استعمال بھی جاری رکھیں۔

حیدر سلطان آزاد کشمیر سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 37 برس ہے 10 سال شادی کو ہو گئے ہیں اس عرصے

بھی بہت امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں ڈاکٹر صاحب میری گردن پر کچھ ایسے نشان ہیں جیسے چائے گر جائے اور وہ سوکھ کر نشان چھوڑ دے پہلے یہ نشان صرف گردن پر تھے اب آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں سردیوں میں یہ نشان بالکل ہلکے ہو جاتے ہیں لیکن گرمیوں میں یہ نشان زیادہ واضح ہو جاتے ہیں جو کہ بہت برے لگتے ہیں نہانے سے یہ نشان ہلکے ہو جاتے ہیں اور ان پر خشکی سی ابھر جاتی ہے۔ دو تین دن بعد دوبارہ یہ نشان ظاہر جاتے ہیں کچھ لوگ کہتے ہیں یہ انگریزیمہ کے داغ ہیں میں بہت پریشان ہوں برائے مہربانی مجھے اس کا علاج بتائیں۔

محترمہ آپ ARSENIC ALB-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں نشان صاف ہونے کے بعد بند کر دیں۔

حمیرا شہزادی گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میں یہ خط بڑی امید کے ساتھ لکھ رہی ہوں آپ میرے مسائل ان شاء اللہ ضرور حل کریں گے پہلا مسئلہ میرا قد چھوٹا ہے عمر 20.21 سال ہوگی دوسرا نسوانی حسن کی کمی ہے۔ تیسرا میرے منہ کے اندر تالو پر بہت زیادہ خارش ہوتی ہے بہت ساری دوائیاں استعمال کی ہیں لیکن کوئی فرق نہیں پڑا چوتھا میرے منہ سے بہت زیادہ بو آتی ہے جس کی وجہ سے میں کسی سے بھی بات نہیں کرتی۔ پانچواں مسئلہ میری پلکوں کے بال بہت زیادہ اترتے ہیں کیا یہ کسی بیماری کی وجہ سے اترتے ہیں یا ویسے ہی اگر بیماری ہے تو دوا ضرور بتائیں۔ اللہ آپ کو صحت و تندرستی اور لمبی عمر عطا فرمائے، آمین۔

محترمہ آپ کی عمر 21 سال ہو چکی ہے قدر بڑھنے کی یا حسن نسوان میں بہتری آنے کی عمر نکل چکی ہے منہ کی تکلیف کے لیے BORAX-30 کے پانچ

آنجل * اکتوبر * 2015ء 315

READING
Section

میں بہت علاج کرائے مگر ازدواجی تعلق صحیح طور پر قائم نہیں کر سکا بہت شرمندگی ہوتی ہے بڑی امید کے ساتھ آپ سے رہنمائی چاہتا ہوں اور میری بیوی کا پیٹ بھی بہت بڑھا ہوا ہے اس کے لیے بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ NUPHUR LATA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور بیگم کو CALC FLOUR-6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھلائیں۔

ردافاطمہ ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میں بڑی امید کے ساتھ اپنا مسئلہ لکھ رہی ہوں، میری عمر 21 سال ہے اور میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے پیٹ میں کیڑے ہیں جب میں 4 یا 5 سال کی تھی تو کھانا کھانے کے بعد میرے پیٹ میں درد ہوتا تھا پیٹ خراب رہتا تھا تو ڈاکٹر نے مجھے بتایا تھا کہ میرے پیٹ میں کیڑے ہیں مجھے کیڑوں کے خاتمے کے لیے دوائی کھلائی گئی تو میں ٹھیک ہو گئی مگر کچھ عرصے بعد پھر وہی حال ہونے لگا جیسے جیسے میں بڑی ہوتی گئی میں بہت کمزوری ہو گئی مجھے بہت بھوک لگتی ہے اور میں پیٹ بھر کر کھاتی ہوں مگر پھر بھی مجھے خون کی شدید کمی ہے آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے ہیں منہ پر پیپ والے دانے بنتے ہیں جب میں سو کر اٹھتی ہوں تو آنکھیں سوچھی ہوتی ہیں اکثر قبض رہتا ہے یا موشن لگ جاتے ہیں اب ڈاکٹر نے مجھے پھر کیڑے بتائے ہیں پلیز اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ CINA-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اس کے علاوہ GRAPHITES-200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن پیا کریں۔ ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا یہ ادویات آپ کو کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے مل جائے گی۔

فرخ نذیر سعید نگر ایس ایف ڈی سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال بہت کمزور ہیں نشوونما کا عمل رک گیا ہے میں نے 1400 روپے کا منی آرڈر آپ کے کلینک کے نام پتے پر کر دیا ہے اس امید پر کہ آپ کی دوا سے مجھے ضرور شفا حاصل ہوگی۔

محترمہ آپ ہیئر گروور کا استعمال پابندی سے کریں۔ تین چار بوتل کے استعمال پر آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

سارا صنم چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں کہ میں آنچل ڈائجسٹ میں آپ کی صحت کا کالم کافی سالوں سے پڑھ رہی ہوں بہت خوشی ہوتی ہے جب لوگ آپ سے اپنے مسائل ڈسکس کرتے ہیں اور آپ ان کی رہنمائی کرتے ہیں میرا بھی ایک مسئلہ ہے مجھے موٹاپا ہے میرا جسم بہت بھاری اور بے ڈھنگا ہے۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARRY-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پی لیا کریں جب وزن کم ہو جائے تو دوا چھوڑ دیں۔

آمنہ خان آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں اس کے لیے کوئی بہتر اور مفید دوا کا بتادیں اور یہ بھی کہ کیا یہ دوا ہمارے ہاں میسر ہے بالوں کو جلدی ختم کرنے کے لیے بھی کوئی دوا بتادیں میں بذریعہ منی آرڈر کیا منگوا سکتی ہوں پلیز جواب ضرور دیں۔

محترمہ آپ مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ اس کی تین چار بوتل کے استعمال سے ان شاء اللہ فالتوں بال مستقل طور پر ختم ہو جائیں گے۔

ثناء لکھتی ہیں کہ آپ کا ہیئر گروور استعمال کر رہی

آنچل * اکتوبر * ۲۰۱۵ء 316

READING
Section

ہوں بال کرنے بند ہو گئے ہیں مگر لمبے نہیں ہوئے اس کے ساتھ مزید کوئی دوا بتائیں۔ دوسرا مسئلہ میری بہن اور بھائیوں کا ہے ان کے قد نہیں بڑھتے اس کا بھی کوئی علاج بتائیں اور تیسرا مسئلہ میری دوست کا ہے اس کے چہرے پر دانے نکلتے ہیں اس کا بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ HAIR GROWER کا استعمال جاری رکھیں مزید 4 بوتل کے استعمال سے آپ کے بال لمبے گھنے اور مضبوط ہوں گے قد بڑھانے کے لیے CALC PHOS-6X کی چار چار گولی تینوں وقت روزانہ کھانے سے پہلے کھایا کریں اس کے علاوہ BARIUM CARB-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن دیں اور چہرے کے دانوں کے لیے GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

بلال احمد حاصل پور سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتا دیں میں بڑی امید سے آپ کو خط لکھ رہا ہوں اچھی سی دوا تجویز کر دیں۔

محترمہ آپ AGNUS CAST-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ پیا کریں۔

سدرہ عباس گجرات سے لکھتی ہیں کہ بڑی ہی امید کے ساتھ خط لکھ رہی ہوں میرے ساتھ تین مسائل ہیں مجھے کسی نے کہا ہے ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کرلو تمہارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر جھائیاں ہیں کریم لگاتی رہوں تو چھپی رہتی ہیں اگر دودن کریم نہ لگاؤں تو فوراً ابھرتی ہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر دانے نکلتے ہیں سرخ رنگ کے موٹے جو داغ چھوڑ

جاتے ہیں۔ تیسرا مسئلہ میری اسکن صاف ستھری ہو جائے تین ماہ بعد میری شادی ہے پلیز دوا بتا دیں۔ محترمہ آپ BERBARIS AQUIF-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور GRAPHITES-200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن ایک مرتبہ پیا کریں۔

وسیم سجاد اٹک سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتا دیں دوسرا میری کزن کا مسئلہ ہے سر میں خشکی ہے بال بہت گر رہے ہیں اس کے علاوہ اس کے چہرے پر بھی بال ہیں اس کا علاج بتا دیں۔

محترمہ آپ AGNUS CAST-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ پیا کریں۔ مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے نام پتے پر ارسال فرمائیں ہیئر گر وور آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے خشکی ختم ہو جائے گی بالوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتہ۔
صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر 14-B، نارتھ کراچی 75850
خط لکھنے کا پتہ

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس 75 کراچی۔



گاکی باتیں

حنّا احمد

قربانی کی اہمیت:-

ایام قربانی میں قربانی ایسی نیکی ہے جس کا کوئی اور بدل نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

”ایام قربانی (دس تا بارہ ذی الحجہ) میں انسان کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی کے جانور کا خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور قیامت کے روز قربانی کا یہ جانور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے سینگوں بالوں اور کھروں سمیت حاضر ہوگا اور بلاشبہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مرتبہ قبولیت پالیتا ہے تو (اے مومنو!) خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کے موقع پر امت کو بھی یاد فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کالے سینگوں والا مینڈھا قربانی کے لیے منگوایا اور فرمایا۔ ”عائشہ! چھری لاؤ۔“ پھر فرمایا۔ ”اے پھر پر رگڑ کر تیز کرو۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈھے کو لٹایا اور فرمایا۔ ”اللہ کے نام سے اے اللہ! تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قبول فرما۔“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ذبح کر دیا۔

ایک ہی قربانی میں پوری امت کو شریک کرنا یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب کے لیے قربانی کرنا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی پسندیدہ امر ہے (واللہ اعلم بالصواب)

قربانی کا گوشت اور خواتین

قربانی کے بعد گھر کی خواتین کا کام شروع ہو جاتا ہے گوشت کی تقسیم اور حفاظت کے لیے کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس دوران انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا

پڑتا ہے سب سے پہلا مرحلہ تو قربانی کے گوشت کی تقسیم کا ہوتا ہے۔

گوشت کے حصے بنانے میں خواتین کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ خواتین کو چاہیے کہ قربانی کے گوشت کی تقسیم میں بھی انصاف اور عدل سے کام لیں اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں اصول سے کام لیں۔ قربانی کے گوشت کے تین حصے برابر کریں اور تقسیم کا عمل اسی طرح کریں جو اسلام نے ہمیں بتایا ہے۔ ایک حصہ اپنے لیے رکھ لیں دوسرا حصہ غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیں تیسرا حصہ رشتہ داروں اور احباب و عزیزوں میں تقسیم کر دیں۔ کسی کو کم نہ کسی کو زیادہ دیں کیونکہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ گوشت دینے کا طریقہ درست نہیں۔ گوشت کی تقسیم کا سلسلہ عید کے پہلے روز زیادہ ہوتا ہے خواتین تو کافی مصروف رہتی ہیں گوشت کو تقسیم کرتا آئے ہوئے گوشت کو محفوظ کرنا اور گھر والوں کے لیے گوشت کی ڈشز بنانا بس یوں سمجھئے کہ عید کی خوشیوں کو دوبالا کرنے میں خواتین کا حصہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

بقر عید جیسے قریب آتی ہے اس کی تیاریوں میں اضافہ اور جوش و خروش بڑھتا چلا جاتا ہے۔ عید کی تیاریوں کے اعتبار سے ہر کوئی اپنی سی کوشش ضرور کرتا ہے۔ ان تیاریوں میں خواتین کی تیاریاں سب سے زیادہ ہوتی ہیں کیونکہ انہیں عید کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ گھریلو امور بھی خوش اسلوبی اور ذمہ داری سے انجام دینے پڑتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی مصروفیات بھی زیادہ ہوتی ہیں بلکہ قربانی کے بعد تو صرف اور صرف خواتین کی مصروفیات رہ جاتی ہیں۔

ساتھ ساتھ مہمانوں عزیز و اقارب کی آمد و رفت بھی جاری رہتی ہے۔ ان کی خاطر تو وضع بھی خواتین کی ہی ذمہ داری ہوتی ہے۔ سمجھ دار خواتین عید کی آمد سے قبل ہی بہترین منصوبہ بندی کر لیتی ہیں جس کے بہتر نتائج عید کے مصروف ترین دن میں سامنے آتے ہیں مثلاً پورے گھر اور کچن وغیرہ کی مکمل صفائی تمام ضروری اشیاء کی خریداری وغیرہ وغیرہ۔ عید کے دن استعمال میں آنے والے برتن دستر خوان تو لیے وغیرہ نکال لیں گوشت تقسیم کرنے اور محفوظ کرنے کے لیے پلاسٹک کی تھیلیاں پہلے سے خرید کر رکھ لیں ان ضروری امور کی بہ احسن انجام دہی میں خواتین کی

سلیقہ مندی اور سکھڑ پن نظر آتا ہے۔ یہ درست ہے کہ عید کے دن ہر گھر میں کاموں کا ڈھیر ہوتا ہے لیکن ان مناسب منصوبہ بندی اور سلیقہ مندی کے ساتھ ان کاموں سے آسانی بننا جاسکتا ہے۔

درحقیقت سارا مسئلہ وقت اور تمام کاموں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کا ہے یعنی خواتین اپنے گھریلو کاموں کی اس طرح منصوبہ بندی کریں کہ ہر کام مناسب طریقے سے ہو اور کسی دوسرے کام میں خلل نہ پڑے یہی سلیقہ مند خواتین کا سارا کمال ہوتا ہے۔

بقر عید اور کچن

کچن کی اصل رونق خواتین سے ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ اگر عورت کا سلیقہ دیکھنا ہو تو اس کے باورچی خانے کو دیکھ لو اور حقیقت ہے کہ عورت ہی گھر کے باورچی خانے کو آباد کرتی اور آباد رکھتی ہے اور بات اگر عید بلکہ بقر عید کی ہو تو خواتین کا زیادہ تر وقت باورچی خانے میں ہی گزرتا ہے۔

بقر عید کے موقع پر چونکہ ہر گھر میں گوشت کی فراوانی ہوتی ہے اس لیے خواتین کی زیادہ توجہ اور دلچسپی گوشت کے مختلف اقسام کے پکوان تیار کرنے میں ہوتی ہے۔

لہذا سکھڑ خواتین اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتی ہیں اور گوشت کی موجودگی کی وجہ سے وہ طرح طرح کے نت نئے چٹ بٹے اور مزے دار کھانے تیار کرتی ہیں جو عید قرباں کی رونقوں کو دو بالا کر دیتے ہیں۔

عید قرباں کے خصوصی پکوانوں کی تیاری میں استعمال ہونے والے لوازمات اگر عید سے ایک دن پہلے تیار کر لیے جائیں تو خواتین عید کا سارا دن کچن میں نہ گزاریں بلکہ انہیں بقر عید کی خصوصی ڈشز نہایت کم وقت میں بنا کسی اضافی جھنجھٹ کے تیار کرنے میں سہولت مل جائے گی مثلاً پہلے سے یہ طے کر لیا جائے کہ عید کے دن کیا پکانا ہے اکثر گھرانوں میں سب سے پہلے کچنی پکائی جاتی ہے لہذا کچنی کے لحاظ سے مصالحہ جات تیار کر لیں اسی طرح دوسرے کھانوں کی تیاری کے حساب سے مصالحہ جات تیار کریں تو بڑی آسانی رہے گی۔

جیسے ایک دو روز قبل پیاز تیل میں سرخ کر لیں یعنی بگھار تیار کر کے رکھ لیں، ٹھنڈا ہونے پر صاف اور ہوا بند پولی تھین میں رکھ لیں۔ اور ک، لہسن کا پیسٹ تیار کر کے

صاف بوتل میں رکھ کر فریج میں رکھ لیں، یہ پیسٹ تقریباً ہر کھانے میں استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کی تیاری سے سہولت حاصل ہوگی۔ پودینہ دھو کر پتیاں خشک کر لیں اور اسے ٹماٹر، مرچیں اور ہرے دھنیے کی طرح خاکی کاغذ میں رکھ کر فریج میں رکھ دیں۔

عید قرباں کے موقع پر چونکہ پکوانوں میں فقط گوشت ہی استعمال ہوتا ہے اس لیے ان باتوں کا خیال رکھیں کہ گوشت خوب اچھی طرح سینک کر یا ابال کر کھائیں۔ وہی سلاد پیاز، پودینے اور لیموں کا زیادہ استعمال کرنے سے گوشت کے مضر اثرات کو روکا جاسکتا ہے۔ باری کیو پکوانوں کو خوب اندر تک، گلا کر استعمال کریں ورنہ تیزابیت کی شکایت ہو سکتی ہے۔

تازہ قربانی کے گوشت کو بہت کم گھی یا تیل میں پکائیں کیونکہ یہ بالکل تازہ گوشت ہوتا ہے جو تیزی سے گل بھی جاتا ہے اور اس میں قدرتی روغن بھی وافر مقدار میں موجود ہوتا ہے لہذا اضافی چکنائی کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی بلکہ اس کی اضافی شمولیت صحت پر مضر اثرات مرتب کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔

گوشت کے ساتھ اگر سبزیاں اور سلاد کھائیں تو اس کے مضر اثرات میں کمی واقع ہوتی ہے۔ گوشت کے ہر پکوان میں لیموں کا رس ضرور استعمال کریں۔

لیموں بے حد مفید پھل اور گوشت کے ساتھ لیموں کا رس بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

تھوڑی سی احتیاط سے عید قرباں کی خوشیوں کو صحیح طریقے سے انجوائے کیا جاسکتا ہے اور بقر عید کی رونقوں اور اس موقع پر خصوصی طور پر تیار کیے جانے والے چٹ بٹے اور مزے مزے کے پکوانوں کا صحیح لطف اٹھایا جاسکتا ہے۔



آنچل کے سنگ

حنا کے رنگ



READING
Section



Section

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1



READING
Section

